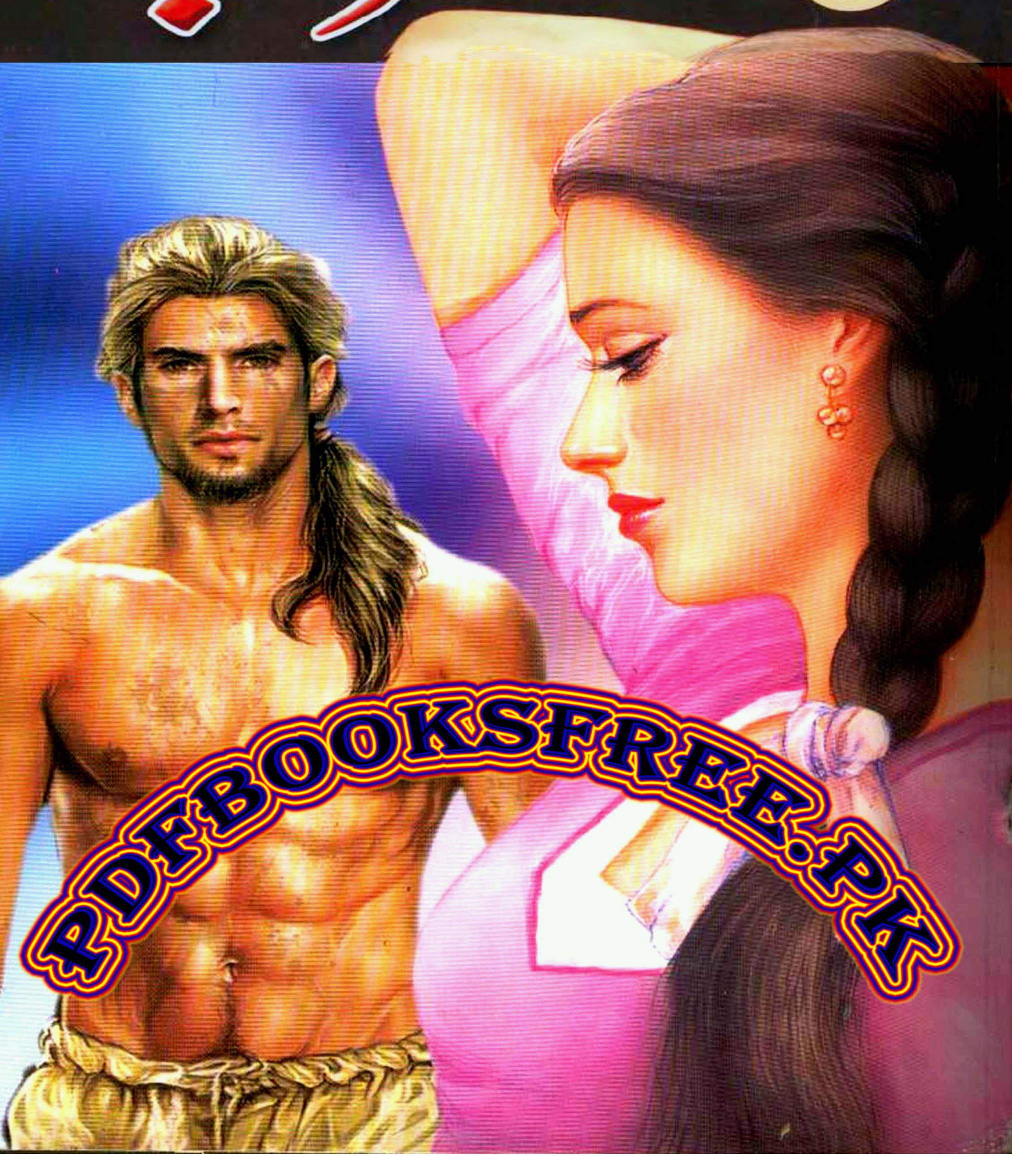
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

7

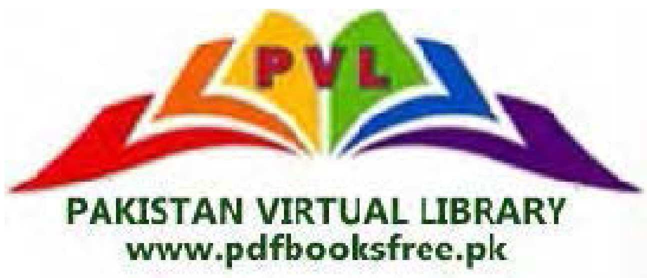


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

سراب

ساتواں حصہ

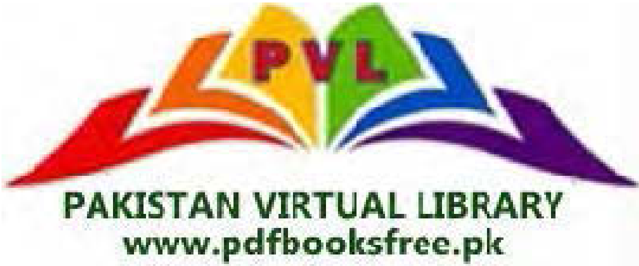
کاشف زبیر



علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ،اردو بازار،لاہور۔فون:37247414

باراشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر



ISBN 978-969-517-320 0

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 0NR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

میں واپس اپنے حصے کی طرف روانہ ہو گیا لیکن ابھی نصف راستے میں تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور زمین میرے پیرون تلے لرز گئی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے راکٹ مارا ہو یا کوئی گولہ داغ دیا ہو۔ فوراً ہی غار لوگو کے شور اور جوابی فائرنگ سے گونج اٹھا تھا۔ میں تیزی سے بھاگا۔ معرکہ شروع ہو گیا تھا اور کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے راستے میں مجھے کوئی نہی ملا تھا۔ غار والے حصے میں، میں نے پہلے سن گن لینے کی کوشش کی اور مرتے مرتے بچا کیونکہ پہرے پر موجود شخص وہا سے نکلا تھا۔ مجھے رائفل بدست دیکھ کر اس کا منہ کھلا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر فائر کھول دیتا میں نے اپنی رائفل کا دستہ گھما کر اس کے سر پر مارا۔ ضرب سخت تھی۔ وہ فوراً سے بیشتر بے ہوش ہو گیا۔ میں اسے بھی کھینچ کر اندر لے گیا۔ بیتو اور وسیم جاگ گئے تھے۔ وسیم میرے کہے بغیر حرکت میں آیا اور اس نے لپک کر بے ہوش پہریدار کی رائفل اٹھائی۔ اس کی تلاشی لے کر میگزین اور دوسری چیزیں نکلال لیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

"سادھنا کہاں ہے؟"

"میں اسے چھجے تک پہنچا آیا ہوں۔ اگر ہم پھنس گئے تو وہ نکل سکتی ہے۔" میں نے بتایا۔ "اب دیر مت کروان لوگوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہمیں جھیل میں اتر جانا ہے۔"

وسیم نے رائفل کا معائنہ کیا اور سر ہلایا۔ "یہ بہتر ہے اب ہم راستہ صاف کر سکیں گے۔"

"لیکن کوشش کرنا کسی کو اشد ضرورت کے بغیر مت مارنا۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ ہم باہر نکلے تھے کہ سامے سے دو گوریلے نمودار ہوئے اور ہمیں دیکھتے ہی وہ ایک طرف آڑمی ہو گئے۔ می اور وسیم بھی تیزی سے واپس آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے برسٹ مارا تھا اور ہم بال بال بچے تھے۔ ابھی ہم کو دو سرنگیں عبور کرنا تھیں اور ہم پہلی می ہی پھنس گئے تھے۔ جتنی دیر ہوتی جاتی ہمارے نکلنے کے امکانات اتنے ہی کم ہوتے جاتے۔ می سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں سے کس طرح نمٹا جائے۔ وسیم مجھے دیکھ رہا تھا اس ے کہا۔

"جناب اب اس طرح کام نہیں چلے گا جتنی دیر ہو گی ہم پھنستے جائیں گے۔"

"وسیم اس میں بہت خطرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہمیں خطرہ مول لینا ہو گا جناب۔" اس نے جواب دیا اور اچانک ہی آگے کی طرف دوڑا ساتھ ہی وہ فائر بھی کرتا جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔ جہاں گوریلے چھپے تھے وہاں پہنچتے ہی وسیم زمین پر گر گیا اور زمین پر

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول

سوداگر

ایک [illegible] تحیر آمیز سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اردو بازار، لاہور
فون: 37247414
publications@yahoo.com

گھومتے ہوئے فائر جاری رکھا۔ اس روز میں نے پہلی بار اس کی مہارت دیکھی تھی۔ بہت تیزی سے حرکت کرنے کے باوجود اس نے بالکل درست نشانہ لیا تھا اور دونوں گوریلے گر گئے۔ گولیاں ان کے پیروں پر لگی تھیں اور ان کی رائفلیں ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا اسلحہ پھر سے اٹھاتے بیتو نے ٹھوکر مار کر ان کی رائفلیں دور کر دیں۔ پھر اس نے پھرتی سے ان کے لباس سے میگزین اور دوسرا اسلحہ بھی نکال لیا۔ اس نے ایک رائفل خود سنبھال لی اور دوسری شانے پر لٹکا لی۔

''شاباش بیتو۔'' وسیم نے کہا۔

''شاباشی کا حق دار تو آپ ہے۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''اتنا زبردست ایکشن کیا آپ نے۔''

''واقعی آج تو تم نے حیران کن کارروائی کی ہے۔'' میں نے بیتو کی تائید کی۔

''اب رکنا نہیں ہے۔'' وسیم بولا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھنا چاہا لیکن میں نے بروقت اسے پیچھے کھینچ لیا۔ سامنے سے کسی نے گولی چلائی تھی جو دیوار پر لگی۔ بیتو نے جوابی فائر کر کے اسے مار گرایا۔

''احتیاط سے۔'' میں غرایا۔ ''ہر قدم دیکھ کر اٹھاؤ۔''

''ہاں وسیم بھائی قسمت بار بار ساتھ نہیں دیتا ہے۔''

اس فائرنگ نے سب کو چونکا دیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ چاروں طرف سے شور مچاتے لوگ ہماری طرف آ رہے تھے۔ ہم محتاط روی سے آگے بڑھنے لگے۔ درمیان میں دو مسلح افراد اور ملے تھے لیکن ان کو ہم نے با آسانی نمٹا دیا۔ اس بار ہمیں ان کو مارنا پڑا تھا کیونکہ ذرا سی تاخیر سے وہ ہمیں مار دیتے۔ اس کے باوجود مجھے افسوس ہو رہا تھا۔ حالات ایسے ہو گئے تھے کہ بلا وجہ ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے اور اس میں سارا قصور نریندر جیسے احمق کا تھا۔ اس کے گوریلوں نے جس طرح ہمیں مارنے کی کوشش کی اور خود مارے گئے اس سے لگ رہا تھا کہ اس نے اپنے آدمیوں کو ہمارے بارے میں واضح حکم دے دیا تھا کہ اگر ہم فرار کی کوشش کریں تو ہمیں شوٹ کر دیا جائے۔ ہمارے لیے جواب دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ بہر حال راستہ صاف کرتے ہوئے اب ہم آبشار والے غار میں تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''پہلے تم لوگ نکلو۔''

''اور آپ؟'' اس نے پوچھا

''میں تم لوگوں کو کور دوں گا۔ ورنہ ہم سب نکل گئے تو اپنا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ وہ پیچھے سے حملہ کریں گے۔''

''لیکن......'' وسیم نے کہنا چاہا۔

''تم جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''پہلے بیتو جائے گا اور اس کے بعد سادھنا، تم ان کی مدد کرو گے۔''

وسیم نے میرے لہجے سے سمجھ لیا کہ میں اس کی نہیں سنوں گا۔ وہ خاموشی آبشار کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے بیتو گیا اور اس کے وسیم گیا۔ مجھے فکر نہیں تھی وہ با آسانی چھجے تک جا سکتے تھے۔ میں غار میں ایک ایسی جگہ مورچہ بنا کر بیٹھ گیا جہاں سے میں آنے والوں کو روک سکتا تھا لیکن وہ بہت چالاک ثابت ہوئے تھے وہ خود سامنے آئے بلکہ ایک دستی بم پھینک دیا۔ میں بال بال بچا تھا کیونکہ بم مجھ سے دور دیوار کی جڑ میں گرا تھا۔ دھماکے نے میرے کان

سن کر دیئے تھے اور سنگ ریزے لگنے سے مجھے معمولی زخم آئے تھے۔ وسیم باہر سے مجھے آواز دے رہا تھا۔ جب وسیم نے خود آکر مجھے جھنجھوڑا تو مجھے پتا چلا کہ وہ آواز دے رہا تھا۔ ویسے آبشار کا شور بھی کم نہیں تھا۔

''یہاں سے نکلیں۔'' وسیم نے کہا۔

''تم جاؤ ان کو نیچے اتارو۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''کس نے تم کو آنے کو کہا تھا۔''

''آپ کم سے کم باہر والی طرف آجائیں۔'' وسیم بولا۔ ''یہاں آپ بالکل غیر محفوظ ہیں۔''

میرا ذہن کام کرنے لگا تھا اور میں سوچا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ''او کے یہاں سے نکلو۔'' میں نے اسے دہانے کی طرف دھکیلا کیونکہ وہ مجھے لیے بغیر جانے کو تیار نہیں تھا۔ ہم دہانے کی طرف آئے وسیم آگے تھا۔

''تم چھجے پر جاؤ۔''

''آپ میرے بعد آجائیں۔'' وہ بولا

''وسیم جاؤ۔'' مجھے پھر غصہ آنے لگا۔ ''یہ میرا حکم ہے۔''

''یس سر۔'' اس نے فوج انداز میں کہا اور دیوار سے چپک کر چھجے کی طرف جانے لگا۔ سادھنا وہاں موجود تھی۔ دھماکے کے بعد وہ پریشان تھی۔ اس وقت بیتو نیچے جا رہا تھا۔ وسیم کی بات مان کر میں جہاں آیا تھا۔ اس طرف میں کسی بم سے محفوظ تھا کیونکہ بم پھینکے جانے کی صورت میں فوراً نیچے چلا جاتا۔ میں نے چلا کر وسیم سے کہا۔ ''بیتو کے نیچے جانے کا انتظار مت کرو سادھنا کو نیچے اتارو۔''

لیکن وسیم پہلے ہی یہ کام کر رہا تھا۔ اس نے جاتے ہی سادھنا کو رسی کی مدد سے نیچے اتار دیا تھا باہر آدھے چاند کی روشنی پھیلی تھی اور سب کچھ تو نہیں لیکن بہت کچھ نظر آ رہا تھا۔ مجھے سادھنا نیچے جاتی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ سے رسی پھسل رہی تھی اور وہ بہت تیزی سے نیچے گئی تھی۔ یہ خوف کا نتیجہ تھا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ پہاڑ سے نہ ٹکرا جائے لیکن ان حالات میں یہ ضروری تھا ہم آرام سے نیچے جانے کا رسک نہیں لے سکتے تھے۔ میری توجہ دہانے کی طرف بھی تھی اور میں ان لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا۔ دوسرا دستی بم دہانے پر گرا اور اسے پانی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ مشکل سے دس گز نیچے جا کر پھٹ گیا تھا۔ پانی کے چھینٹے نیچے تک آئے تھے لیکن بم کے ٹکڑوں سے میں محفوظ رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی فکر تھی کیونکہ نیچے اترتے ہوئے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ بیتو جھیل میں اتر چکا تھا اور سادھنا اترنے والی تھی۔ وسیم ابھی تک چھجے پر تھا۔ میں نے اشارے سے اسے بھی جانے کو کہا تو اس نے چلا کر کہا۔

''آپ بھی یہاں آجائیں۔''

''نہیں میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔'' میں جواباً چلایا۔ ''تم نیچے جاؤ۔''

وسیم میرے ساتھ بحث کرنا چاہتا تھا لیکن پھر میرے تیور دیکھ کر اس نے نیچے اترنا مناسب سمجھا۔ اس نے رسی ایک خاص انداز میں اپنے پاؤں میں پھنسائی اور نیچے اترنے لگا۔ میں دوبارہ غار کے دہانے کے قریب آیا تھا۔ مجھے لگا کہ جیسے کوئی میرا نام پکار رہا تھا۔ قریب جانے پر آواز واضح ہوگئی وہ کاسن تھا۔

''شہباز تم میری بات سن رہے ہو۔''

''ہاں۔'' میں چلایا۔ ''لیکن سامنے مت آنا ورنہ میں تم کو شوٹ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

''شہباز وہ سب غلط فہمی کا نتیجہ تھا تم واپس آ جاؤ۔''

''اب میں واپس نہیں آ سکتا۔'' میں نے کہا۔''کیا نریندر کا خیال بدل گیا ہے؟'' میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

''میں باہر آ رہا ہوں اور میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔'' کاسن بولا۔ اس کے فوراً بعد وہ نمودار ہوا تھا۔ میں نے رائفل اس کی طرف کر دی تھی اور میری انگلی لبلبی پر تھی۔

''بس وہیں رک جاؤ۔'' میں نے کہا۔''آگے مت آنا۔''

کاسن نے نیچے دیکھا۔''شہباز یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔ اس موسم میں جھیل کا پانی منفی درجہ حرارت والا ہوتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن مجھے اس راستے سے گزرنے پر تم لوگوں نے مجبور کیا ہے۔''

کاسن کچھ دیر سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے بتایا۔''نریندر مر چکا ہے۔ بننے والے حصے میں ایک گولہ آ کر لگا تھا۔ ہمارے زیادہ تر ساتھی مارے جا چکے ہیں۔''

''کام کی بات کرو، میرے پاس وقت کم ہے۔''

کاسن کا رویہ کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ وہ دیوار سے چپک کر کھڑا تھا اور مجھ سے نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔''میں چاہتا ہوں کہ تم واپس آ جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے میرے ساتھی جا چکے ہیں اور مجھے بھی جانا ہے۔ اگر تم رکاوٹ بنو گے تو مجبوراً مجھے تمہارے خلاف بھی حرکت میں آنا پڑے گا۔''

کاسن نے نیچے دیکھا۔''ان کو واپس لایا جا سکتا ہے۔ تم ایک بار مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھو۔''

کاسن تمہارے الفاظ اب بے کار ہیں۔ تمہارے جتنے ساتھیوں سے ہمارا سامنا ہوا انہوں نے ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی اور اب یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تم پر اعتبار کریں۔''

''تو تم نیچے جانا چاہتے ہو۔''

''ہاں میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

کاسن نے اچانک عجیب سی حرکت کی، اس نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں جھیل میں چھلانگ لگا دوں۔ میں نے بھی اشارے سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا۔ اس نے دوبارہ شدت سے وہی اشارہ کیا۔ اسی لمحے کاسن کے عقب میں کسی کے چلانے کی آواز آئی اور میں نے کاسن کو مڑ کر کسی سے بات کرتے دیکھا۔ اس کے فوراً بعد فائرز ہوئے اور میں نے کاسن کو آبشار کے پانی کے ساتھ نیچے جاتے دیکھا۔ ایک خطرے کے احساس کے ساتھ میں تیزی سے چھجے کی طرف جانے لگا۔ کاسن کو اس کے ساتھیوں نے گولی ماری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ استعمال کر کے مجھے واپس بلانا چاہتے تھے اور جب کاسن نے چپکے سے مجھے اشارہ کر کے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسے پشت سے گولی مار دی۔

چھجے کی طرف جاتے ہوئے میرے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے ہاتھ سے میں رخنوں کو پکڑ کر آگے جا رہا تھا۔ یہ بہت ہی مشکل کام تھا میں ایک لمحے کو رائفل نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ابھی میں درمیان راستے میں تھا کہ دہانے کی طرف سے ایک گوریلا نمودار ہوا۔ میں نے اسے پہچان لیا وہ میرے ہاتھوں مارے جانے والے

جوگندر کا بھائی تھا۔ شاید اسی نے کاسن کو عقب سے گولی ماری تھی اور اس وقت وہ غیض وغضب کی تصویر بنا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی رائفل سیدھی کی لیکن میں نے پہلے گولی چلا دی۔ اس کا بازو زخمی ہوا تھا کیونکہ وہ چیخ مار واپس پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کے بازو سے اڑتے خون کے چھینٹے صاف دکھائی دیئے تھے۔ مجھے ایک لمحے کی دیر ہوتی تو اس نے مجھے شوٹ کر دینا تھا۔ اب مجھے تیزی سے اس جگہ سے نکلنا تھا اور میں نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر چھجے کی طرف جانا شروع کیا۔ میں درمیان میں تھا اور یہاں بہت آسانی سے مارا جاتا۔ دو جستوں میں چھجے تک کا فاصلہ طے کر کے چھجے پر آتے ہی میں دیوار سے چپک گیا۔ یہاں مجھے نشانہ بنانا اتنا آسان نہیں تھا۔

کاسن کے مارے جانے کا مجھے دکھ تھا اس نے میری جان بچانے کی کوشش میں جان دے دی تھی۔ نہ جانے یہ نریندر کی چال تھی یا جوگندر کا بھائی از خود میرا دشمن ہو رہا تھا اور اس نے کاسن کی مدد سے مجھے شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید دونوں باتیں درست تھیں وہ لوگ کاسن کو گن پوائنٹ پر یہاں تک لائے تھے اور اس کی مدد سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو واپس لے جانا چاہتے تھے۔ ممکن ہے نریندر کو بہکانے میں بھی جوگندر کے بھائی کا ہاتھ ہو اور کاسن نے میری حمایت کی ہو تو وہ بھی ان لوگوں کا معتوب ہو گیا تھا۔ نریندر بہت چھوٹے ذہن کا آدمی نکلا تھا۔ اس نے حکومت کے خلاف لڑ کر اپنے آدمیوں کی جان بلاوجہ گنوائی تھی اور بلاوجہ ہی میرا دشمن ہو گیا تھا۔

غار کے دہانے کی طرف سے ان لوگوں کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ دو بار کسی نے اندر سے ہاتھ نکال کر میری طرف برسٹ بھی مارا تھا لیکن میں اس جگہ محفوظ تھا۔ جب تک کوئی دہانے سے ایک خاص حد سے آگے آ کر فائر نہیں کرتا میں محفوظ ہی رہتا لیکن میں اس سے آگے نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں، مَیں فوری طور پر ان لوگوں کی زد میں آ جاتا اور کئی افراد کی فائرنگ سے صرف فلمی ہیرو بچ سکتا تھا میں نہیں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں براہِ راست جھیل میں چھلانگ لگا دیتا اور اس میں اتنی تیزی سے نیچے جاتا کہ فائرنگ سے بچ جانے کے امکانات تھے لیکن اس صورت میں جھیل میں موجود پتھروں سے کیسے بچتا۔ میں نے ذرا کنارے سے نیچے دیکھا مجھے وسیم، بیتو اور سادھنا نظر نہیں آ رہے تھے وہ شاید پانی سے نکل کر کسی کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ نیچے جھانکنے کے دوران میں اس طرف کی ڈھلان اس قابل نظر آئی تھی کہ میں اسے پکڑ کر نیچے اتر سکتا تھا اور اس طرح دہانے کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے محفوظ رہتا لیکن اس میں خطرہ یہ تھا کہ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ میں چھجے پر نہیں ہوں تو وہ آرام سے چھجے تک آ کر مجھے شکار کر سکتے تھے۔ حالات سے ایسا لگ رہا تھا کہ میں پھنس گیا ہوں۔ ایک بار پھر دہانے کی طرف سے برسٹ آیا اور گولیاں مجھ سے کچھ دور ہی سے گزری تھیں۔ دہانے کے اندر موجود گوریلے بے تاب تھے اور اپنے اصل دشمن کو بھول کر مجھے شکار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ میرے لیے یہاں سے نکلنا مشکل ہوتا جا رہا تھا کیونکہ فوج شاید اندر آنے والی تھی اور اس صورت میں میرے دشمنوں میں اضافہ ہو جاتا۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا اور جلدی کرنا تھا۔ ورنہ میں اسی جگہ مارا جاتا۔ میں نے چھجے سے ایک پتھر اٹھا کر دہانے کی طرف پھینکا تو ان لوگوں نے بھڑک کر فائرنگ کی تھی۔ پھر کسی نے اندر سے دستی بم پھینکا لیکن وہ چھجے کے بجائے نیچے گرتا چلا گیا اور راستے میں پھٹ گیا۔ میں نے دل میں ان لوگوں کو بے نقط سنائیں جو فوج اور پولیس کو اس طرف متوجہ کر رہے تھے۔

''ملک صاحب یہاں سے نکلنا ہی ہو گا۔'' میں نے خود سے کہا اور پتھر سے بندھی رسی کو کھولنے لگا۔ رسی

کھول کر میں نے اس کا لچھا بنا کر شانے پر ڈالا اور پھر رائفل شانے اور بغل کے درمیان میں ٹانگ لی تا کہ اس کے گرنے کا کوئی امکان نہ رہے۔ ڈھلان ترچھی تھی اور اس پر اترنا اتنا بھی آسان نہیں تھا۔ خاص طور سے شانوں سے لٹکی چیزوں کے ساتھ لیکن اترنا تو تھا۔ میں پتھروں کو تھامتے ہوئے نیچے جانے لگا۔ میرا ارادہ تھا کہ کسی محفوظ جگہ جا کر رسی باندھ کر اس کی مدد سے نیچے اتروں گا۔ جہاں میں دہانے میں موجود گوریلوں کی نظر سے محفوظ رہوں۔ سردی کی وجہ سے پتھر جیسے برف کے بنے ہوئے ہو رہے تھے اور میرے ہاتھ سن ہونے لگے تھے۔ ایک بار میرے بائیں ہاتھ کی گرفت ختم ہوئی تو میں گرتے گرتے بچا۔ اگر میں فوراً ہی دائیں ہاتھ سے ایک پتھر نہ پکڑ لیتا تو اب تک جھیل میں گر چکا ہوتا۔ میں خاصا نیچے آ گیا تھا لیکن مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی تھی جہاں میں رسی باندھ کر نیچے اتر سکتا۔ اچانک اوپر سے کوئی پتھر لڑھکا اور میں نے اوپر دیکھا۔ چھجے پر کوئی آ گیا تھا۔ پھر اس کے کنارے سے جوگندر کے بھائی کا چہرہ نمودار ہوا اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ دہک رہی تھی اور وہ زخمی ہونے کے باوجود اسی آگ کے سہارے یہاں تک چلا آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ نمودار اور اس نے کہا۔

''میرے بھائی کے قاتل اب بچ کر دکھاؤ۔''

اس نے رائفل کا رخ میری طرف کیا تھا اور میرے پاس بچنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ میں نیچے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ میرے کانوں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔ اور مجھے لگا جیسے میرے بائیں پہلو میں کوئی دہکتا انگارہ گھس گیا ہو اور مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

تکلیف کی شدت نے مجھے عارضی طور پر ہوش و حواس سے بیگانہ ضرور کیا تھا لیکن جھیل کے یخ بستہ پانی نے میرے لیے لخلخہ کا کام کیا تھا اور مجھے فوری ہوش آ گیا تھا۔ میں اوپر سے گرنے کے زور میں پانی کی تہہ میں بیٹھتا جا رہا تھا اور اگر ہاتھ پاؤں مار کر جلد اوپر نہ آتا تو ہمیشہ کے لیے بیٹھ جاتا کیونکہ میرے پھیپھڑے ہوا سے خالی تھے اور آکسیجن کے لیے کسی ضدی بچے کی طرح مچل رہے تھے۔ حواس بحال ہوتے ہی میں نے ہاتھ پاؤں مارے اور سطح کی طرف آنے لگا۔ جیسے ہی میرا سر پانی سے باہر آیا میں دیوانہ وار سانس لینے لگا تھا۔ ساتھ ہی میرے ہاتھ اپنے پہلو کو ٹٹول رہے تھے جہاں شاید گولی لگی تھی۔ یخ پانی نے عارضی طور پر زخم کو سن کر دیا تھا اور اس وجہ سے مجھے تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اوپر کی طرف دیکھا لیکن آبشار کے گرتے پانی کی دھند میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیچے سے غار کا دہانہ نظر نہیں آ رہا تھا اور یہ اطمینان بخش بات تھی اگر دہانہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا تو لازمی بات تھی میں بھی دہانے سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

یہ جھیل نہیں تھی بلکہ صدیوں سے گرتے پانی نے اس جگہ ایک گڑھا سا بنا دیا تھا جس میں پانی بھرا رہتا تھا اس میں جا بجا چٹانیں تھیں اور یہ خدا کا کرم تھا کہ میں کسی ایسی جگہ نہیں گرا جہاں چٹانیں تھیں ورنہ میرے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے ساتھی کہاں تھے لیکن میں نے قریب ترین کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ پانی کا درجہ حرارت یقیناً منفی میں تھا اور میں کچھ دیر اور اس میں رہتا تو منجمد ہو کر مر جاتا۔ رسی کے لچھے اور رائفل کے ساتھ یہ آسان کام نہیں تھا لیکن میں ان میں سے کوئی چیز چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ جانے کہاں آگے ان کی ضرورت پڑ جائے۔

تیرنے کے دوران میں اپنے زخم کی سنگینی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کنارہ مجھ سے کچھ ہی دور تھا اور پانی کا زور مجھے کھینچ کر نہ لے جا رہا ہوتا تو میں ذرا آسانی سے وہاں پہنچ جاتا لیکن بہاؤ کی وجہ سے مجھے بہت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اچانک میرے کانوں نے سادھنا کی آواز سنی۔

''شوبی تم کہاں ہو؟''

آواز اسی کنارے سے آئی تھی۔ لازمی بات تھی میرے ساتھیوں نے بھی اسی طرف کا رخ کیا تھا۔ ''میں یہاں ہوں؟'' میں نے چلا کر کہا۔ فوراً ہی کنارے کی طرف سے ایک ٹارچ کی روشنی لہرائی۔ یہ بیتو تھا۔ میں نے رسی کا لچھا گھما کر اس کی طرف پھینکا تو اس نے اسے پکڑ کر مجھے کنارے کھینچ لیا۔ میں بمشکل اس چکنے کنارے سے اوپر آیا۔ وسیم ذرا دور تھا۔ اور اپنے کپڑے نچوڑ رہا تھا سادھنا ایک طرف سردی سے کانپ رہی تھی۔ میں پانی سے نکلا تو بے ساختہ پہلو میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ میری کراہ نکلی تو وسیم چونک گیا۔ وہ تیزی سے میرے پاس آیا۔

''آپ زخمی ہیں؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے گولی لگی ہے۔ جوگندر کا بھائی آ گیا تھا۔ انہوں نے کاسن کو استعمال کیا تھا۔ اس کی مدد سے مجھے واپس لے جانا چاہتے تھے لیکن اس نے مجھے بھاگ جانے کا اشارہ کیا تو انہوں نے اسے بھی گولی ماردی۔''

جب تک میں وسیم کو بتا رہا تھا اس نے مجھے زمین پر لٹا کر جیکٹ اور پھر اندر کے کپڑے اوپر کیے اور زخم دیکھنے لگا۔ تکلیف پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہو رہی تھی۔ وسیم ٹارچ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''زخم ذرا بڑا ہے لیکن گولی نکل گئی ہے۔''

میں نے شکر ادا کیا کیونکہ گولی اندر ہوتی تو یہ ایک اور مصیبت ہو جاتی۔ اصل میں گولی پہلو کو چھوتی، ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔ اس نے پہلو پر ایک لمبا سا زخم ڈال دیا تھا۔ سرد پانی نے خون روک دیا تھا لیکن تکلیف اب کم نہیں ہو رہی تھی۔ وسیم نے ایک شرٹ کا ٹکڑا پھاڑ کر پٹی باندھ دی۔ یہ بیتو کی وہی شرٹ تھی جس سے پٹیاں پھاڑی جاتی رہی تھیں۔ اس دوران میں سادھنا اور بیتو نے جھاڑیوں کی آڑ لے کر اپنے کپڑے نچوڑ لیے تھے۔ میں نے بھی اتارے بغیر جہاں تک ممکن ہوا کپڑے نچوڑ لیے۔ ابھی ہمیں دشمنوں کی فکر نہیں تھی کیونکہ اس طرف آنے میں ان کو وقت لگتا۔ اس وقت تک ہم یہاں سے دور جا چکے ہوتے۔ ہمارا اسلحہ پانی میں بھیگ چکا تھا اور اس کی کارکردگی مشکوک ہو گئی تھی۔ عین ممکن تھا یہ بہ وقت ضرورت چلنے سے انکار کر دیتا۔

میرا زخم پسلی سے ذرا نیچے تھا اس لیے سانس لینے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ اچھی بات یہ تھی کہ خون رک گیا تھا۔ ہم یہاں رک نہیں سکتے تھے اس لیے پٹی ہوتے ہی میں کھڑا ہو گیا لیکن جب میں نے چلنا شروع کیا اور پیٹ کے عضلات پر زور آیا تو درد کی شدت بڑھ گئی تھی۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''میں آپ کو سہارا دیتا ہوں۔''

''نہیں تم سامان لے لو، میں بیتو کا سہارا لے لوں گا۔''

وسیم کا قد چھ فٹ تھا اور اس کا سہارا میرے لیے ذرا مشکل ہوتا۔ بیتو پستہ قد تھا اس لیے مجھے آسانی رہتی۔ میں نے آسانی سے اس کے شانے کے گرد اپنا بازو حائل کر دیا تھا۔ وہ مجھے سہارا دے کر چلنے لگا۔ ندی کے کنارے ذرا ہموار زمین تھی اور ہم اسی پر سفر کر رہے تھے۔ بلندی سے کھٹمنڈو کی روشنیاں نظر آتی تھیں لیکن اس جگہ

سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا بس ایک سمت کا احساس تھا کہ کھٹمنڈو اس طرف ہے۔

سادھنا اور وسیم ایک ساتھ چل رہے تھے وسیم نے سامان اٹھا لینے کے ساتھ اسے بھی سہارا دے رکھا تھا۔ شاید یخ بستہ پانی نے اس کے حواس بھی گم کر دیئے تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس نے میرا حال بھی دریافت نہیں کیا تھا۔ پھر اچانک ہی چونک کر بے تابی سے میری طرف آئی۔ ''شوبی کیا ہوا ہے تمہیں...... گولی لگی ہے؟''

''نہیں چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اللہ نے بچت کر دی۔''

''تکلیف زیادہ ہو رہی ہے؟''

''نہیں معمولی سی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''رکو مت چلتی رہو ابھی ہم خطرے کی حد میں ہیں۔''

''ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''کھٹمنڈو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن ابھی اس جگہ سے نکلنا ضروری ہے۔''

وسیم نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ ''اگر وہ لوگ بھی ہماری طرح جھیل میں اتر جائیں تو ہمارے پیچھے آ سکتے ہیں۔''

''اتنے یخ پانی میں اترنے کی کوشش کوئی احمق نہیں کرے گا۔'' سادھنا نے کانپتے لہجے میں کہا۔

''سوائے ہمارے۔'' بیتو بولا۔ اس کی شوخی بھی گم ہو گئی تھی۔

گیلے کپڑے ہمارے جسم کی حرارت چوس رہے تھے اور اگر ہم چل نہ رہے ہوتے تو اب تک ٹھنڈے پڑ چکے ہوتے۔ نہ ہم کہیں رک سکتے تھے اور نہ آگ جلا سکتے تھے۔ آگ جلانے کے لیے ہمارے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ ہماری عافیت اسی میں تھی کہ جلد از جلد اس جگہ سے دور نکل جائیں اور کہیں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کریں لیکن مسئلہ یہ بھی تھا کہ یہاں آس پاس کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ چاند کی روشنی میں صرف جنگل اور پہاڑ تھے۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ پہاڑوں میں تو لوگ اس جگہ آباد ہونا پسند کرتے ہیں جہاں پانی پاس ہو اور یہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔

ہم چلتے رہے اور کوئی دو گھنٹے بعد ہمارے کم سے کم اندر کے کپڑے خشک ہو گئے تھے۔ اوپر جیکٹیں بھاری اور کسی واٹر پروف میٹریل کی بنی تھیں اس لیے وہ معمولی سی بھیگی تھیں۔ البتہ پتلونیں اور شرٹس ابھی بھی گیلی تھیں۔ مسلسل چلنے سے میرا جسم ٹیون اَپ ہو گیا تھا اور اب میں پہلے کے مقابلے میں بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم مجھے چھوڑ دو اور یہ سامان سنبھال لو۔''

''ہم دونوں کام کر لے گا شوبی بھائی۔'' اس نے پیش کش کی۔

''نہیں۔'' میں نے کہا اور اسے اپنی رائفل اسے تھما دی۔ اور خود ایک لکڑی اٹھا لی۔ ''میں اس کی مدد سے چل سکتا ہوں۔''

وسیم اور سادھنا رک گئے تھے۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں کچھ دیر رک جانا چاہیے ہم خطرے والی جگہ سے دور نکل آئے ہیں۔''

''نہیں چلتے رہو، رکے تو ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔'' میں نے منع کیا۔ ''اس ہمارے پاس سردی سے بچنے

''شوبی میں بہت تھک گئی ہوں۔'' سادھنا بولی۔

میں اس کے پاس آیا۔ ''سادھنا تم تو اس وقت بھی ہمت کر کے سفر کرتی رہی تھیں جن زخمی تھیں آج تم زخمی نہیں ہو۔''

''سوری شوبی۔'' وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''میرا خیال ہے ہم خطرے سے نکل آئے ہیں۔''

''ابھی ہم پہلے سے زیادہ سے خطرے میں ہیں۔'' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''روشنی ہونے تک ہم اس جگہ سے جتنی دور نکل جائیں اتنا اچھا ہوگا۔ اس کے بعد ہم پولیس اور آرمی کے سرچ آپریشن کی نظر میں آ سکتے ہیں۔''

میری بات ان تینوں کی سمجھ میں آ گئی۔ ہم میں سے کوئی پولیس یا فوج کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا۔ سچی بات ہے کہ خود میرا دل بھی چاہ رہا تھا کہ کہیں رک جاؤں اور پھر زمین پر دراز ہو کر لمبی تان کر سو جاؤں لیکن یہ نیند ابدی بھی ہو سکتی تھی کیونکہ سردی تو تھی ہی۔ ساتھ ہی جان کے دشمن بھی پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اگر چہ اس کا امکان کم تھا کہ کوئی ہمارے پیچھے آئے لیکن پھر بھی ہمیں محتاط رہنا تھا۔ جوگندر کا جنونی بھائی زندہ تھا اور اس سے کچھ بعید نہیں تھا مجھے بچتے دیکھ کر اس نے بھی جھیل میں چھلانگ لگا دی ہو۔

مجھے شدت سے دکھ ہو رہا تھا جو لوگ ہمارے دوست تھے وہ ایک بے بنیادسی بات پر ہمارے دشمن بن گئے تھے۔ باوجود اس کے انہوں نے ہمیں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس میں ان کا اتنا قصور نہیں تھا۔ اس قسم کی مزاحمتی تحریکوں کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہاں اختلاف رائے کا مطلب دشمنی ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ ان کے ہمنوا نہیں ہیں تو ان کے دشمن ہیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے آپ کے پاس۔ ہم اسے شدت پسندی سے زیادہ مزاحمتی تحریکوں کا سیلف ڈیفنس سسٹم کہہ سکتے ہیں۔ ان کو دشمن سے لڑنے اور خود کو مضبوط بنانے کے لیے اس قسم کا رویہ اپنانا پڑتا ہے۔ ہتھیاروں سے لڑنے والی مزاحمتی تحریکیں اس قسم کے رویے کا مظاہرہ نہ کریں تو ان کی کامیابی مشکوک ہو جاتی ہے۔

اگر ہم مزاحمتی تحریکوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں ان میں مشترکہ چیز ی شدت پسندی ملے گی۔ شدت پسندی سے مراد وہ تعریف ہر گز نہیں ہے جو آج کل مغرب نے بنا دی ہے۔ یعنی ایک مخصوص حلیہ اور ایک مخصوص مذہب ہی شدت پسندی کا مظہر ہے۔ یہ تو مغرب نے اپنے کرتوت چھپانے اور سارا الزام دوسروں پر تھوپنے کے لیے تیار کی ہے۔ شدت پسندی کی تعریف بہت سادہ ہے۔ اپنے موقف کو طاقت کے زور سے دوسرے پر ٹھونسنا۔ اور دیکھا جائے تو سب سے زیادہ شدت پسند خود مغرب ہے۔ اسرائیل طاقت کے بل پر اپنا ایجنڈہ نافذ کر رہا ہے۔ امریکہ آج کل باس ہے کیونکہ وہ طاقتور ہے۔ اقوام متحدہ کے باڑے میں بندھی بھینسیں اس کی ہیں۔ ممکن ہے چند سال بعد یہ مقام چین کو مل جائے۔ تو امریکہ ہو یا کوئی چھوٹی سی مزاحمتی تحریک ہو۔ کوئی بھی اپنی بات منوانے کے لیے دلیل کا سہارا نہیں لیتا ہے کیونکہ آج کل کے بازار میں دلیل کا سکہ آؤٹ آف ڈیٹ ہے یہاں صرف طاقت کا سکہ چلتا ہے۔ اس لیے سب یہی سکہ استعمال کر رہے ہیں۔ انسانوں کا بے دریغ قتم عام ہو رہا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان میں جو زیادہ اسکور کر رہا ہے وہ امن پسند کا لقب پاتا ہے۔ یعنی سینکڑوں مارنے والا دہشت گرد ہے اور ہزاروں مارنے والا امن پسند اور انسانیت کا علم بردار ہے۔

ہمیں سفر کرتے ہوئے چوتھا گھنٹا تھا جب مشرق کی طرف سے روشنی نمودار ہونے لگی۔ اب ہمیں کہیں رکنا اور چھپنا تھا کیونکہ لازمی بات ہے کہ ہماری تلاش شروع ہو چکی ہوگی۔ اگر نرندر کے ساتھی پکڑے گئے تھے تو وہ ہمارے بارے میں بتا دیتے۔ اگر جوگندر اور اس کے ساتھی بچ نکلے تھے تو وہ بھی ہماری تلاش میں ہو سکتے تھے۔ اگرچہ خود ان کو بھی یہی مسئلہ درپیش تھا جو اس وقت ہمیں تھا یعنی کسی جائے پناہ کی تلاش لیکن وہ ہماری نسبت اس علاقے سے کہیں بہتر واقف تھے۔ اس لیے وہ ہمارے پیچھے تھے تو ہماری نسبت تیز سفر کر سکتے تھے۔

''شہباز صاحب کہیں رکنا ہوگا۔'' وسیم نے میرے پاس آ کر کہا۔ وہ اور سادھنا شاید غلطی سے یا لاشعوری طور پر ہم سے ذرا دور چلے گئے تھے۔

''ہاں لیکن کسی ایسی جگہ جہاں کسی کو شک نہ ہو۔'' میں نے کہا۔

ہم سفر کے دوران ایسی کوئی جگہ تلاش کر بھی رہے تھے لیکن اس جگہ نہ تو ہمیں کوئی چھپا ہوا غار ملا اور نہ کہیں گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں ہم محفوظ رہ سکتے۔ ہر طرف جنگل تھے یا سیدھے آسمان کا رخ کرتے پہاڑ جن پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ ہم اسی ندی کے ساتھ ساتھ سفر کرنے پر مجبور تھے۔ اس طرف آبادی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی یہاں پہاڑ بہت زیادہ ترچھے تھے اور ان پر مکان بنانا آسان نہیں تھا۔ ورنہ دارالحکومت سے پاس ہونے کی وجہ سے یہاں لازمی آبادی ہونا چاہیے تھی۔

آگے ندی کی روانی میں خاصی کمی آ گئی تھی اور میں نے سوچا کہ ہمیں دوسری طرف چلے جانا چاہیے کیونکہ میرے حساب سے کھٹمنڈو اس طرف تھا۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر پتھروں سے ندی عبور کر لی۔ دن کی روشنی تیز ہو گئی تھی اور اوپر پہاڑوں پر دھوپ نظر آنے لگی تھی۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ درختوں اور پتھروں کی آڑ میں رہیں تاکہ دور سے نظر نہ آ سکیں۔ خوش قسمتی سے یہاں جھاڑیاں بہت تھیں۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہمارا دور سے نظر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ البتہ یہاں ایسی پگ ڈنڈیاں تھیں جیسے انسان یہاں سفر کرتے ہوں۔ ان کی مستقل آمد و رفت سے یہ پگ ڈنڈیاں بن گئی تھیں۔ اب ہمیں ہوشیار رہنا تھا۔ آبادی آس پاس ہی تھی۔

اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے پاس ہی دبی ہوئی چھینک ماری ہو۔ میں رکا تو سب رک گئے تھے۔ وسیم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے ایسا لگا ہے کسی نے چھینک ماری ہے۔''

بیتو نے چھینک ماری اور بولا۔ ''ہم نے اب ماری ہے پہلے نہیں ماری تھی۔''

''تب تم نے ماری ہوگی؟'' میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔

''میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ چھینک ماروں لیکن میں ضبط کر رہی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''ایک بار میں چھینک دی تو پھر میری چھینکیں کسی طرح نہیں رکیں گی۔''

اس دوران میں وسیم نے ایک جھاڑی کا معائنہ کر لیا تھا اور مجھے اشارے سے بتایا کہ اس میں کوئی ہے اور وہ پیچھے کی طرف جا رہا ہے۔ میں جھاڑی میں موجود شخص کو ہینڈز اَپ کرا لوں۔ میں نے سر ہلایا تو وسیم پیچھے کی طرف چلا گیا۔ میں نے بیتو اور سادھنا کو پتھروں کی آڑ میں ہونے کو کہا اور خود ایک بڑے پتھر کے پاس ہو کر اپنی رائفل کا رخ جھاڑی کی طرف کر دیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وسیم نے جھاڑی کو عقب سے گھیر لیا تو میں نے چلا کر کہا۔ ''جھاڑی میں جو ہے وہ شرافت سے باہر آ جائے ورنہ میں نے برسٹ مار دیا تو لاش ہی باہر آ سکے

گی۔"

میرے اس اعلان کے فوراً بعد جھاڑی میں ہلکی سی ہل چل ہوئی اور دو منٹ بعد وسیم ایک شخص کو لے کر نمودار ہوا اس کا پستول اس شخص کی گدی پر رکھا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔ کسی قدر سانولے رنگ اور موٹے نقوش کا وہ شخص کوئی چالیس سال کا تھا۔ جسم بھاری تھا اور اس نے اپنی توند کو حد میں رکھنے کے لیے پیٹ سے کس کر باندھ رکھا تھا۔ وہ یوں ہانپ رہا تھا جیسے ابھی ابھی کسی میراتھن ریس سے فارغ ہوا ہے۔

"کون ہو تم؟" میں نے اسے غور سے دیکھا۔ "ان جھاڑیوں میں کیا کر رہے تھے؟"

"اپن منا بھائی ہے۔" اس نے منمنا کر کہا۔

میں بے ساختہ ہنس دیا۔ "ایم بی بی ایس والے یا اس کے بغیر ہی۔"

اس نے نظریں ملانے سے گریز کیا۔ "اس کے بغیر ہی...... پر اپن اصلی منا بھائی ہے۔ سالا جعلی نہیں بنا۔"

"چلو مان لیا تم اصلی تے وڈے منا بھائی ہو لیکن سوال وہی ہے یہاں بمبئی سے کوئی دو ہزار میل دور ان جھاڑیوں میں کیا کر رہے تھے۔"

منا بھائی نے سادھنا کی طرف دیکھا اور پھر چپکے سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ جھاڑی میں بہ غرض آب پاشی گیا تھا۔

"اپن تم کو پولیس سمجھا۔" اس نے کہا۔ "اس لیے چھپ کر بیٹھ گیا پر چھینک نے اکھا راز کھول دیا۔"

میں نے دو باتوں پر غور کیا کہ ایک تو وہ ذرا پرانی بمبئی کی زبان بول رہا تھا اور یہ آج کل کی زبان سے مختلف تھی اور دوسرے وہ بھی پولیس سے چھپ رہا تھا ورنہ پولیس کو دیکھ کر چھپ جانے کی کیا تک تھی۔ میں نے اس سے دوسری بات کی وضاحت چاہی وہ مسکرایا۔

"صاحب اب آپ سے کیا پردہ...... اپن ادھر چھوٹا موٹا مال لاتا لے جاتا ہے۔"

"مثلاً کیسا مال؟" وسیم نے پوچھا۔

"یہی صاحب انڈین ساڑھی، چاول اور دوسرا چھوٹا موٹا سامان، ادھر بلیک میں اچھا قیمت مل جاتا ہے۔"

وہ خالی ہاتھ تھا۔ "تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

اس نے جھاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "صاحب بتایا تو......"

"بکواس مت کرو۔" اس بار میں غرایا۔ "تم اس ویران جگہ یقیناً سوسو کرنے نہیں آئے تھے۔"

"نہیں صاحب اپن تو ادھر سامان دے کر واپس جا رہا تھا۔"

"کہاں جا رہے تھے؟"

"ادھر واپس انڈیا...... نیپال کی سرحد کے پاس ایک چھوٹے سے قصبے میں اپن کا گھر ہے۔ گھر والی ہے اور دو بچہ ہے۔"

"تم کھٹمنڈو سے واپس آ رہے ہو؟" میں نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔

اس نے سر ہلایا۔ "یہ اچ بات ہے صاحب۔"

"گویا تم کھٹمنڈو کا راستہ جانتے ہو؟"

''اکھا جانتا ہے صاحب۔'' اس نے فخر سے کہا۔ ''اپن تو اب آنکھ بند کر کے کھاٹ منڈو پہنچ سکتا ہے۔''

''نہیں اتنی مشکل سے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وسیم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''تم ہمیں آنکھیں کھول کر بھی کھٹمنڈو لے جا سکتے ہو۔''

''اپن......'' وہ بدکا۔ ''اپن کیوں لے جائے؟''

''کیونکہ اپن سب کو آنکھ کھول کر بھی کھٹمنڈو کا راستہ نہیں معلوم ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''اس لیے تم وہاں تک ہماری رہنمائی کرو۔''

''اپن نہیں جا سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اپن کو ایک جگہ اپنی پالٹی پکڑنے کا ہے۔ وہ نکل گیا تو اپن کو اکیلا جانا پڑے گا۔''

''میرے دوست اکیلا جانا کبھی نہ جانے سے بہتر ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے بیوی اور دو بچے ساری عمر کے لیے تمہارا انتظار کرتے رہ جائیں؟'' میں نے کہا۔

''نہیں صاحب۔'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔

''بس تو ہمیں کھٹمنڈو تک پہنچا کر تم واپس جا سکتے ہو۔''

وسیم نے پستول دوبارہ اس کی گدی سے لگائی۔ ''اگر تم نے انکار کیا تو ہمیں تم کو یہیں چھوڑ کر جانا ہو گا لیکن اس صورت میں تمہارے جسم میں کہیں ایک گولی کا اضافہ ہو جائے گا۔''

''اپن کا قصور؟'' اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

''بتایا تو ہے کہ تم کو کھٹمنڈو کا راستہ آتا ہے اور ہمیں بالکل نہیں آتا۔ جب کہ ہمارا ان پہاڑوں سے نکل کر کھٹمنڈو پہنچنا بہت ضروری ہے۔''

''اتنا ضروری جتنا کہ تمہارا اپنے گھر تک پہنچنا ضروری ہے۔'' وسیم نے اسے ڈرانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''تمہارے بیوی بچوں کے لیے۔''

اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہم چاروں ہی دانتوں تک مسلح تھے اور اس کے پاس کچھ نہیں تھا وسیم نے سب سے پہلے اس کی تلاشی لی تھی۔ اس کے پاس صرف ایک پرس تھا جس میں کوئی پچیس ہزار بھارتی روپے تھے۔ ظاہر ہے یہ اس مال کا معاوضہ تھا جو اس نے یہاں پہنچایا تھا۔ ویسے تو بھارتی بنیے نے اس ملک کو پوری طرح اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ اسمگلنگ کے ذریعے بھی اس کی معیشت کا بیڑا غرق کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے اس کا پرس یا کچھ اور نہیں لیا تھا۔ وہ نہتا ہی تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ اس نے درست ہی بتایا تھا۔ ورنہ اس کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار تو ہوتا۔

''بولو کیا کہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''اکیلے جانا ہے یا کبھی نہیں جانا ہے؟''

''لے جائے گا صاحب کیوں نہیں لے جائے گا۔'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔ ''یہ کھاٹ منڈو ادھر چ تو رکھا ہے۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''تو چلو......لیکن خیال رہے راستہ ایسا ہو کہ پولیس یا آرمی سے مڈبھیڑ نہ ہو۔''

''پولیس آرمی۔'' وہ چونکا۔ ''کیا ادھر چ کچھ ہوا ہے۔''

''ہاں......کل رات سے ماؤنسٹوں کے خلاف آپریشن جاری ہے۔کیا تم کونہیں پتا؟''

''نہیں صاحب اپن تو دو دن سے ادھر جاناں بائی کے پاس تھا۔'' اس نے کسی قدر خفت سے کہا۔'' کچھ پتا ہی نہیں چلا۔''

ظاہر ہے جاناں بائی کے پاس اسے اپنا ہوش نہیں ہوگا۔حالات کا ہوش کہاں ہوتا۔وہ کاروبار کے ساتھ تفریح کا قائل تھا۔میں نے کہا۔''تمہاری خوش قسمتی کہ تم کو ہم مل گئے ورنہ آگے تو حالات اور خراب ہیں اور اگر تم پولیس یا آرمی کے ہاتھ آجاتے تو تم کو ماؤنسٹ بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ماؤنسٹ قرار دینے کی صورت میں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا اس نے عاجزی سے کہا۔''تم نے اپن پر احسان کیا ہے۔''

''تب تم جلدی سے اس احسان کا بدلا اتارو اور ہمیں کھٹمنڈو پہنچا کر کسی اور راستے سے اپنی راہ لو۔''

''وہ اپن کر لے گا۔'' اس نے پھر شیخی ماری۔''ادھر اپن دس راستے جانتا ہے۔چین تک جا سکتا ہے۔''

وسیم نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔''ہمالیہ پار کر کے؟''

اس نے سر ہلایا۔''کئی بار جا چکا ہے۔ادھر سے اچھا مال ملتا ہے تو جا کر لاتا ہے اور انڈیا لے جاتا ہے۔''

گویا وہ دوطرفہ اسمگلر تھا لیکن ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی وہ ہمیں کھٹمنڈو پہنچا دیتا تو اپنا دھندہ بعد میں بھی جاری رکھ سکتا تھا۔اس نے ہمیں لے کر اسی سمت میں سفر شروع کر دیا جس طرف ہم پہلے ہی جا رہے تھے لیکن ہم راستوں پر پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے کیونکہ راستوں کا کچھ پتا ہی نہیں تھا اور وہ پورے اعتماد سے چلا جا رہا تھا۔اس کی وجہ سے ہماری رفتار میں تیزی آ گئی تھی اور جب تک دھوپ نیچے تک آتی ہم کو کھٹمنڈو کے درو دیوار نظر آنے لگے تھے۔اس کے ساتھ ہی پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی کھلونوں کی طرح بکھرے دکھائی دینے لگے۔بلندی پر کھٹمنڈو کا شہر دھند میں لپٹا تھا لیکن دھند سورج بلند ہونے کے ساتھ تیزی سے غائب ہو رہی تھی۔البتہ نشیب میں جہاں جہاں پانی کے چشمے تھے وہاں سے بھاپ کے بادل اٹھ رہے تھے۔

''صاحب وہ کھٹمنڈو ہے اب آپ چلے جاؤ گے۔'' منا بھائی نے کہا۔

''تو کیا تم واپس جاؤ گے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں صاحب اپن ادھر بہت راستوں سے واقف ہے۔تیز چلے گا تو اپنی پالٹی پکڑ لے گا۔''

میں نے سوچا۔اب راستے نظر آ رہے تھے اور ہم جا سکتے تھے اس لیے میں نے اسے اجازت دے دی۔

''ٹھیک ہے لیکن یہ بتا دو کہ سامنے نظر آنے والے راستوں میں کون سے اچھا رہے گا۔''

اس نے ایک چھوٹے سے جنگل کی طرف اشارہ کیا۔''ادھر سے چلے جاؤ صاحب کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''پکا پتا ہے نا۔'' وسیم نے کہا۔''ایسا نہ ہو کہ مروا دینا۔''

''کچھ نہیں ہے صاحب آپ بے فکری سے جاؤ۔'' اس نے کہا اور ہاتھ جوڑ کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔کچھ دور جا کر اس نے مڑ کر ہاتھ لہرایا اور موڑ سے غائب ہو گیا۔ہم بھی آگے کی طرف روانہ ہو گئے۔کھٹمنڈو ہماری منزل نہیں تھا لیکن ایک اہم سنگ میل ضرور تھا اور ہم یہاں تک بڑی کوشش سے پہنچے تھے لیکن نہیں یہ ہماری غلط ہی تھی کہ ہم کھٹمنڈو پہنچ گئے تھے۔دلی ہنوز دور است والا معاملہ تھا کیونکہ اس حرامزادے منا بھائی نے ہمیں

مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے کہنے پر ہم نے اس جنگل کا راستہ اختیار کیا اور سیدھے اس چھوٹی سی پولیس چوکی کے سامنے جا پہنچے جو شاید ہم جیسے راہ گم کردہ لوگوں کے لیے چھپا کر بنائی گئی تھی۔

چوکی کے بالکل پاس پہنچنے تک ہمیں اس کا علم نہیں تھا۔ منا بھائی کو اس کا علم تھا اور اس نے ہماری رحم دلی کا یہ صلہ دیا کہ ہمیں مرنے کے لیے اس پولیس چوکی کے سامنے بھیج دیا۔ یہ یقیناً ماؤنسٹوں کو کھٹمنڈو میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس میں بالکل سامنے ایک مشین گن پوسٹ تھی اور کیونکہ خدا کو ہماری زندگی منظور تھی اس لیے اس پوسٹ میں تعینات سپاہی نزدیک ہی پانی بنانے میں اتنا مگن تھا کہ اسے ہمارے آنے کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ مشین گن کے پیچھے ہوتا تو ایک ہی برسٹ میں ہم سب کا کام تمام ہو جاتا۔ ہم سب مسلح تھے اور وہ اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ پہلے ہم گولی چلاتے اور اس کے بعد وہ مشین گن استعمال کرتا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا اور وہ کسی چیتے کی طرح دبے قدموں اس کی طرف بڑھا اور خاموشی سے اس کی پشت سے گن ٹکا دی۔ ''ہلنا یا بولنا مت۔'' وسیم نے انگریزی میں کہا۔

اس نے نہ جانے انگریزی سمجھی یا نہیں سمجھی لیکن ہتھیار کی زبان سمجھ گیا تھا اس نے پتلون کی زپ بند کیے بغیر ہاتھ اوپر کر دیئے اور سرگوشی میں کچھ کہا۔ وہ مقامی زبان بول رہا تھا۔ بیتو نے کہا۔ ''یہ رحم کی اپیل کر رہا ہے۔''

''ہم اس کی اپیل ضرور سنیں گے لیکن پہلے تم جا کر اس کی مشین گن کا مورچہ سنبھال لو اور آئندہ حکم تک وہیں رہو۔'' میں نے بیتو سے کہا تو وہ مشین گن کے مورچے میں چلا گیا۔ وسیم سپاہی کو ہمارے پاس لے آیا۔ وہ نوجوان لڑکا تھا اور اس وقت بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ شاید وہ ہمیں ماؤنسٹ سمجھ رہا تھا اور ماؤنسٹ پولیس والوں سے کیا سلوک کرتے تھے وہ میں نے دیکھ لیا تھا۔ وہ درست کانپ رہا تھا۔ سادھنا نے اس سے کہا۔

''ڈرو مت ہم ماؤنسٹ نہیں ہیں۔''

''اس سے پوچھو کہ چوکی میں اور کتنے آدمی ہیں۔ جواب غلط ہوا تو یہ مارا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

سادھنا نے اس سے سوال کیا تو اس نے بتایا کہ اندر چار افراد اور ہیں اور اس کی ڈیوٹی باہر تھی اسی لیے وہ مارا گیا۔ میں نے کہا۔ ''ان کو باہر بلاؤ۔''

اس نے جواب دیا۔ ''وہ باہر نہیں آئیں گے۔''

''کیوں نہیں آسکتے۔''

''کیونکہ کوئی بلا وجہ باہر نہیں آتا ہے اور نہ ہی یہ سپاہی ہنگامی حالات کے بغیر اپنی ڈیوٹی چھوڑ سکتا تھا۔ چوکی کا منہ دوسری طرف تھا اور اس طرف اس کی پشت تھی۔ اندر آمد و رفت کے لیے صرف ایک فولادی دروازہ تھا کیونکہ ماؤنسٹوں کے حملوں میں اس سے پہلے بہت سارے پولیس اسٹیشن تباہ ہو چکے تھے اور بے شمار پولیس والے مارے جا چکے تھے اس لیے اب پولیس اسٹیشن اور چوکی کی عمارتیں اس طرح کی بنائی جاتی تھیں

یہ عمارت پتھروں اور کنکریٹ کی بنی تھی اور اس میں روشن دان تک نہیں تھا کیونکہ ماؤنسٹ اکثر ان روشن دانوں سے دستی بم اندر پھینک دیا کرتے تھے۔ البتہ عمارت میں چاروں طرف ایسی چھوٹی چھوٹی فولادی کھڑکیاں بنی تھیں جن سے بوقت ضرورت حملہ آوروں پر فائرنگ کی جا سکتی تھی۔ سردی اور اس سے بھی زیادہ خوف کی وجہ سے یہ کھڑکیاں بند تھیں۔ اگرچہ نوجوان سپاہی نے ہنگامی حالت میں ہی مورچے سے باہر قدم رکھا تھا لیکن اب

وہ اس بات پر پریشان تھا۔ اب اس کا کیا ہوگا۔ اسے سزا ملے گی۔

''کیا ہم کسی اور جگہ سے نہیں گزر سکتے؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں آس پاس ہر جگہ بارودی سرنگیں ہیں اور ایک غلط قدم پرلوک سدھارنے کا سبب بن سکتا ہے۔'' اس نے بتاتا تو میں نے دل ہی دل میں منا بھائی کو سنائیں۔ اس نے ہمیں دھوکے سے موت کے منہ میں بھیج دیا تھا اور خود اس وقت ہماری عقل پر ہنستا ہوا واپس جا رہا ہوگا۔ بیتو نے اشارے سے ہمیں بلایا۔ میں اس کے پاس گیا تھا۔ باقیوں کو میں کہا کہ وہ اپنی جگہ سے بلاضرورت حرکت نہ کریں۔ بیتو اتنی دیر میں چوکی کا معائنہ کر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ادھر آرام کرنے کا جگہ ہے۔''

''یہاں آرام کرنے کا مطلب مستقل آرام کرنا بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں چوکی میں گھسنا ہو گا۔''

میں نے محسوس کیا تھا کہ چوکی والوں پر قابو پائے بغیر ہم آگے نہیں جا سکتے تھے۔ یہاں سے کھٹمنڈو کا شہر کچھ ہی فاصلے پر تھا اور اگر ہم پلٹ کر چلے جاتے تو اول تو مجھے کوئی اور راستہ نظر نہیں آیا تھا اور دوسرے وہ ہوتا تو ہمیں بہت دیر لگتی اور اتنی دیر میں پولیس ہمیں گھیر سکتی تھی۔ اس لیے یہاں سے نکلنا لازمی تھا۔ میں نے نوجوان سپاہی کی گردن دبوچی اور اس کے سر پر پستول رکھ دیا۔ ''اگر تم مر رہے ہو تو بھی وہ دروازہ نہیں کھولیں گے؟''

''نہیں پہلے وہ کھڑکی سے دیکھیں گے اور جب کوئی اور نظر نہیں آئے گا تو دروازہ کھولیں گے۔'' سپاہی نے سادھنا کے توسط سے بتایا۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا اور وسیم سے اس کا چاقو لیا اور کہا۔

''اس کا منہ بند کر دو۔''

وسیم نے اسے عقب سے جکڑ کر ایک ہاتھ سے اس کا منہ بند کر دیا اور میں نے چاقو اس کی ران میں اتار دیا۔ اگر اس کا منہ کھلا ہوتا تو اس کی چیخیں سن کر کھٹمنڈو سے پولیس دوڑی آتی۔ وہ بری طرح مچل رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اب تم اندر والوں کو بلا سکتے ہو اور تمہارے منہ سے ہمارے بارے میں کوئی ایک لفظ بھی نکلا تو اس بار چاقو نہیں گولی ماریں گے۔''

سادھنا کو مشین گن کے مورچے میں چھوڑ کر ہم سامنے والی سمت میں آئے۔ میں نے ایک درخت کے پیچھے پوزیشن سنبھال لی تھی۔ بیتو اور وسیم دائیں بائیں آتے۔ اپنی جگہ سنبھالنے سے پہلے وسیم نے سپاہی کو دروازے کے سامنے کھلی جگہ دھکا دیا اور وہ زمین پر جا گرا۔ اس نے منہ کھلتے ہی ایسا واویلا مچایا کہ ایک منٹ کے اندر چوکی کی تمام کھڑکیاں کھل گئیں۔ اندر سے شور سنائی دینے لگا تھا میں نے بیتو سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ہمارے بارے میں بتائے تو اسے شوٹ کر دینا لیکن نوجوان نے عقل مندی کا ثبوت دیا اور اکیلے فوت ہونے سے گریز کیا۔ اس نے واویلا مچا کر اندر موجود اپنے سارے ہی ساتھیوں کو باہر بلا لیا تھا لیکن ایک اندر رہ گیا تھا۔ جیسے ہی وہ تین سامنے آئے ہم تینوں نے ان کو گھیر لیا۔ بیتو نے اسے حکم دیا کہ اپنے پانچویں ساتھی کو بھی باہر آنے کا کہے ورنہ اس کے باقی ساتھی مارے جائیں گے۔ اس نے ایسا ہی کیا لیکن پانچواں سیانا سامنے نہیں آیا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اندر کوئی ریڈیو ہوا تو وہ آگے اطلاع کر سکتا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''اندر والے کو کہلواؤ کہ اگر وہ تین گننے تک باہر نہیں آیا تو ہم دروازہ سے دستی بم اندر پھینک دیں گے۔''

اس دھمکی کا خاطر خواہ ردعمل ہوا تھا اور وہ تین تک گننے سے پہلے ہی باہر آ گیا تھا۔ وہ کوئی جونیئر افسر تھا اور جب تک اس کی جان پر نہیں بن آئی تھی اس نے اپنے ساتھیوں کی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ ان سب کی تلاشی لے کر ہم ان کو اندر لے آئے۔ میں نے سب سے پہلے وہاں کسی ریڈیو کی تلاش کی لیکن مجھے اس قسم کی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ نوجوان افسر نے بھی تصدیق کی کہ وہاں ریڈیو نہیں تھا۔ مجھے تعجب تو ہوا کہ ایک پولیس چوکی کو ریڈیو جیسی لازمی چیز نہیں دی گئی تھی لیکن ساتھ ہی اطمینان بھی ہوا تھا۔

اندر مناسب گرمی بھی تھی اور کھانے پینے کو بھی بہت کچھ تھا لیکن پہلے ہم نے ان پانچوں کو چوکی میں موجود چھوٹی سی حوالات میں بند کر دیا جس میں پہلے ہی ایک قیدی تھا اور اس کے کیے دھرے کی بدبو باہر تک آ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو بھی پتا چلے کہ یہ دوسروں کو کتنے غیر انسانی ماحول میں رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ زخمی ابھی تک واویلا مچا رہا تھا۔ سادھنا بھی اندر آ گئی تھی۔ اس نے باہر رہنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور وسیم اسے کہہ رہا تھا کہ اس نے حالت جنگ میں مورچہ چھوڑ کر بہت سنگین جرم کیا اور کمانڈر یعنی مجھے اختیار ہے کہ میں اسے گولی مار دوں۔

''بے شک مار دے۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''لیکن اب مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ اس طرح سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے میں ایک ہی بار ماری جاؤں اور اگر تمہیں اتنا خیال ہے تو تم چلے جاؤ۔''

وسیم نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''باس نے تمہیں حکم دیا تھا مجھے نہیں۔''

بیتو نے وہاں فوراً کھانے پینے کی چیزیں تلاش کر لی تھیں اور ان پر ٹوٹا پڑا تھا اس نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔ ''تم فکر مت کرو وسیم بھائی ابھی کھا پی کر ہم چلا جائے گا۔''

''کسی ایک کا اس مورچے میں رہنا ضروری ہے۔ بیتو تم ان میں سے جس کی وردی مناسب لگے وہ لے لو۔''

بیتو نے یہی کیا۔ ہم بے فکری سے کھا پی رہے تھے۔ میرا ارادہ تو یہاں سے جلدی نکلنے کا تھا لیکن سادھنا نے التجا کی۔ ''پلیز کچھ دیر کے لیے یہاں رک جاتے ہیں۔''

''اور اس دوران کوئی پولیس پارٹی آ گئی؟'' وسیم بولا۔

''پولیس پارٹی لازمی آئے گی۔ ان لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی تو چینج ہوتی ہوں گی۔'' میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں کچھ تیاری کر کے رکھنا چاہیے۔ میں حوالات کی طرف آیا اور پولیس والوں سے ان کی وردیاں طلب کیں۔ وہ مجبور تھے اس لیے انہوں نے اتار کر دے دیں۔ میں نے وہاں موجود کچھ پرانے کپڑے اور کچھ اپنے کپڑے ان لوگوں کو دے دیئے۔ افسر کی وردی مجھے کسی قدر تنگی کے ساتھ آ گئی تھی۔ وسیم اور سادھنا کو بھی وردیاں آ گئی تھیں۔ سادھنا کو سب سے چھوٹی وردی دی تھی۔ وہ بھی اسے اتنی بڑی تھی کہ اس کے جسم پر جھول رہی تھی۔ اس کی ہیبت کذائی دیکھ کر ہم ہنس دیئے تھے۔ وہ بھی کھسیانے انداز میں ہنسنے لگی۔ پھر منہ بنایا۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

''قصور تو کوئی نہیں ہے لیکن وردی اتنی کھلی ہے کہ اس میں تمہارے ساتھ میں بھی آ سکتا ہوں۔'' وسیم

سوچے سمجھے بغیر بولا تو سادھنا کا چہرہ لال ہو گیا تھا اور میں نے وسیم کو گھورا تو وہ بھی بوکھلا کر خاموش ہو گیا تھا۔ اب ہم کچھ دیر اس خطرے کے بنا یہاں رہ سکتے تھے کوئی پولیس پارٹی آ گئی تو فوراً ہم پر دھاوا بول دے۔ اسے صورت حال سمجھنے میں جتنی دیر لگے گی اتنی دیر میں ہم ان پر قابو پا سکتے تھے۔ وہاں کھانے پینے کو اتنا تھا کہ اب ہمیں چوبیس گھنٹے تک بھوکے رہنا پڑتا تھا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب سے اہم چیز جو وہاں ملی وہ کافی تھی اس نے ہمیں تازہ دم کر دیا۔

''ارے آپ کے زخم کو تو ہم بھول ہی گئے۔'' وسیم نے چونک کر کہا۔

''کوئی خاص نہیں ہے اب تو میں بھی اسے بھول گیا ہوں۔'' میں نے جواب دیا لیکن سادھنا نے کہیں سے میڈیکل کٹ دریافت کر لی اور اس نے زبردستی میرے زخم کی صفائی کر کے اس پر صاف پٹی کر دی۔ وہاں کچھ اینٹی بایوٹک بھی تھیں۔ سادھنا نے وہ بھی مجھے کھلا دیں۔ یہاں انگیٹھیاں تھیں جن میں کوئلے دہک رہے تھے یہ خاص چمنی والی انگیٹھیاں تھیں جن سے کوئلوں کا زہریلا دھواں باہر نکل رہا تھا۔ ہم نے اپنے کپڑے خشک کیے۔ سادھنا ایک طرف لیٹ گئی تھی میں اور وسیم چوکی کی تلاشی لینے لگے۔ وہاں وہی سب کچھ تھا جو ایک پولیس چوکی میں ہو سکتا ہے۔ اسلحہ، آلات تشدد جن میں بالکل پاکستانی اسٹائل کا چمڑے کا لتر دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ مال غنیمت جو بے چارے حوالاتیوں کے گھروں سے آتا تھا۔ ایک طرف ایک چھوٹی سی الماری تھی اور لاک تھی میں نے ایک اسکرو ڈرائیور اس کے تالے میں پھنسا کر زور لگایا تو وہ ٹوٹ گیا۔ الماری کھولتے ہی میں اچھل پڑا تھا۔ اندر تہہ در تہہ بے شمار کرنسی نوٹ رکھے تھے۔ یہ ساری مقامی اور بھارتی کرنسی تھی۔ اور اس کی مالیت لاکھوں میں تھی۔

''وسیم ذرا ادھر آنا۔'' میں نے کہا۔

وسیم نے دیکھا اور خوش ہو کر بولا۔ ''خدا جب دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔''

''لیکن اس چھپڑ کے بارے میں ذرا تفتیش کر لینی چاہیے کہ یہ کہاں پھٹا تھا۔'' میں نے کہا اور حوالات کی طرف آیا۔ افسر کسی قدر انگریزی سے واقف تھا میں نے اس سے پوچھا۔ تو وہ انجان بن گیا۔

''کون سے کرنسی؟''

میں نے سلاخوں کے درمیان سے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا تو وہ منہ سمیت سلاخوں سے ٹکرایا اور اسے یقیناً دن میں تارے وغیرہ نظر آ گئے ہوں گے۔ میں نے کہا۔ ''اب یاد آیا..... وہ کرنسی جو الماری میں رکھی ہے۔''

اس کا گال پھٹ گیا تھا اور وہ تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے بولا۔ ''وہ سرکاری کرنسی ہے۔''

''بکواس مت کرو سرکاری کرنسی اس طرح الماریوں میں رکھی جاتی ہے کیا اس کے لیے بنک نہیں ہیں اور یہ کون سا پولیس ہیڈ کوارٹر ہے جس میں لاکھوں کی مالیت کی کرنسی رکھی جائے۔'' میں نے اس کا گریبان پکڑ رکھا تھا دو بار مزید اس کا سر سلاخوں سے ٹکرایا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے ماتحت دہشت سے اپنے افسر کی درگت بنتے دیکھ رہے تھے۔ اس نے اس بار پھٹے ہونٹوں کے ساتھ مجھے بتایا کہ یہ رقم اصل میں وہ اسمگلروں سے لی تھی اور اسے یہ رقم آگے اپنے افسران تک پہنچانی تھی۔ اس میں اس کا حصہ صرف دس ہزار تھا اور اس میں سے بھی اسے ہر سپاہی کو ہزار روپے دینے تھے۔ مجھے لگا کہ وہ سچ ہی کہہ رہا تھا کیونکہ اس چوکی یا اس افسر کی اوقات

ان ان ڈر لگتی تھی کہ اسے کوئی لاکھوں کی رشوت دے۔

میں واپس آیا تو وسیم ساری رقم اپنے ایک بیگ میں ڈال چکا تھا میں نے اس سے کہا۔ ''یار یہ سرکاری کرنسی ہے کوئی مامہ نہ ہو جائے؟''

''کیا مطلب جناب؟''

''پولیس دوسرے مجرموں کو اتنی مستعدی سے نہیں پکڑتی ہے جتنی کہ ذاتی مجرموں کو...... اکثر مجرم اسی وجہ سے مارے جاتے ہیں کہ وہ ان کا حصہ دینے میں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔''

وسیم نے حوالات کی طرف دیکھا۔ ''ہم ان کے ساتھ جو کر چکے ہیں کیا اس کے بعد یہ ہمیں آسانی سے چھوڑ دیں گے؟۔ نہیں جناب یہ پوری شدومد سے ہمیں تلاش کریں گے اس لیے یہ رقم لے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔''

''اس کی تو بات ہی مت کرو دوست۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مستحق تو ہم اس سے کہیں زیادہ کے ہیں مگر یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔''

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور بیتو اندر آیا۔ اس نے عجلت میں کہا۔ ''جس طرف سے ہم آئے تھے اس طرف سے دو پولیس والے ایک آدمی کو لے کر آ رہے ہیں۔ ابھی وہ دور ہیں تم لوگ ہوشیار رہنا۔''

بیتو کہہ کر چلا گیا۔ میں نے سادھنا کو ہوشیار کیا اور اس نے اپنا چاند سا مکھڑا فوراً ٹوپی تلے چھپا لیا۔ اس کی زلفیں بمشکل ٹوپی میں سمائی تھیں اور اس کے چہرے اور ہاتھ پیروں کی نرمی دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم کہیں چھپ جاؤ۔''

اس چوکی میں جگہ کم تھی لیکن ہم نے سادھنا کو ایک میز کے پیچھے چھپا ہی دیا۔ ساری کھڑکیاں اندر سے بند کر لیں اور صرف ایک کھڑکی ذرا سی کھلی چھوڑ دی۔ میرا اندازہ تھا وہ اسی طرف سے گزر کر چوکی کے داخلی دروازے کی طرف آئیں گے لیکن وہ دوسری طرف سے آئے تھے۔ اصل میں حفاظتی نکتہ نظر سے چوکی کی عمارت کے چاروں طرف کھلی جگہ چھوڑی گئی تھی تاکہ کوئی چھپ کر یہاں تک نہ آ جائے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وسیم نے سامنے والی کھڑکی سے باہر جھانکا اور میں نے اس کی ہلکی سے آواز سنی۔

''باپ رے۔''

میں اس کی طرف آیا۔ ''کیا ہوا؟''

وسیم نے سرگوشی میں بتایا۔ ''باہر وہی خبیث ہے دو سپاہیوں کے ساتھ منا بھائی۔'' وسیم نے منا بھائی کے نام کے ساتھ ایم بی بی ایس لگا کر اس کی ایک ناقابلِ بیان تشریح بھی کی تھی۔

میں حیران رہ گیا تھا۔ ''وہ یہاں آ گیا۔''

میں نے کھڑکی سے جھانکا تو مجھے منا بھائی اچھی حالت میں نظر نہیں آیا تھا۔ گرفتاری اس کے وجود سے ٹپکی پڑ رہی تھی۔ بائیں آنکھ سوجن کی وجہ سے بند تھی اور دائیں کمزوری کی وجہ سے بند تھی ہاتھ پیروں پر بھی چوٹ اور خون کے نشانات تھے۔ وہ بڑی مشکل سے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اشارہ کیا اور وسیم نے دروازہ کھولا اور منا بھائی کو فوراً دبوچ کر اندر لے گیا اور میں چوکی کے دروازے پر جم گیا۔ میں انگریزی میں غرا کر کہا۔

''کیا بات ہے؟''

جواب میں ایک سپاہی نے دانت نکال کر مقامی زبان میں جواب دیا جو میرے فرشتوں کو بھی نہیں آتی تھی۔ میں نے افسرانہ انداز میں ہاتھ کے اشارے سے ان کو دفع ہو جانے کو کہا اور اندر آ کر دروازہ بند کر لیا۔ انہوں نے باہر کچھ فریاد کی، شاید چائے پانی مانگ رہے تھے لیکن میں نے دروازہ نہیں کھولا اور کھڑکی کی جھری سے ان کو دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور منا بھائی کی طرف آیا۔ میرا ارادہ تو اس کے زخموں میں مزید چند زخموں کا اضافہ کرنا تھا لیکن وہ کرسی پر جتنی مشکل سے بیٹھا تھا مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس نے ایک آنکھ کھولی اور بولا۔ ''یہ اپن کو سزا ملی ہے تمہارے ساتھ چیٹ کرنے کی۔''

''بس اتنی سی سزا ہم سب کو موت کے منہ میں بھیج دینے کی۔'' وسیم نے بنا کسی لحاظ کے اسے عقب سے گھونسہ مارا۔ ''حرامزادے اگر مشین گن والے مورچے کا سپاہی پیشاب کرنے باہر نہ گیا ہوتا تو اس وقت ہماری لاشیں کھٹمنڈو جا رہی ہوتیں۔''

وسیم سخت مشتعل تھا اس نے منا بھائی کی صحیح سے مرمت لگائی تھی۔ یہ تو میں نے بھی دیکھ لیا تھا کہ منا بھائی کی حالت اتنی خراب نہیں تھی جتنی کہ وہ اداکاری کر رہا تھا۔ جب وسیم نے اس کی مرمت لگائی تو اس نے ایک بار پھر اداکاری شروع کر دی۔ وہ یوں واویلا کر رہا تھا کہ بس ابھی اس کا دم نکلنے والا ہے۔ میں نے اشارے سے وسیم کو روکا اور منا بھائی سے پوچھا۔ ''تم کیسے پکڑے گئے؟''

''بد...... قسمتی سے صاحب۔'' اس نے کراہ کر کہا۔ ''اپن کو پتا نہیں تھا کہ ناکہ اتنا سخت ہے۔ جس راستے سے اپن سو بار آیا گیا اور ایک بار بھی پولیس نہیں ملا۔ آج اسی راستے پر پولیس بلی کی طرح اپن کا منتظر تھا۔ اس نے اپن کو چوہے کی طرح دبوچ لیا اور بہت مارا۔''

''ابھی ہم ماریں گے۔'' وسیم نے اسٹارٹ لینے کا ارادہ کیا۔

''اپن مر جائے گا۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔ ''ماں قسم۔''

میں نے سوچا کہ ابھی وہ ہمارے کام آ سکتا تھا اس لیے میں نے اسے عارضی معافی دینے کا فیصلہ کیا اور بولا۔ ''منا بھائی ہم ذرا مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور جو دھوکا دے اسے چھوڑتے نہیں ہیں لیکن تم پہلے ہی مصیبت میں ہو اس لیے ہم فی الحال تم کو معاف کر رہے ہیں۔ البتہ آگے کوئی بھی معمولی سی غلط حرکت تم کو فوری موت کا حق دار بنا دے گی۔ تمہیں معافی کی مہلت بھی نہیں ملے گی۔''

''ماں قسم...... اب ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کرے۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ میں نے سوچا کہ اسے دکھا دوں کہ ہم کس قسم کے لوگ ہیں اور میں نے اسے حوالات کی طرف بلایا۔

''ان لوگوں کو دیکھو۔'' میں نے پولیس والوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سب پولیس والے ہیں۔''

منا بھائی کا منہ کھل گیا تھا۔ ''پولیس والے ادھر حوالات میں۔''

میں نے سر ہلایا اور انسپکٹر سے کہا۔ ''اسے دیکھ لو یہ ہمارا ساتھی ہے۔''

منا بھائی انگریزی جانتا تھا کیونکہ اس نے چونک کر رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا تھا لیکن اس نے زبان سے تردید کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ میں نے انسپکٹر سے مزید کہا۔ ''ہم یہاں سے جا رہے ہیں اور تم

لوگوں کو بھی جلد کوئی نہ کوئی آ کر کھول دے۔ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ جنگلوں میں خود مارے جاؤ گے۔"

منا بھائی سہا ہوا میرے ساتھ آیا۔ "یہ تم نے اپن کو اپنا ساتھی کیوں بولا صاحب؟"

"تا کہ پولیس ہمارے ساتھ تمہیں بھی تلاش کرے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "آگے تم نے جہاں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی وہیں تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

"نہیں۔" وہ کانپ گیا۔ "پولیس تو اپنا ان کاؤنٹر کر دے گی۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔" وسیم بولا۔ "اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو جو ہم کہیں وہی کرنا۔"

"بھگوان کا قسم اپن وہی کرے گا۔" اس نے زور و شور سے یقین دلایا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وسیم اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ مجھے ایک طرف لے گیا۔

"آپ اس پر اعتبار کر رہے ہیں۔ اس نے پہلے ہی مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔"

"وہ ٹھیک ہے لیکن ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو کھٹمنڈو کو جانتا ہو۔"

"جیسے آپ کی مرضی...... لیکن کسی بھی وقت اس پر اعتماد مت کیجئے گا۔"

"وہ تو ظاہر ہے ہم اسے کسی قیدی کی طرح اپنے ساتھ رکھیں گے۔ اسی وجہ سے میں نے اسے پولیس والوں کے سامنے اپنا ساتھی ظاہر کیا ہے۔ اس نے کوئی بدمعاشی کی تو اسے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

سادھنا ہمارے پاس چلی آئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کسے پولیس کے حوالے کر رہے ہو؟"

"اسے۔" وسیم نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت کسی بھیڑ کی سی مسکینی چہرے پر سجائے بیٹھا تھا۔ سادھنا نے کہا۔

"اسے پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے گولی مار دینی چاہیے۔"

منا بھائی نے سن لیا اور بلبلا کر بولا۔ "اے بہن تم اتنا ظالم ہے۔"

"بہن کے بھائی تم نے کون سی کمی چھوڑی تھی۔" وسیم نے اسے یاد دلایا۔

"ماں قسم اب اپن کوئی حرامی پن نہیں کرے گا۔"

"میں تمہیں حرامی پن کرنے سے نہیں روک رہا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن اس بار تم پچھتانے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔"

ہم نے تیاری پکڑ لی۔ اگرچہ سب ہی گزشتہ چھتیس گھنٹے سے جاگ رہے تھے لیکن آرام کے اس وقفے سے اور کھا پی کر ہم تازہ دم ہو گئے تھے۔ اب ہمارا یہاں سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا کوئی اور پولیس پارٹی کسی وقت بھی آ سکتی تھی اور ہم پھنس جاتے۔ یہ شاید کھٹمنڈو سے پہلے کی پولیس چوکی تھی۔ وہاں پولیس کا اسلحہ تھا اور مورچے میں ایل ایم جی بھی لگی تھی لیکن ہم نے کسی اسلحے کو ہاتھ نہیں لگایا ورنہ ایک کیس اور بن جاتا۔ نکلنے سے پہلے سادھنا اپنے اصل لباس میں آ گئی تھی۔ میں، وسیم اور جیتو پولیس وردی میں ہی تھے جب کہ منا بھائی ہمارے پاس ایک قیدی کی صورت میں تھا۔ پولیس کی وردی کا فائدہ تھا۔ کوئی ہمیں نہیں روکتا لیکن اس میں خطرہ تھا۔ کوئی دوسری پولیس پارٹی مل جاتی اور ہم سے علیک سلیک کی کوشش کی جاتی تو راز فاش ہو جاتا۔ مقامی زبان کی حد تک نہ

بیتو اور سادھنا کو آتی تھی۔ وہ بھی ٹوٹی پھوٹی۔ اس لیے ہمارا کسی اور پولیس پارٹی سے دور رہنا لازمی تھا ایک بار ہم شہر میں داخل ہو جاتے تو دوبارہ حلیہ بدل کر پھر سے سیاح بن سکتے تھے۔ میں نے منا بھائی سے کہا۔ ''کھٹمنڈو میں ہمیں پہلے کسی اعلیٰ درجے کے شاپنگ سینٹر لے چلنا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اپن لے جائے گا کھٹمنڈو اچھی طرف جانتا ہے۔''

پولیس چوکی سے نکل کر ہم جنگل کے درمیان سے گزرنے لگے۔ میں نے سب کو خبردار کیا۔ ''بالکل راستے پر چلیں۔ یہاں بارودی سرنگیں بچھی ہیں۔''

''بارودی سرنگ۔'' منا بھائی دہشت زدہ نظر آنے لگا۔ ''باپ رے اپن کوئی بار ادھر سے گزرا ہے۔''

''بس تو یہ بھگوان کی مہربانی ہے کہ تم اس دنیا سے نہیں گزرے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ورنہ تمہارے کرتوت تو ایسے نہیں ہیں۔''

''وہ تو ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''اپن بہت حرامی آدمی ہے۔ بھگوان کے پاس اپن کا فریاد سننے کا ٹائم بھی نہیں ہوگا۔ پر اپن کا جو گھر والی ہے بھگوان اس کا سنتا ہے۔''

سادھنا نے اسے گھورا۔ ''وہ بے چاری عورت گھر میں تمہاری سلامتی کے لیے دعا کرتی ہے اور تم یہاں جاناں بائی کے پاس آتے ہو۔''

منا بھائی کھسیا گیا۔ ''اپن بولا نا...... اپن اچھا آدمی نہیں ہے۔''

''تم بمبئی سے کب نکلے؟''

اس نے ماضی کو یاد کیا اور سرد آہ بھری۔ ''بہت سال ہو گیا ہے۔ شاید بیس سال...... دوبارہ ادھر نہیں گیا۔''

''وہاں سے بھی کوئی جرم کر کے بھاگے تھے؟'' وسیم نے پوچھا۔ اس نے جواب نہیں دیا لیکن اعتراف جرم اس کے چہرے پر تحریر تھا۔ ہم سب ایک قطار میں آ گئے تھے اور زمین پر پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ جنگل سے نکل کر سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ سامنے ایک ڈھلان پر بے شمار پگ ڈنڈیاں کھٹمنڈو کی طرف جاتی نظر آ رہی تھیں۔ دن میں لوگ کھٹمنڈو کا رخ کر رہے تھے۔ یہ سب معمولی مزدور، دست کار، سبزیاں اور دوسرا سامان سپلائی کرنے والے تھے جو کچھ رقم کمانے کے لیے روز کھٹمنڈو جاتے تھے اور شام کو کچھ رقم کما کر گھر لوٹ آتے تھے۔ ہم بھی ایک پگ ڈنڈی پر سفر کرنے لگے۔ یہاں مشینی ٹرانسپورٹ کا استعمال ممکن نہیں تھا اس لیے لوگ پیدل کے علاوہ گھوڑوں، گدھوں اور خچروں پر بھی سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص کوئی ساگ نما سبزی خچر پر لادے ہمارے پاس سے گزرا تھا۔ خچر شاید بدہضمی کا مریض تھا اس لیے چلتے چلتے ہی فارغ بھی ہوتا جا رہا تھا اور راستے کو معطر کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ سادھنا نے منہ پر کپڑا رکھ لیا اور پھر سے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔

''تمہیں مقامی زبان آتی ہے؟'' میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''ایک دم آتی ہے صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔ اس نے پولیس اسٹیشن سے ایک مفلر اٹھا لیا تھا اس سے وہ اپنے چہرے کے زخموں کی پردہ پوشی کر رہا تھا۔

''تم اس وقت تک چپ رہو گے جب تک تمہیں بولنے کی اجازت نہ دی جائے۔'' میں نے اسے حکم

دیا۔ ''سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا صاحب۔'' اس نے مردہ لہجے میں کہا۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ کہیں کسی موقع پر کچھ بک نہ دے اور ہم مشکل میں پڑ جائیں۔ اگر چہ اس کی امید کم تھی اس طرح وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا، مگر پھر بھی محتاط رہنا ضروری تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم شہر کی پہلی سڑک تک پہنچے تھے اور خوش قسمتی سے فوراً ہی ایک ٹیکسی بھی نظر آ گئی۔ یہ بھارتی ساختہ ٹیکسی تھی اور ہمارے اشارے پر فوراً رک گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور مقامی زبان میں کچھ بولا۔

بیتو نے کہا۔ ''جانے کا پوچھ رہا ہے۔''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' میں نے کہا اور ہم سب ٹیکسی میں گھس گئے۔ سادھنا آگے بیتو کے ساتھ بیٹھ گئی جب کہ میں اور وسیم منا بھائی کو اپنے درمیان میں لے کر بیٹھے تھے۔ اس کا حجم درمیان سے اتنا تھا کہ ٹیکسی کے دروازے ذرا مضبوط نہ ہوتے تو میں اور وسیم باہر سڑک پر بھی گر سکتے تھے۔ میں نے منا بھائی سے پوچھا۔ ''کھٹمنڈو کے کسی اچھے شاپنگ سینٹر کا بتاؤ۔''

''بدھ پیلس چلو۔'' اس نے کہا۔

میں نے ٹیکسی والے کو بدھ پیلس چلنے کو کہا۔ اور ٹیکسی کھٹمنڈو کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ یہ شہر مندروں اور قدیم عمارتوں کا شہر ہے یہاں ہندو مت اور بدھ مت دونوں کے ماننے والے ہیں۔ اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ شاہی خاندان بھی اسی مذہب کا ہے لیکن عوام کی اکثریت سیکولر نظام چاہتی ہے۔ ماؤنسٹ تحریک تو ہے ہی سراسر سیکولر۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ملک سے مذہب کے نام پر ہر قسم کے امتیاز کا خاتمہ کر دیا جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ بھارت اور مغرب کے ممالک اس کے مخالف ہیں۔ جب کہ ہمارے ملک میں چند افراد جب سیکولر نظام کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ ممالک یہاں حمایت کرتے ہیں۔ یعنی جو چاہے حسن آپ کا کرشمہ ساز کرے۔ میں نے راستے میں نظر آنے والی عمارتوں اور معبدوں کے بارے میں منا بھائی سے پوچھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بھی یہاں کے بارے میں اتنا نہیں جانتا ہے۔ شاید اس کی دوڑ جاناں بائی کے کوٹھے تک رہا کرتی تھی۔

ٹیکسی والا میٹر چالو رکھنے کے لیے ٹیکسی کو بلاوجہ گھما رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ راہ راست اختیار کرے ورنہ اس سفر کا خاتمہ کسی تھانے پر بھی ہو سکتا تھا۔ وہ انگریزی سمجھتا تھا اور اس دھمکی کے بعد سدھر گیا۔ دس منٹ میں اس نے ہمیں بدھ پیلس اتار دیا۔ مجھے دیکھ کر ذرا مایوسی ہوئی یہ کوئی بہت بڑا شاپنگ سینٹر نہیں تھا۔ لاہور یا کراچی کے کسی متوسط شاپنگ سینٹر جیسا تھا۔ بہر حال ہم اتر آئے اور ٹیکسی والے کو میٹر کے مطابق کرایہ دے دیا جسے لے کر وہ بنا چوں چرا کیے چلا گیا۔ پاکستان کے علاوہ میں نے بھارت اور بعد میں نیپال میں بھی یہی دیکھا تھا۔ وہاں ٹیکسی اور رکشے میٹر سے چلتے تھے کرایہ طے کرنے کی بدعت انہوں نے ابھی ایجاد نہیں کی تھی۔

باہر سے معمولی نظر آنے والا شاپنگ سینٹر اندر سے خاصا بڑا ثابت ہوا تھا۔ اور وہاں ضرورت کی تقریباً ہر چیز ہی نظر آ رہی تھی۔ ہم نے منا بھائی کو بیتو کی تحویل میں دیا اور اسے سمجھا دیا کہ کوئی غلط حرکت کر کے فوت ہونے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے بعد ہم شاپنگ میں مصروف ہو گئے تھے وسیم نے راستے میں سب کو مناسب رقم دے دی تھی۔ یہ نیپالی کرنسی تھی۔ نریندر سے ملنے والے بیس ہزار امریکی ڈالرز سادھنا کے پاس تھے اور ہم نے ان کو

محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہم پولیس چوکی سے ملنے والی مقامی اور بھارتی کرنسی مال مفت دل بے رحم کے مصداق خرچ کر رہے تھے۔

میں نے اپنے لیے دو گرم پتلونیں اور جرسی کی شرٹس لیں۔ اس قسم کے کپڑے عام طور سے غیر ملکی سیاح پہنتے ہیں۔ جوگرز لیے اور ساتھ ہی ایک گرم جیکٹ لے لی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہر پرانی چیز سے جان چھڑا لی جائے۔ نہ جانے کون سی چیز شناخت کا سبب بن جائے۔ میں نے سفری قسم کے بیگ لیے کیونکہ سیاح سوٹ کیس لے کر نہیں چلتے ہیں۔ تقریباً ایسی ہی شاپنگ سادھنا اور وسیم نے بھی کی تھی۔ سادھنا نے بیتو کے لیے بھی کپڑے اور دوسری چیزیں لے لی تھیں۔ ایک بار میں نے دیکھا تو مجھے سادھنا نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''یہ سادھنا کہاں ہے؟''

اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ''پتا نہیں کہاں ہے میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

شاپنگ سینٹر میں کھانے پینے کا خاصا برانڈڈ سامان تھا۔ میں نے کچھ چیزیں بھی لے لیں۔ تاکہ کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ملا اور ہم آوارہ گردی کرتے رہے تو کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہ ہو۔ میں اورنج جوس کے ڈبے لے رہا تھا کہ وسیم بوکھلایا ہوا آیا۔ ''کیا ہوا سادھنا نہیں ملی؟'' میں نے تشویش سے کہا

''وہ مل گئی ہے۔'' وسیم نے نظریں چرائیں۔ ''ابھی آرہی ہے۔''

اس کے انداز سے میری تشویش کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی تھی۔ میں نے پھر پوچھا تو اس نے جھینپے انداز میں بتایا کہ سادھنا خواتین کے لیے مخصوص حصے میں اپنے لیے کچھ لے رہی تھی اور وہ اسے تلاش کرتا وہاں پہنچ گیا اور پھر عجلت میں فرار ہوا۔ اسے فکر لگ گئی تھی۔

''جناب سادھنا میرے بارے میں کیا سوچے گی؟''

میں ہنسا۔ ''ابھی آجائے گی تو بتا دے گی کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔''

سادھنا آئی تو اس کا منہ پھولا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی میں انجان بن گیا اور اسے ڈانٹا۔ ''کہاں تھیں تم...... وسیم کو بھیجا تو اسے بھی نظر نہیں آئیں۔''

اس نے کھا جانے والی نظروں سے وسیم کو دیکھا اور غرائی۔ ''اچھا مجھے تو یہ نظر آگیا تھا۔''

''وہ میں غلطی سے اس طرف آگیا تھا۔'' وسیم نے گھبرا کر کہا تو میں نے مستقبل کے اس زن مرید کو افسوس سے دیکھا۔

''اگر تم غلطی سے کہیں جا نکلے تھے تو اس میں اتنا گھگھیانے کی کیا بات ہے۔'' میں نے انجان بن کر دریافت کیا۔

اب سادھنا کو احساس ہوا کہ مجھے نہیں معلوم تھا لیکن بات بڑھتی تو وسیم بول سکتا تھا اس نے فوراً پینترا بدلا اور مسکرانے لگی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے میں واقعی ایک طرف تھی میں نے اسے دیکھا تھا لیکن یہ مجھے نہیں دیکھ سکا تھا۔''

وسیم کچھ نہیں بولا تو سادھنا نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔ بیتو کا سامان اس کے بیگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ جس کی جو سمجھ میں آرہا تھا وہ اس نے لے لیا تھا۔ منا بھائی کے لیے میں نے ایک گرم چادر لے لی تھی کیونکہ اس

کے لباس پر خون کے داغ نظر آ رہے تھے۔ بیتو نے اپنا سامان چیک کیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ ''ڈیڈی آپ نے اچھا چیز لیا ہے۔''

''اپنے لیے بھی بہت اچھا چیز لیا ہے۔'' وسیم نے معنی خیز انداز میں کہا تو سادھنا اسے گھور کر رہ گئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وسیم جیسا سنجیدہ شخص اتنا شوخ اور بالکل کسی ٹین ایجر کی طرح پُر جوش ہو رہا تھا۔ ہم باہر آئے۔ دوپہر ہو چکی تھی اور سب کو بھوک لگ رہی تھی۔ نزدیک ہی ایک پارک میں بیٹھ کر ہم نے شاپنگ سینٹر سے لی چیزیں کھائیں۔ منا بھائی کو چادر دے دی تھی اس لیے اس کا خون آلود لباس چھپ گیا تھا۔ مجھے غلطی کا احساس ہوا کہ اس کے لیے بھی کوئی لباس لے لینا چاہیے تھا۔ بہر حال ہم بعد میں بھی لے سکتے تھے فی الحال تو کسی ٹھکانے کی تلاش تھی۔

''یہاں کوئی ایسا ہوٹل ہے جہاں ہم رکنا چاہئیں تو ہم سے صرف کرایہ لیا جائے۔'' میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''کاغذات وغیرہ نہ مانگے جائیں۔'' وسیم نے اصل بات کی۔

''بہت مشکل ہے صاحب۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آج کل بہت سختی ہے اگر آپ سیاح ہو تو پاسپورٹ لازمی ہونا چاہیے۔''

''یار رشوت کا رواج تو ہر جگہ ہے۔'' وسیم بولا۔

''ہاں لیکن اگلے نے لینے سے انکار کیا تو آپ بلاوجہ مشکوک ہو جائے گا۔'' اس نے خبردار کیا۔

''اچھا ہوٹل کے علاوہ کوئی جگہ...... پرائیویٹ گیسٹ ہاؤسز بھی تو ہوتے ہیں۔''

منا بھائی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ایک جگہ تو ہے پر آپ ادھر جانا پسند کرو تو......''

''جاناں بائی کا گھر۔'' میں نے کہا تو اس کا منہ کھل گیا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''کیونکہ کھٹمنڈو میں تمہاری حاضری یہیں تک ہوتی ہو گی۔ بہر حال ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے یہ بتاؤ کہ جاناں بائی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟''

''وہ صرف ایک ہی شناختی کاغذ مانگتی ہے۔'' منا بھائی نے ہاتھ سے نوٹ کا اشارہ کیا۔ ''اس کے بعد اسے کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے۔ بس ایک مسئلہ ہو سکتا ہے۔''

''وہ کیا؟'' وسیم نے پوچھا۔

اس نے سر کھجایا۔ ''کسی کوٹھے پر بھلے دس اجنبی مرد آ جائیں کوئی نہیں چونکتا لیکن ایک عورت آ جائے تو...''

میں اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ ''تم فکر مت کرو۔ ہم اسے چھپا کر لے جائیں گے۔''

''تب کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن۔'' اس نے ایک بار پھر سر کھجایا۔

''اب کیا ہے؟''

''جاناں بائی اپن کا حلیہ دیکھ کر چونک جائے گی۔''

''یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے جاناں بائی تمہارے کرتوتوں...... میرا مطلب ہے تمہارے پیشے سے واقف ہے؟''

''بالکل جانتی ہے اپن تو سامان بھی اسی کے پاس رکھواتا ہے۔''

''تب اسٹوری یہ ہوگی کہ تمہیں راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور مار پیٹ بھی کی۔''

''وہ تو تمہیں فوت کرنا چاہ رہے تھے۔'' وسیم نے لقمہ دیا۔ ''ہم نجات دھندہ بن کر پہنچ گئے۔''

''جیسا کہ ہم ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑا دیتے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تمہیں بچا لیا لیکن تمہیں علاج اور آرام کی ضرورت ہے اس لیے ہم تمہیں جاناں بائی کے کوٹھے پر لے آئے اور کیونکہ ہمیں تم سے فل ٹائم ہمدردی ہوگئی ہے اس لیے ہمیں بھی تمہارے ساتھ ہی ٹھہرنا پڑے گا۔''

اس نے ایک بار پھر سر کھجایا۔ ''ایک مسئلہ اور ہے۔''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ ''وہ بھی بتا دو...... لیکن اس کے بعد کوئی اور مسئلہ ہوا تو میں اسے کسی اور طریقے سے حل کروں گا۔''

منا بھائی نے دانت نکالے۔ ''اب کوئی مسئلہ نہیں ہوئے گا۔ وہ جاناں بائی کوٹھا چلاتی ہے خیراتی شفا خانہ نہیں چلاتی۔''

''تم فکر مت کرو ہم اسے منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن خیال رہے معاوضے میں وہ چیز شامل نہیں ہوگی جس کے لیے تم جاناں بائی کے کوٹھے پر جاتے ہو۔'' سادھنا نے اسے گھورا۔

''بالکل بھی نہیں میم صاحب...... ابھی تو اپن کو سچ مچ علاج کا ضرورت ہے۔'' منا بھائی نے کہا۔ نہ جانے کیوں وہ سادھنا سے بہت ڈرتا تھا۔

اس بار ہم نے دو رکشے کیے تاکہ سکون سے پیک ہوئے بغیر سفر کر سکیں۔ ایک رکشے میں، مَیں اور منا بھائی بیٹھے دوسرے میں باقی پارٹی آئی۔ آگے ہمارا رکشہ تھا۔ یہ بتا دوں کہ اپنے کپڑے ہم شاپنگ سینٹر کے ٹرائی روم میں بدل چکے تھے اور پرانے کپڑے اور پولیس کی وردیاں مختلف جگہوں پر پھینک دی تھیں۔ رقم کے لیے کچھ چرمی بیگز لیے تھے لیکن رقم ابھی وسیم کے پاس ہی تھی۔ میں نے راستے میں منا بھائی سے پوچھا۔

''یہ جاناں نام اس طرف کا نہیں لگتا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''نارتھ انڈیا کی ہے۔ ذات کی سکھنی ہے اور یہاں اس نے اپنا کوٹھا جما رکھا ہے۔''

''چلو دیکھتے ہیں تمہاری اس جان جاناں کو۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''ہاں قسم سے کیا چیز ہے؟ آپ بھی دیکھو گے تو دیکھتے رہ جاؤ گے۔''

''ہم دیکھتے رہ جانے والوں میں سے نہیں ہیں۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ اس دوران میں رکشے مرکز شہر سے نکل کر مضافاتی علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہاں نام دیوناگری رسم الخط میں تھے اس لیے ہمارے لیے بالکل اجنبی تھی۔ کہیں کہیں انگریزی سے نام بھی نظر آتے تھے۔ اونچے نیچے پہاڑی راستوں پر جنگلات تھے اور ان میں کہیں کہیں آبادیاں تھیں۔ شہر سے دور پرسکون یہ بڑے لوگوں کا علاقہ تھا اور یہاں بیشتر بڑے گھر تھے۔ یہ

اچھی بات تھی اگر جاناں بائی کا کوٹھا بھی الگ تھلگ تھا تو ہمیں بہت آسانی رہتی۔ کوئی نصف گھنٹے بعد رکشے ایک بڑی سی چار منزلہ عمارت کے سامنے رک گئے یہ سڑک کے کنارے اور کھائی کے بالکل ساتھ تھی اس لیے جگہ کم تھی۔ اس کے دائیں بائیں کوئی عمارت نہیں تھی۔ عمارت کے سامنے ایک لکڑی کی باڑ سے حد بندی کی گئی تھی۔

''یہی ہے جاناں بائی کا کوٹھا۔'' منا بھائی نے اترتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہائی کلاس چکلہ لگ رہا ہے۔''

''وہ تو ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''ماں قسم روز آنے کو دل کرتا ہے پر اپن کی جیب اجازت ہی نہیں دیتی ہے۔ دو مہینے بعد چکر لگتا ہے۔''

اگرچہ مجھے یقین تھا کہ اب منا بھائی ہمارے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا لیکن میں نے احتیاطاً جیکٹ کی جیب میں موجود پستول پر گرفت مضبوط کر لی۔ اس دوران میں دوسرا رکشہ بھی آ گیا۔ رکشے یہاں پر بھی شور قیامت رکھتے تھے۔ اس لیے اندر موجود لوگوں کو فوراً ہی ہماری آمد کا علم ہو گیا تھا ایک دبلی اور سانولی مقامی حسینہ نے آ کر لکڑی کا گیٹ کھولا اور سوالیہ نظر سے ہمیں دیکھا۔ منا بھائی نے آگے بڑھ کر بات کرنی چاہی لیکن میں نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔ ''بات ہم بھی کر سکتے ہیں۔''

بیتو آگے آیا۔ اس نے کچھ کہا تو لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ کیا کہا ہے تم نے؟''

بیتو بولا۔ ''ہم بولا کہ ادھر رکنے کا ہے۔''

''احمق یہ کوئی ہوٹل ہے۔'' وسیم نے اسے گھورا۔ ''یہ کوٹھا ہے۔''

''اب ہم کو کیا پتا کہ کوٹھے پر آ کر کیسے بات کرتے ہیں۔'' اس نے بگڑ کر کہا۔ ''ہم پہلے کبھی کسی کوٹھے پر نہیں گیا۔''

''منا بھائی تم بات کرو لیکن خیال رہے کوئی غلط بات منہ سے نکلی تو ادھر سے فوراً گولی نکلے گی۔'' میں نے اسے پستول کی جھلک دکھائی۔

منا بھائی آگے بڑھا اس نے لڑکی سے مقامی زبان میں کچھ کہا تو وہ فوراً اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اس نے گیٹ کھول دیا اور ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سادھنا اور بیتو اندر داخل ہو گئے میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''یار زندگی میں پہلی بار کسی کوٹھے میں قدم رکھنے کی سعادت مل رہی ہے گھر والوں کو پتا چل گیا تو بہت خوش ہوں گے۔''

''آپ خوش قسمت ہیں کہ گھر والوں کو پتا ہی نہیں چلے گا یہاں تو ہونے والی ساتھ ہے اور وہ ساری عمر اس بات کو یاد رکھے گی کہ میں کبھی کوٹھے گیا تھا بے شک میں یہاں تمام وقت عبادت ہی کیوں نہ کرتا رہوں۔'' وسیم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اب آ بھی جائیں کیا باہر ہی کھڑے رہیں گے۔'' سادھنا نے کہا

بیتو نے دانت نکالے۔ ''شریف آدمی ہے دیدی ہمت کر رہا ہے۔''

''ان کی شرافت تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' سادھنا نے کن انکھیوں سے وسیم کی طرف دیکھا۔

لڑکی ہمیں سامنے ایک کمرے میں لائی جس میں دبیز قالین بچھے تھے اور ایک طرف رکھے بخوردان سے

خوشبودار دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم سب ہی بے انتہا تھکے ہوئے تھے اور دو دن سے سوئے نہیں تھے اس لیے فوراً قالین پر ڈھیر ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بنی ٹھنی عورت اندر آئی۔ اس کی صورت دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ وہی جاناں بائی ہے۔ گوری چٹی اور پرکشش نقوش والی عورت تھی۔ سکھنی ہونے کے باوجود اس کے وجود سے نازک اندامی نمایاں تھی۔ سرو قد اور متناسب بدن کی۔ وہ بہت حسین تھی اور سب سے بڑھ کر اس کے نقوش میں وقار تھا کہیں سے بھی ایک طوائف کی چھاپ نہیں تھی۔ اس نے ہم سب کو دیکھا اور خاص طور سے میری طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہارا تعلق یقیناً پنجاب سے ہے؟'' اس نے صاف ستھری اردو میں کہا۔

''ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے جواب دیا۔

''پاکستانی ہو؟'' اس نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''تمہارا لہجہ خود بتا رہا ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''بھارت کے پنجاب میں کوئی ہندی اس طرح سے نہیں بولتا ہے۔''

''کیا اس کوٹھے میں آنے کے لیے آدمی کا کہیں کا ہونا یا نہ ہونا ضروری ہے؟''

وہ گھاگ عورت تھی۔ گھاگ میں نے اس لیے کہا کہ تمام تر خوب صورتی کے باوجود میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر چالیس سال سے کم نہیں تھی۔ اس نے میرا گریز بھانپ لیا اور سلیقے سے بولی۔

''نہیں...... کوٹھے پر آنے والے کی ذات پات رنگ نسل اور زبان نہیں دیکھی جاتی ...... مذہب بھی نہیں پوچھا جاتا ہے۔''

''لیکن جیب ضرور دیکھی جاتی ہے۔'' میں نے کہا تو وہ مسکرانے لگی تھی۔ اس نے مزید کچھ کہنے کے بجائے منا بھائی کی طرف دیکھا اس نے چادر اتار دی تھی اور اس کے زخم اور خون نظر آ رہا تھا۔

''تمہارے ساتھ کیا ہوا تم تو واپس چلے گئے تھے؟''

''راستے میں ڈاکو مل گئے۔'' اس نے میری ہدایت کے مطابق کہا۔ ''اگر یہ لوگ نہ مل جاتے تو اپن پار تھا۔ سب لوٹ لیا۔''

''لیکن تم اس کے اخراجات کی فکر مت کرو وہ بھی ہم ادا کریں گے۔'' میں نے کہا تو جاناں نے میری طرف دیکھا۔

''تم بار بار روپے کا ذکر مت کریں۔ ہم نے اپنے قدر دانوں سے آج تک بھاؤ تاؤ نہیں کیا۔ ابھی تو تم لوگوں کو آرام کی اور شاید کھانے کی ضرورت بھی ہے۔ اسے علاج کی ضرورت بھی ہے۔'' اس نے منا بھائی کی طرف دیکھا۔

''نہیں کھانا ہم نے کھا لیا تھا۔'' میں نے کہا ابھی تک میں ہی بول رہا تھا۔ باقی سب خاموش تھے۔ جاناں بائی نے تالی بجائی تو وہی لڑکی آئی اس نے مقامی زبان میں اس سے کچھ کہا تو لڑکی نے اشارہ کیا۔ ہم سب کھڑے ہو گئے۔ وہ ہمیں دوسری منزل پر لائی وہاں ایک گیلری میں قطار سے دونوں طرف کمرے تھے۔ اس نے

ہمارے لیے تین کمرے کھول دیئے تھے۔ایک میں سادھنا چلی گئی دوسرا بیتو اور میرے حصے میں آیا تیسرا وسیم اور منا بھائی کے حصے میں آیا تھا۔لڑکی نے منا بھائی کے زخم دیکھے اور اس کے لیے مرہم پٹی کا سامان لینے چلی گئی۔ میں نے اپنا سامان رکھا اور بیتو سے کہا۔

''تم سو جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔''

میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو ایک اور لڑکی سامنے آئی۔ یہ بھی مقامی تھی اور چنی ہوئی تھی۔اس نے اس سردی میں بھی خاصی مختصر سی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ میں نے اس سے جاناں بائی کا پوچھا۔وہ مجھے اسی کمرے میں لے آئی اور بٹھا کر چلی گئی۔اس دوران میں اس نے منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ یہ کمرہ شاید ملاقات کے لیے مخصوص تھا۔ چند منٹ بعد جاناں بائی کی آمد ہوئی۔

''کیا میرے مہمان کو کوئی شکایت ہے؟''

''نہیں جاناں بائی۔'' میں نے کہا۔''بلکہ سچی بات ہے مجھے اس جگہ کا ماحول کوٹھے والا نہیں لگ رہا ہے۔''

''اس سے پہلے تم کتنے کوٹھوں پر گئے ہو؟''

''یہ...... پہلا موقع ہے۔'' میں نے کسی قدر خفت سے کہا۔

''پھر تم کو کیا پتا کہ کوٹھوں کا ماحول کیسا ہوتا ہے؟''

''وہ فلموں میں......''

اس نے ہنس کر میری بات کاٹی۔''فلموں کی بات نہ کریں میں نے بھی اس نگری میں کئی سال ضائع کیے ہیں۔وہ تو ہر چیز کا حلیہ بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔''

اس کے پاس شاید بہت وقت تھا اس لیے وہ بحث پر آمادہ تھی لیکن میرا نیند سے برا حال تھا اور میں نے نیپالی کرنسی کے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھے۔''ہمارا ایک دو دن رکنے کا ارادہ ہے۔اگر یہ رقم تم کو کم لگے تو بتا دینا۔''

اس نے نوٹ اٹھا کر ایک طرف رکھی طشتری میں ڈال دیئے۔''یہ بہت ہیں۔''

''تمہارا شکریہ۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔''میں بہت تھکا ہوا ہوں اب آرام کروں گا۔''

''ضرور۔'' وہ بھی کھڑی ہوگئی۔''لیکن ایک بات پوچھوں تو تم برا تو نہیں مانو گے؟''

''اگر نہ ماننے والی بات ہوئی۔''

''میں نے آج تک کسی سیاح کو کوٹھے میں ٹھہرتے نہیں دیکھا۔''

''حالانکہ یہاں ٹھہرتے ہی وہ لوگ ہیں جن کے گھر نہیں ہوتے اور جن کے گھر نہ ہوں وہ سیاح ہی ہوتے ہیں۔'' میں کہہ کر کمرے سے نکل آیا۔اوپر وسیم منا بھائی کی نگرانی کر رہا تھا۔اس کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''اپن کو جانے دو اپن تم کو کھٹمنڈو میں لے آیا ہے۔''اس کا لہجہ کسی قدر باغیانہ ہو رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ پرانا پاپی تھا اور اتنی آسانی سے سدھرنے والی چیز نہیں تھا۔ میں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔''ضرور تم جا

سکتے ہو۔"

اس نے دروازے کی طرف دیکھا تھا کہ میں نے دوسرا ہاتھ اس کی کنپٹی پر مارا اور وہ وسیم کے بازوؤں میں جھول گیا۔ وسیم خوش ہو گیا اس نے کہا۔ "واہ کیا ہاتھ مارا ہے...... اب یہ دو تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔"

"دو تین گھنٹے بعد بھی ہوش میں آ کر یہ حرکت نہیں کر سکے گا۔" میں نے کہا اور بیگ سے رسی نکالی۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور پھر اس کا منہ بند کیا اور اسے زمین پر بچھے قالین پر ڈال دیا۔ "اب تم بھی آرام سے سو جاؤ۔"

"آپ نے اچھا بندوبست کیا ہے۔" وسیم نے اس کا معائنہ کیا۔

میں اپنے کمرے میں آیا تو بیتو خراٹے لے رہا تھا اور یہ اتنے سمع خراش تھے کہ مجھے خیال آیا اس شور میں کس طرح سوؤں گا لیکن بستر پر لیٹنے کے ایک منٹ کے اندر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔ دو دن تک میں جب تک چلتا رہا مجھے نیند کی کمی کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن جب سویا تو یوں ٹوٹ کر سویا کہ اس دن کے باقی حصے میں سویا پھر رات بھر سوتا رہا اور اگلے دن صبح کے وقت بیتو نے مجھے بیدار کیا۔

"شوبی بھائی کیا ادھر ساری عمر سونے کے لیے آیا ہے؟"

"بس یار...... نیند ایسی آئی۔" میں نے انگڑائی لی۔ "یہ بتاؤ کہ رات ہو گئی وقت کیا ہوا ہے۔"

بیتو نے کھڑکی پر پڑا پردہ ہٹایا تو صبح کی تیز دھوپ سے نیم تاریک کمرہ جگمگانے لگا تھا۔ "کیا بات کرتا ہے شوبی بھائی...... ادھر سورج نکل پڑا ہے تم پندرہ گھنٹے سے پڑا سو رہا ہے۔"

میں حیران ہوا تھا۔ "اتنی دیر تک سوتا رہا؟"

"ہاں ہم بھی بارہ گھنٹے سویا تھا۔ پر تین گھنٹے پہلے اٹھ گیا۔ نہایا دھویا، بال بنوایا، ناشتہ کیا اور منا بھائی کا دماغ درست کیا۔"

"منا بھائی...... کیا اس نے پھر کوئی حرامی پن کیا؟"

"وہ بہت کتا آدمی ہے۔ پر ہم نے بھی ایسا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی دوسری آنکھ کا بتی بھی فیوز ہو گیا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"باقی کہاں ہیں؟"

"ادھر دیدی کا کمرے میں منا بھائی کو بھی وہیں رکھا ہے۔"

اس آوارہ گردی میں جو گزشتہ کئی ہفتوں سے ہمارا مقدر بنی تھی۔ ہم سب کا حلیہ خراب ہو گیا تھا۔ بال اور شیو بڑھ گئی تھی اور نہانے کا موقع کم ملنے کی وجہ سے جسم پر میل کی تہہ جم گئی تھی۔ بیتو نے بڑا شاندار غسل کیا تھا کیونکہ وہ باقاعدہ چمک رہا تھا اور اس کے بال بھی سلیقے سے بنے تھے شیو اس کی ابھی آئی نہیں تھی۔ "ادھر نہانے کا بندوبست ہے؟"

"بہت مزے کا شوبی بھائی۔" اس نے چہک کر کہا۔ "گرم پانی ہے، ٹب ہے اور لڑکی بھی آتا۔"

"یہ نہانے میں لڑکی کہاں سے آ گئی؟" میں نے اسے گھورا۔

''ہم نہیں بلاتا...... وہ خود آتا۔'' اس نے بوکھلا کر بتایا۔

''اور تم کو نہلاتا؟''

''نہیں۔'' اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ ''ہم شریف آدمی ہے بچپن سے خود نہاتا۔ اس لیے ابھی بھی خود نہایا۔''

''چلو ذرا باتھ روم تک میری رہنمائی کرو اور ہاں یہ تم نے بال کس سے بنوائے۔''

بیتو ذرا شرمایا۔ ''اسی لڑکی سے شوبی بھائی...... بہت اچھا بال بناتا ہے۔''

''بال بنوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے اپنے لمبے ہو جانے والے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ شیو بھی بنوالو۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔ ''وسیم بھائی نے بنوایا ہے اور اب دیدی کو منا رہا ہے۔''

سادھنا اور وسیم دونوں الگ الگ سمتوں میں منہ کیے بیٹھے تھے۔ وسیم بھی نہا دھو کر اور بال شیو بنوا کر تازہ دم لگ رہا تھا۔ اور سادھنا نے شاید شیمپو بھی کیا تھا اس کے بال ریشم کی طرح سرسرا رہے تھے۔ ایک میں ہی میلا کچیلا ہو رہا تھا۔ میں نے وسیم کو غور سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے برخوردار یہ پاک بھارت جنگ میں وقفہ آیا ہے؟''

''شوبی اسے سمجھالیں۔'' سادھنا پھٹ پڑی تھی۔

''کیا سمجھالوں؟''

''یہی کہ اس نے ایک عورت سے شیو کیوں بنوائی۔''

''میں بنواؤں گا۔'' وسیم غرا کر بولا۔ ''آئندہ میں عورتوں سے شیو بنواؤں گا اور بال کٹواؤں گا۔''

''میں دیکھتی ہوں......''

''ایک منٹ۔'' میں نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''خدا کے لیے لڑو مت اور اس بی بی کا مجھے بھی اتا پتا بتاؤ جس نے بال کاٹے ہیں اور شیو بنائی ہے۔''

سادھنا دم بخود رہ گئی تھی۔ ''شوبی آپ بھی......''

''کیوں میں کیوں نہیں۔'' میں نے برا مان کر کہا۔ ''کیا میرے سر پر بال نہیں ہیں یا داڑھی نہیں آئی ہے۔''

''دیکھ لیا اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔'' وسیم خوش ہو کر بولا۔ ''شہباز صاحب بھی اسی سے بال اور شیو بنوائیں گے۔''

جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو ان میں بات چیت جھگڑے کی صورت میں شروع ہو چکی تھی۔ اسی کمرے میں منا بھائی بھی بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔ باتھ روم نچلی منزل پر تھے۔ ایک لڑکی نے میری وہاں تک رہنمائی کی۔ وہ تو بیتو کے کہنے کے مطابق مجھے نہلانے پر کمربستہ لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ وہ منع ہو گئی پر وہیں کھڑی رہی۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے اشاروں کی زبان میں سمجھایا کہ میں اکیلے میں غسل کرتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کپڑے اتارے اور ٹب میں گھس گیا اور واقعی بہت عرصے بعد غسل کا مزہ آ گیا تھا۔ گرم پانی کے ٹب سے نکلنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ پانی میں کوئی جڑی بوٹی ڈالی گئی تھی جس سے ایک کیف آور خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد بھوک کی شدت نے مجھے غسل خانے سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ بال اور شیو بنوانے کا ارادہ میں نے ناشتے تک ملتوی کر دیا۔

خادمہ نے جو کہیں سے خادمہ نہیں لگ رہی تھی اس نے مجھ سے ناشتے کا پوچھا تو میں نے اس سے کہا کہ اوپر میرے کمرے میں لے آئے۔ میں اوپر آیا تو وسیم اور سادھنا میں سچ مچ کا سیز فائر ہو چکا تھا۔ وسیم نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ کسی لڑکی کی حجامت نہیں بنوائے گا۔ سادھنا نے مجھے گواہ بنا لیا۔ ''شوبی آپ گواہ رہیے گا وسیم اب کبھی کسی لڑکی سے بال نہیں بنوائے گا اور شیو بھی نہیں۔''

''واقعی؟'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے فیصلہ کر لیا ہے اب میں شیو اور بال بنواؤں گا ہی نہیں۔''

''میں نے یہ کب کہا؟'' سادھنا نے احتجاج کیا۔

''میں باہر سے بال یا شیو بنوا کر آؤں گا تو تم شک کرو گی۔''

''اس سے پہلے تم دونوں کے درمیان میں لڑائی کا پھر سے آغاز ہو مہربانی کر کے میرا ناشتہ یہاں لے آؤ۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ناشتہ پہلے میرے کمرے میں آنا تھا کیونکہ سادھنا کے کمرے میں تو منا بھائی بندھا پڑا تھا۔ لہٰذا سادھنا جا کر میرے کمرے میں آنے والا ناشتہ لے آئی۔ نیپال میں دیسی انداز کا ناشتہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی تھی۔ اس میں پراٹھے تھے تلے اور ابلے ہوئے انڈے اور سوجی کا حلوہ بھی تھا۔ ناشتے کے بعد چائے آئی تھی اور یہ بھی بہت اعلیٰ درجے کی تھی۔ مجھے رہائش، کھانے پینے اور دوسرے لوازمات کی جیسی سہولتیں یہاں نظر آئی تھیں ایسی تو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بھی نہیں ملتیں۔ خاص طور سے ایسی طرحدار خادمائیں تو شاید سیون اسٹار ہوٹلز میں بھی نہ ہوں جو آپ کو نہلانے دھلانے پر بھی کمربستہ ہوں۔

وسیم نے مجھے مشورہ دیا۔ ''آپ بال کٹوانے کے بجائے صرف اسٹائل بنوا لیں۔ لمبے بالوں میں آپ کی شخصیت بالکل الگ لگتی ہے۔''

''شیو کروانے کے بجائے ہلکی سی داڑھی چھوڑ دیں۔'' سادھنا نے بھی مشورہ دیا۔ اور مجھے دونوں کی بات درست لگی تھی میری تصویر امکانی طور پر نیپال پولیس کے پاس بھی پہنچ چکی تھی اور اگر میں اپنے پرانے حلیے میں آ جاتا تو بہت آسانی سے شناخت ہو سکتا تھا۔ میں نے ان کی بات مان لی لیکن جانے سے پہلے میں نے منا بھائی کو کھلوا دیا۔ وہ پہلے ہی زخمی تھا اور بیتو نے اس کی بڑی بے رحمی سے خاطر تواضع کر رہے تھے۔ اس نے منہ کھلتے ہی ہانپتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ اپن کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''تم نے ہمارے ساتھ بڑا اچھا کیا تھا۔'' بیتو اٹھتے ہوئے بولا تو وہ بلبلا گیا تھا۔

''اسے روکو یہ بہت ظالم ہے۔''

''تم نے بڑی انسانیت دکھائی تھی۔'' سادھنا بولی۔ ''ہمیں مرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔''

''تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ ہماری بات بلا چوں چرا مانو۔'' میں نے اسے دھمکی دی۔ ''ورنہ یہ صرف ایک نمونہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں کہیں بے ہوش کر کے ڈال دیں اور جب تمہاری آنکھ کھلے تو تم نیپالی پولیس کی تحویل میں ہو۔ تم سوچ سکتے ہو کہ چوکی والوں کی طرف سے تمہیں شناخت کیے جانے کے بعد پولیس

تمہارا کیا حشر کرے گی۔"

"اپن کو آپریٹ تو کر رہا ہے۔" اس نے تھوک نگل کر کہا۔ "اور کیا کرے؟"

"اپنا منہ بند کر کے خاموش رہو۔" بیتو نے کہا تو وہ سہم گیا تھا۔ اسے بھی ناشتہ پانی دے دیا گیا تھا۔ میں بال بنوانے نیچے آیا۔ وہی لڑکی مجھے ایک کمرے میں لے آئی جو کسی جدید سیلون کا منظر پیش کر رہا تھا۔ لڑکی نے ایک کرسی پر بٹھا کر مجھ سے سروس کا پوچھا۔ وہاں ایک ہیئر اسٹائل کا میگزین تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور ایک اسٹائل پسند کر کے اسے بتا دیا۔ اس نے بیس منٹ میں میرے بال بڑی مہارت سے ویسے ہی بنا دیئے تھے۔ اس کے بعد اس نے ایک مشین کی مدد سے میری داڑھی مختصر کر دی۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا تو بڑی تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔

"تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔" میں نے اس کی تعریف کی۔

"شکریہ سر۔" وہ خوش ہو گئی۔

"چارج کیا ہے؟"

"کوئی چارج نہیں ہے سر یہ ہوم کی طرف سے ہے۔" اس نے وضاحت کی لیکن میں نے اسے مقامی کرنسی کا ایک نوٹ دیا تو اس کی خوشی سے اندازہ ہوا کہ اس کے لیے یہ بڑی رقم تھی۔ میں اوپر آیا تو ان تینوں کے درمیان جاناں بائی کے اوپر بات ہو رہی تھی۔ ان سب کو تعجب ہو رہا تھا کہ یہاں کوٹھے جیسا ماحول نہیں تھا باوجود اس کے کہ یہاں منا بھائی جیسے لوگ آتے تھے۔ سادھنا نے بتایا کہ یہاں جاناں بائی اپنی چھ لڑکیوں اور تین خادماؤں سمیت رہتی تھی۔ یہ مجھے بعد میں وسیم نے بتایا کہ اوپر کی دو منزلیں ان چھ لڑکیوں اور ان کے ساتھ رات گزارنے والے گاہکوں کے لیے مخصوص تھیں۔ جاناں بائی نے ہمیں دوسری منزل پر کمرے دیئے تھے۔ وہ خود ملازماؤں کے ساتھ گراؤنڈ فلور پر رہتی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے وسیم کو اشارہ کیا اور ہم میرے والے کمرے میں آئے۔

"تم نے رقم کا حساب کیا؟"

"نہیں موقع ہی نہیں ملا۔" اس نے جواب دیا۔ "اب کر لیتے ہیں۔"

ہم نے بیگ سے رقم نکالی اور اسے گننے بیٹھ گئے۔ نوٹ بے شمار تھے اور ان میں چھوٹے بڑے سارے ہی نوٹ تھے۔ ہم نے چھوٹے اور بڑے گن گن کر الگ رکھنا شروع کیے اور ساتھ بھارتی اور نیپالی روپیہ الگ الگ کیا۔ آدھے گھنٹے میں ہم نے سارے نوٹ گن کر الگ کر لیے تھے۔ ہمارے پاس کوئی دو لاکھ بھارتی روپے تھے جب کہ مقامی کرنسی اس سے زیادہ تھی اس کی مالیت کوئی سات لاکھ بنتی تھی۔ مجھے ایکس چینج ریٹ نہیں پتا تھا لیکن میرے حساب سے یہ بھارتی روپے کے برابر کی قدر بنتی تھی۔ یعنی ہمارے پاس کوئی چار لاکھ بھارتی روپے یا چودہ لاکھ نیپالی روپے تھے۔ ہمارے پاس بیس ہزار ڈالرز پہلے ہی تھے اور اب ہم مقامی کرنسی میں بھی لکھ پتی ہو گئے تھے۔

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ "کیا خیال ہے اگر ہم یہاں سے جعلی کاغذات حاصل کرنے کی کوشش کریں تو یہ رقم کافی ہو گی......؟ میں ڈالرز آگے کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔"

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مشکل لگ رہا ہے شاید ایک دو کے کاغذات بن جائیں۔ مگر اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کون کرے گا؟''

''منا بھائی۔'' میں نے جواب دیا اور ہم سادھنا والے کمرے میں آئے۔ وسیم نے ساری رقم ایک چرمی بیگ میں ڈال کر اسے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا۔ میں کرسی گھسیٹ کر منا بھائی کے پاس بیٹھ گیا۔

''منا بھائی تم گلو خلاصی چاہتے ہو؟''

''کیوں نہیں بابا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''تب ہمارا ایک کام کرنا ہوگا۔ ہمیں کسی پاسپورٹ اور دوسرے شناختی کاغذات بنانے والے شخص کی ضرورت ہے۔''

''اپن یہ دھندہ نہیں کرتا ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیکن کسی کو جانتے تو ہو گے؟''

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں اپن کسی ایسے آدمی سے بھی واقف نہیں ہے۔''

''تب تمہاری گلو خلاصی بھی مشکل ہے ہم تمہیں ایسے تو نہیں چھوڑ سکتے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ گھگھیانے لگا۔ ''اب جب تک ہم نیپال میں ہیں تمہیں بھی ہمارے ساتھ رہنا ہوگا۔''

''اے باپ اپن کا قصور کیا ہے۔'' اس نے کہا اور بیتو کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔ ''اپن مانتا ہے...... اپن برا کیا پر اپنا کو اس کا بہت سزا مل چکا ہے۔''

''ہمیں نہیں پتا ہم یہاں کسی اور کو نہیں جانتے اس لیے تمہیں ہی ہماری مدد کرنا ہوگی۔'' وسیم نے کہا۔ تو وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔

''ایک آدمی ہے تو لیکن بہت مہا حرامی چیز ہے۔''

''اچھا تم سے بھی زیادہ؟'' وسیم بولا۔

''اپن تو اس کے مقابلے میں بہت شریف آدمی ہے وہ تو اپنی ماں کو بیچ دے پیسے کا خاطر۔''

''اچھا تم ایسا نہیں کر سکتا۔'' بیتو تعجب سے بولا۔ ''ہم تو سمجھتا تھا کہ موقع پڑے تو تم بھی ماں کو بیچ دے گا۔''

''وہ اپن کا دشمن بھی ہے۔'' منا بھائی نے خون کے گھونٹ پی کر کہا۔ ''ایک بار مال دینے میں گھپلا ہو گیا تھا۔''

''تمہاری طرف سے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں قسم...... اپن اس کو ٹھیک مال دیا تھا پر اس نے اپن کا پے منٹ روکنے کے لیے لفڑا کیا۔''

''نام کیا ہے کہاں ملے گا؟''

''راجندر نام ہے پرراج کے نام سے مشہور ہے۔ ادھر پرانے شہر میں ایک کھولی میں رہتا ہے۔ اپن کو جگہ کا نام صحیح سے نہیں معلوم پر راستہ پتا ہے۔''

''بس تو ابھی تم ہمارے ساتھ چلو گے۔'' میں نے کہا۔

''اپن۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اپن کو مت لے جاؤ وہ سالا دیکھتے ہی گولی مار دے گا۔''

''نہیں مارے گا ہم ساتھ ہوں گے۔'' وسیم نے اسے یقین دلایا۔

''لیکن تم نہیں لے کر گیا تو تم کو معلوم ہے ہم کیا کرے گا۔'' بیتو نے اسے دھمکایا۔ ''ہم گولی نہیں مارے گا بلکہ تڑپا تڑپا کر مارے گا۔ پہلے خود مارے گا اور پھر پولیس کے حوالے کر دے گا۔''

منا بھائی سہم گیا۔ ''اپن نے انکار کب کیا ہے لے جائے بابا...... اکھا لے جائے گا۔''

''میں نے جاناں بائی کو تیس ہزار نیپالی روپے دیئے ہیں۔'' میں نے منا بھائی سے کہا۔ ''یہ کم تو نہیں ہیں۔''

''تم نے تیس ہزار دے دیا۔'' اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ''یہ تو بہت زیادہ ہے۔''

''زیادہ ہے تو ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''ہمیں تو یہ جگہ مفت میں پڑی ہے۔''

''یہ تو ہے صاحب ادھر فائیو اسٹار ہوٹل جیسا آرام ہے اور کچھ دکھانا بھی نہیں پڑتا۔ بس روکڑا دے دو۔'' منا بھائی نے سر ہلایا۔

''ویسے جاناں بائی کو کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں بہ غرض عیاشی کے لیے نہیں آئے ہیں؟'' وسیم نے سوال کیا۔

''کیونکہ تمہارے ساتھ عورت ہے اور تم لوگ ویسے بھی کوٹھوں پر جانے والے نہیں لگتے ہو۔'' منا بھائی بولا۔

''کیوں کیا کوٹھوں پر جانے والوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بابا...... اپن کا مراد دوسرا ہے یہ ایسا مافق لوگوں کو خوب جانتا ہے۔'' اس نے دانت نکال کر کہا۔

میرا زخم کسی قدر خشک ہو گیا تھا اس لیے میں نے نہانے کا خطرہ مول لیا تھا لیکن پانی لگنے سے اس میں سرخی پیدا ہو گئی تھی اور تکلیف بھی ہونے لگی تھی۔ میں نے اس خادمہ سے ڈریسنگ کرائی جس نے منا بھائی کی مرہم پٹی کی تھی۔ وہ اپنے کام کی ماہر تھی اور شاید آدھی ڈاکٹر تھی اس نے مجھ سے کہا۔

''آپ ایک اینٹی بایوٹک انجکشن لگوا لیں۔ ورنہ صرف دوا کھانے سے تکلیف اور سوجن دیر سے ختم ہو گی۔''

''تو لگا دو۔'' میں نے کہا تو اس نے انجکشن نکال کر لگا دیا۔

جاناں بائی نے بہت اچھا سیٹ اَپ کیا تھا۔ اس نے ایسی لڑکیاں رکھی تھیں جن کو گاہکوں کا دل بہلانے کے علاوہ بھی بہت کچھ آتا تھا۔ اور اس کے کوٹھے پر آنے والوں کو اضافی خدمات کے لیے کہیں اور نہیں جانا پڑتا تھا۔ جو لڑکیاں دھندہ نہیں کرتی تھیں وہ دوسرے کام کر لیا کرتی تھیں جیسے بال اور شیو بنانا یا نرس کا کام کرنا، جس لڑکی نے میری اور منا بھائی کی ڈریسنگ کی تھی وہ تربیت یافتہ نرس تھی اور بعض دیگر مسائل سے نمٹنے کے لیے رکھی گئی تھی لیکن مرہم پٹی بھی کر لیا کرتی تھی۔

منا بھائی کی حالت بھی کسی قدر بہتر تھی اور ٹکور وغیرہ کرنے سے اس کے چہرے کی پوزیشن بھی نارمل کے قریب ہو گئی تھی۔ ہم دوپہر کا کھانا کھا کر نکلے تھے۔ میرے اور منا بھائی کے ساتھ بیتو تھا کیونکہ بیتو کسی حد تک

نیپالی جانتا تھا۔ اگر منا بھائی مجھے دھوکا دینے کی کوشش کرتا تو بیتو اسے پکڑ سکتا تھا۔ ہم نے اسلحے میں صرف دو عدد پستول ساتھ رکھے تھے۔ سادھنا اور وسیم کو ہم نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ گزشتہ دن کی طرح کھٹمنڈو شہر اپنی عام حالت میں تھا اور شہر کے قریب ہو والے پیرا ملٹری آپریشن کا اثر شہر میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہمیں کچھ دور جانے کے بعد ایک ٹیکسی مل گئی تھی۔ منا بھائی نے ٹیکسی والے کو کسی جگہ کا پتا بتایا اور وہ ہمیں لے کر روانہ ہو گیا تھا۔ بیتو نے ٹیکسی والے سے اردو میں بات کی تو وہ دانستہ ٹال کر رہ گیا تھا۔ شاید بیتو جاننا چاہ رہا تھا کہ اسے اردو یا ہندی آتی ہے یا نہیں آتی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''شوبی بھائی...... کل سے اب تک کا وقت امن سے گزرا ہے ہم کو یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''عام طور سے اتنے وقت تک ہمیں چین سے بیٹھنا نصیب ہوا نہیں ہے۔''

''اسی لیے ڈر لگتا ہے۔'' بیتو نے کہا۔ ''اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔'' اس نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

''ماں قسم...... اپن کچھ نہیں کرے گا۔''

''اور اگر کرے گا تو سب سے پہلے مارا جائے گا۔'' بیتو نے واضح کیا۔ اس نے منا بھائی کو پستول دکھا دیا یا۔ ٹیکسی والا شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں داخل ہوا یہاں تنگ راستوں کے اوپر کئی منزلہ عمارتیں تھیں۔ جن کی بالکونیوں سے سوکھنے والے کپڑے اور بچے لٹک رہے تھے۔ گلی میں موجود تمام بچے ٹیکسی کے ساتھ ریس لگا رہے تھے اور ٹیکسی والے کی گالیاں سن کر بھی بے مزہ نہیں ہوئے تھے۔ نیچے تھڑوں پر گرم کپڑوں میں لپٹے بوڑھے اونگھ رہے تھے۔ خالصتاً پرانے شہر کا منظر تھا۔ پھر ٹیکسی ایک گندی سی گلی کے سامنے رک گئی میں نے سوالیہ نظروں سے منا بھائی کی طرف دیکھا۔

''ہماری منزل آ گئی ہے؟''

''نہیں ادھر سے کچھ دور پیدل چلنا ہوگا۔'' اس نے کہا

ہم نیچے اترے اور ٹیکسی والے کو کرایہ دیا۔ اچانک مجھے خیال آیا میں نے بیتو سے کہا۔ ''ٹیکسی والے سے کہو یہ کچھ دیر رک کر ہمارا انتظار کرے تو اسے ڈبل ملے گا۔''

بیتو نے اس سے بات کی تو وہ مان گیا تھا اس نے کہا کہ وہ ایک گھنٹہ ہمارا انتظار کرے گا اور اگر ہم اس دوران میں نہیں آئے تو وہ یہاں سے چلا جائے گا۔ اس سے واپسی کا طے کر کے ہم منا بھائی کی رہنمائی میں آگے بڑھے۔ یہاں کی گلیاں اتنی تنگ تھیں کی ان میں کوئی گاڑی نہیں آ سکتی تھی۔ عام طور سے جرائم پیشہ افراد ایسی ہی جگہوں پر اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں کیونکہ یہاں تک قانون نافذ کرنے والے اداروں کی گاڑیاں نہیں آ سکتی ہیں اور کسی چھاپے کی صورت میں ان کو فرار کا موقع مل جاتا ہے۔

تنگ گلیاں بھول بھلیوں جیسی تھیں اور دس منٹ میں ہم اتنی گلیاں دیکھ چکے تھے کہ مجھے یقین تھا کہ اب میں اکیلے واپس جانے کی کوشش کروں گا تو راستہ بھٹک جاؤں گا۔ منا بھائی بتا رہا تھا۔ ''یہ راج سخت حرامی آدمی ہے اور حرامی سے زیادہ ہاتھ چھوٹ ہے مارتا پہلے ہے اور پوچھتا بعد میں ہے۔''

منا بھائی ایک بزدل اسمگلر تھا اور لڑائی بھڑائی سے اس کی جان جاتی تھی اس لیے اس وقت بھی وہ پریشان اور خوف زدہ تھا۔ بیتو نے اس کو تسلی دی۔ ''اتنا کیوں روتا ہے تیرے کو کوئی نہیں مارے گا جب بھی مارے گا ہم ہی مارے گا۔''

مجھے بیتو کی بات پر ہنسی آ گئی۔ ''یہ تم اسے تسلی دے رہے ہو یا دھمکی؟''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''دونوں دے رہا ہے۔ اس وقت اسے دونوں کا ضرورت ہے۔''

گلیوں میں ایسے چہرے نظر آ رہے تھے جن پر جرم کی چھاپ نمایاں تھی اور وہ مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھ رہے تھے لیکن ہم ان پر توجہ دیئے بغیر ان کے درمیان سے گزرتے رہے۔ منا بھائی ایک تین منزلہ عمارت کے سامنے رکا اور سرگوشی میں بولا۔ ''وہ یہاں رہتا ہے۔''

''اگر یہاں رہتا ہے تو تمہارا کیوں دم نکل رہا ہے؟'' بیتو نے اسے گھورا۔

''بتایا تو وہ اپن کا جانی دشمن ہے۔'' منا بھائی نے منمنا کر کہا۔ ''دیکھتے ہی گولی مار دے گا۔''

''فکر مت کرو اگر اس نے تمہیں دیکھتے ہی گولی ماری تو ہم تمہارے مرنے سے پہلے اسے بھی تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''پر اس کا اپن کو کیا فائدہ ہوگا۔''

''فائدہ نقصان بعد میں دیکھیں گے ابھی تو اوپر چلو۔'' میں نے اسے سیڑھیوں کی طرف دھکیلا۔ وہ یوں عمارت میں داخل ہوا جیسے کوئی جانور بوچڑ خانے میں داخل ہوتا ہے۔ اس نے راستے میں بتایا کہ راج آخری منزل پر ایک کھولی میں رہتا تھا۔ اس کے دروازے پر رک کر منا بھائی نے مجھے رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

''صاحب ابھی اپن کو معافی دو اور خود دروازہ بجاؤ۔''

میں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کچھ ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ایک ٹن وزنی جنگلی بھینسا ڈکرایا ہو۔ زبان مقامی تھی۔ اس لیے میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا اس نے کہا۔

''پوچھ رہا ہے کہ کون ہے؟''

''اسے بولو کام سے آئے ہیں۔'' میں نے کہا تو بیتو نے میری بات دھرا دی۔ اس پر اندر سے کچھ کہا گیا تو بیتو کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''حرامزادہ گالی دے کر جانے کو کہتا ہے۔''

''تب تو اسے پہلے سبق دینا ہوگا۔'' میں نے کہا اور دروازہ توڑ دینے والے انداز میں پیٹا اور اس بار اندر کوئی دو ٹن وزنی بھینسا ڈکرایا۔ منا بھائی کا رہا سہا رنگ بھی اُڑ گیا تھا۔ اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

''اب سب سے پہلے اپن مارا جائے گا۔''

میں کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسی لمحے کسی نے دروازہ کھولا اور سامنے ایک چھوٹا سا تبتی نقوش والا نیپالی کھڑا تھا۔ اس کا قد مشکل سے پانچ فٹ تھا اور جسم میں گوشت سے زیادہ ہڈیاں تھیں۔ میں نے اسے گھورا اور پوچھا۔ ''راج کدھر ہے؟''

وہ شراب کے نشے میں دھت تھا اور اس نے صرف بنیان اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اس نے میری بات

بھولی اور اس بار انگریزی میں بولا۔ ''یہ تیرا باپ سامنے کھڑا......''
اس کی آواز بتا رہی تھی کہ وہی راج تھا۔ اتنے چھوٹے سے جسم سے نکلنے والا ساؤنڈ حیرت انگیز تھا لیکن فی الحال اس کے ساؤنڈ سے زیادہ مجھے اس کی بات نے مجبور کیا تھا میں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور گھٹنا اس کے ناف تلے مارا اور اسے اندر کی طرف اچھال دیا۔ ضرب کی شدت نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے اور وہ فرش پر گرا یوں منہ کھولے تڑپ رہا تھا جیسے دنیا میں یک لخت ہوا کی کمی ہوگئی ہو۔ ہم اندر گھس آئے۔ بیتو نے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا۔ کمرہ ایک ہی تھا کیونکہ داخلی دروازے کے سوا اس میں صرف ایک چھوٹی سے کھڑکی تھی اور وہاں تھوڑا سا فرنیچر پڑا تھا۔ دیواروں پر فحش قسم کے پوسٹر لگے تھے اور زمین پر ایک گدے کے آس پاس شراب کی دو خالی بوتلیں پڑی تھیں۔

راج نے تڑپتے ہوئے یک دم گدے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک پستول نکالا جو بیتو نے اس سے نہایت آسانی سے چھین لیا اور ہنس کر بولا۔ ''اور کچھ ہے تو وہ بھی نکال لو۔''

میں نے اس کے سینے پر ٹھوکر ماری۔ ''اس کے پاس ایک ساؤنڈ ہے یہ بس وہی نکال سکتا ہے۔''

وہ پھر سے تڑپنے لگا اور میں کمرے میں موجود اکلوتی کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ کب اس کا سانس بحال ہوتا ہے۔ منا بھائی دہشت زدہ نظروں سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ کئی منٹ بعد راج اس قابل ہوا کہ بول سکے۔ اس نے بڑی مشکل سے اٹھ کر شراب کی بوتل اٹھائی اور اس میں موجود ایک چوتھائی مائع ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا۔ اس کے بعد کانپتی آواز میں بولا۔

''تو کون ہے باپ اور اس طرح آنے کا مقصد؟''

''مقصد بتایا تو تھا کام سے آئے ہیں۔'' بیتو نے اسے لات مار کر بستر پر گرا دیا۔ ''لیکن تو کتے کا بچہ ہے انسان کی زبان نہیں سمجھتا۔''

''مجھے مت مارو۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔ ''بولو کیا کام ہے؟''

''کام بتاتے ہیں پہلے اس کو دیکھو۔'' میں نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے منا بھائی کو دیکھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ ایک نہایت گندی گالی نکلی تھی۔ وہ ہندی جانتا تھا کیونکہ یہ اسی زبان کی گالی تھی اس بار منا بھائی نے اسے ایک لیفٹ پنچ رسید کیا اور وہ دوبارہ گدے پر گر گیا۔ ہم نے راج کی جو درگت بنائی تھی اسے دیکھ کر منا بھائی بھی شیر ہو گیا تھا۔ وہ اس کی مزید مرمت لگانا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ اور راج کو خبردار کیا۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو۔ ورنہ کام کی بات تو ہوگی نہیں اور تم مار کھاتے رہو گے۔''

''میں اسے چھوڑے گا نہیں۔'' اس نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے میرا کام کرنے کے بعد تم اس سے نمٹتے رہنا لیکن ابھی یہ مجھے تمہارے پاس لایا ہے۔''

راج نے بے یقینی سے منا بھائی کی طرف دیکھا۔ ''یہ صرف گن پوائنٹ پر ادھر آ سکتا ہے۔''

''ہم اسے گن پوائنٹ پر ہی لائے ہیں۔'' بیتو بولا اس نے گن بھی نکال کر دکھائی راج کا پستول اس نے

گولیاں نکال کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ میں نے کہا۔

''یہ ہمارا قیدی ہے۔''

راج نے منا بھائی کی طرف دیکھا تو اس نے بھی تصدیق کر دی اور اپنا چہرہ ملاحظے کے لیے پیش کیا۔

''تیرے کو یہ نشان نظر نہیں آرہے ماں قسم بہت ظالم لوگ ہیں۔''

''کام کیا ہے؟'' راج نے کہا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہمیں پاسپورٹ چاہئیں۔''

وہ چونک گیا۔ ''تم لوگ باہر سے آیا ہے؟''

''سوال نہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ کام کر سکتے ہو یا نہیں۔''

''کام ہو جائے گا۔'' اس نے بوتل کی طرف سے مایوس ہو کر ایک سگریٹ سلگا لی۔ ''لیکن نوٹ لگے گا۔''

''کتنا لگے گا؟''

''ایک پاسپورٹ کا دو لاکھ روپیہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ زیادہ نہیں ہیں؟''

''نہیں پاسپورٹ ایک نمبر ہو گا صرف تصویر چینج ہو گی۔'' اس نے کہا۔ ''قیمت کم نہیں ہو گی آگے تمہاری مرضی۔''

''مجھے منظور ہیں...... لیکن چار پاسپورٹ درکار ہیں تین مرد اور ایک عورت کا۔''

''مل جائے گا۔ آٹھ لاکھ لگے گا۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

''منظور ہے۔'' میں نے بھی اسی لہجے میں کہا۔ ''لیکن کوئی گڑبڑ ہوئی تو مجھے اپنا پیسہ نہیں تیری زندگی درکار ہو گی۔''

''میں کام کرتا ہے دھوکا نہیں کرتا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ایک بدمعاش یہ بات کہتا اچھا نہیں لگتا۔ یاد رکھنا ہمیں کام چاہیے دھوکا نہیں۔''

''میں کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔'' اس نے خون خوار نظروں سے منا بھائی کی طرف دیکھا۔ ''اس حرامزادے سے پوچھ لو یہ مجھے دھوکا دے گیا تھا ملاوٹ والی چرس دے گیا تھا۔ گاہک کا نقصان مجھے اپنی جیب سے پورا کرنا پڑا تھا۔''

منا بھائی کا چہرہ فق ہو گیا تھا کیونکہ اس نے خود کو ایک بے ضرر قسم کا اسمگلر ظاہر کیا تھا۔ اب انکشاف ہو رہا تھا کہ وہ چرس اور ممکنہ طور پر دوسری منشیات بھی اسمگل کرتا تھا لیکن یہ ہمارا مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے راج سے کہا۔

''ابھی تم منا بھائی کو بھول جاؤ ہاں دوبارہ جب تمہارا اس سے سامنا ہو تو بے شک اپنا حساب برابر کر لینا۔''

راج خود بھی گھاگ شخص تھا ہم بڑی پارٹی تھے وہ انتقام کے چکر میں ہم سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا۔ منا بھائی سے وہ بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا اور یہ دونوں کا آپس کا معاملہ تھا۔ پھر بھی میں نے راج کو خبردار کرنا مناسب سمجھا۔ ''یاد رکھنا اس وقت منا بھائی ایک طرح سے ہمارا ساتھی ہے اور تم سے اسے ایک خراش بھی آئی تو اپنا انجام تم خود سوچ سکتے ہو۔''

''تم بے فکر رہو۔'' اس نے کہا۔

میں نے اس کے کمرے کا معائنہ کیا وہ کسی تھرڈ کلاس بدمعاش کی رہائش گاہ کا منظر پیش کر رہا تھا اور وہاں مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جو اس کام سے متعلق ہو۔ یہ جگہ تو کسی نہایت تھرڈ کلاس غنڈے کی رہائش کا منظر پیش کر رہی تھی۔ مجھے خدشہ ہونے لگا کہ راج کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا وہ لاکھوں کی باتیں نہایت اعتماد سے کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم یہاں کام کرتے ہو؟''

وہ ہنسا۔ ''ادھر کون کام کر سکتا ہے۔ یہ تو میں نے اس لیے لے رکھا ہے کہ مجھ سے کام لینے والے یہاں آتے ہیں۔''

''یعنی تمہاری رہائش اصل میں کہیں اور ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''پاسپورٹ کن لوگوں کے چاہئیں۔ تصویر دو۔''

''صرف تصویر؟ دوسری تفصیل کی ضرورت نہیں ہے؟''

''تم نے اوریجنل مانگا ہے۔ اس میں تفصیل کا کیا کرے گا صرف تصویر چینج ہوگی۔''

''مگر تم تفصیل دیکھ لینا ایسا نہ ہو کہ عمر اور قومیت تصویر سے میچ نہ ہو۔''

''تم فکر مت کرو یہ اپنا کام ہے۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''پچاس ہزار نکالو۔''

''پچاس ہزار وہ کس بات کے؟''

''ایڈوانس۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہر پاسپورٹ کے دس ہزار ایڈوانس۔''

''یہ تو چالیس ہزار ہوئے۔'' میں نے غور کیا۔ ''پچاس کس خوشی میں مانگ رہے ہو۔''

''دس ہزار اس کے خلاف کچھ نہ کرنے کے۔'' اس نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن فکر مت کرو کل رقم آٹھ لاکھ روپے ہی ہوں گے۔''

''اور فرض کرو کہ کام نہ ہوا تو؟''

''تو یہ پچاس ہزار واپس ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے ہمارے ساتھ چلو رقم دیتا ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم کہیں نہیں جائے گا۔ پیسہ ادھر ہی لے گا۔''

''اور پاسپورٹ کہاں ملیں گے؟''

''وہ بھی ادھر ہی ملے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''باقی رقم اس وقت ملے گی جب پاسپورٹ مل جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر پچاس ہزار کے ساتھ آ جانا۔'' اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں بیتو اور منا بھائی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے یہ پچاس ہزار لے کر نو دو گیارہ تو نہیں ہو جائے گا۔''

''اپن کیا کہہ سکتا ہے۔ ایک نمبر کا حرامی ہے پر یہ اس کا مستقل ٹھکانہ ہے۔'' اس نے دبے لہجے میں کہا۔

جب ہم نیچے پہنچے تو اسی لمحے تین افراد اندر آئے ان میں سب سے آگے طویل قامت نے پوچھا۔

''راجندر کی کھولی کہاں ہے؟'' اس نے مقامی زبان استعمال کی تھی اور منا بھائی نے بے ساختہ اسے بتا دیا کہ وہ تیسری منزل پر ہوتا ہے۔ وہ دندناتے ہوئے اوپر چلے گئے۔ میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''یہ کیا پوچھ رہا تھا؟''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''وہ راج کا پتا پوچھ رہے تھے۔''

''اور اس نے بتا دیا۔'' بیتو نے مجھے آگاہ کیا۔

''یہ اس کے دشمن لگ رہے تھے۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ مجھے راج کی فکر نہیں تھی بلکہ اپنے کام کی فکر تھی۔ اگر وہ ان لوگوں کو ہاتھوں مارا جاتا یا زخمی بھی ہو جاتا یا وہ اسے اغوا کر کے لے جاتے تو میرا کام کون کرتا۔ اگر یہ ان تین میں سے کوئی ایک کام کرنے آئے تھے تو ان کو روکنا ضروری تھا۔

''ان کو دیکھنا ہوگا۔'' بیتو بولا اس کے ذہن میں بھی وہی خدشہ آیا تھا۔ ہم گلی میں نکل کر ایک جگہ رک گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی بغلی گلی تھی۔ یہاں ہم کسی کی نظر میں آئے بغیر راج کی بلڈنگ کی نگرانی کر سکتے تھے۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد راج ان تینوں کے نرغے میں اندر سے برآمد ہوا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کے ساتھ مار پیٹ ہوئی ہے۔ اس سے صحیح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آج راج کا برا دن تھا۔ پہلے اسے ہم نے پیٹا اور اب ان نو واردوں نے مارا تھا۔

''یہ کون ہو سکتے ہیں؟'' میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''اپن کو کیا پتا یہ کیا لفڑا ہے؟'' اس نے کہا۔ ''اس حرامی کا اکیلا اپن دشمن تھوڑی ہے۔''

وہ ہماری طرف ہی آ رہے تھے اور میں نے فوری فیصلہ کیا۔ ایک بار راج ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو ہمیں پاسپورٹ کے لیے پھر کسی کو تلاش کرنا پڑتا اور یہ آسان کام نہیں تھا یہ تو ہماری خوش قسمتی کہ ہمیں منا بھائی مل گیا تھا اور اس نے ہمیں پولیس چوکی کی طرف بھیجنے کا جو دھوکا کیا تھا وہ الٹا اس کے گلے پڑ گیا تھا اور ہمیں اس سے فائدہ ہی ہوا تھا۔ ہمیں رقم مل گئی، پھر منا بھائی مل گیا۔ اس کے توسط سے جاناں بائی کے کوٹھے کی لگژری رہائش مل گئی اور اب ایک کام کا آدمی بھی مل گیا تھا لیکن یہ کام کا آدمی خطرے میں تھا اور اسے بچانا ضروری تھا۔

ان تینوں نے راج کو یوں نرغے میں لے رکھا تھا جیسے ان کو خطرہ ہو وہ ابھی دھواں بن کر غائب ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک یقینی مسلح تھا اس کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں تھا۔ بیتو نے میرا ارادہ بھانپ لیا تھا اور اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ''کیا کرنا ہے؟''

میں نے بیتو کو سرگوشی میں کہا۔ ''میں کوٹ والے کو سنبھالوں گا اور تم باقی دو کو ہینڈز اَپ کرنا کوشش کرنا کہ گولی نہ چلانی پڑے۔''

بیتو نے سر ہلایا اور پستول نکال لیا۔ جیسے ہی وہ لوگ گلی کے پاس سے گزرنے لگے میں نے سب سے پیچھے کوٹ والے کے سر پر پستول کا دستہ مارا اور بیتو نے یہی سلوک اس کے ساتھ کیا جس نے راج کو دبوچ رکھا تھا۔ میرا شکار تو فوراً ہی خواب و خیال کی دنیا میں کھو گیا تھا لیکن بیتو نے جس کے سر پر وار کیا تھا وہ سخت جان تھا۔ وہ کراہ کر جھکا اور واحد بچ جانے والے نے اپنی بیلٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ میں نے پستول اس کے سر پر رکھ دیا وہ فوراً ساکت ہو گیا۔ بیتو نے اپنے شکار پر دوسرا وار کیا اور وہ اس بار سرد آہ بھر کر اپنے ساتھی کے ساتھ

ہی لیٹ گیا۔ دو تہائی نفری سے محروم ہونے کے بعد بچ جانے والے نے عافیت اسی میں سمجھی کہ ہتھیار ڈال دے۔ اس نے ہاتھ اوپر کر لیے لیکن میرا اسے جنگی قیدی بنانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے سر کو بھی بجایا اور وہ بھی نیچے گر گیا۔ یہ سارا عمل مشکل سے ایک منٹ میں ہو گیا۔ تینوں افراد برابر برابر پڑے تھے اور راج دم بخود سا ہمیں دیکھ رہا تھا۔

''تم...... یہ کیا کیا؟''

''یہاں سے نکلو۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''میرا خیال ہے ان کے اور ساتھی بھی ہیں۔''

یہ سنتے ہی راج ہمارے ساتھ چلنے پر تیار ہو گیا تھا لیکن بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''وہ بھاگ گیا۔''

میں نے چونک کر گلی میں دیکھا تو منا بھائی غائب تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور جتنی دیر تک ہم راج کے دشمنوں سے نمٹتے رہے اسے غائب ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ شاید اسی بغلی گلی میں کہیں آگے نکل گیا تھا۔ اور اس کے پیچھے جانا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ کہیں کا کہیں نکل گیا ہوگا۔ میں نے راج کو کھینچا۔ ''اس پر لعنت بھیجو اور یہاں سے نکلو ایسا نہ ہو کہ ہم بھی گھر جائیں۔''

راج نے اپنے لباس پر صرف ایک صدری نما چیز پہن رکھی تھی۔ وہ ہمارے ساتھ گھسیٹ رہا تھا اس کے پاؤں میں کہیں چوٹ آئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کون تھے؟''

''میرے دشمن۔'' اس نے جامع جواب دیا۔

''کس وجہ سے؟''

''اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ بولا۔

اس وقت تو میں نے کچھ نہیں کہا لیکن جب ہم ٹیکسی تک پہنچے اور اس میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے تو میں نے پھر اس سے یہی سوال کیا اس نے ناگواری سے کہا۔ ''میں بتا چکا ہوں تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں نے اس کی پسلی سے پستول نکالا۔ ''تعلق ہے ہم تم سے ایک بڑا کام کروانے جا رہے ہیں اور ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے ساتھ مزید کتنے چکر لگے ہوئے ہیں؟''

''یہ میرے کاروباری دشمن ہیں۔'' اس نے ہچکچا کر جھوٹ کہا۔

''کاروبار حریف مار ڈالتے ہیں۔ یہ اغوا کرنے کا چکر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔''

''وہ مجھ سے کچھ باتیں اگلوانا چاہتے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔

اگر چہ صاف لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن فی الحال میں نے اسے مزید کریدنے سے گریز کیا۔ میں نے بات بدل دی۔ ''میرا خیال ہے تمہارا یہ ٹھکانہ تو گیا؟''

''میرے پاس کئی ٹھکانے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا یہ دشمن وہاں تک نہیں پہنچ سکتے؟''

''نہیں وہ بہت خفیہ ہیں۔ میرے دوست بھی ان کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔''

''یعنی اگر ہم تمہارے ساتھ رہیں تو ہمیں بھی کوئی تلاش نہیں کر سکے گا۔'' میں نے کہا تو وہ چونکا۔

''میرے ساتھ...... وہ کیوں؟''

''اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اول تو یہ کہ ہمارے پیچھے بھی کچھ دشمن ہیں۔ منا بھائی ان کو لے کر سیدھا وہاں آئے گا جہاں ہم رکے ہیں۔ دوسرے ہم تمہاری حفاظت کر سکتے ہیں۔''

''مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔''

''لیکن ہمیں تو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اب ہم تم سے کام لینے کے لیے کہاں آئیں گے۔''

''کام میں ابھی نہیں کر سکتا ہوں۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔ ''مجھے یہیں اتار دو۔''

اب تک میں شرافت سے بات کر رہا تھا۔ اس بار میں نے اس کے پیٹ کہنی ماری۔ وہ کراہ کر جھکا تو یہی کہنی اس کے منہ پر رسید کی۔ میں نے ہاتھ ہلکا رکھا تھا کہ وہ کہیں اپنے دانت یا ناک کے بانسے سے نہ محروم ہو جائے۔ وہ کراہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کی کراہ سن کر چونکا اور اس نے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو بیتو نے کہا۔ ''آگے دیکھو...... کسی کھائی میں مت اتر جانا۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے کہا۔

''تمہاری ماں کا شادی۔'' بیتو غرایا۔ ''اب پیچھے دیکھا تو بھیجا نکال دوں گا۔''

ڈرائیور یہ سنتے ہی سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا جب ہم منا بھائی کے بجائے راج کو ساتھ لائے تھے۔ بیتو کے لہجے سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہم کچھ ٹیڑھے لوگ تھے اور ہمارے کسی معاملے میں مداخلت کرنے کے بجائے اسے ڈرائیونگ پر توجہ دینی چاہیے۔ میری کارروائی نے راج کو بھی سمجھا دیا تھا کہ ہم کس حد تک جا سکتے تھے۔ میں نے کہا۔

''تم نے کیا ہمیں اپنا باڈی گارڈ سمجھا ہے جو تم کو بچا کر لا رہیں۔ ہماری طرف سے تم جہنم میں جاؤ ہمیں اپنے کام سے مطلب ہے اس لیے ان لوگوں سے تم کو بچایا اور اگر تم اسے ہماری بیوقوفی سمجھ رہے ہو تو ابھی واپس چلتے ہیں تمہیں ناک آؤٹ کر کے اسی جگہ پھینک دیں گے اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں بھوکے بھیڑیوں کی طرح تلاش کر رہے ہوں گے۔''

راج خاموش رہا تو میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''ٹیکسی واپس موڑ لو ہمیں وہیں جانا ہے۔''

ڈرائیور ٹیکسی موڑنے لگا تھا کہ راج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''اچھا مجھے منظور ہے۔''

''گڈ...... لیکن کیا منظور ہے؟''

''یہی کہ تم کو اپنے ساتھ رکھوں گا اور تم کو مطلوبہ چیزیں بنا کر دوں گا'' اس نے ڈرائیور کے سامنے پاسپورٹ کہنے سے گریز کیا۔

میں نے ڈرائیور کو سیدھا چلنے کو کہا۔ ''اب تم آئے نا راہ راست پر۔''

''تم لوگ کون ہو یہاں کے تو نہیں ہو؟'' راج نے پہلی بار پوچھا۔

''غیر ضروری تجسس مت کرو۔'' میں نے کہا اور بیتو سے بولا۔ ''ہم جاناں بائی کے ہاں صرف پانچ منٹ کے لیے رکیں گے اتنی دیر میں جا کر ان دونوں کو اور سامان لے آنا۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ جب تک ہم واپس جاناں بائی کے کوٹھے تک پہنچے تاریکی چھانے لگی تھی۔ شام ہوتے ہی سورج بہت تیزی سے ڈھل گیا تھا۔ ٹیکسی کوٹھے کے سامنے رکی اور بیتو اتر گیا۔ میں نے ڈرائیور کو ایک نوٹ اور

دیا۔ "کچھ دیر اور رکنا ہوگا ہمیں یہاں سے ایک اور جگہ جانا ہے۔"

"جی صاحب۔" اس نے فرماں برداری سے کہا۔ ایک تو اسے کرایہ توقع سے زیادہ مل رہا تھا اور دوسرے اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہم اپنی بات کس طرح منواتے تھے۔ نوٹ بہر حال مار سے کہیں بہتر تھے بلکہ بہتر ہی بہتر تھے۔ بیتو ان لوگوں کو سامان سمیت دس منٹ میں لے آیا۔ راج کو بیتو کے ساتھ آگے فٹ کر دیا وہ اس طرح کہ راج ڈرائیور اور بیتو کے درمیان میں تھا۔ سادھنا اور وسیم سامان سمیت میرے ساتھ آ گئے۔ وسیم سمجھ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ابھی کچھ پوچھنے سے گریز کیا تھا لیکن سادھنا نے اندر بیٹھتے ہی مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

"یہاں سے کیوں اور کہاں جا رہے ہیں...... ایسی کیا آفت آ گئی......؟ اتنی اچھی جگہ ہے۔"

"صبر صبر...... اتنی جلدی کیا منزل پر پہنچ جائیں تو بتاتا ہوں۔" میں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا تو اس کی زبان کو ذرا قرار آیا تھا۔ سادھنا اور وسیم راج کے بارے میں جاننے کے لیے بے قرار تھے میں نے وسیم کو پشتو میں مختصر الفاظ میں ساری کہانی سنائی۔ "اب یہ مل گیا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اسے ہی پکڑ لیتے ہیں۔"

"یہ آپ نے اچھا کیا منا بھائی ویسے بھی اب بے کار تھا۔ کام کا مرغا یہ ہے۔" وسیم نے راج کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے راج سے پوچھا۔ "تم کو انگریزی آتی ہے؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس۔" اس نے کام چلاؤ انگریزی میں جواب دیا۔

"ٹیکسی اپنے ٹھکانے سے کچھ دور رکوا لینا۔ جہاں سے ہم سامان سمیت پیدل تمہارے گھر تک جا سکیں سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا۔" اس نے کہا۔

اتفاق سے راج کا یہ ٹھکانہ اسی علاقے میں تھا اس نے ٹیکسی ایک اوپر جاتی سڑک کی طرف موڑنے کو کہا اور پھر ایک جگہ رکنے کو کہا۔ ہم سب وہاں نیچے اتر آئے۔ یہ جگہ اتنی آباد نہیں تھی دور دور اکا دکا گھر نظر آ رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو ایک نوٹ اور دیا اور اسے بیتو سے کہلوایا کہ وہ آج کی سواری کے بارے میں کسی نہ کہے تو بہت سکھی رہے گا۔ اس نے جواب دیا۔

"کیسا سواری صاحب۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے راج سے کہا۔ "اب کہو کہاں جانا ہے؟"

اس نے ذرا بلندی کی طرف ایک چھوٹے سے خوشنما بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی بیرونی روشنیاں جل رہی تھیں۔ "وہاں جانا ہے۔"

"کیا وہاں کوئی رہتا ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "میری ملازمہ ہے۔ کھانا بناتی ہے اور دوسرے کام کرتی ہے۔"

"کیا اس کی رہائش یہیں ہے؟"

"ہاں لیکن اس کا گھر بھی پاس ہی گاؤں میں ہے۔" اس نے کہا۔ "میں یہاں صرف آرام کرنے آتا

ہوں۔''

''ہم سامان اٹھا کر اوپر کی طرف بڑھ گئے بنگلے تک جانے کے لیے ایک چھوٹی سی پگڈنڈی تھی۔ جس کے آس پاس اس موسم میں بھی سبز گھاس تھی۔ اس علاقے میں بجلی تھی۔ شاید اس لیے کہ یہ امرا کا علاقہ تھا۔ راج نے گیٹ کے ساتھ لگا کال بیل کا بٹن دبایا تو فوراً ہی اندر سے ایک عورت نکلی۔ اس نے گیٹ سے آ کر جھانکا اور راج کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے اور مزید کچھ کہا۔ اسے دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ راج یہاں کس قسم کا آرام کرنے آتا ہوگا۔ عورت تقریباً تیس برس کی قبول صورت اور گدرائے بدن کی تھی۔

راج ہمیں لے کر اندر آ گیا۔ اتنی دیر میں، مَیں فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ عورت یہاں نہیں رہے گی۔ میں نے راج سے کہا۔ ''اسے چھٹی دے دو۔ یہ گھر چلی جائے۔''

وہ چونکا۔ ''کیوں؟''

''کیا تم اپنی ملازمہ کے سامنے اپنی عزت کروانا چاہتے ہو؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ''سوال کیوں کر رہے ہو؟''

''یہ یہاں کام کرتی ہے۔'' وہ کمزور لہجے میں بولا۔

''ہمیں اس کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا کام ہم خود کر سکتے ہیں اور ویسے بھی ہمارا یہاں کوئی لمبا چوڑا رکنے کا ارادہ نہیں ہے۔ جتنی جلدی تم ہمارا کام کر دو گے اتنی جلدی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

وہ ہونٹ چبانے لگا اور ایک موقع پر مجھے لگا جیسے وہ پھٹ پڑے گا اور میری بات ماننے سے انکار کر دے گا۔ وہ شریف آدمی نہیں تھا اس لیے کسی کے احکامات پر عمل کرنا اس کے لیے بہت مشکل کام تھا۔ مگر اس نے خود پر قابو رکھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہم اس پر مکمل طور پر حاوی تھے اور اپنی ہر بات اس سے منوا سکتے تھے۔ بلکہ میں نے متبادل بھی سوچ لیا تھا کہ اس کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو ہم نے منا بھائی کے ساتھ کیا تھا۔

یہ بات وہ بھی سمجھتا تھا اس نے گہری سانس لے کر اپنی خادمہ سے مقامی زبان میں چھٹی کر کے گھر جانے کو کہا وہ ذرا حیران ہوئی تھی کیونکہ اس کا کام تو راج کے آنے کے بعد شروع ہوتا تھا اور باقی وقت وہ چھٹی پر ہوتی تھی۔ یہ شاید پہلا موقع تھا جب راج نے اُسے اپنی موجودگی میں چھٹی کر کے جانے کو کہا۔ ملازمہ اس بات پر حیران تھی۔ اس نے راج سے کچھ کہا تو وہ اپنی مخصوص آواز میں غرایا تھا۔ ملازمہ سہم گئی اس نے سر ہلایا اور وہاں سے چلی گئی۔ راج بگڑے لہجے میں بولا۔

''اب مجھ سے گھر کا کام کرنے کو مت کہنا مجھے کھانا بنانا نہیں آتا ہے۔''

''ہمیں تمہارے ہاتھ کا کھانا چاہیے بھی نہیں۔'' سادھنا بولی۔ ''ہمیں بھوک لگے گی تو خود بنا لیں گے۔''

''مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔'' وسیم نے پیٹ پر ہاتھ مار کر اعلان کیا۔ سادھنا نے اسے گھورا۔

''ابھی ایک گھنٹے پہلے چائے کے ساتھ جو اتنا سارا کھایا تھا۔''

''وہ کھانا تھوڑی تھا۔'' وسیم نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''کھانا تو الگ ہوتا ہے۔''

بیتو ملازمہ کے ساتھ دروازے تک گیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے آ گیا۔ راج نے ایک کمرے میں جانے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔ ''مجھے وہاں ایک کام ہے۔'' اس نے کہا۔

''تم نے جو کرنا ہے ہمارے سامنے کرو گے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمیں کیا پتا کہ اندر جا کر کوئی گن نکال لو اور بلاوجہ مارے جاؤ۔''

''تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے بے شک تم نے یہاں دس جگہ اسلحہ چھپا رکھا ہو۔'' وسیم نے کہا اور اسے بیگ میں موجود خود کار رائفلوں کا نظارا کرایا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

''تم لوگ دہشت گرد ہو؟''

میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کی ناک سے ناک ملا کر کہا۔ ''نہیں دوسروں کو نقصان پہنچانا ہمارا پیشہ نہیں ہے لیکن کوئی ہمارے خلاف کچھ کرتا ہے تو ہم اسے بخشتے نہیں ہیں۔ اس لیے آئندہ ہمیں دہشت گرد مت کہنا سمجھ گئے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''سمجھ گیا..... لیکن مجھے کپڑے تو بدلنے دو۔''

''چلو میرے ساتھ۔'' میں نے اسے کمرے کی طرف دھکیلا۔

اس کا بیڈ روم بڑے شاہانہ انداز میں سجا تھا۔ ایک نرم و ملائم بستر والے بیڈ کے ساتھ الماری، ڈریسنگ ٹیبل اور ایک انٹرٹینمنٹ ٹرالی بھی تھی جس میں بڑے سائز کے ٹی وی کے ساتھ سیٹلائیٹ ڈش ریسیور، ڈی وی ڈی پلیئر، میوزک سسٹم اور بے شمار سی ڈیز و ڈی وی ڈیز رکھی تھیں۔ ٹرالی کے دائیں بائیں دو بڑے اسپیکرز تھے۔ فرش پر دبیز قالین تھا اور کھڑکی پر حریری پردے تھے۔ اس نے اپنی عیاشی کے اڈے کو پوری طرح سجا رکھا تھا۔ ایک خستہ حال عمارت کی تیسری منزل پر واقع ایک گندی کھولی میں پڑے راج کو دیکھنے والے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے ہوں گے کہ وہ ایسے کسی حسین بنگلے کا مالک بھی ہو سکتا ہے اس کے دشمن اسے اس کی کھولی والی جگہ جیسے کسی گندے علاقے میں تلاش کر سکتے تھے لیکن ان کا دھیان نہیں جا سکتا تھا۔ وہ یہاں بالکل محفوظ تھا جب تک کہ بد قسمتی اس کا راز نہ فاش کر دیتی۔ ہم اس جگہ کے بارے میں جان گئے تھے لیکن ہم کل چلے جاتے اور اس کا راز راز ہی رہتا بشرطیکہ وہ خود کوئی احمقانہ حرکت نہ کرتا۔ اس نے الماری کھولنا چاہی لیکن میں نے اسے روک دیا۔

''ایک منٹ میرے چاند..... پہلے مجھے دیکھنے دو۔''

''اس میں کچھ نہیں ہے۔'' اس نے جز بز ہو کر کہا۔

''تمہاری زبان کا اعتبار ہوتا تو وہیں نہ بیٹھا رہتا۔'' میں نے الماری کھولی۔ اس کا معائنہ کیا۔ اندر کچھ درازیں تھیں لیکن ان میں کوئی ہتھیار نہیں تھا البتہ کچھ سامان عیاشی تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ راج بغیر فیملی کے ہی فیملی پلاننگ کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ کپڑے تھے۔ سوٹ، مقامی لباس اور نائٹ ڈریس سب کچھ تھا۔ اس کا ذوق بہت اچھا تھا مجھے حیرت ہوئی کہ اس ذوق کا آدمی اس گندی سی کھولی میں کس طرح پڑا رہتا تھا۔ اس نے اپنے لیے لباس نکالا اور بولا۔

''مجھے نہانا اور اپنے زخموں کو دیکھنا ہے۔''

میں نے باتھ روم کا معائنہ کیا۔ وہاں نہ تو کوئی ایسی چیز تھی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے چھوٹے سے روشن دان سے نکل سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے اجازت دے دی۔ وہ اندر چلا گیا۔ ویسے باتھ روم بھی خاصا شاہانہ تھا۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ ٹی وی کے ساتھ سیٹلائیٹ ڈش سسٹم بھی تھا میں نے ٹی

وی آن کر کے چینل لگایا۔ اس سسٹم میں زیادہ تر مغربی چینلو تھے اور ان میں بھی موویٔ چینلو کی بھرمار تھی۔ ایک دو دوسرے چینلز تھے وہ میرے کام کے نہیں تھے۔ میں نے ٹی وی بند کر دیا۔ راج تسلی سے نہا رہا تھا اور وہ پورے ایک گھنٹے بعد اندر سے نکلا تھا لیکن اب اس کی حالت خاصی بہتر ہو رہی تھی۔ اس نے نہ صرف نہالیا تھا بلکہ شیو بھی بنالی تھی۔ اپنے زخموں کی سکائی بھی کر لی تھی۔ اور پتلون اور شرٹ میں کسی قدر معقول لگ رہا تھا لیکن اس کے چہرے سے بدمعاشی کی چھاپ کسی صورت نہیں جا سکتی تھی۔ وہ ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''اب بولو......کیا کہتے ہو؟''

''ہمیں پاسپورٹ چاہئیں جلد از جلد۔''

''اس کے لیے تم کو مجھے پوری رقم دینا ہوگی اور یہاں میرا انتظار کرنا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''مجھے بے وقوف مت سمجھو۔'' میں نے کہا۔ ''تم کو پوری رقم دے دوں اور تم غائب ہو جاؤ۔''

''میں یہاں سے کہاں جاؤں گا۔'' اس نے ہاتھ پھیلائے۔ ''یہ میری پراپرٹی ہے اس کی مالیت آٹھ لاکھ سے کہیں زیادہ ہے۔''

''بکومت، تم بھاگ جاؤ گے تو کیا ہم یہ بنگلہ لے جا کر اپنا نقصان پورا کریں گے اور اتنا تو تم بھی سمجھ گئے ہو کہ ہم پولیس کے پاس نہیں جا سکتے۔''

''یہاں بیٹھے بیٹھے میں تم لوگوں کے لیے پاسپورٹ کیسے بنا دوں؟''

''یہاں نہیں بنا سکتے تو وہاں لے چلو جہاں بنا سکتے ہو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں تم کو وہاں نہیں لے جا سکتا۔ کام تو کسی صورت نہیں ہوگا میں مفت میں مارا جاؤں گا۔''

''تب تم کوئی حل سوچو لیکن یہ بات بھول جاؤ کہ ہم تم کو پوری رقم دے دیں گے۔''

''اب پوری رقم کے بغیر بات نہیں بنے گی کیونکہ میں اپنے ٹھکانے سے نکل گیا ہوں اس لیے مجھے استعمال شدہ پاسپورٹ اسی صورت میں ملیں گے جب میں ان کی پوری ادائیگی کر دوں گا۔''

''پاسپورٹ تم کہاں سے لیتے ہو؟''

''ایک گینگ ہے اس کا کام ہی یہاں آنے والے سیاحوں سے کسی طرح ان کے پاسپورٹ حاصل کرنا ہے۔ وہ یہ پاسپورٹ آگے بیچ دیتے ہیں۔ کیونکہ اصلی یورپی یا امریکی پاسپورٹ ہوتا ہے اس لیے بہت مہنگا بکتا ہے۔''

''ہمیں امریکی یا یورپی نہیں بلکہ ایشیا کا پاسپورٹ ہی چاہیے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس میں یہ شرط نہیں رکھی جا سکتی ہے۔ بس عمر اور قومیت کا فرق دیکھنا پڑتا ہے اور میں اسی حساب سے پاسپورٹ لے لیتا ہوں۔''

''یعنی میں پچاس برس کا اور کوئی افریقی مبو تو نہیں ہو سکتا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

''بالکل یہ بہت نازک کام ہے اور اس میں ذرا سی غلطی کام تمام کرا دیتی ہے۔'' اس نے سر ہلایا اور مجھ سے کہا۔ ''کیا مجھے پینے کی اجازت ہے؟''

''ضرور لیکن اعتدال میں رہ کر پینا۔''

اس نے کچن میں رکھے فریج سے وہسکی کی ایک بوتل نکالی اور گلاس سمیت کمرے میں آ گیا۔ سادھنا اور بیتو کچن میں کھانے پینے کے سامان کا جائزہ لے رہے تھے اور وسیم کہیں غائب تھا۔ راج ایک کرسی پر ٹک گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''اگر تم پوری رقم نہیں دے سکتے تو آدھی دے دو باقی میں اپنی گڈول پر کام نکال لوں گا۔''

''گڈول ایک مجرم کی؟'' میں ہنسا۔

''بالکل اسی کام میں تو گڈول چلتی ہے کیونکہ کوئی حکومت اور کوئی عدالت ہمارے کاموں میں ضمانت نہیں دیتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''لیکن میں بے وقوف نہیں ہوں۔ یہ گڈول کا معاملہ ان لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جو ایک جیسے حیثیت رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کا گلا دبوچنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ہمارا اور تمہارا معاملہ الگ ہے۔''

''یعنی تمہیں خطرہ ہے کہ میں آدھی رقم لے کر بھی بھاگ سکتا ہوں۔''

''مجھے خطرہ نہیں یقین ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے۔'' میں نے کہا۔ ''تمہاری جگہ اگر میں بھی ہوں تو ایک بار یہاں سے نکلنے کے بعد واپس نہ آؤں۔''

اس نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔ ''تب میں کیا کر سکتا ہوں؟''

میں کچھ سوچ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''جب تم کوئی پاسپورٹ لاتے ہو تو اسے تبدیل کیسے کرتے ہو؟''

''اس کام کے لیے میرے پاس یہاں تمام ضروری چیزیں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''بنگلے کے ایک کمرہ اسی کے لیے مخصوص ہے اور وہاں مینا بھی نہیں جا سکتی ہے۔''

''مینا کون...... ملازمہ؟''

''ہاں...... وہ آج تک اس کمرے میں نہیں گئی ہے اسے نہیں معلوم کہ میں وہاں کیا کرتا ہوں۔''

''مجھے وہ کمرہ دکھاؤ؟''

وہ چوکنا ہو گیا۔ ''تم دیکھ کر کیا کرو گے؟''

''سوال نہیں...... جو کہا ہے وہ کرو۔'' میں نے کھردرے لہجے میں کہا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی بادلِ ناخواستہ کھڑا ہوا اور مجھے لے کر اوپری منزل پر ایک مقفل کمرے میں آیا۔ اوپر بھی تین کمرے تھے اور ان میں سے اس کے کام کا تھا۔ اس کے پاس اس کی چابی تھی۔ اندر سے یہ کمرہ کسی فوٹو لیب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک طرف جدید ترین کمپیوٹر اور اس کے آلات رکھے تھے جیسے اسکینر اور پرنٹر وغیرہ۔ میری توجہ ایک طرف دیوار میں لگے چھوٹے سے سیف کی طرف گئی۔ میں نے اشارہ کیا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''لوگ سیف میں کیا رکھتے ہیں؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''مال و دولت اور ایسی چیزیں جو وہ کسی اور کی نظروں میں آنے سے بچانا چاہتے ہوں لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُس نے اس میں اور بھی کچھ چھپا رکھا ہے۔''

''کیا چھپا رکھا ہے؟''

''وہ پاسپورٹ اسی سیف میں ہیں جن کو تم خریدنے کی بات کر رہے ہو۔''

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔''نہیں میرے پاس کوئی پاسپورٹ نہیں ہے۔''

راج جب میں نے تم سے پاسپورٹ بنوانے کو کہا تھا تو تم نے پورے اعتماد سے مجھے کہا تھا کہ تم بنا دو گے۔ یہ دعویٰ تم اسی صورت میں کر سکتے تھے جب تمہارے پاس ایسے پاسپورٹ ہوں جو ہم سے میچ کرتے ہوں۔''

''میں پاسپورٹ کہیں اور سے حاصل کرتا ہوں۔''

''اس وقت تم نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی۔''

''میں ابھی بھی نہیں بتاتا لیکن تمہارے سامنے مجبور ہوں۔''

''تب یہ سیف کھول کر دکھا دو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''اس میں میری تمام عمر کی کمائی ہے اگر وہ تم لے گئے تو؟''

''کیا تمہاری زندگی اس کمائی سے زیادہ اہم ہے۔''میں نے پستول سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں کیونکہ دولت کے بغیر میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔''اس نے صاف گوئی سے کہا۔''دولت ہے تو میں ہوں۔ اگر دولت نہ رہی تو میرا جینا بھی بے کار ہے۔''

''تم خود کو قابلِ رحم حد تک ڈی گریڈ کر رہے ہو۔''میں نے اس سے کہا۔ اس نے سر ہلایا۔

''ہاں میں اسی قابل ہوں۔ میں صحیح معنوں میں انسان ہی نہیں ہوں۔ میں صرف ایک خواہش ہوں۔''

مجھے حیرت ہوئی تھی۔''تم پڑھے لکھوں جیسی بات بھی کر سکتے ہو؟''

''ہاں میں تعلیم یافتہ ہوں۔ میں نے گریجویشن کیا ہے ماسٹر کرنے کا ارادہ تھا لیکن پھر میرا سہارا میری ماں مر گئی اور مجھے اپنے جینے کا سامان خود کرنا پڑا تھا۔ کچھ عرصے شرافت سے زندگی گزارنے......''

''مجھے تمہاری دکھ بھری فلمی کہانی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔''میں نے ہاتھ اوپر کیا۔''مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے پاسپورٹ کیسے مل سکتے ہیں۔ کیونکہ جب تک مجھے پاسپورٹ نہیں ملیں گے تمہاری گلوخلاصی ممکن نہیں ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے۔''

اس نے شانے اچکائے۔''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کام کیسے ہوگا اب تم مجھے جانے کی اجازت نہیں دو گے تو میں کام نہیں کر سکوں گا۔''

اس دوران میں وسیم بھی وہاں آ گیا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔''ذرا اسے قابو کرنا۔''

وسیم نے اچانک اسے عقب سے جکڑا تو وہ مچلنے لگا تھا۔ میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا گچھا نکال لیا تھا۔''یہ کیا کر رہے ہو؟''اس نے کہا۔

''اگر تم شرافت سے مان جاتے تو مجھے یہ کام نہیں کرنا پڑتا۔''میں نے کہا اور چابیوں کا معائنہ کیا۔ ایک

چابی مجھے ذرا مشکل اور کسی قیمتی چیز کی لگی تھی۔ میں اسے لے کر سیف کی طرف بڑھا تھا کہ وسیم نے کہا۔ ''ایک منٹ جناب پہلے دیکھ لیں اس میں کوئی ٹریپ تو نہیں ہے۔''

''تم نے اچھا یاد دلایا۔ کیوں مسٹر راج سیف میں کوئی ٹریپ ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''تب پہلے تم اسے ہاتھ لگاؤ گے۔'' وسیم نے اسے سیف کی طرف دھکیلا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی تھی کیونکہ وسیم نے اسے اتنی زور سے دھکا دیا تھا کہ وہ خود کو سیف سے ٹکرانے سے نہیں روک سکتا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑا تو وہ رکا تھا۔ اس ایک لمحے میں اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔

''اب بولو کوئی ٹریپ ہے یا نہیں؟''

وہ کانپ رہا تھا۔ ''اس..... میں کرنٹ ہے۔''

''اسے آف کرو۔'' میں نے کہا۔ تو اس نے سوئچ بورڈ پر لگا ایک بٹن لگا تار تین بار دبایا اور پھر سیف کے ساتھ ایک ریک میں کہیں رکھا چھوٹا سا ٹیسٹر اٹھا کر سیف چیک کیا۔ کرنٹ بند ہو گیا تھا لیکن میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس سے ٹیسٹر لے کر سوئچ بورڈ میں چیک کیا تو وہ جل اٹھا تھا اس کا مطلب تھا کہ ٹیسٹر ٹھیک کام کر رہا تھا۔ میں نے اس کے سامنے چابیوں کا گچھا لہرایا۔ ''اس میں سے سیف کی چابی کون سی ہے۔''

راج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ''یہ سامنے سے ابھری چابی ہے اسے پہلے تین بار دائیں طرف گھماؤ اور پھر تین بار بائیں طرف تو سیف کھل جائے گا۔''

میں نے ایسا ہی کیا تو سیف کھل گیا تھا۔ اندر میری توقع کے عین مطابق کئی درجن پاسپورٹ رکھے تھے اور ان کے علاوہ کئی طرح کی کرنسیاں گڈیوں کی صورت میں تہہ در تہہ رکھی تھیں۔ راج کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے پر غور کر رہا ہے۔ ہم نے نہ صرف اس کا جھوٹ پکڑ لیا تھا بلکہ اب اس کی ساری دولت بھی ہمارے قبضے میں تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''اگر ہم تم پر اعتبار کرتے تو مارے جاتے۔''

اس نے مجھ سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ ''اب تم کیا کرو گے؟''

''مجھے کیا کرنا چاہیے تمہارے خیال میں؟''

''تم مجھ سے کام کرواؤ گے۔ پھر میری ساری دولت قبضے میں لو گے اور مجھے قتل کر کے چلے جاؤ گے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم جیسا آدمی یہی سوچ سکتا ہے لیکن میری یا میرے ساتھیوں کی یہ سوچ نہیں ہے۔ ہمیں تمہاری دولت سے کوئی مطلب نہیں ہے بلکہ تم معاوضہ مانگو تو ہم وہ بھی دیں گے۔ بس تم ہمیں پاسپورٹ بنا کر دو اور ہم چلے جائیں گے۔''

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے سیف کے اندر سے سارے پاسپورٹ نکال لیے اور اسے دوبارہ لاک کر کے چابی اس کی طرف اچھال دی۔ ''ہمیں صرف ان سے مطلب ہے۔''

''تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو بعد میں تم نہ صرف میری ساری رقم چھین لو گے بلکہ دھوکا دینے پر مجھے مار دو گے۔''

''یعنی تم تسلیم کر رہے ہو کہ تم سزا کے مستحق ہو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''بہر حال ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''ہمیں تم کو دھوکا دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب کہ ہم یہ کام تم سے گن پوائنٹ پر کروا سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کوئی ہاتھ آئی اتنی بڑی دولت کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ سیف میں میرے اندازے کے مطابق ڈالرز، پاؤنڈ اور یورو کی صورت میں کوئی ایک کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم تھی۔ نیپالی اور بھارتی کرنسی اس کے علاوہ تھی۔ نیپال میں بھارت کی کرنسی عام چلتی ہے اور اسے ہر جگہ قبول کیا جاتا ہے۔ میں نے راج سے کہا۔

''اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم چابی کہیں چھپا دو جہاں اسے ہم تلاش نہ کر سکیں۔''

''اس گھر میں۔'' اس نے کہا۔

''ہاں......لیکن کوئی حماقت کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

اس کا بنگلہ چھوٹا تھا لیکن اتنا چھوٹا بھی نہیں تھا کہ وہ چابی جیسی چھوٹی چیز کہیں چھپاتا اور ہم اسے آسانی سے تلاش کر لیتے۔ اس نے اس بات میں بھی شک کیا۔ ''تم مجھے چابی چھپانے دو گے؟''

''ہاں......اور اب تم نے کوئی بکواس کی تو وہی ہوگا جس کا خدشہ تم ظاہر کر چکے ہو۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''او کے مجھے منظور ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

میں نے پاسپورٹ اپنی جیب میں رکھے۔ ''ہم سب باہر چلے جائیں گے اور اگر تم دس منٹ میں باہر نہیں آئے یا تم نے کوئی حرامی پن کیا تو ہم ان پاسپورٹوں سمیت یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔''

اس کی حالت غیر ہوگئی کیونکہ ان پاسپورٹوں کی مالیت اتنی ہی تھی جتنی کہ اس کی تجوری میں رکھی کرنسی کی۔

''میں کوئی حرامی پن نہیں کروں گا۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''اسی میں تمہاری عافیت ہے۔'' میں نے کہا اور ہم باہر آئے۔ میں نے سادھنا اور بیتو کو بھی مکان سے باہر چلنے کو کہا تو وہ حیران ہوئے تھے۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے راج سے کہا۔ ''فرار کی کوشش مت کرنا ہم مکان کے چاروں طرف ہوں گے۔''

ہم باہر آئے تو وسیم اور سادھنا بہت پریشان تھے۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''یہ آپ کیا کیا......اسے موقع مل جائے گا ہمارے خلاف کچھ کرنے کا۔''

''میں اس کی وضاحت بعد میں کروں گا لیکن پہلے چاروں طرف پھیل جاؤ تاکہ وہ فرار کی کوشش نہ کرے اور اپنے تحفظ کا خیال رکھنا ممکن ہے وہ کہیں چھپا ہوا کوئی ہتھیار نکال لے۔''

ہم فوری طور پر مکان کے چاروں طرف اس طرح پھیل گئے تھے کہ راج ہماری نظر میں آئے بغیر نکل نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ فائر کرتا تب بھی ہم محفوظ تھے لیکن اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور دس منٹ بعد باہر آ گیا۔

اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے آواز دی۔ ’’تم لوگ کہاں ہو آ جاؤ۔‘‘

ہم اندر آئے اور راج کی تلاشی لی۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا چابیوں کے گچھے سے تجوری کی چابی غائب تھی۔ ’’گڈ تو تم اب ہمارا کام کرنے کو تیار ہو؟‘‘

اس نے سر ہلایا۔ ’’لیکن معاوضہ؟‘‘

’’وہ ابھی لے لو۔‘‘ میں نے جیکٹ سے پاسپورٹ نکالے۔ ’’ان میں سے ہمارے کام کے پاسپورٹ نکال کر باقی تمہارے۔‘‘

اس کا منہ اتر گیا تھا۔ ’’تم نے تو رقم دینے کی بات کی تھی۔‘‘

’’تم کچھ زیادہ ہی پھیل رہے ہو۔‘‘ وسیم نے اسے گھورا۔ ’’ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔‘‘

’’اچھا تم لوگ فی پاسپورٹ دو لاکھ نہیں تو ایک لاکھ تو دے دو۔‘‘ اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ ’’یہ پاسپورٹ مجھے اتنے کے پڑے ہیں۔‘‘

’’چلو لے لینا۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’لیکن کام اے ون ہونا چاہیے۔‘‘

وہ کھل اٹھا تھا۔ ’’مجھے تمہاری زبان کا اعتبار ہے۔ اور کام کی تم فکر مت کرو آج تک میں جتنے پاسپورٹ میں تبدیلی کی ہے وہ کم سے کم نیپال میں نہیں پکڑا گیا۔‘‘

’’بس تو تم کام شروع کر دو۔‘‘

اس نے ہمیں غور سے دیکھا اور بولا۔ ’’بہتر ہوگا پاسپورٹ منتخب کرنے میں تم لوگ بھی میری مدد کرو۔‘‘

’’یہ کام میں اور وسیم کریں گے۔‘‘ میں نے کہا۔

’’میں اور بیتو کیوں نہیں؟‘‘ سادھنا نے کہا۔

’’تم دونوں کچن میں جا کر ہمارے لیے کھانے کا انتظام کرو۔‘‘

راج نے سر ہلایا۔ ’’کچن میں ہر چیز ملے گی۔‘‘

’’لیکن خیال رہے ہم کوئی گوشت والی چیز نہیں کھا سکتے۔‘‘ میں نے سادھنا کو یاد دلایا۔ گوشت وہ بھی نہیں کھاتی تھی ایک بار ہم نے اسے زبردستی کھلایا تھا اس وقت اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ البتہ بیتو کو مسئلہ نہیں تھا وہ گوشت کھاتا تھا اور راج کے فریج میں موجود گوشت کھا سکتا تھا۔ وہ اور سادھنا کچن میں چلے گئے۔ میں اور وسیم راج کے ساتھ پاسپورٹس کا معائنہ کرنے لگے۔ ان میں زیادہ تر بھارتی اور یورپی پاسپورٹ تھے۔ ایک اسپینش باشندے فیومیگولیف کا پاسپورٹ نکال لیا وہ وسیم سے حیرت انگیز طور پر مشابہہ تھا۔ اس کے بعد دوسرا پاسپورٹ سادھنا کے لیے ایک بھارتی عورت کا نکلا۔ اس کا چہرہ تو سادھنا سے مختلف تھا لیکن عمر بائیس برس تھی اور وہ دلی کی رہائشی تھی۔ میں نے راج سے پوچھا۔ ’’تم نے پاسپورٹ کس سے حاصل کیا؟‘‘

’’اسی گینگ سے جس کا ذکر کیا تھا۔‘‘ وہ بولا۔

’’یہ لڑکی اب کہاں ہوگی؟‘‘

’’اپنے ملک میں۔‘‘ اس نے کہا۔ ’’تم شاید سمجھ رہے ہو کہ اس لڑکی کو ہلاک کر کے اس کا پاسپورٹ حاصل کیا گیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔‘‘

''میں نے سنا ہے کہ یہاں ایسا ہوتا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔''ہوتا ہے لیکن بہت کم، زیادہ تر لوگ خود پاسپورٹ بیچ دیتے ہیں اور اپنے سفارت خانوں سے نیا بنوا لیتے ہیں۔ تم خود سوچو کہ اتنے سیاح یہاں مرنے لگیں تو یہاں کون آنا پسند کرے گا ہمارا تو کاروبار ہی ختم ہو جائے گا۔''

وہ درست کہہ رہا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نیپال میں سیاحوں کے ساتھ وارداتیں نہیں ہوتی تھیں مگر ان کا تناسب کم تھا۔ حکومت بھی سیاحوں کے تحفظ کے لیے حساس ہے اور مقامی لوگ بھی اس معاملے میں احتیاط برتتے ہیں کیونکہ ان کا کاروبار سیاحوں کی آمد سے مشروط ہے۔ نیپال صنعت اور زراعت کے لحاظ سے پسماندہ ملک ہے۔ یہاں معمولی درجے کی صنعتیں ہیں اور تقریباً ساری صنعتی مصنوعات بھارت سے آتی ہیں۔ اب چین کی طرف سے بھی آنے لگی ہیں لیکن بھارتی مصنوعات ہی درآمد ہوئی ہیں۔ زراعت کا شعبہ محدود ہے کیونکہ زمین بہت کم ہے اور موسم بہت سخت اس لیے کھانے پینے کی زیادہ اشیاء باہر سے ہی آتی ہیں۔ صرف ایک سیاحت ہے جس سے اس ملک کا کاروبار چلتا ہے۔ اس لیے حکومت سے لے کر عام افراد اور حتیٰ کہ ماؤنسٹ گوریلوں کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ سیاحوں کے لیے کوئی مسئلہ نہ ہو۔ ہمالیہ کا فطری حسن دیکھنے کے لیے ہر سال لاکھوں سیاح دنیا بھر سے نیپال کا رخ کرتے ہیں اور نیپال کو سیاحت کی انڈسٹری سے اربوں ڈالرز کا زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی آمدنی سے یہ ملک چل رہا ہے۔ اس چھوٹے سے ملک میں دنیا کی دس بلند ترین چوٹیوں میں سے سات چوٹیاں بہ شمول ماؤنٹ ایورسٹ کے ہیں۔ ہمالیہ کا اصل گھر نیپال ہی ہے۔

راج کے پاس کوئی تیس کے قریب پاسپورٹ تھے۔ ان میں سے اس نے دو نکال لیے یہ وسیم اور سادھنا کے لیے تھے لیکن میرے اور بیتو کے لیے کوئی موزوں پاسپورٹ نہیں نکلا تھا۔ عمروں کا اور قومیت کا مسئلہ آ رہا تھا۔ اگر ہم خطرہ مول لیتے تو یہ ممکن تھا کہ نیپال سے نکل جاتے لیکن کہیں اور پکڑے جانے کا امکان تھا۔ میں نے راج سے کہا۔''کام پکا کرنا ہے، کچا کام نہیں چاہیے۔''

''تب مجھے جا کر تم دونوں کے لحاظ سے پاسپورٹ لانے ہوں گے۔'' اس نے کہا۔''تم جانے دو گے نہیں۔''

سچی بات ہے کہ اس کے تعاون کے باوجود میں اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''پہلے یہ پاسپورٹ تو تیار کرو۔''

''آجاؤ۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے اور وسیم کو اپنے خاص کمرے میں لایا اور اس نے پہلے وسیم کی ایک ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر لی۔ پھر اسے کمپیوٹر میں ڈال اور اس کا بیک گراؤنڈ اور کچھ دوسری چیزیں ڈیولپ کر کے اسے پاسپورٹ سائز میں پرنٹ کر لیا۔ اس کے پاس تصویروں والا خاص کاغذ بھی تھا۔ تصویر نکال کر اس نے پاسپورٹ کو ایک مشین میں ڈالا اور اس کی مدد سے اس پر لگی تصویر کو الگ کرنے لگا یہ بہت نازک اور احتیاط والا کام تھا کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی سے پاسپورٹ پر نشان آ جاتا اور وہ مشکوک ہو جاتا۔ اس لیے راج کسی آئی سرجن کی سی احتیاط اور مہارت سے اس پر کام کر رہا تھا۔ اس نے تصویر الگ کرنے میں کوئی آدھا گھنٹہ لگا دیا تھا لیکن تصویر اتنی صفائی سے الگ ہوئی تھی کہ لگ رہا تھا کہ ابھی پاسپورٹ پر تصویر لگانی ہے۔ اس نے یہ کام مکمل

کر کے کچھ دیر آرام کیا اور ایک گلاس برانڈی کا پیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''یہ بہت مشکل کام ہے میں اسے کر کے تھک جاتا ہوں۔''

''دو نمبر کام آسان نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''دنیا والے بلا وجہ تم لوگوں کو حرام خور کہتے ہوں گے۔''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور اپنا گلاس ختم کرنے میں لگ گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے وسیم کی تصویر لی اور اسے ایک مشین کی مدد سے پاسپورٹ پر چسپاں کرنے لگا۔ یہ کام بھی کم محنت والا نہیں تھا کیونکہ بالکل درست جگہ تصویر لگانی تھی اور ملی میٹر کے دسویں حصے کا فرق بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس مقصد کے لیے مشین استعمال کی جا رہی تھی تاکہ تصویر اپنی جگہ ہی بیٹھے راج اپنی آنکھ پر ایک محدب عدسہ لگائے یہ کام کر رہا تھا۔ تصویر فٹ ہونے میں بھی کوئی نصف گھنٹا ہی لگا تھا۔ اس کے بعد پاسپورٹ ایک اور مشین سے گزارا گیا تو بالکل اصل حالت میں آ گیا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس پر سے تصویر الگ ہوئی ہے۔

''اس کی مدد سے یورپ یا امریکہ کا سفر نہیں کرنا۔'' راج نے کہا۔

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''کیونکہ وہاں بننے والے پاسپورٹوں پر لگی تصویر پر ایک خاص نظر نہ آنے انک سے پرنٹ ڈالا جاتا ہے جو صرف خاص روشنی میں نظر آتا ہے۔ اب اس تصویر پر وہ انک پرنٹ نہیں ہے اس لیے یہ پکڑا جائے گا۔''

''ایشیا میں استعمال کے لیے کیسا رہے گا؟''

''ایشیا اور افریقہ میں استعمال کرو۔ آسٹریلیا اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی خطرناک ہے۔''

ہمیں اصل میں پاکستان تک جانا تھا اس لیے اس بات کی پروا نہیں تھی مجھے معلوم تھا کہ وطن عزیز میں دو نمبر پاسپورٹ بھی آسانی سے چل جاتے ہیں اور تقریباً بڑے آدمی کے پاس ایک سے زیادہ پاسپورٹ ہیں۔ اب شاید سختی ہوئی ہے۔ وسیم اپنا کام کرا کے چلا گیا اور اس نے سادھنا کو بھیج دیا۔ جسے یہ فکر تھی وہ تصویر میں کیسی نظر آئے گی کیونکہ سیدھی کچن سے آ رہی تھی لیکن میں نے اسے کیمرے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ ''تم فکر مت کرو کوئی کسر رہ گئی تو وہ کمپیوٹر سے پوری ہو جائے گی۔''

سادھنا کا پاسپورٹ بھی ایک گھنٹے میں تیار ہو گیا تھا۔ راج کا تھکن سے برا حال تھا۔ اس نے کہا۔ ''اب تم لوگوں کے پاسپورٹ پر میں کل ہی کام کروں گا۔''

''وہ دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔ سادھنا نے جاتے ہوئے اطلاع دی تھی کہ کھانا تیار ہے۔ ہم ڈائننگ روم میں آئے۔ راج بھی کھانے کی میز پر آ گیا تھا۔ سادھنا اور بیتو نے مل کر چاولوں اور سبزیوں کی مدد سے کچھ ایجاد کیا تھا۔ چاول زیادہ گل گئے تھے اور حلوہ نما لگ رہے تھے اور سبزیاں کچی حالت میں ان پر پڑی تھیں۔ میرے اور وسیم کے یقیناً بارہ بج گئے تھے۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے سادھنا سے کہا۔

''سبزی پلاؤ......'' وہ فخر سے بولی۔ ''میں نے بنایا ہے۔''

''اور تم نے کیا بنایا ہے؟'' میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

اس نے دانت نکال کر کہا۔ ''ہم اپنے لیے سینڈوچ بنایا۔ دیدی نے روک دیا کوئی اور نہیں کھائے گا۔ اس لیے صرف اپنے واسطے بنایا۔''

میں نے سرد آہ بھر کر وسیم کی طرف دیکھا اور پلیٹ میں نکالنے لگا۔ وسیم نے مرے انداز میں میری تقلید کی۔ سادھنا ہم دونوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا اچھا نہیں بنا ہے؟''

''ابھی سے کیسے بتا سکتے ہیں۔'' وسیم نے بھنا کر کہا۔ ''حلق سے نیچے تو اترنے دو۔''

سادھنا افسردہ ہوگئی۔ ''مجھے پتا ہے مجھے کھانا بنانا نہیں آتا، کبھی بنایا ہی نہیں تھا لیکن اب میں سیکھ لوں گی۔''

''کوئی بات نہیں انسان ہر کام آہستہ آہستہ ہی سیکھتا ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور پہلا نوالہ منہ میں رکھا۔ صورت کے مقابلے میں ذائقہ برا نہیں تھا لیکن اس چیز کو دیر تک کھانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ وسیم نے مشکل سے آدھی پلیٹ ختم کی اور میں نے جیسے تیسے اپنی پلیٹ ختم کر دی۔ بیتو دور بیٹھا اپنے بنائے ایگ پنیر سینڈوچ کھا رہا تھا اور یقیناً ہمارے مقابلے میں زیادہ فائدے میں رہا تھا۔

''یہ کیا بس اتنا؟'' سادھنا کا اترا چہرہ مزید اتر گیا تھا۔

''میرا تو پیٹ بھر گیا۔'' میں نے کہا۔

''اور میری تو نیت بھی بھر گئی۔'' وسیم نے اعلان کیا۔ اس پر سادھنا نے اپنا نیپکن میز پر پھینکا اور روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں نے پر ملامت نظروں سے وسیم کو دیکھا۔

''اسے رلا دیا۔''

''میں نے صرف سچ کہا تھا۔'' وہ بولا۔

''اب جا کر اسے مناؤ بے چاری نے پہلی بار باقاعدہ کچھ بنایا تھا۔ اس کا دل رکھنے کے لیے تعریف کر دیتے۔''

''اچھا۔'' وسیم نے سر کھجایا اور اٹھ کر چلا گیا۔ راج مسکرا رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔

''تمہیں اس لڑکی کا بہت خیال رہتا ہے یہ تمہاری......''

''بہن کی طرح ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''اگر حالات نے موقع دیا تو یہ اس سے شادی کرے گی۔''

''یہ ابھی سے اچھا شوہر ثابت ہو رہا ہے۔'' راج ہنسا

''ہاں روٹھنے منانے کی پریکٹس شروع ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر فریج کھولا۔ اندر مزید ڈبل روٹی اور انڈے تھے۔ جب تک وسیم سادھنا کو منا کر لایا میں سینڈوچز تیار کر کے کھا چکا تھا۔ سادھنا کو وسیم کے جھوٹ پر اب تک یقین نہیں آیا تھا۔

''میں نے سچ مچ اچھا بنایا ہے۔''

''ہاں وہ تو تمہارے جانے کے بعد اس پلاؤ کی خوبیاں سامنے آئیں اور ہم نے مزید کھایا۔'' وسیم بولا

''کہاں کھایا۔'' سادھنا نے ڈش کا معائنہ کیا جس میں اتنے ہی چاول تھے۔

''نہیں غور سے دیکھو ہم نے کھایا ہے۔''

''اور اب کافی مل جائے تو اس شاندار ڈنر کا سواد دوبالا ہو جائے۔''

''میں ابھی بناتی ہوں۔'' سادھنا نے خوش ہو کر کہا اور ہم سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ عورت بھی خدا نے کیا مخلوق بنائی ہے جس گھر یا خاندان میں شامل ہوتی ہے اس کے رشتوں کا محور بن جاتی ہے وہ گھر کا موڈ بن جاتی ہے وہ ہنستی ہے تو گھر ہنستا ہے وہ روتی ہے تو گھر اداس ہو جاتا ہے۔ رات خاصی ہو چکی تھی۔ اور ہم نے راج کی استراحت کے لیے وہ کمرہ منتخب کیا جس میں اس کا لیب تھی۔ اس میں چھوٹا سا واش روم تھا اور آمد و رفت کے لیے بس ایک دروازہ تھا جسے باہر سے لاک کر دیا جاتا تو اسے اندر سے نہیں کھولا جا سکتا تھا۔

''مجھے بیڈ روم میں سونے دو۔'' اس نے کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''راج تم جانتے ہو تمہاری دنیا میں الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے ہمیں مجبور مت کرو۔'' میں نے کہا تو وہ بادلِ خواستہ اندر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسے کمرے میں بند کر کے ہم سونے کی تیاری کرنے لگے۔ راج والا بیڈ روم کیونکہ بہ غرض عیاشی تھا اور وہاں دیواروں پر بڑے رومانوی قسم کے مناظر تھے اس لیے سادھنا نے وہاں سونے سے انکار کر دیا۔ وہ بیڈ روم وسیم اور بیتو کے حصے میں آیا۔ سادھنا کے لیے اوپر کا گیسٹ روم چنا گیا اور میں نے اپنے لیے لاؤنج میں آتش دان کے سامنے منتخب کی تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ سوتے میں بھی پوری طرح محتاط رہنا ہے اور سب اپنے پاس اسلحہ رکھیں گے۔ بنگلے کے تمام دروازے لاک کر دیئے گئے تھے۔ میں نے اپنے پاس رائفل رکھی تھی۔

میں سو گیا تھا لیکن یہ پچھلی بار کی طرح مدہوشی کی نیند نہیں تھی بلکہ میرے حواس آس پاس کے ماحول کو چیک کر رہے تھے اس لیے اچانک میری آنکھ کھلی تو فوراً ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا میری آنکھ شاید کسی آواز کی بنا پر کھلی تھی۔ میں نے جلدی سے رائفل اٹھا لی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا کچھ دیر سن گن لینے کے بعد میں اوپر کی طرف بڑھ گیا۔ بہت آہستگی کے ساتھ میں نے راج والے کمرے کا لاک کھولا اور اندر جھانکا۔ وہ اپنے لحاف میں لپٹا بے خبر سو رہا تھا اور باقاعدہ خراٹے لے رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نیچے آیا۔

نیچے بھی سب سکون تھا لیکن میری آنکھ بلا وجہ نہیں کھلی تھی کوئی چکر تھا۔ میں نے وسیم اور بیتو والے کمرے میں بھی جھانکا۔ وہ سو رہے تھے لیکن میں دروازہ بند کرنے لگا تو وسیم کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چونک کر اٹھا تھا لیکن مجھے دیکھ کر پستول نیچے کر دیا۔ ''خیریت آپ اس وقت......؟''

''مجھے کوئی آہٹ سنائی دی تھی۔'' میں نے کہا اور باہر آ گیا اب میرا رخ مکان کے سامنے والے حصے کی طرف تھا۔ وسیم بھی میرے پیچھے آیا۔ ہم داخلی دروازے کے پاس آئے تھے تو ایسی آہٹ ہوئی جیسے کوئی تیزی سے بھاگا ہو۔ میں نے جلدی سے ایک طرف کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو ایک سایا کراٹا کی باڑھ کے پیچھے غائب ہوتا نظر آیا۔ وسیم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

''باہر کوئی ہے۔'' اس نے کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔

''ایک منٹ۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے کوئی چیز سن سے دروازے میں سوراخ کرتی گزر گئی۔ میں اور وسیم بے ساختہ نیچے گرے تھے۔ باہر سے کسی نے بے آواز فائر کیا تھا اور پھر مستقل فائر ہونے لگے۔ ہم جان بچانے کے لیے رینگتے ہوئے دروازے اور کھڑکیوں سے دور ہونے لگے۔ فائر کرنے والے کئی تھے کیونکہ دروازے اور

کھڑکیوں سے بیک وقت گولیاں گزر رہی تھیں۔ شیشے چھن چھنا کر ٹوٹ رہے تھے۔ فائرز کی آواز تو نہیں آ رہی تھی لیکن دوسرا شور خاصا تھا۔ دیواروں کی محفوظ آڑ میں آنے کے بعد میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''یہ راج کے دشمن ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''شاید اسے ختم کرنے آئے ہیں۔''

''ماؤنسٹ بھی ہو سکتے ہیں۔'' میں نے ایک اور خیال ظاہر کیا۔

''وہ اس طرح دبے قدموں حملہ نہیں کرتے۔'' وسیم نے اختلاف کیا۔ اندر سے بیتو اور پھر کی سادھنا کی آوازیں آنے لگیں وہ ہمیں پکار رہے تھے۔ وسیم نے چلا کر کہا۔ ''ادھر مت آنا اور کھڑکیوں سے دور رہو۔''

''وسیم بھائی یہ کیا چکر ہے؟'' بیتو بولا۔

''کچھ لوگ باہر سے بے آواز فائر کر رہے ہیں۔'' وسیم نے بتایا۔ ''نیچے رہو اور اپنے ہتھیار نکال لو۔''

''شوبی کہاں ہے؟'' سادھنا نے پوچھا۔

''میں بھی یہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں جواب دینا چاہیے یا نہیں کیونکہ ہمارے ہتھیاروں کی آواز دور تک جاتی اور یہ ویسے بھی پہاڑی علاقہ تھا جہاں آواز گونجتی ہے۔ پولیس آواز سن کر آ سکتی تھی اور ہم پولیس کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے فائر کرنے کے بجائے چلا کر کہا۔ ''تم لوگ کون ہو اور اس طرح حملہ کرنے کی وجہ؟''

میں نے یہ جملہ انگریزی اور اردو دونوں میں کہا تھا۔ اس کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا۔ باہر سے کسی نے چلا کر کہا۔ ''تم جو کوئی ہو ہمیں صرف راج سے مطلب ہے۔'' بولنے والا انگریزی بول رہا تھا اور اس کی انگریزی امریکہ کے کالوں کی طرح بگڑی ہوئی تھی

''کیوں؟''

''اس سوال کا جواب مت مانگو۔'' بولنے والا غرایا۔ ''یہ بتاؤ راج کو باہر بھیج رہے ہو یا نہیں۔''

''اگر ہم راج کو تمہارے حوالے نہ کریں تو؟''

''اس صورت میں ہم اسے لے جائیں گے یا اس مکان کو اڑا دیں گے۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ہمیں بہر صورت راج یا اس کی لاش درکار ہے۔''

وہ راج کے جانی دشمن لگ رہے تھے۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''اب کیا کریں۔ یہ تو راج کو لیے بغیر جاتے نظر نہیں آ رہے ہیں۔''

مجھے خیال آیا کہ راج کو ان کے حوالے کر کے اپنی جان چھڑائی جا سکتی تھی۔ مگر پھر مجھے شرم آنے لگی کچھ بھی سہی وہ ہمارے کام تو آ رہا تھا۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''ہم اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتے ؟''

''اس صورت میں تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔'' اس نے دھمکی دی۔ ''شاید تم اسے ہماری دھمکی سمجھ رہے ہو لیکن ہمارے پاس آگ لگانے والے بم ہیں۔ ایک منٹ کے اندر یہ پورا بنگلہ شعلوں میں گھرا ہوگا اور کوئی نہیں بچ کر نکل سکے گا۔''

''شہباز صاحب یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اگر ان کے پاس فاسفورس بم ہیں تو آگ اتنی تیزی سے لگے کہ

ہمیں نکلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' وسیم نے کہا۔''باہر تو ان کی فائرنگ کا نشانہ بن جائیں گے۔''

''تب کیا کریں راج کو ان کے حوالے کردیں یہ اس کے خون کے پیاسے لگ رہے ہیں۔'' میں نے کسی قدر برہمی سے کہا۔

''آپ جذباتی ہو رہے ہیں...... اسے مرنا تو ہے اکیلے نہیں تو ہمارے ساتھ مارا جائے گا اور اس نے ہم پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا ہے بلکہ موقع پر وہ ہمیں ان کے سامنے دھکیلنے سے گریز نہیں کرتا۔''

میں نے سوچا۔''تمہارا مطلب ہے کہ ہم اسے باہر دھکیل دیں اور پھر ہماری بلا سے اس کے ساتھ کچھ بھی ہوتا رہے؟''

''اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارے ساتھ بھی یہی ہوسکتا ہے۔'' وسیم نے کہا۔''جو لوگ سائیلنسر لگی رائفلیں رکھ سکتے ہیں ان کے لیے فاسفورس بم حاصل کرنا کون سا مشکل کام ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وسیم کی بات ماننا ہی پڑے گی میں ایک راج کو بچانے کے اپنے سمیت ان سب کی قربانی نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے سر ہلایا اور چلا کر بولا۔''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہم راج کو تمہارے حوالے کردیں تو تم ہم سے تعرض نہیں کرو گے؟''

''ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم کون ہو اور کس لیے یہاں ہو لیکن اگر تم راج کو بچانے کی کوشش کرو گے تو ہم تمہیں بھی اپنا دشمن سمجھیں گے اور پھر تم کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

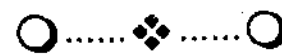
میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے وسیم سے کہا۔''تم یہیں رکو میں آتا ہوں۔''

باہر والے نے کہا۔''تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔''

میں رینگتا ہوا اس کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا۔ وہاں بیتو اور سادھنا ایک طرف بیٹھے تھے۔ انہوں نے سب سن لیا تھا بیتو بولا۔''شوبی اس کو مار وان کے سر۔''

''تم لوگ بھی ہوشیار رہنا۔'' میں نے کہا اور اوپر آیا۔ راج کے کمرے کا دروازہ لاک تھا لیکن یہ بات تو یقینی تھی کہ اسے ہنگامے کا پتا چل گیا ہوگا لیکن میں نے لاک کھولا تو وہ بدستور لحاف لپٹا سو رہا تھا۔ شاید اس نے زیادہ ہی پی لی تھی۔ میں اندر آیا اور اس کی طرف بڑھا تھا کہ میرے سر سے کوئی چیز آ کر لگی۔ مجھے چکر آ گیا تھا اور اسی چکراتے ذہن کے ساتھ میں نے راج کی مشتعل آواز سنی۔

''مجھے ان لوگوں کو دینے آیا ہے...... میں تجھے بتاتا ہوں...... تجھے ساتھ لے کر مروں گا۔'' اس نے کہتے ہوئے دوسرا وار کیا اور میں نیچے گر گیا۔



اس بار میں وار سے بچنے کے لیے گرا تھا اور گرنے کی وجہ سے میری بچت ہوگئی کیونکہ راج کا وار میرے سر پر اتنی قوت سے نہیں لگا تھا اور میں قالین پر پڑے پڑے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا پہلا وار زور کا تھا لیکن دوسرے کی شدت گرنے کی وجہ سے کم ہوگئی تھی۔ میں اوندھے منہ پڑا تھا اور میری رائفل میرے تلے دب گئی تھی۔ راج نہایت مکار ثابت ہوا تھا۔ اس نے حملہ آوروں کا شور سن لیا تھا اور جان لیا تھا کہ اب وہ مارا

جائے گا۔ ہم اپنی جان بچانے کے لیے اسے حملہ آوروں کے حوالے کر دیں گے جو اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ اس لیے اس نے چالاکی سے کام لیا۔ اس نے میرے آنے سے پہلے میرے استقبال کی تیاری کر لی تھی۔ اس نے لحاف کو اس طرح کر دیا جیسے وہ اس میں لپٹ کر سو رہا ہو اور خود دروازے کے پیچھے میرا استقبال کرنے کے لیے موجود تھا۔ بدقسمتی سے اس کمرے سے خطرناک چیزیں ہٹاتے وقت ہم پیپر ویٹ کو بھول گئے تھے اور راج نے اسے ہی میرے سر پر استعمال کیا تھا جس کے بعد مجھے رات میں سورج نظر آ گیا تھا۔

راج دو وار کر کے میری طرف سے مطمئن تھا اور میرے نیچے سے رائفل نکالنے کی کوشش کرنے لگا اگر وہ اس روز تیسرا وار کر دیتا تو شاید ہماری کہانی اسی بنگلے میں ختم ہو جاتی لیکن خدا کو ابھی ہمیں زندہ رکھنا مقصود تھا۔ راج کے چھوٹے سے جسم میں زیادہ جان نہیں تھی لیکن اس وقت خود اس کی جان پر بنی تھی اس لیے وہ رائفل ہتھیانے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا اور میں فی الحال نہ تو مزاحمت کے قابل تھا اور نہ ہی میرا مزاحمت کرنے کا ارادہ تھا کیونکہ میں خود کو بے ہوش ظاہر کر رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ میں بے ہوش نہیں ہوں تو وہ مجھے سچ مچ بے ہوش کر دیتا اور ان حالات میں بے ہوشی ہمیشہ کی نیند میں بدلنے کا امکان بہت زیادہ تھا۔ راج نے کسی نہ کسی طرح میرے نیچے دبی رائفل نکال لی تھی۔ میں نے مزاحمت نہ کر کے جان کا خطرہ مول لیا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ رائفل ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے مجھے شوٹ کرتا لیکن شکر ہے اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ فائرنگ کر کے دوسروں کو چونکانا نہیں چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ رائفل بدست دروازے کی طرف بڑھا اور اس سے باہر جھانکا تھا۔ اس نے پیپر ویٹ میرے پاس ہی پھینک دیا تھا۔

حالات نے مجھے سخت جان بنا دیا تھا اور اب چوٹوں کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا جیسے مستقل نشہ کرنے والوں کی طلب ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے اور پہلے جتنی مقدار ان کی طلب نہیں مٹا پاتی ہے اسی طرح اب معمول کی چوٹ مجھ پر اثر نہیں کرتی تھی۔ میں نے جلد خود پر قابو پا لیا تھا اور جیسے ہی راج دروازے سے نکلا میں بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ رائفل کے علاوہ میرے پاس پستول تھا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے کمرے میں جگ میں موجود یخ بستہ پانی سر پر ڈالا اس سے میرے ذہن پر طاری ہونے والی رہی سہی دھند بھی غائب ہو گئی تھی۔ اب میں تکلیف کے باوجود پوری طرح چاک و چوبند تھا۔ میں نے باہر جھانکا۔ راج نظر نہیں آیا مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی وہ سامنے والے دشمن کی طرف متوجہ تھے اور وہ راج کے خطرے سے بے خبر تھے۔ وہ ان پر عقب سے حملہ کر سکتا تھا۔ سادھنا اور بیتو تو سامنے لاؤنج میں تھے البتہ وسیم کسی قدر محفوظ پوزیشن میں تھا۔

باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں سیڑھیوں تک آیا۔ راج یہاں سے بھی نیچے جا چکا تھا۔ اب وہ نیچے تھا میں نے سیڑھیوں کے ساتھ پوزیشن سنبھال لی اور چلا کر وسیم سے کہا۔ ''راج نیچے ہے اس نے مجھ سے رائفل چھین لی ہے۔''

''آپ کہاں ہیں؟'' وسیم چلایا۔

''میں اوپر ہوں راج نیچے آ گیا ہے۔''

''بیتو سادھی تم کہاں ہو؟'' اس بار وسیم فکرمند لہجے میں بولا۔

لیکن ان کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ بات واضح تھی۔ راج نے ان پر قابو پا لیا تھا۔ ''وسیم لگتا ہے وہ اس

حرامزادے کے قبضے میں ہیں۔''

''ہاں یہ میرے قبضے میں ہیں۔'' راج کی آواز آئی۔ وہ شاید بیڈروم کی طرف تھا۔ وہ نیچے آیا ہوگا اور اس نے بیتو اور سادھنا کو یرغمال بنا کر بیڈروم میں مورچہ جمالیا تھا۔ میں سیڑھیوں سے نیچے آیا لیکن لاؤنج میں آنے سے گریز کیا۔ بیڈروم سے پورا لاؤنج صاف نظر آتا تھا۔ وسیم اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ اگر وہ وہاں سے ہٹتا تو امکان تھا کہ باہر موجود حملہ آور اندر گھس آتے اور ہم دو طرف سے گھر جاتے۔ میں نے صورتِ حال پر غور کیا اور راج سے کہا۔

''راج باہر تمہاری جان کے دشمن ہیں۔ انہوں نے مجھ سے تمہیں حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا میں نے پہلے انکار کیا تھا لیکن جب انہوں نے پورے بنگلے کو آگ لگانے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہوگیا۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' راج بولا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نے میرے ساتھیوں کو جو یرغمال بنایا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تمہارے دشمن ہر قیمت پر تمہیں لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ اگر ان کو ہمیں مارنا پڑا تو وہ یہ بھی کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔''

''تم کیا چاہتے ہو میں تم لوگوں کو بچانے کے لیے خود کو ان کے حوالے کردوں؟'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اگر تم نے ایسا نہ بھی کیا تو بھی وہ ایسا ہی کریں گے۔''

''معاف کرنا میں پاگل نہیں ہوں۔'' اس نے صاف انکار کردیا۔ ''میں کسی صورت خود کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔''

باہر موجود حملہ آوروں کا صبر جواب دے رہا تھا ان کی طرف سے پہلے بے آواز گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی اس کے بعد وارننگ دی گئی۔ ''پانچ منٹ پورے ہوگئے ہیں۔''

وسیم نے چلا کر کہا۔ ''راج نے ہمارے دو ساتھیوں کو اسلحے کے زور پر یرغمال بنالیا ہے اور وہ خود کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہے۔''

''اس صورت میں تم بھی مارے جاؤ گے۔'' باہر سے فیصلہ کن لہجے میں کہا گیا۔ ''اب صرف تین منٹ کی مہلت ہوگی اگر راج ہمارے پاس نہیں آیا تو ہم اس بنگلے کو آگ لگادیں گے۔''

ہماری جان پر بن گئی تھی۔ اندر راج بیتو اور سادھنا کو یرغمال بنائے بیٹھا تھا اور دوسری طرف اس کے دشمن بنگلے کو آگ لگانے کی دھمکی دے رہے تھے۔ بلکہ وہ تین منٹ بعد بنگلے کو آگ لگانے والے تھے۔ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ میں نے سوچا اور چلا کر راج سے کہا۔ ''سنو میں تمہارے پاس آرہا ہوں گولی مت چلانا۔''

''آجاؤ لیکن خیال رہے تمہارے ساتھیوں کی زندگی میری انگلی کی جنبش پر ہے۔''

میں نے پستول عقب میں پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر لاؤنج میں آیا بیڈروم کا دروازہ کھلا تھا بیتو اور سادھنا ایک دوسرے سے پشت لگا کر کھڑے تھے اور راج نے سادھنا کے سینے پر رائفل کی نال رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ ''تم میرے اندازے سے زیادہ سخت جان ہو۔'' اس کا انداز تعریفی تھا۔

میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے کہا۔ ''راج تم نے ان لوگوں کی وارننگ سن لی ہے تین منٹ پورے ہوتے ہی یہ بنگلے کو آگ لگا دیں گے۔ پھر تم بھی مرو گے اور ہم بھی مارے جائیں گے۔''

''مجھے جل کر مرنا منظور ہے لیکن خود کو ان کے سپرد نہیں کر سکتا۔''

''راج اگر ہم بچ گئے تو تمہیں چھڑانے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے اسے پیش کش کی۔ ''دوسری صورت میں سب مارے جائیں گے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اول تو یہ مجھے ویسے ہی مار دیں گے۔ دوسرے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے بچانے کی کوشش کرو گے؟''

''اگر انہوں نے مارنا ہوتا تو انتظار نہ کرتے۔ ہمارے سوتے میں خاموشی سے بنگلے کو آگ لگا دیتے اور جو باہر نکلنے کی کوشش کرتا اسے گولیوں سے بھون دیتے۔ یہ تم سے کچھ چاہتے ہیں اس لیے ہمیں مارنے سے گریز کر رہے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''تب تم ان سے بارگننگ کر کے زندہ رہ سکتے ہو۔''

اس بار اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ جلاد ہیں ایک بار میں ان کے قبضے میں چلا گیا تو یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرے لیے زبان بند رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔''

''لیکن تم زندہ تو رہو گے۔ اس دوران میں ہم تمہیں بچانے کی کوشش کریں گے۔''

''تمہیں کیا پتا کہ میرے دشمن کون ہیں؟''

''یہ بات تم ہمیں بتاؤ گے۔ ان کے ممکنہ ٹھکانوں کے بارے میں بتاؤ گے جہاں ہم تمہیں تلاش کر سکیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''راج جلدی فیصلہ کر لو اگر انہوں نے آگ لگانے والے بم مار دیئے تو پھر موت ہی ہمارا مقدر بنے گی۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم میری مدد کرو گے؟''

''ہم مسلمان ہیں اللہ کو مانتے ہیں اور اسی کی قسم کھاتے ہیں۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں مسلمان اللہ کو مانتے ہیں۔''

''بس تو میری بات کا اعتبار کرو۔''

اس نے سوچا اور رائفل سادھنا کے سینے سے ہٹا کر میری طرف بڑھا دی۔ ''یہ رانا چندر باز کے آدمی ہیں وہ میرا دشمن ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ کھٹمنڈو کے شمال میں بدھ کے بڑے مندر میں ہے۔''

''بدھ کا بڑا مندر کیا یہ کوئی جانی پہچانی جگہ ہے؟''

''ہاں سب کو پتا ہے رانا وہیں ہوتا ہے۔''

''لو ایک اور رانا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''ہم بم پھینکنے والے ہیں۔'' باہر سے دھمکی دی گئی۔

''میں نے راج کو بازو سے پکڑ کر کھینچا اور اسے باہر لے جانے لگا۔ اور ساتھ ہی اسے مشورہ دیا۔'' اپنا رویہ شریفانہ رکھنا اور ہو سکے تو رو گڑگڑا لینا تا کہ زیادہ دیر زندہ رہو۔''

''تم مجھے بچانے آؤ گے نا؟'' اس نے پُر امید لہجے میں کہا۔ اس نے رائفل میرے حوالے کر کے اپنی کشتیاں جلالی تھیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ مضبوط اعصاب کا آدمی تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو مرنے مارنے پر تل جاتا۔ وہ زندگی کے لیے آخری حد تک چانس لینے کو تیار تھا۔

''میں کوشش کروں گا۔ کم سے کم بڑے مندر تک آؤں گا۔'' میں نے کہا۔ اور لاؤنج کے آخری سرے تک پہنچ کر بلند آواز سے کہا۔ ''ہم راج کو تمہارے حوالے کر رہے ہیں۔''

''اسے باہر بھیج دو ہم اسے لے کر چلے جائیں گے۔'' باہر سے آواز آئی۔ اب تک ایک ہی آدمی بولتا رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''راج کیا تمہارا کوئی اور ٹھکانہ ہے؟''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ایک خفیہ جگہ ہے۔ اسی پہاڑی کے دوسری طرف اترو تو تمہیں صنوبر کا بہت بڑا سا درخت نظر آئے گا وہ ایک ہی درخت ہے اس کے نیچے شمالی طرف ایک جھاڑی ہوگی۔ جھاڑی کے نیچے موجود پتھر ہٹاؤ گے تو خفیہ ٹھکانے میں داخل ہو جاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے اب جاؤ۔'' میں نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ راج کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ یہ لوگ اس کی جان کے گاہک تھے اور کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ باہر نکلتے ہی اسے گولیوں سے چھلنی کر دیتے۔ مگر راج کو جانا تو تھا۔ وہ متذبذب کھڑا تھا کہ وسیم نے اچانک اسے پیچھے سے دھکا دیا اور وہ چیخ مار کر برآمدے میں جا گرا تھا۔ فوراً ہی کراٹا کی باڑھ کے عقب سے رائفلیں جھانکنے لگیں اور کسی نے چلا کر مقامی زبان میں کچھ کہا۔

''یہ راج کو ہاتھ اٹھا کر آگے آنے کو کہہ رہے ہیں۔'' بیتو نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے ان کا راج کو یہیں مارنے کا ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ راج اٹھ کر لرزتے قدموں سے آگے بڑھا اور گیٹ سے نکلتے ہی اسے تین افراد نے گھیر لیا اور گھسیٹ کر ساتھ لے جانے لگے تھے۔ ذرا آگے جاتے ہی وہ تاریکی میں غائب ہو گئے تھے۔ مجھے بنگلے کے اطراف میں اور کوئی نظر نہیں آیا تھا ایسا لگ رہا تھا بس یہی تین لوگ تھے۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ ''ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہوگا۔''

''وسیم بھائی تجوری کا دولت۔'' بیتو بولا۔

''منے وہ تم تلاش کرتے رہنا ہم جا رہے ہیں۔'' وسیم نے اس سے کہا۔

''ہم کہہ رہا ہے کہ ہم کو پتا ہے اس نے چابی کہاں رکھا ہے۔''

''بیتو فضول باتیں کرنے کے بجائے یہاں سے نکلو۔'' اس بار میں نے اسے ڈانٹا تو اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

''ہم تو سب کے بھلے کے لیے کہہ رہا تھا۔''

اسے راج کی دولت کا افسوس کرتے چھوڑ کر ہم نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا اور پھر عقبی دروازے سے باہر نکل آئے تھے۔ اس طرف تاریکی تھی۔ یہ اچھی بات تھی۔ بیتو جھنجھلایا ہوا تھا اس نے کہا۔

''آپ لوگ اتنا جلدی کیوں نکلا ابھی ہم آرام سے اس کی تجوری سے رقم نکال سکتا تھا۔''

''تمہیں رقم کی کیوں پڑی ہے؟'' سادھنا بولی۔ ''ہماری پاس دولت کم تو نہیں ہے۔''

''بولو مت خاموشی سے چلو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو وہ چپ گئے تھے۔ تاریکی میں جب ہم درختوں میں داخل ہوئے تو میں نے کسی قدر سکون محسوس کیا تھا اتنی عجلت میں بھاگنے کی وجہ میری چھٹی حِس کا الارم تھا۔ مجھے لگا کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نہیں نکلے تو کسی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اگلے پانچ منٹ میں ہم خاصی بلندی پر آ گئے تھے اور یہاں سے راج کا بنگلہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا۔ ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا۔ بنگلہ کسی قدر تاریکی میں تھا اور اتنی بلندی سے صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں سر واپس گھمانے والا تھا کہ اسی لمحے بنگلے کے دائیں پہلو سے ایک بہت بڑا شعلہ نکلا اور فوراً ہی دھماکے کی مدھم آواز سنائی دی تھی۔ اس شعلے نے چند سیکنڈ کے اندر بنگلے کے بڑے حصے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

''میرے خدا۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم بروقت نکل آئے۔''

''یہ کیا تھا؟'' سادھنا بولی۔

''میرا خیال ہے وہ فاسفورس بم لگا گئے تھے ٹائم بم تھا جو اپنے وقت پر پھٹ گیا۔''

اب بیتو شرمندہ ہو رہا تھا اگر ہم اس کے کہنے کے مطابق راج کی دولت کے چکر میں پڑ جاتے تو امکان یہی تھا کہ ہمیں بنگلے سے نکلنے کی مہلت بھی نہیں ملتی اس نے میری طرف دیکھا۔ ''سوری شوبی بھائی۔''

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ ''سوری کی بات نہیں ہے بس ایک بات یاد رکھا کرو۔ ہمارا مقصد اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے ورنہ دولت تو تم ہمارے پاس آتے جاتے دیکھ چکے ہو۔ رانا دیاس نے جو رقم دی تھی۔ وہ ہمارے مقدر میں نہیں تھی وہ چھن گئی اور جو ہمارے مقدر میں تھی وہ ہم کو مل گئی۔ پچیس لاکھ چھن گئے تو ہمیں اس سے کہیں زیادہ رقم مل بھی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم زندہ رہیں تو دولت اسی طرح آتی جاتی رہے گی۔ ساری دنیا کی دولت بھی مل کر ہماری زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتی ہے کیا سمجھے؟''

''دولت کے پیچھے مت بھاگو۔'' وسیم نے بھی کہا۔ ''دولت خود تمہارے پیچھے آئے گی۔''

بیتو نے منہ بنایا۔ ''وسیم بھائی آپ نے کل رات ہم کو چابی تلاش کرنے کا بولا تھا۔''

''وہ تو میں نے وقت گزاری کے لیے کہا تھا۔'' وسیم ڈھٹائی سے بولا۔ ''مجھے کیا معلوم تھا تم سچ مچ تلاش کرنے لگ جاؤ گے۔''

''ویسے چابی کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

بیتو نے ہاتھ آگے جس پر چابی تھی۔ وہ میں نے اس سے لے کر جیب میں رکھ لی۔ نیچے راج کا بنگلہ مکمل طور پر آگ کی لپیٹ آ گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی راکھ ہی بچے گی۔ ہم پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ اس کی چوٹی کچھ ہی اوپر تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے اور ابتدائی سرگرمی کے بعد سردی ہمارا مزاج پوچھ رہی تھی۔ دوسری طرف نیچے اترنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ اب شعلے اتنے بلند تھے کہ میلوں دور سے دیکھے جا سکتے تھے۔ مجھے راج کی قسمت پر افسوس ہوا اگر وہ بچ بھی گیا تو اس کا سارا اثاثہ جل کر خاک ہونے والا تھا۔ وہ عملاً فٹ پاتھ پر آ جاتا لیکن وہ زندہ بچ جاتا یہی اس کے لیے بہت تھا۔ دوسری طرف تاریکی تھی اور ہم نے راستہ

دیکھنے کے لیے ٹارچیں روشن کر لیں۔

سادھنا نے اپنی شال کس کر لپیٹ لی۔ شال اس نے راج کے گھر میں سے اٹھائی تھی۔ ہم بھی سردی محسوس کر رہے تھے لیکن اس کی وجہ سے رک نہیں سکتے تھے۔ اس طرف پہاڑی کی ڈھلان دور تک پھیلی تھی اور زیادہ ترچھی ہونے کی وجہ سے اس پر راستے ناپید تھے۔ اس لیے ہمیں بہت محتاط ہو کر اترنا پڑ رہا تھا۔ ابھی تک ہمیں صنوبر کا بڑا سا درخت نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ نیچے کہیں تھا۔ ترچھی ڈھلان پر بعض جگہ راستے ناپید تھے اور ہمیں درختوں اور جھاڑیوں کا سہارا لے کر اترنا پڑ رہا تھا۔ پھر بیتو نے درخت دیکھ لیا۔

''وہ رہا۔'' اس نے اشارہ کیا۔

نیم تاریکی میں ایک بڑا سا درخت ڈھلان کے آخری حصے میں تھا اور اس ڈھلان پر اتنا بڑا درخت اور کوئی نہیں تھا۔ ہم اس کے پاس پہنچے اور ٹارچ کی روشنی میں اس جھاڑی کو تلاش کرنے لگے جس کے نیچے راج نے خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ وہ بہت محتاط تھا اس کے ذہن میں تھا کہ اس کے دشمن اس بنگلے تک بھی آ سکتے تھے اس لیے اس نے پاس ایک اور ٹھکانہ بنا لیا تھا تاکہ بہ وقت ضرورت یہاں پناہ لے سکے لیکن اسے موقع نہیں ملا تھا اور جن دشمنوں سے وہ بچتا پھر رہا تھا وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور یہ ٹھکانہ اب ہمارے کام آنے والا تھا۔

بیتو نے جھاڑی اور پھر اس کے نیچے خفیہ جگہ کا راستہ بھی تلاش کر لیا تھا یہ ایک بڑا سا پتھر تھا جو بہ ظاہر زمین میں پیوست تھا لیکن جب بیتو نے اسے ایک خاص انداز میں گھمایا تو یہ اپنی جگہ سے سرک گیا اور اتنا بڑا راستہ بن گیا جس میں مناسب جسامت کا آدمی بھی آسانی سے اندر جا سکتا تھا۔ وسیم نے ٹارچ سے روشنی ڈالی اور بولا۔

''نیچے سیڑھیاں ہیں۔''

یہ فولادی سیڑھی تھی۔ ڈنڈے والی سیڑھی جو سیدھی نیچے جا رہی تھی۔ پہلے بیتو اندر گیا اور اس نے اطلاع دی۔ ''ادھر چھوٹا سا غار ہے۔''

میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم دونوں باہر ہی رکو میں جاتا ہوں۔''

مجھے خدشہ تھا کہ کہیں اندر گیس یا اس قسم کی کوئی خطرناک چیز نہ ہو۔ راج کا یہ ٹھکانہ نہ جانے کس قسم کا تھا۔ میں نیچے اترا۔ اندر اترتے ہی میں نے محسوس کر لیا کہ وہاں گھٹن نہیں تھی اور کہیں سے تازہ ہوا کی آمد ورفت جاری رہتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا دس بائی پندرہ فٹ کا قدرتی کمرہ تھا جسے تراش کر کمرے کی شکل دی گئی تھی اور راج نے اس کی دیوار پر چونا بھی پھیر رکھا تھا یہ ایسی جگہ تھی جیسا کہ کوئی عارضی ٹھکانہ ہو سکتا تھا۔ وہاں دو کمبل تھے ایک طرف انگیٹھی رکھی تھی جس میں جلانے کے لیے لکڑی کا کوئلہ تھا۔ ایک ڈبے میں دلیہ تھا اور چینی پتی کے ساتھ خشک دودھ بھی تھا۔ کچھ چاول بھی رکھے تھے۔ بس زندہ رہنے کا سامان تھا۔ اس نے وہاں بس انتہائی ضرورت کا سامان رکھا تھا۔ مگر تمام ہی چیزیں بنا استعمال کے پڑی تھیں۔

''لگتا ہے اسے یہ جگہ استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا۔'' بیتو بولا۔

''ہاں یہاں سردی بھی اتنی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اچانک مجھے اوپر سے روشنی لہراتی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے اس طرف ٹارچ کا رخ کیا تو چھت کے پاس مجھے آڑا ترچھا سوراخ نظر آیا تھا۔ شاید تازہ ہوا یہیں سے آتی جاتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ خطرے کی بات نہیں ہے اور وسیم و سادھنا کو بھی نیچے بلا لیا۔ وسیم نے نیچے

آتے ہوئے پتھر کو بند کر کے اور کھول کر دیکھا اور پھر نیچے آیا تھا۔ اس نے تعریفی نظروں سے جگہ کو دیکھا۔

''کیا زبردست جگہ ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس جھاڑی کے نیچے کوئی غار ہے۔''

''لیکن یہ غار ہمارا مقبرہ شریف بھی بن سکتا ہے۔'' میں نے کمبل پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے جناب؟'' وسیم چونکا۔

''تم راج کو بھول رہے ہو۔ اسے اس کے دشمن لے گئے ہیں اور جب وہ اسے نچوڑیں گے تو وہ سب بک دے گا۔ اس ٹھکانے کے بارے میں بھی بتا سکتا ہے۔''

''تب ہم نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔''

''نہیں صبح تک خطرہ نہیں ہے۔ ہمیں اس وقت تک کسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے اس کے بعد یہاں سے نکل جائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہے ہمیں اس وقت تک آرام کر لینا چاہیے۔''

وسیم میرے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ زیر زمین ہونے کی وجہ سے یہ جگہ معقول حد تک گرم تھی۔ اس لیے گزارا تھا۔ سادھنا نے دونوں کمبل فرش پر بچھا دیئے۔ بیتو بولا۔ ''کسی ایک آدمی کو اوپر بھی رہنا چاہیے۔ اگر دشمن آ گئے تو ہم بے خبری میں گھر جائیں گے۔''

اس کی تجویز اچھی تھی اور کیونکہ اس نے دی تھی اس لیے اسے ہی پہلے اوپر بھیج دیا۔ اس نے جانے سے پہلے ایک نمائشی احتجاج کیا تھا اور پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وسیم نے کہا۔ ''اب راج تو گیا ہاتھ سے، باقی دو پاسپورٹ کہاں سے بنوائیں گے؟''

''ابھی راج زندہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔''

وسیم نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''آپ کا مطلب ہے آپ اسے چھڑانے کی کوشش کریں گے؟''

''ہاں کیونکہ میں نے قسم کھا کر اس سے وعدہ کیا تھا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''وہ مجبوری تھی۔''

''بے شک مجبوری تھی لیکن یار مجھے اس پرودگار کی قسم توڑنا اچھا نہیں لگ رہا جو کتنی بار ہمیں موت کے منہ سے بچا کر لایا ہے۔ آگے بھی وہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے لیکن پہلے مجھے دو کام کرنے ہیں۔ ایک تو تم لوگوں کے لیے آج ہی کسی فلائٹ میں نشست کا انتظام کرنا اور......''

''ہم آپ کے بغیر نہیں جائیں گے۔'' وسیم نے میری بات کاٹی۔

''شوبی یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سادھنا جو ہماری بات سن رہی تھی درمیان میں بولی۔ ''اگر وسیم تیار بھی ہو جائے گا تو میں نہیں جاؤں گی۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''کیا ہم کسی تقریب میں یا سیاحتی ٹور پر آئے ہیں جو ایک ساتھ آئے ہیں اور ایک ساتھ ہی واپس جائیں گے۔ ہم بہت مشکل میں ہیں اور جو اس مشکل سے نکل جائے اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔''

''اور آپ دونوں؟'' وسیم نے دبے لہجے میں کہا۔ وہ میرے موڈ سے سمجھ گیا تھا کہ میں اس معاملے میں بحث نہیں چاہتا تھا اور میں نے فیصلہ سنا دیا تھا۔ اس کا اشارہ میری اور بیتو کی طرف تھا۔

''پہلے ہم راج کو آزاد کرانے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر وہ آزاد ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کسی اور کی مدد سے پاسپورٹ بنوا کر یہاں سے نکلیں گے۔''

''میں تو کہتا ہوں راج کی فکر چھوڑیں۔'' وسیم نے دبی زبان میں کہا۔

''ہاں نا اس کے دشمن کتنے طاقتور ہیں۔'' سادھنا بھی بولی۔ ''ایسے لوگوں کو دشمن بنانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تم لوگ فکر مت کرو، آگ میں کودنے کا شوق مجھے بھی نہیں ہے۔'' میں نے ان کو تسلی دی۔ ان دونوں کے پاسپورٹ تیار تھے اور ان کے لیے نیپال سے کہیں جانا مسئلہ نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ دبئی کے لیے نیپال سے ویزہ لے کر جانا ضروری تھا یا یہیں سے ویزہ لگوانا پڑتا۔ یہ ہمیں یو اے ای کے سفارت خانے سے پتا چل سکتا تھا۔ ہم اونگھنے لگے دو گھنٹے بعد وسیم اوپر چلا گیا اور اس نے بیتو کو نیچے بھیج دیا اس دوران میں مجھے نیند آ گئی تھی۔ میرے سر کا درد بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ایک تو سر پر لگنے والی ضربیں زوردار نہیں تھیں دوسرے میں اس قسم کے معاملات میں کچھ ڈھیٹ ہو گیا تھا۔ وسیم نے مجھے نہیں اٹھایا تھا۔ سورج نکل آیا تو میں خود جاگ گیا تھا۔ بیتو نے کچھ دلیہ اور چائے وغیرہ بنالی تھی۔ دلیہ بالکل سادہ تھا بیتو نے ساس میں چینی ڈال کر اسے کسی حد تک کھانے کے قابل بنادیا تھا۔ پھر بھی اسے کھانا آسان نہیں تھا۔ کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار کر اور چائے پی کر ہم یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ چائے البتہ بہت اچھی تھی راج نے کوئی اعلیٰ درجے کی پتی رکھی تھی۔

''موسم برف باری والا ہو رہا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''صبح تو بہت زیادہ سردی ہو گئی تھی۔''

''مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟''

''آپ کے سر پر چوٹ تھی میں نے سونے دیا اب کیسا لگ رہا ہے۔''

''بہتر ہے یار اب تو عادی ہو گئے ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔

ہم باہر آئے اور اس جگہ کو ویسے ہی بند کر دیا۔ آسمان پر سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے اور موسم واقعی برف باری والا لگ رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اس طرف سے نہیں جانا تھا۔ راج کے بنگلے کے آس پاس پولیس کی موجودگی عین ممکن تھی اور ہمیں پوچھ گچھ کے لیے روک لیا جاتا تو بلاوجہ مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے سوچا کہ اسی پہاڑی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم آگے سے گھوم کر سڑک پر نکل جاتے۔ میں نے ان لوگوں کو بتایا تو انہوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ ہمارے پاس اسلحہ بھی تھا اور اسے لے کر دن دھاڑے گھومنا خطرناک تھا۔ رائفلیں چھپانا مشکل تھا اس لیے ان کو بیگوں میں رہنے دیا اور پستول اپنے پاس رکھ لیے۔ اب ہمارے پاس دو خودکار رائفلیں تھیں، ایک شاٹ گن تھی اور دو پستول تھے۔ اسلحے کے لحاظ سے صورتِ حال تسلی بخش تھی۔

پہاڑی سے گھوم کر سڑک تک آنے میں بہت وقت لگا تھا ہم کوئی دو گھنٹے تک مسلسل چلتے رہے تھے اور اس وقت سب بیتو کے شکرگزار تھے جس نے صبح دلیہ کھلا دیا تھا ورنہ ہم شاید راستے میں گر جاتے سڑک تک آتے آتے سب کا بھوک سے برا حال ہو گیا تھا۔ بیتو نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''اپنے کو بہت بھوک لگی ہے۔''

''وہ تو ہمیں بھی لگی ہے۔'' وسیم بولا۔ ''لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے اس سڑک پر کوئی ریستوران نہیں ہے۔''

''ہاں کھانے پینے والی جگہیں تو شہر کے پاس ہی ملیں گی۔'' میں نے کہا اور پیدل مارچ شروع کر دیا۔

وسیم تو آرام سے میرا ساتھ دے رہا تھا لیکن سادھنا اور بیتو کو بھاگنا پڑ رہا تھا۔ سادھنا جھنجھلا کر بولی۔ ''اف کیا مصیبت ہے کیا پولیس پیچھے لگی ہے۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''سادی نے ابھی سے ہمارے محاورے بولنا شروع کر دیئے۔''

میں نے دانت نکالے۔ ''اچھی لڑکیوں کی یہی نشانی ہوتی ہے سسرال جانے سے پہلے ہی وہاں کی زبان بولنا شروع کر دیتی ہیں۔''

''میں کچھ نہیں سن رہی۔'' سادھنا نے ہانک لگائی۔

وسیم نے چاروں طرف دیکھا۔ ''کوئی آواز آئی تھی۔ آپ نے بھی سنی؟''

''وسیم بھائی ابھی دیدی نے پستول نکال کر گولی چلایا تو آپ کو آواز بالکل صاف آئے گا۔'' بیتو ہانپتے ہوئے بولا۔

وسیم نے اسے گھورا۔ ''تم ابھی سے ایک نانجار سالے ثابت ہو رہے ہو۔''

''نانجار کیا ہوتا ہے وسیم بھائی۔'' بیتو نے پوچھا۔ ''سالے کا مطلب تو ہم سمجھتا ہے۔''

''نانجار کا مطلب ہے بہت سمجھا ہوا اور شریف آدمی۔'' وسیم نے سوچ کر کہا۔

''اچھا اچھا۔'' بیتو مطمئن ہو گیا۔ سادھنا البتہ وسیم کو گھور رہی تھی نانجار کا مطلب تو وہ بھی نہیں جانتی تھی لیکن وہ سمجھ گئی تھی کہ وسیم نے بیتو کو بے وقوف بنایا ہے۔ سڑک ویران تھی اور فی الحال کوئی گاڑی تو کیا انسان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی لمحے ہوا بالکل رک گئی اور آسمان سے چھوٹے چھوٹے روئی کے گالے گرنے لگے۔ سادھنا خوشی سے بولی۔ ''برف باری ہو رہی ہے۔''

''زیادہ خوش مت ہو۔'' وسیم بولا۔ ''ہم بے گھر پھر رہے ہیں۔ ابھی برف باری کے بعد ہوا چلے تو پتا چل جائے گا۔''

''مجھے کیا بتا رہے ہو میں جہاں رہتی تھی وہاں بھی چار مہینے تک برف پڑتی تھی۔'' سادھنا نے اسے گھورا۔ ''ابھی ہوا چلنے میں کم سے کم چوبیس گھنٹے ہیں۔''

بیتو نے فریاد کی۔ ''ہم بھوک سے فوت ہونے والا ہے۔''

''حالانکہ اپنا تیار کیا ہوا دلیہ سب سے زیادہ تم نے کھایا تھا۔'' سادھنا نے اسے یاد دلایا۔

''اچھا دوست تو یہیں سے الوداع۔'' وسیم نے زبردستی بیتو سے ہاتھ ملایا۔ ''یاد کریں گے کہ اپنا بھی ایک دوست تھا بے چارہ بھوک سے مر گیا۔''

بیتو خفا ہو گیا۔ ''اب ہم اتنا بھی کمزور نہیں ہے۔''

سادھنا نے ہماری توجہ ایک طرف سے اٹھتے دھوئیں کی طرف دلائی۔ ''ممکن ہے وہاں کوئی ہوٹل ہو۔''

''دل خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے۔'' وسیم بولا۔

''یہ دھواں کہاں سے اٹھتا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''ممکن ہے یہ کوئی بھٹی ہو۔''

لیکن بالآخر وہ ایک چھونپڑی ہوٹل ثابت ہوا تھا جس میں مزدور قسم کے لوگ کام پر نکلنے سے پہلے ناشتہ کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ہوٹل کے مالک نے فوری طور پر ایک میز خالی کرائی اور اس پر ناشتے میں مصروف لوگوں کو

زبردستی دوسری میز پر منتقل کر دیا۔ میز پر موجود گندے دھبے چھپانے کے لیے اس نے ایک کسی قدر صاف ستھرا میز پوش نکال کر بچھا دیا۔ اس کا چھوٹا ایک غلیظ سے کپڑے سے کرسیاں جھاڑنے لگا۔ کرسیوں سے زیادہ گندہ تو وہ کپڑا تھا۔ مالک نے دانت نکال کر انکساری سے ہمارے آگے جھکا جا رہا تھا تو اس کی وجہ اس کا جذبہ مہمانی نہیں تھا بلکہ ہم حلیے سے کھاتے پیتے سیاح نظر آ رہے تھے اور اسے ہم سے رقم کی خوشبو آ رہی تھی۔ ہم سب کرسیوں پر گر گئے کیونکہ چل چل کر سب کا برا حال تھا۔ ہوٹل کے مالک نے ہم سے ناشتے کا پوچھا۔ اسلحے والا بیگ میں نے میز کے نیچے رکھ دیا اور انگریزی میں کہا۔

''انگلش میں بات کرو...... یا ہندی میں۔''

''انگلش ناؤ سر...... ویری لٹل لٹل۔'' ہوٹل کے مالک نے انگریزی بولنے کا عملی مظاہرہ کیا۔ ''واٹ یو وانٹ سر۔''

''کیا کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''انڈہ پراٹھا ملے گا، بریڈ بھی ملے گا دیسی مکھن کے ساتھ اور حلوہ پوری بھی ہے۔''

''حلوہ پوری۔'' وسیم چونکا۔ ''وہی لے آؤ۔''

''ایک منٹ پہلے ہم دیکھیں گے کہ تم حلوہ پوری کیسی بناتے ہو۔''

مالک نے فٹافٹ آٹے اور شکر سے بنا حلوہ لا کر دکھایا اور پاس ہی پوریاں کھاتے ایک شخص سے پوری بھی چھین لایا۔ وہ بے چارہ مسکینی سے اپنی پوری کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ حلوہ اور پوری دونوں مناسب لگ رہے تھے اس لیے ہم نے حلوہ پوری کا آرڈر دے دیا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم حلوے کے بجائے بھاجی سے ناشتہ کر رہے تھے۔ پوری سرسوں کے تیل میں تلی لیکن مزے کی تھی اور بھاجی کا ذائقہ بھی برا نہیں تھا کیونکہ ہم نے چکھ کر دیکھ لیا تھا۔ ڈٹ کر ناشتہ کرنے کے بعد ہم سب نے اپنی اپنی پسند کی چائے پی تھی۔ وسیم اور بیتو نے دودھ پتی کو ترجیح دی تھی جب کہ سادھنا اور میں نے سیاہ چائے پی تھی۔ ہوٹل کے مالک نے ہمارے اعزاز میں نیا ٹی سیٹ نکالا تھا اور چائے بھی سلیقے سے بنائی تھی۔

میرا خیال تھا کہ اس کے سلوک کی طرح بل بھی اسپیشل ہوگا مگر جب اس نے صرف نوے بھارتی روپے کا تقاضہ کیا تو ہم حیران رہ گئے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہمارے ملک میں کس قدر مہنگائی ہے۔ اگر یہی ناشتہ ہم پاکستان کے کسی جھونپڑی ہوٹل میں کرتے تو کم سے کم دو سو روپے کا بل بنتا۔ میں نے اسے سو روپے کے ساتھ کچھ کھلے مقامی نوٹ بھی دیئے تو وہ خوش ہو گیا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔

''یہاں کوئی ٹیکسی والا ملے گا جو ہمیں کھٹمنڈو لے جائے؟''

''کیوں نہیں ملے گا۔'' اس نے کہا اور اپنے چھوٹے سے مقامی زبان میں کچھ بولا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اور ہم نے چائے کے دوسرے دور کا آرڈر دیا۔ کوئی بیس منٹ بعد وہ ایک نوجوان آدمی کے ساتھ آیا جس نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ ہوٹل کے مالک نے ہماری طرف اشارہ کیا۔ وہ ہمارے پاس آیا اور صاف ستھری انگریزی میں پوچھا۔

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں سر؟''

''ہمیں ایک ایسے ٹیکسی والے کی ضرورت ہے جو کھٹمنڈو اور اس کے آس پاس کے سارے علاقوں سے واقف ہو۔''

''میں ہر جگہ کے بارے میں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن ایک مسئلہ ہے میرے پاس ٹیکسی نہیں ہے۔ اپنی کار ہے۔''

میں سمجھ گیا وہ چوری چھپے کار چلاتا ہوگا۔ یہاں بھی نجی کار کو ٹیکسی کے طور پر چلانا جرم ہوگا۔ میں نے کہا۔ ''ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا تم کیا لو گے؟''

''آپ کہیں جانا چاہتے ہیں یا گھومنا چاہتے ہیں۔''

''کئی جگہوں پر جانا ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ سارا دن بھی لگ سکتا ہے۔''

اس نے سوچا اور ہچکچا کر بولا۔ ''آپ ایک گھنٹے کا سو روپے دیں تو میں تیار ہوں۔''

''منظور ہے۔'' میں نے فوراً ڈن کر دیا۔ ''کار کہاں ہے تمہاری اور اس میں ڈکی ہے۔ ہمارے پاس سامان بھی ہے۔''

''ڈکی ہے میں دو منٹ میں لاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک انڈین ماروتی کار میں واپس آیا۔ یہ بہت پرانا ماڈل تھا۔ انڈیا میں برس ہا برس سے یہی ماڈل چل رہا تھا اب شاید کہیں اسے متروک کیا گیا تھا لیکن بنیوں نے گٹھلیوں کے دام کمانے کے لیے ان کاروں کو نیپال بھیج دیا تھا۔ کیونکہ مجھے انڈیا کے مقابلے میں یہ ماڈل نیپال میں زیادہ نظر آیا تھا۔ اس کی ڈکی میں ہم نے اپنے سامان کے بیگ رکھے۔ بیتو نے اسلحے والا بیگ ذرا زور سے رکھا تو آہنی آواز آئی تھی۔ نوجوان چونکا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''ہم نے یہاں کچھ پتھر کی مورتیاں لی تھیں وہ ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''کمار۔'' اس نے کہا تو سادھنا نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ ''گگن کمار مگر سب کمار کہتے ہیں۔''

''ہم گگن کہیں گے۔'' میں نے کہا اور ہم سب ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

''کہاں چلنا ہے سر؟''

''پہلے تم شہر تو چلو۔'' میں نے اسے ٹالا۔ پھر وسیم سے پشتو میں کہا۔ ''میں یو اے ای کے سفارت خانے جانے کا سوچ رہا ہوں۔ وہاں سے معلوم ہو جائے گا کہ تم دونوں کے لیے ویزے کی ضرورت ہے یا نہیں۔''

''کیا یہ آپ کا حتمی فیصلہ ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ہاں دو افراد اگر خطرے سے نکل جائیں تو اس میں کیا حرج ہے بعد میں، مَیں اور بیتو بھی آتے رہیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے نیم دلی سے کہا۔ اس دوران کھٹمنڈو کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ عملی طور پر ہم شہر میں ہی تھے لیکن کسی مضافاتی علاقے میں تھے۔ میں نے گگن سے کہا۔ ''تم یو اے ای کا سفارت خانے جانتے ہو کہ کہاں ہے؟''

''جانتا ہوں سر وہاں کام ہے؟''

''ہاں ہمیں یو اے ای کا ویزہ لگوانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں لیے چلتا ہوں سر۔ چھوٹا سا ہے۔''

میں خوش ہو کر بولا۔ ''ہمیں چھوٹے بڑے سے غرض نہیں ہے بس ویزہ لگنا چاہیے۔''

کوئی آدھے گھنٹے بعد اس نے کار ایک چھوٹی سی لیکن جدید طرز کی عمارت کے سامنے روک دی اس پر یو اے ای لکھا تھا۔ پتا نہیں یہ سفارت خانہ تھا یا اس سے نیچے درجے کا کوئی کونسل خانہ تھا کیونکہ یو اے ای کوئی بہت بڑا ملک نہیں ہے۔ جس کا سفارت خانہ دنیا کے ہر ملک میں موجود ہو۔ ہم نیچے اتر آئے البتہ بیتو کار میں رہا تھا۔ رقم تو ہم سب کے پاس تھی اور پستول کی حد تک اسلحہ بھی تھا لیکن سامان اور بڑا اسلحہ کار کی ڈکی میں تھا اور گگن وہ لے کر نو دو گیارہ ہو جاتا تو ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے سادھنا اور وسیم سے کہا۔ ''تم دونوں کو سیاحوں کی حیثیت سے ویزے کی درخواست کرنا ہوگی۔ کیونکہ تم دونوں کا تعلق الگ الگ ملکوں سے ہے اس لیے تم دوست بن کر جا سکتے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ گیا تو چلیں دوست۔'' اس نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ وہ خفا نظر آنے لگی۔

''زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''پلیز تم لوگوں کو فرینڈ نظر آنا چاہیے میاں بیوی نہیں۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ ایک دوسرے کو گھورتے سفارت خانے کی عمارت میں چلے گئے۔ میں واپس آیا تو گگن بیتو سے بات چیت کی کوشش کر رہا تھا لیکن بیتو کو انگریزی نہیں آتی تھی اور شاید وہ ہندی سے بھی انجان بن گیا تھا۔ بیتو اس کے سامنے بولا نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے ڈرائیور کو ہندی بولتے بھی دیکھا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اسے انگریزی یا ہندی نہیں آتی ہے۔''

گگن چونک گیا پھر زبردستی مسکرایا۔ ''میں تو ایسے ہی بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

شاید اسے ہمارے بارے میں تجسس ہو رہا تھا۔ میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ ''بہتر ہے تم اپنے کام سے کام رکھو۔''

وہ فوراً مودب ہو گیا۔ ''یس سر آپ کو اب شکایت نہیں ہوگی۔''

میں نے محسوس کیا کہ بلا وجہ اس جگہ کھڑے ہونا بھی ٹھیک نہیں تھا اس لیے میں نے کچھ دور نظر آنے والے ایک ڈھنگ کے ہوٹل میں رکنے کا سوچا۔ گگن کو اس طرف چلنے کو کہا۔ کار دیکھ کر وسیم اور سادھنا جان جاتے کہ ہم کہاں تھے۔ میں اور بیتو گگن کو بھی اندر لے آئے تھے۔ یہ اچھا ریستوران تھا میں نے اپنے لیے کافی اور ان دونوں کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔ فی الحال کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ کافی اچھی تھی۔ اس کی مدد سے ہم نے یہاں نصف گھنٹہ گزار دیا تھا لیکن سادھنا اور وسیم ابھی تک نہیں آئے تھے۔ میں اور بیتو باری باری واش روم سے بھی ہو آئے تھے۔ چائے کافی کے دوسرے دور میں گگن سے معلومات حاصل کرنا شروع کی۔

''یہ بتاؤ کہ بدھا کا بڑا مندر کہاں ہے؟''

''بڑا مندر۔'' اس نے چونک کر کہا۔ اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔ ''آپ کو وہاں کیا کام ہے؟''

''سیاحوں کو کسی ملک میں کیا کام ہوتا ہے؟''میں نے اس سے پوچھا۔''وہی کام ہمیں بھی ہے۔''

''میرا مطلب ہے سر کہ وہ سیاحوں کے لیے کوئی اچھی جگہ نہیں جرائم پیشہ افراد کا اڈہ ہے۔ جو مندر کی آڑ میں اپنا کام کرتے ہیں۔''

''میرے کچھ جاننے والے وہاں گئے تھے اور وہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ہم وہاں جانا چاہیں تو کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا۔''

''کچھ کہہ نہیں سکتے سر۔''اس نے دبی زبان میں جواب دیا۔''وہ جگہ کچھ اچھی نہیں ہے۔''

''پھر بھی ہم اسے دیکھنا چاہیں گے۔''میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔''تم ہمیں وہاں لے جا سکتے ہو؟''

''لے جاؤں گا سر۔''اس نے بے دلی سے کہا۔شاید وہ وہاں جاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ مجرموں کے اڈے پر کون خوشی سے جانا چاہتا ہے۔ جب راج نے مجھے مندر کا بتایا تھا تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اس کا دشمن رانا چندر باز مندر کی آڑ میں اپنا بدمعاشی کا کاروبار چلا رہا تھا۔ یہ وباء پورے برصغیر میں عام ہے انڈیا میں دیوی دیوتاؤں کے مندر اس کام میں استعمال ہوتے ہیں تو ہمارے ہاں نام نہاد ڈبا پیر مذہب کی آڑ میں غیر قانونی دھندے چلاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کی عوام مذہب کے معاملے میں حساس ہیں اس لیے ان مجرموں کے خلاف کارروائی بڑی آسانی سے لوگوں کو مشتعل کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مذہب کی آڑ میں مجرموں نے مافیائیں قائم کر لی تھیں۔

چائے کافی کا دوسرا دور بھی ختم ہو گیا تھا اور ابھی تک سادھنا اور وسیم کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ مجھے فکر ہونے لگی تھی کہ اندر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی تھی؟ بہرحال ہمارے پاس جعلی پاسپورٹ تھے اور ممکن ہے کوئی غلطی ہو گئی ہو لیکن اس صورت میں اب تک پولیس آ جاتی۔ جب دوسرا گھنٹہ بھی ختم ہونے لگا تو میرا صبر جواب دے گیا اور میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم دونوں یہیں رکو میں ان کو دیکھ کر آتا ہوں یہ تو جا کر بیٹھ ہی گئے ہیں۔''میں ریستوران سے نکل کر سفارت خانے کی طرف بڑھا تھا کہ وسیم اور سادھنا اندر سے برآمد ہوئے۔ ان کے مسکراتے چہرے دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا لیکن ہمیں غائب دیکھ کر ان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ پھر وسیم نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ میری طرف آئے۔

''یہاں سے کیوں چلے گئے؟''

''سفارت خانے کے سامنے کھڑے ہونا ٹھیک نہیں تھا۔''میں نے کہا۔''اور تم دونوں کیا اندر جا کر سو گئے تھے۔''

''نہیں ویزے لگوا رہے تھے۔ اتنے فارم بھرنے پڑے اور اتنے سوالوں کے جواب دینے پڑے کہ بچپن سے لے کر گریجویشن کے امتحان تک میں بھی نہیں دیئے ہوں گے۔''

''ویزے لگ گئے۔''میں نے خوش ہو کر کہا۔''یہ تو اچھی بات ہے۔''

میں ان دونوں کو بھی ریستوران میں لے آیا۔ اب اتنی دیر گزرنے کے بعد کھانے کا وقت شروع ہو گیا تھا اس لیے ہم نے کھانے کا آرڈر دے دیا اور ویٹر سے کہا کہ وہ تسلی سے لے کر آئے ہمیں کھانے اور جانے کی کوئی

جلدی نہیں تھی۔ گگن کو ہم نے اپنے ساتھ بٹھا رکھا تھا اور جب بیتو نے ہم سے رواں اردو میں بات کی تو وہ حیران رہ گیا تھا۔

''تم ہندی جانتے ہو؟'' گگن نے گڑبڑا کر کہا۔

میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔''اسے چھوڑو یہ بتاؤ کوئی ٹریول ایجنسی ہے جہاں سے دبئی تک کا ائیر ٹکٹ مل جائے؟''

''کئی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بس تو کھانا کھاتے ہی چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ کچھ زیادہ ہی جلدی کر رہے ہیں۔'' وسیم نے دبی زبان میں کہا۔''اور کہتے ہیں کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔''

''اس کے برعکس میں اس مقولے پر یقین رکھتا ہوں کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

کھانا آ گیا تھا اور ہم نے بارہ بجے ہی لنچ کر لیا تھا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ اس کے بعد ایک طویل بھاگ دوڑ تھی اور نا معلوم اس دوران میں کھانا نصیب ہو بھی یا نہ ہو۔ کھانا کھاتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔ گگن ہمیں ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر میں لایا۔ نیپال کیونکہ سیاحتی ملک ہے اس لیے یہاں قدم قدم پر اس قسم کی ایجنسیاں پائی جاتی ہیں جو ائیر ٹکٹ سے لے کر پہاڑوں پر جانے والی مہمات کا انتظام کرتی ہیں۔ وہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ اگلے دن دبئی جانے والی ایک پرواز میں دو سیٹیں تھیں لیکن میں آج کی کسی پرواز میں نشستیں چاہ رہا تھا اس لیے ان سیٹوں کو دو گھنٹے کے وقت میں ریزرو رکھ کر ہم نے ایک اور ٹریول ایجنسی کا رخ کیا اور وہاں خوش قسمتی سے اسی روز کی ایک پرواز پر دو ٹکٹ مل گئے تھے۔

اس سارے ریجن میں دبئی اب ایک جنکشن کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور آنے والی تقریباً تمام انٹرنیشنل فلائٹس دبئی میں ضرور رکتی ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں دبئی کی دو سیٹیں آسانی سے مل گئیں۔ ورنہ کراچی یا اسلام آباد کی سیٹیں ہمیں ایک ہفتے بعد کی بھی نہیں ملتیں۔ پرواز شام پانچ بجے کی تھی اور ابھی اس میں تین گھنٹے باقی تھے اور وسیم و سادھنا کو دو گھنٹے پہلے پہنچنا تھا۔ ہم نے فوراً ٹکٹ لیے اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہلکی برف باری بھی رک گئی تھی اس لیے امکان تھا کہ پرواز لازمی جائے گی۔ وسیم اور سادھنا اداس ہو رہے تھے لیکن میں ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ہنستا اور مسکراتا رہا تھا۔ ائیر پورٹ نظر آتے ہی سادھنا کا حوصلہ جواب دے گیا اور اس نے کار سے اترتے ہی رونا شروع کر دیا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔''کیا تم رخصت ہو کر سسرال جا رہی ہو؟''

''شوبی میں نہیں جا رہی۔'' اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اس نے میرا شانہ دبوچ لیا تھا۔

''گڑیا یہ ضروری ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔''تم اس بات کو سمجھتی ہو ٹھیک ہے تمہارے جذبات تمہیں اجازت نہیں دے رہے لیکن خود سوچو ہمارا یہاں سے نکلنا کتنا ضروری ہے۔''

بات سادھنا کی سمجھ میں آ گئی اس نے سر ہلایا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ وسیم کا چہرہ بھی اداس ہو رہا تھا۔ جب ہم ائیر پورٹ کے اندر جانے لگے تو میں نے بیتو سے کہا۔''تم یہیں رکو۔''

بیتو میرا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ پہلے وسیم کے گلے لگا پھر سادھنا کو گلے لگایا۔ ''دیدی تم فکرمت کرو ممکن ہے ہم کل ہی آ جائے۔''

سادھنا کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ ''سچ تم لوگ کل آ سکتے ہو؟''

''کیوں جب تم تین گھنٹے کے اندر دبئی جا سکتی ہو تو ہم کیوں نہیں آ سکتے؟'' میں مسکرایا۔ ''بس اب چلو دیر ہو رہی ہے ایسا نہ ہو کہ بورڈنگ بند کر دی جائے۔''

کھٹمنڈو کا ائیر پورٹ خاص بڑا نہیں ہے۔ کم سے کم مجھے کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے ائیر پورٹس کے مقابلے میں چھوٹا لگا تھا۔ صفائی ستھرائی اور دوسرے انتظامات بھی خاص نہیں تھے۔ میں لاؤنج تک جا سکتا تھا۔ وسیم اور سادھنا نے کاؤنٹر پر جا کر ٹکٹ اور پاسپورٹ چیک کرایا جس کے بعد بورڈنگ کارڈ مل گیا تھا۔ ان کے پاس سامان تھوڑا ہی تھا اور ہم نے راستے میں ان کے سامان میں سے ہر مشکوک چیز نکال لی تھی۔ ائیر پورٹ آنے سے پہلے پستول وغیرہ بھی اسلحے والے بیگ میں ڈال دیئے تھے۔ میں نے وسیم کو دس ہزار ڈالرز دے دیے تھے۔ اسے سفیر کے تمام فون نمبر اور ای میل ایڈریس بھی دیا تھا۔ اس کے باوجود اگر اسے سفیر نہ ملتا تو وہ پاکستان کال کر کے ندیم سے ان کے نمبر لے سکتا تھا۔

''اگر سفیر نہ بھی ہوا تو تمہارے پاس رقم ہوگی۔ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ وسیم اتنی دیر سے خاموشی سے سر ہلا رہا تھا اور شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں اسے بالکل کسی دیہاتی کی طرح سمجھا رہا تھا جس کا بیٹا پہلی بار شہر جا رہا تھا۔ میں کھسیا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سادھنا زور سے ہنسی۔

''شوبی آپ کے انداز سے لگ رہا ہے کہ آپ کا بیٹا کہیں جا رہا ہے۔ بے چارہ ناتجربے کار اور نوجوان۔''

''تمہیں کیا اعتراض ہے۔'' وسیم بولا۔ ''مجھے شہباز صاحب کی یہ بات اچھی لگی۔ میں وہاں جا کر پہلے سفیر سے رابطہ کرنے کی کوشش کر کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے مل جائے گا لیکن آپ دونوں کی خیریت میں کیسے معلوم کروں گا؟'' اس نے میری طرف دیکھا۔

''میرے پاس سفیر کے نمبرز ہیں۔'' میں نے کہا۔ پھر مجھے خیال آیا۔ ''اس سے ابھی رابطہ کر کے کیوں نہ دیکھیں۔''

ائیر پورٹ لاؤنج میں فون کال کی سہولت تھی اور اس کے لیے کارڈ بھی پاس سے کاؤنٹر سے دستیاب تھے۔ میں نے سفیر کا موبائل نمبر ملایا اور اس نے فوراً کال ریسیو کی۔ ''ہیلو کون بات کر رہا ہے۔''

''تمہارا باپ۔'' میں نے آواز بدل کر کہا۔

''وہ تو اپنی حویلی میں آرام سے بیٹھا ہے اسے نیپال جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا یقیناً اس نے نمبر سے جان لیا تھا کہ کال نیپال سے آئی تھی۔

''سفیر احمق کیا میری آواز نہیں پہچانتا۔'' اس بار میں نے اصل آواز میں کہا تو سفیر چلانے لگا تھا۔

''شوبی تو کہاں مر گیا تھا؟''

''بس یہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اور نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ بیگم صاحبہ کہاں ہے۔''

''میں یہاں ہوں۔'' مونا نے اس سے موبائل چھین لیا۔''سچ آپ لوگ بہت ستاتے ہیں۔ سادی کہاں ہے اور وسیم بھائی کیسے ہیں۔''

''اف تم لوگ مروا دو گے۔'' میں نے کہا۔''سب یہیں ہیں۔ وسیم اور سادی دبئی کے لیے روانہ ہونے والے ہیں ایک گھنٹے بعد پرواز ہے۔''

''آپ اور بیتو کیوں نہیں؟''

''ہمارا انتظام نہیں ہو سکا۔'' میں نے کہا۔ سفیر نے اس سے موبائل واپس چھین لیا۔

''تم دونوں کیوں نہیں آرہے ہو؟''

''یہ سب وسیم بتا دے گا۔ یہ بتا کہ راجا عمر دراز کی کوئی خبر ہے؟''

''نہیں...... میں نے اس کی رہائش بھی چھوڑ دی ہے۔ یہاں دبئی میں ایک عرب تاجر کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہوں الگ سے فلیٹ لے رکھا ہے۔ کیوں راجا کو کیا ہوا؟''

''یہ بھی وسیم بتائے گا اور ملک کی کوئی خیر خبر؟''

''خبر یہ ہے کہ اپنے مرشد صاحب الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''حرامزادہ۔'' میں نے بے ساختہ گالی دی۔''وہ اب سیاست میں آرہا ہے۔''

''ایسے لوگ تو سیاست کا رخ کرتے ہیں۔'' سفیر نے تلخی سے کہا۔''لیکن ایک اچھی خبر ہے۔ اس نے صلح کے لیے ندیم سے رابطہ کیا ہے۔ ندیم بھی ان دنوں بہت اوپر جا رہا ہے۔''

''کیا مطلب کیا اس نے مری میں گھر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''نہیں وہ سپریم کورٹ کا وکیل بن گیا ہے اور باقاعدہ لا فرم بنا لی ہے اس کے ساتھ دو بڑے وکیل اور آ گئے ہیں۔ چھ سات جونیئر وکیل ہیں۔ مزے ہو گئے ہیں سالے کے۔''

''یہ تو واقعی ترقی کر رہا ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔''تو میرے کیسز کون دیکھے گا؟''

''اس کا تو باپ بھی دیکھے گا۔'' سفیر بولا۔

''اچھا کام کی بات سن۔ یہ دونوں تیرے پاس آرہے ہیں۔ دو نمبر کاغذات پر تو سمجھ رہا ہے نا...... ان کو پاکستان بھیجنا ہے جہاں ان کے اصل کاغذات بنیں گے اور پھر یہ واپس آجائیں گے۔''

''ہو جائے گا۔'' اس نے کہا۔''میں نے تو ایک آدمی سے بات بھی کر لی ہے۔ سادھنا کی وجہ سے کی تھی۔ وہی وسیم کا کام بھی کر دے گا۔''

فلائیٹ کا وقت ہو رہا تھا اس لیے میں نے کال بند کر دی۔ یہ دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا کہ بیتو اندر آ گیا تھا اور اسلحے والا بیگ بھی لے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈیپارچر کا اعلان ہوا تو سادھنا پھر روتے ہوئے مجھ سے اور پھر بیتو سے لپٹ گئی۔ بمشکل اسے تسلی دے کر میں نے اندر بھیجا۔ جب تک وہ نظر آتے رہے ہم ہاتھ ہلاتے رہے تھے۔ پھر وہ طیارے کی طرف جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے آرام سے اسلحے والا بیگ شانے سے ٹانگے ہوئے تھا جیسے اپنے گاؤں میں گھوم رہا ہو۔ میں نے اسے ڈانٹا

''احمق اس سمیت اندر آنے کا مطلب سمجھتے ہو؟''

''ہم نے سوچا کہ وسیم بھائی اور دیدی کے ایک بار پھر دیکھ لے۔'' اس نے منمنا کر کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''اب یہاں سے نکلو۔'' میں نے کہا۔ ایئر پورٹ کی حدود میں خطرہ تھا کیونکہ کوئی بھی مشکوک سمجھ کر بیگ چیک کرانے کا مطالبہ کر سکتا تھا اور ہم پھنس جاتے۔ اگرچہ ہمیں پکڑنا اتنا آسان نہیں تھا لیکن بلاوجہ کی بھاگ دوڑ مچ جاتی۔ میں اور بیتو باہر نکلے جب ہم پارکنگ میں پہنچے تو وہاں گگن نظر نہیں آیا تھا نہ اس کی کار دکھائی دے رہی تھی۔ ''یہ کہاں گیا؟'' میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں ہم اسے یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔'' بیتو نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ جگہ کسی قدر ویران تھی جب کہ دوسرے حصوں میں خاصی گاڑیاں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ اب یہ جاننا مشکل تھا کہ دوسری گاڑیوں میں گگن کی کار ہے۔ ممکن ہے کسی نے اسے یہاں سے ہٹا دیا ہو۔ اسے تلاش کرنے میں وقت لگ سکتا تھا اور میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

''کوئی اور دیکھو۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

ہمیں پنڈ سے وارد ہونے والوں کی طرح منہ اٹھائے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ایک سردار جی ہماری مدد کو لپکے۔ انہوں نے بالکل درست اندازہ لگایا تھا کہ ہمیں ٹیکسی کی ضرورت تھی۔ ہماری صورتوں سے وہ سمجھے تھے کہ ہمارا تعلق انڈیا سے ہے۔

''او جی کی ٹیکسی چائی دی اے۔''

''بالکل چائی دی اے سردار جی۔'' میں نے کہا اور سردار جی کا معائنہ کیا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا تنومند سکھ تھا لیکن صورت سے شریف ہی لگ رہا تھا۔ ''سردار جی ہم ڈرائیور بک کرا کے لائے تھی۔ ادھر کھڑی تھی اس کی سفید ماروتی کار...... اس کا کچھ پتا ہے۔''

''ہمارا اس پر پیسہ نکلتا ہے۔'' بیتو نے دخل دیا کیونکہ ڈارئیور کا سن کر سردار جی کا جذبہ خدمت ماند پڑ گیا تھا۔ ''اس سے پیسہ لے کر پھر تمہارے ساتھ چلتا ہے۔''

سردار جی نے داڑھی کھجائی اور بولے۔ ''ادھر کھڑا تو تھا پھر کسی پولیس والے سے بات کر رہا تھا۔ وہی اسے لے گیا ہوگا۔''

سردار جی کی بات سن کر میرے اندر الارم بجنے لگا تھا۔ ''چلو دفع کرو اسے، تھوڑی رقم تھی۔ سردار جی ٹیکس لاؤ فٹافٹ۔''

سردار جی ٹیکسی لانے روانہ ہو گئے اور اسی لمحے مجھے گگن دو پولیس والوں کے ہمراہ ایئر پورٹ کی عمارت سے نکلتا نظر آیا تھا۔ جیسے میں نے اسے دیکھا اسی طرح اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اس نے پولیس والوں سے کچھ کہا اور وہ ہماری طرف لپکے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''ہوشیار ان سب کو یہاں لٹانا ہے بس شور نہ ہو۔''

بیتو اسلحے والا بیگ ایک کار کی آڑ میں کر کے اس سے پستول نکالنے لگا ایک اس نے مجھے تھما دیا اور دوسرا خود لے لیا۔ پولیس والے نہتے تھے اور گگن تو تھا ہی خالی ہاتھ۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''یہ لوگ ہیں ان کے پاس اسلحہ ہے۔''

یہ سنتے ہی میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور سر سے ایک بھرپور ٹکر اس کے منہ پر رسید کی اور وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔ اس دوران میں بیتو نے ایک پولیس والے کا سر بجایا اور وہ بھی گگن کے ساتھ زمین پر دراز ہو گیا۔ دوسرے پولیس والے کو میں اسی صف میں لٹا دیا۔ اور ہاتھ جھاڑ کر چاروں طرف دیکھا کیونکہ یہ سب ایک کونے میں ہو رہا تھا اس لیے کسی نے نہیں دیکھا اور اگر کسی نے دیکھا بھی تھا تو انجان بن گیا کہ آج کل پرائے پھڈے میں کوئی ٹانگ نہیں اڑاتا ہے۔ اسی لمحے ایک نہایت خستہ حالی کلو کیب آ کر ہمارے پاس رکی اور اس سے سردار جی نے جھانکا۔ تین افراد کو جن میں دو پولیس والے بھی تھے ایک صف میں پڑے پا کر ان کے بارہ بج گئے تھے۔

''اے کی اے؟''

''اے کی اے؟'' میں نے آڑ میں پستول ان کی گردن پر رکھ کر جوابی سوال کیا تو سردار جی نے شاید سردی سے کانپنا شروع کر دیا۔

''پستول جی۔'' وہ منمنا کر بولے۔

''سردار جی تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ اصلی پستول ہے اور اس میں گولیاں بھی اصلی ہیں۔ اگر میں نے گولی ماری تو یہ تمہارے ایک کان سے گھس کر دوسرے کان سے نکل جائے گی۔''

''جی جی۔'' وہ رونے والے انداز میں بولا۔ ''میری چھوٹی سی بیوی اور چار بچے ہیں۔''

''بس۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''یعنی اگر تم اپنی کسی حرکت کی وجہ سے فوت ہو گئے تو نقصان صرف پانچ افراد کا ہو گا بلکہ چار بچوں کا، ماں کو ان کے لیے دوسرا باپ نہ سہی اپنے لیے دوسرا شوہر مل جائے گا۔''

''بالکل وہ تو پہلے ہی تیار ہے میں مروں تو وہ دوسرا ویاہ کرے اسے میری شکل کبھی پسند نہیں آئی۔'' سردار جی نے اپنی دکھی ازدواجی اسٹوری شروع کی تھی کہ میں نے اسے وہیں روک دیا۔ ''سردار جی باقی کہانی راستے میں سنانا۔''

سردار جی کے ایک بار پھر بارہ بج گئے تھے۔ ''راستے میں؟''

''تو کیا یہیں کھڑے رہنا ہے پولیس ہمارے ساتھ تمہیں بھی لے جائے گی یہ بتاؤ کوئی ایسا ہے جو تمہیں پولیس سے چھڑا سکے۔''

''سوائے واہ گورو کے کوئی نہیں ہے۔''

''بس تو یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔'' میں گھوم کر ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیتو پہلے ہی سامان سمیت پچھلی نشست پر براجمان ہو گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے ایک طیارے کو فضا میں بلند ہوتے دیکھا۔ اس میں وسیم اور سادھنا سوار تھے۔ میں نے سرد آہ بھری اب نہ جانے ان لوگوں سے کب ملنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ جس قسم کی زندگی تھی اس میں ملک الموت سے ملاقات کا ہر وقت امکان رہتا تھا۔ سردار جی نے عجلت میں ٹیکسی نکالی اور ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔ میں نے خود کو سنبھالا۔

''آرام سے سردار جی اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔''

سردار جی کے ہاتھ لرز رہے تھے اور شاید انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ دہشت گردوں یا پیشہ ور قاتلوں کے

ہاتھ لگ گئے تھے جوان کا مرڈر مفت میں کرتے۔ انہوں نے تقریباً اپنی عمر کی ٹیکسی کو یوں چلانا شروع کیا جیسے انہوں نے یا ٹیکسی نے پی رکھی ہو۔ میں نے ان کو مزید تسلی دی۔

''ہم شریف لوگ ہیں۔''

اس نے فریادی نظروں سے میری طرف دیکھا اور نظروں میں سب کہہ دیا کہ اچھے شریف لوگ ہو تین بندے معہ دو پولیس والوں کے لمبے لٹا دیئے اور مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہو۔ یہ بات وہ زبان سے نہیں کہہ سکتے تھے۔ ''سنو سردار اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو جو ہم کہیں وہی کرنا۔'' بیتو نے اسے پیچھے سے دھمکی دی۔ ''ورنہ ہم بندہ مارنے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے ہیں۔''

اس کا عملی نمونہ سردار جی دیکھ چکے تھے ان کو ٹیکسی لانے میں دو منٹ بھی نہیں لگے تھے اور اتنی دیر میں ہم نے تین بندے لٹا دیئے تھے۔ یہ سمجھ کر ان کی حالت مزید خراب ہوگئی کہ ہم نے ان تینوں کو قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ صرف بے ہوش تھے۔ سردار جی نے ٹیکسی سڑک کے کنارے روک دی اور کانپتے ہاتھوں سے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک چھوٹی سی شراب کی بوتل نکالی اور اس سے دو گھونٹ لیے۔ پھر خفت سے بولے۔

''گھر میں وہ بدبخت پینے نہیں دیتی ہے اس لیے باہر لگانی پڑتی ہے۔''

''کوئی بات نہیں لیکن اتنی مت پی جانا کہ ہمیں کہیں لے جا نہ سکو اور ہمیں تمہاری ٹیکسی خود لے جانی پڑے۔''

یہ سنتے ہی سردار جی نے بوتل بند کر کے واپس رکھ دی اور میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''گورو کی خاطر میرے تے رحم کرو۔''

''رحم ہی تو کیا ہے ورنہ تم زندہ کیسے ہوتے۔ اب ٹیکسی اسٹارٹ کرو اور یہاں سے چلو۔ پولیس آ گئی تو ہم کسی نہ کسی طرح نکل جائیں گے۔''

''میں مارا جاؤں گا۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کیا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑا۔ ''جانا کہاں ہے جی؟''

''یہ تو تم بتاؤ؟''

سردار جی چونکے۔ ''کی مطلب جی۔''

''سردار جی بات یہ ہے کہ ہم یہاں اجنبی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''دو دن پہلے ہی یہاں آئے ہیں۔ اس لیے تم ہمیں کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں ہم کچھ وقت سکون سے گزار سکیں۔''

''اپنے گھر لے چلو۔'' بیتو نے کہا۔

سردار جی گھبرا گئے۔ ''اتھے تے مینوں سکون نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں ہم بھی ذرا شور شرابے میں خوش رہتے ہیں۔''

سردار جی نے دیکھا جب ہم مُصر ہیں تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ ''نہیں میں توانوں ادھر نہیں لے جا سکدا۔''

نیپال آ کر سردار جی ملی جلی پنجابی بولنے لگے تھے۔ کبھی اردو پر آ جاتے یا ہندی بولنے لگتے تھے۔ بہر حال

ہمیں ان کی بولیوں سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ میں نے پستول نکال کر سردار جی کے پہلو سے لگا دیا۔ ''تم انکار کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

سردار جی نے مجبوراً مجھ سے اتفاق کیا تھا۔ وہ شریف آدمی تھے گھر میں بیوی سے اور باہر ہم سے اتفاق پر مجبور تھے۔ اس نے فریاد کی۔ ''دیکھو جی میں تمہیں لے کر گیا تو میری گھر والی نے مجھے نہیں چھوڑنا ہے۔''

''وہ تمہیں پہلے ہی کب چھوڑتی ہے۔'' بیتو نے کہا۔

''سردار جی مرد بنو۔'' میں نے ان کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''اور کتنا بنوں۔'' اس نے ہماری بات کا غلط مطلب نکالا۔ ''چار بچے کافی نہیں ہیں۔''

''میرا مطلب ہے بیوی سے اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پاؤں کی جوتی بنا کر رکھو۔'' میں نے بلا خوف و خطر مشورہ دیا کیونکہ سادھنا ساتھ نہیں تھی۔ ورنہ یہ مشورہ الٹا میرے گلے پڑ جاتا۔

''کوشش کیتی سی۔'' سردار جی نے سرد آہ بھری۔

''پھر کیا ہوا؟'' بیتو نے تجسس سے پوچھا۔

''اس نے جتی اٹھالی۔'' انہوں نے کہا۔ ''اب پھر اٹھا لے گی کہ مفت کے پروہنے لے آیا۔

''تم فکر مت کرو ہم تمہارے گھر مہمان بن کر نہیں بلکہ گاہک بن کر جا رہے ہیں۔'' میں نے ان کو تسلی دی۔ ''ہم تمہیں رہنے اور کھانے پینے کے پیسے دیں گے۔''

یہ سن کر سردار جی کی کسی قدر تسلی ہوئی تھی۔ مزید تسلی کے لیے میں نے مقامی ہزار روپے اس کی جیب میں رکھ دیئے۔ ''یہ کافی ہیں؟''

سردار جی خوش ہو گئے تھے۔ ''جی بہت ہیں۔''

وہ واقعی سادہ آدمی تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرتا۔ اس کا گھر کھٹمنڈو کی ایک کچی آبادی میں تھا اونچے نیچے راستوں پر کھلونوں کی طرح بکھرے مکانات پھیلے تھے، برف باری معمولی سی ہوئی تھی اور شہر میں تو پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ ابھی ہوا بھی نہیں چلی تھی اس لیے موسم میں شدت نہیں آئی تھی۔ سردار جی نے ایک چھوٹی سے پہاڑی پر قبضہ کر کے اس طرح مکان بنا لیا تھا کہ وہ ایک منزلہ ہوتے ہوئے بھی تین منزلہ لگتا تھا۔ سامنے صحن تھا پھر ایک کمرہ تھا۔ اس سے اگلے کمرے میں جانے کے لیے کوئی سات فٹ سیڑھیاں چڑھنی پڑھتی تھیں اور اسی طرح تیسرا کمرا اس سے بلند تھا۔ تینوں کمروں تک جانے کے لیے سائیڈ سے ایک زینہ اوپر جا رہا تھا۔ اس کے سب سے اوپری حصے میں کچن اور باتھ روم وغیرہ تھے۔ اس طرح سردار جی نے ہوشیاری سے پہاڑی کاٹے یا ہموار کیے بغیر ایک مناسب قسم کا گھر بنا لیا تھا۔ البتہ سب سے نیچے صحن بنا لیا تھا جس میں وہ اپنی ٹیکسی کھڑی کرتا تھا حالانکہ وہ اسے کہیں بھی بلا خوف و خطر کھڑا کر سکتا تھا اس میں چرانے کے لائق کوئی چیز نہیں تھی۔

سردار جی کی بیوی خلاف توقع دبلی اور مسکین سی نظر آنے والی عورت ثابت ہوئی تھی۔ ان کے چار بچے دو سے سات سال تک کے تھے۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں، بچے چاروں پیارے تھے اور یقیناً اپنی ماں پر گئے تھے کیونکہ سردار جی کے نقوش تو سابق بھارتی کرکٹر بشن سنگھ بیدی جیسے تھے۔ انہوں نے ایک کونے میں لے جا کر

اپنی بیوی سے کچھ کہا اور اس نے فوراً ہمارے لیے ایک کمرہ خالی کر دیا۔ کمرے میں فرش پر بھیڑ کی کھال کا بنا ایک موٹا سا نمدہ تھا لیکن یہ کسی ایک بھیڑ کی کھال سے نہیں بن سکتا تھا۔ ہم سامان رکھ کر لیٹ گئے۔ میں نے سردار جی کو راستے میں سمجھا دیا تھا کہ وہ کوئی حماقت کر کے اپنے گھر کو میدان جنگ بنانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اس جنگ میں سب سے پہلے وہ اور اس کے بیوی بچے مارے جائیں گے۔ سردار جی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ان کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ احتیاطاً میں نے ان کو ایک ہزار اور دے دیئے تھے تا کہ دل میں لالچ کا بسیرا رہے اور کوئی الٹا سیدھا خیال نہ آنے پائے۔ ائیر پورٹ سے فرار کے بعد اب سکون کا سانس لیا تھا تو وسیم اور سادھنا یاد آ گئے۔

بیتو اداس تھا۔ ''وسیم بھائی اور دیدی تو دبئی پہنچ گیا ہوگا؟''

''اتنی جلدی۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''ابھی تو طیارے کو پرواز کیے ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہے۔''

''پھر کتنی دیر میں پہنچے گا۔''

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کھٹمنڈو سے دبئی کا فاصلہ کتنا بنتا تھا اور یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ طیارے نے راستے میں کہاں کہاں رکنا تھا لیکن اتنا اندازہ تھا کہ اس سفر میں کم سے کم چار پانچ گھنٹے لگتے۔ اس وقت چھ بج رہے تھے اور باہر تاریکی چھانے لگی تھی۔ طیارے نے پانچ بجے پرواز کی تھی۔ رات دس بجے تک ہی دبئی پہنچتا۔ سردارنی ہمارے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔ ساتھ میں چھوٹے چھوٹے کشمیری کلچے نما کوئی چیز تھی۔ چائے اور کلچے دونوں مزے کے تھے۔ اگر چہ مجھے خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا لیکن میں نے سردار جی کو بھی شامل کر لیا اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی کہ انہوں نے کون سا مگ لیا اور ہم نے کون سا لیا۔ کلچے بھی مل جل کر کھائے تھے۔ میں نے سردار جی سے کہا۔ ''یار تم نے اپنی بیوی کو بلا وجہ بدنام کر رکھا ہے بے چاری سیدھی سی تو عورت ہے۔''

سردار جی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''نہ جی...... ویکھنے میں تو میری ٹیکسی بھی سیدھی سی لگتی ہے۔ پر میرے کو پتا ہے مینوں کتھوں تنگ کر دی اے۔''

میں نے سردار جی سے اتفاق کیا۔ ''یہ تو ہے جس کی جوتی ہوتی ہے اسے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے کہاں سے کاٹ رہی ہے۔''

''سونے جئی گل کیتی اے بادشاہو۔'' سردار جی متاثر ہو کر بولے۔ ''ہن دسو پروگرام کی اے۔''

''سردار جی پہلے تو تم اپنا نام بتاؤ۔''

''ویر سنگھ۔'' وہ جھینپ کر بولے۔ ''بڑا اوکھا ہو جاندا جے گھر والی بھی ویر کہندی اے۔''

میں ہنسا۔ ''ویر جی...... پروگرام یہ ہے کہ ہم آج رات یہیں رکیں گے اور کل ہمیں ایک جگہ جانا ہے تم ہمیں وہاں پہنچا دو تو تم فارغ ہو۔''

سردار جی پریشان ہو گئے تھے۔ ''آج رات......''

''ہاں یار تم کو ادائیگی کریں گے۔''

''وہ تو گل نہیں ہے پر...... چھڈو جی خیر ہے۔''

''مسئلہ کیا ہے ویر جی۔''

''وہ مجھے گھر والی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔اس نے پھر کوئی گڑ بڑ کر دی اے۔''

''اس نے یا تم نے؟'' میں نے غور کیا۔

وہ جھینپا۔''اک ای گل اے۔''

''تو لے جانا سردار جی۔''

''پر تسی ادھر گھر وچ......'' سردار جی اپنی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔

میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے بچے ہمارے پاس چھوڑ کر جاتے ہوئے فکر مند تھے۔ ہم صورت سے شریف نظر آتے تھے لیکن تھے تو اجنبی۔ وہ کس طرح ہم پر اعتبار کر سکتے تھے۔ میں نے کہا۔''سردار تمہارے بچے ہمارے بچے ہیں اور یہ بالکل محفوظ رہیں گے۔تم بے فکر ہو کر جاؤ۔''

''بس کسی غلط حرکت کا مت سوچنا۔'' بیتو نے اسے خبردار کیا۔

سردار جی بادلِ ناخواستہ اپنی گھر والی کو لے کر روانہ ہوئے تھے اور احتیاطاً اپنی بچیوں کو ساتھ لے گئے تھے۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔لڑکے بڑے تھے۔ سات اور پانچ سال کے، کچھ دیر تو وہ ڈرے سہمے رہے پھر بیتو نے ان کو اپنے بیگ میں موجود کھانے پینے کی چیزیں نکال کر دیں تو ذرا بے تکلف ہو گئے۔ بچے ماں باپ کے برعکس واجبی سی پنجابی جانتے تھے اور نیپالی زبان روانی سے بولتے تھے۔ وہ دونوں اسکول جاتے تھے۔ کچھ دیر بعد بیتو ان کے ساتھ لڈو کھیل رہا تھا۔لڈو ایک یونیورسل کھیل ہے اور دنیا میں ہر جگہ ایک ہی طرح سے کھیلا جاتا ہے۔ بیتو دھاندلی کر رہا تھا۔ مگر بچے بھی کم چالاک نہیں تھے وہ اسے پکڑ لیتے تھے اور پھر شور مچاتے تھے۔ میں ان کے شور کے باوجود اونگھ گیا تھا۔کل رات سے سونے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ جب سردار جی آئے اور انہوں نے بچوں کو ڈانٹ کر بھگایا تو میری آنکھ کھل گئی۔ سردار جی پاس بیٹھ گئے۔

''دکھا دی گھر والی کو؟''

انہوں نے سر ہلایا۔''وہی بات نکلی۔''

''چلو اچھی بات ہے بچے تو گھر کی رونق ہوتے ہیں۔''

سردار جھنجلا گئے تھے۔''او جی یہ رونق خرچا بھی تو بہت مانگتی ہے۔''

''وہ اوپر والا دیتا ہے۔'' میں نے کہا۔''یہ بتاؤ کہ کھانے میں کیا ہے کوئی گوشت والی چیز نہ ہو۔''

وہ چونکا۔''آپ ہندو ہو؟''

''نہیں مسلم ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''اچھا اچھا پاکستانی ہو میں بھی کہوں تو اڈے لہجے وچ الگ کوئی گل اے۔ میرا پیو وی پاکستانی پنجاب سے آیا تھا۔ادھر لہور کا رہنے والا تھا۔ پورا گھر تھا پر کلا آیا۔''

''بس اس دور میں ایسی ہی کہانیاں جنم لے رہی تھیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔''پھر تم کہاں سے وجود میں آئے؟''

''ادھر امرتسر میں پتا جی نے دوسرا ویاہ کر لیا۔ پھر جب گولڈن ٹیمپل والا واقعہ ہوا تو میرے دو بھائی پولیس نے مار دیئے۔ مینوں وی تنگ کر دے سی تے میں ادھر نیپال آ گیا۔''

''شادی نہیں کی؟'' بیتو نے سوال کیا۔

''ہاں پر رجنی شریکے کی دھی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''بھارت سے بیاہ کرلایا تھا۔''

سردار جی نے اپنی بیوی سے آلو کی ترکاری اور روٹی بنوائی تھی۔ ہم نے وہی کھائی۔ کھانا مزے کا تھا لیکن بیتو نے مشکل سے کھایا۔ اسے مرغن کھانے کی عادت ہوگئی تھی۔ کھانے کے بعد ہم اسی کمرے میں سوئے تھے۔ سردار جی نے عقل مندی کا ثبوت دیا اور بغیر ہمارے مطالبے کے خود سونے کے لیے اسی کمرے میں آ گئے تھے۔ میں نے اور بیتو نے طے کیا تھا کہ ہم باری باری جاگتے رہیں گے اور ایک دوسرے کو اٹھا کر سوئے گا۔ سردار جی نے ہمیں کمبل لا دیئے تھے اور گرمائش کے لیے کوئلے سے جلنے والی انگیٹھیاں پہلے جلا کر باہر رکھیں جب ان کا دھواں ختم ہوگیا تو وہ اسے اندر لے آئے تھے۔ رات گیارہ بجے مجھے خیال آیا کہ کہیں سے فون کر کے سفیر سے معلوم کروں کہ وسیم اور سادھنا خیریت سے پہنچ گئے ہیں لیکن پھر مجھے یہ بات بچکانہ سی لگی تھی۔ رات کے اس وقت نکلنا خطرے کو دعوت دینے والی بات تھی۔ یہ کام دن میں آسانی سے ہوسکتا تھا۔ اس لیے بلاوجہ خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔

مجھے راج کا خیال بھی تھا اور میرا ارادہ تھا کہ ہم کل بڑے مندر کی طرف جائیں گے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ جگہ کیسی تھی اور ہم کس طرح خطرہ مول لیے بغیر راج کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ پہلے بیتو جاگتا رہا تھا صبح چار بجے اس نے مجھے جگا دیا تھا۔ پانچ گھنٹے کی نیند نے مجھے تر و تازہ کر دیا تھا۔ بیتو سو گیا اور میں سردار جی کے خراٹے سنتا رہا تھا۔ سردی خاصی تھی لیکن گرم کمبل میں اتنی زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔ چھ بجے سردار جی بیدار ہو گئے تھے اور جب وہ اٹھے تو میں نے بھی باتھ روم کا پوچھا۔ سردار جی مجھے اوپر لے کر آئے یہاں ایک لائن میں کچن لیٹرین اور غسل خانہ تھا۔ میں ضروریات اور منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو رجنی کچن میں گھسی ناشتہ بنا رہی تھی یہ سحر خیز لوگ تھے کیونکہ باہر ابھی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور انہوں نے ناشتے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ میں سردار جی کے ساتھ واپس آیا تو وہ بولے۔

''میں ست وجے نکل جاندا آں۔''

''کوئی بات نہیں سردار جی آج چھٹی کرو۔'' میں نے کہا۔

''اچھا جی پر دھاڑی ماری جاسی۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

میں نے اسے تسلی دی۔ ''سمجھ لو تم ہمارے لیے بک ہو اور سات بجے سے ہم تمہیں فی گھنٹہ سو روپے کی ادائیگی کرتے رہیں گے۔ جب تک تم ہمارے ساتھ رہو گے۔''

''فیر ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔

ناشتے میں پراٹھے اور انڈوں کے آملیٹ کے ساتھ چائے تھے۔ ناشتہ کر کے سردار جی بچوں کو اسکول چھوڑنے چلے گئے۔ رجنی گھر میں رہی تھی۔ سردار جی دس منٹ میں آ گئے اور میں نے روانہ ہونے سے پہلے اسے ایک ہزار کا نوٹ اور دیا۔ ''یہ بھابی کے لیے۔''

نوٹ سردار جی نے فوراً اپنے بٹوے میں ڈال لیا۔ ہم باہر نکلے سامان ٹیکسی کی ڈکی میں رکھا۔ دو بیگ تھے ایک میں بیتو کے کپڑے اور چیزوں کے ساتھ اسلحہ تھا اور دوسرے میں میرا سامان تھا۔ سردار جی نے ٹیکسی اسٹارٹ

کرنے سے پہلے میری طرف دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ ''سردار جی ہمیں بدھا کے بڑے مندر تک جانا ہے جو کھٹمنڈو کے شمال میں ہے۔''

گگن کی طرح سردار جی بھی پریشان نظر آنے لگے۔ ''اتھے کیوں جانا اے جی؟''

''سردار جی یہ بتاؤ کہ ہم حلیے سے ٹورسٹ نظر آتے ہیں؟''

''آتے ہو جی۔''

''تو ٹورسٹ کسی تاریخی مقام پر کیوں جاتے ہیں؟''

''پر وہ کوئی تاریخی جگہ نہیں ہے جی۔''

''جب ہم نے سوچ لیا ہے کہ وہاں جانا ہے تو اس کے تاریخی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔''

''پر اتھے تے بدماشاں دا اڈہ اے۔''

''اسی وی کوئی شریف نہیں ہیں۔''

سردار جی اس بات کے قائل بھی تھے۔ ہم نے کل ان کی آنکھوں کے سامنے تین افراد کو لمبا لٹا دیا تھا اور ان کو زبردستی ان کے گھر لے آئے تھے۔ مگر ان کو اصل خطرہ اپنی جان کا تھا کہ ممکن ہے ہم ان کو بڑے مندر سے واپس ہی نہ آنے دیں اور وہیں ان کے کریا کرم کا کچھ انتظام کر دیں۔ انہوں نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

''سردار جی باقی لوگوں کے بھی کوئی بڑے بچے نہیں ہوتے چھوٹے ہی ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ٹیکسی چلاؤ۔''

''اس سے پہلے کہ ہم کچھ اور چلائیں۔'' بیتو بولا۔

سردار جی نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی اور بولے۔ ''دیکھو یار وہ خطرناک جگہ ہے اور ادھر سب بدمعاش ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟''

''آپ بھی ان کے جیسے ہو لیکن میں شریف بندہ ہوں؟''

''کیا مطلب ہم بدمعاش ہیں۔'' بیتو غرایا۔

''نہ جی آپ نے خود آکھیا سی۔'' سردار ویر سنگھ سہم گیا۔

''تو بس ہم جو کہتے رہیں اس پر عمل کرتے رہے تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''لیکن پہلے ہمیں کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں سے ہم انٹرنیشنل کال کر سکیں اور وہاں کوئی ہماری باتیں بھی نہ سنے۔''

سردار جی ہمیں ایک ذرا پوش قسم کے کیفے کے سامنے لے آئے۔ ''ادھر ہے جی اسٹینڈرڈ کا پی سی او۔'' یہ اسٹینڈرڈ کا پی سی او ہمارے گلی محلے کے پی سی او سے اونچے اسٹینڈرڈ کا نہیں تھا۔ میں نے اس کے مالک سے منہ سے کہنے کے بجائے اس کے سامنے رکھی پرچی پر سفیر کا نمبر لکھا۔ اس نے نمبر دیکھ کر ملایا اور مجھے

ایک کیبن میں جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے اندر جا کر ریسیور اٹھایا تو سفیر ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔ ''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یار تم ٹھیک ہو نا؟'' سفیر میری پہچان کر بولا۔

''ہاں پہلا لشکر کامیابی سے پہنچ گیا کیا؟''

''ہاں وسیم یہ بیٹھا ہے اور وہ دونوں کچن میں ایک دوسرے کا دماغ کھا رہی ہیں۔''

''چلو تم دونوں عیش کرو ورنہ تم دونوں کا دماغ کھا تیں۔'' میں نے وسیم اور سادھنا کے پہنچ جانے کا سن کر سکون کا سانس لیا۔ ''تو نے پاکستان بات کی ہے؟''

''ہاں اس وکیل کی دم سے بات کی تھی۔ وہ کہہ رہا ہے سارے دبئی کو بھیج دوں سب کے کاغذات بنوا دے گا۔ یہ وسیم سے بات کر تیرے فراق میں اداس ہے۔''

کچھ دیر بعد وسیم آواز آئی۔ ''شہباز صاحب یار آپ کے بغیر مزہ نہیں آ رہا۔''

''ابھی سے میرے دوست ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں خیریت سے پہنچ گئے۔ اب پہلی فرصت میں وطن عزیز چلے جاؤ اور وہاں ندیم کی مدد سے کام کروا کے واپس آ جاؤ۔''

''سفیر کوشش کر رہا ہے۔ اصل میں مسئلہ سادی کا ہے اس کا پاسپورٹ مسئلہ ہے۔'' وسیم نے کہا تو مجھے یاد آ گیا۔ سادھنا کے پاس بھارتی پاسپورٹ تھا اور اسے اتنی آسانی سے پاکستان کا ویزہ نہیں ملتا۔ اور اگر وہ پاکستان جا کر غائب ہو جاتی تو ایک مسئلہ اور بن جاتا۔ میں نے کہا۔

''سفیر سے کہو کہ اس معاملے میں براہِ راست ملوث نہ ہو کیونکہ ان دنوں سرحدوں پر ویسے ہی ٹینشن ہے اور کوئی دونوں ملکوں کا کوئی باشندہ دوسرے ملک میں جائے تو اس کی خصوصی نگرانی کی جاتی ہے۔ پھر کوئی مسئلہ ہو تو متعلقہ لوگ پھنس جاتے ہیں۔''

''میں نے اس سے یہی کہا ہے۔'' وسیم بولا۔ ''ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہاں بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو کھٹمنڈو میں کیا تھا۔ اس صورت میں سادی بھی جا سکے گی۔''

''گڈ یہی کرو تم لوگوں کے پاس رقم کی کمی نہیں ہے۔''

''مجھے آپ دونوں کی فکر ہے۔''

''یار جیسے تم نکل گئے اسی طرح ہم بھی آ جائیں گے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن آپ راج والے معاملے میں ہاتھ ڈالیں گے تو نئے خطرے سامنے آ سکتے ہیں۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔ وہ مجھے جانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میں راج والے معاملے میں پنگا لیے بغیر نہیں رہوں گا۔

میں ہنسا۔ ''ہم کچھ نہ بھی کریں تو خطرے سامنے آتے رہتے ہیں۔ تم فکر مت کرو میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''ابھی آپ کہاں ہیں؟''

''ایک پی سی او سے بات کر رہے ہیں۔''

''زیادہ لمبی بات مت کریں۔'' وسیم نے مشورہ دیا۔ ''اب کہیں اور سے جا کر کال کریں۔''

وسیم کا مشورہ درست تھا میں پی سی او والے کو ادائیگی کر کے وہاں سے نکل آیا۔ بیتو جاننے کے لیے بے تاب تھا۔ ''کیا ہوا وہ دونوں پہنچے؟''

''ہاں یار اب ہم کہیں اور جا رہے ہیں۔'' میں نے کہا تو بیتو خوش ہو گیا۔ سردار جی ہماری باتیں سن رہے تھے انہوں نے کہا۔

''تسی موبائل کیوں نہیں لے لیتے۔''

میں نے اور بیتو نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ واقعی یہ بات تو ہمارے ذہن میں آئی نہیں تھی اور سردار جی کے ذہن میں آ گئی۔ پھر سردار جی ہمیں ایک مارکیٹ لے کر گئے جہاں موبائل دستیاب تھے اور یہ چور مارکیٹ تھی وہاں سے انہوں نے ہمیں دو موبائل دلوائے۔ پھر ایک جگہ سے ان کے لیے سمز لیں اور کارڈز لیے۔ اس وقت موبائل چارجز اچھے خاصے تھے اس لیے ہم نے بڑی تعداد میں کارڈ بھی لے لیے تھے۔ سمز ایکٹو کر کے اور ان میں بیلنس ڈال کر میں نے سب سے پہلے سفیر کا نمبر ملایا۔ اس نے فون ریسیو کیا۔

''یہ کون سا نمبر ہے؟''

''یار مت ماری گئی ہے ایک سردار جی نے عقل دی کہ موبائل لے لو اور مزے سے بات کرو۔''

سفیر نے افسوس کیا۔ ''لگتا ہے تیرا برا وقت آ گیا ہے جو سردار تجھے مت دے رہا ہے۔''

''بس ہر وقت منہ سے الٹی سیدھی نکالتے رہنا۔'' مونا کی آواز آئی اور حسبِ معمول اس نے دادا گیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سفیر سے موبائل چھین لیا۔ ''شوبی کیسے ہو تم؟''

''ویسا ہی۔''

''پلیز تم جلدی سے آ جاؤ سب جمع ہیں یہاں بہت مزہ آ رہا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''فی الحال تو نصیب میں دھکے ہیں۔''

مونا کے بعد سادی نے بات کی اور رونے لگی اسے پہلے میں نے اور پھر بیتو نے چپ کرایا۔ بیتو نے دیر تک بات کی اور میں خاموش ہو کر باہر کے نظارے دیکھتا رہا۔ سچی بات ہے کہ میں خود بھی اندر سے ان لوگوں کی کمی محسوس کر رہا تھا اور میرا بس چلتا تو میں اُڑ کر ان کے پاس پہنچ جاتا۔ میری ہدایت پر اب سردار جی بڑے مندر کی طرف جا رہے تھے۔ کھٹمنڈو شہر ختم ہو گیا اور ویران نظر آنے والی سڑک بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ شہر سے نکلتے ہی سگنل ختم ہونے لگے تھے اور پھر رابطہ کٹ گیا۔ بیتو نے موبائل مجھے دے دیا۔ وہ بھی اداس ہو رہا تھا۔ سردار جی ڈرائیونگ کے دوران ہماری باتیں سنتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔

''اے تواڈے گھر والے نیں؟''

''ایسا ہی سمجھ لو یہ بتاؤ کہ بڑا مندر اب کتنا دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں اے بس کوئی دس ایک منٹ لگ سی۔''

''ہمیں مندر کے سامنے نہیں اس سے ذرا پہلے اترنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم ٹیکسی اس سے دور روکنا

''میں سمجھ گیا جی۔''

کچھ دیر بعد ایک اونچی پہاڑی پر ایک مندر کے آثار نظر آنے لگے تھے اور اس کے نیچے ایک کچی آبادی نما بستی تھی۔ سردار جی نے مندر کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اے وڈا مندر۔''

''یہ آبادی کیسی ہے؟''

''سب ایک نمبر دے بدمعاش ہیں۔ شراب، منشیات اور جوئے کے ساتھ عورت کا دھندہ بھی کرتے ہیں۔ پاس ہی گوروں کی خیمہ بستی ہے۔''

''گوروں کی؟'' میں نے دلچسپی سے کہا۔ ''وہ کیا کرنے آتے ہیں یہاں؟''

سردار جی نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولے۔ ''لو جی ان گوروں نے ہور کی کرنا ہے حرامزدگی کے سوا۔''

''تمہارا مطلب ہے منشیات کے چکر میں آتے ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اتنی گندی بدبو آتی ہے میں تے ٹیکسی وچ بھی نہیں بٹھاتا۔''

سردار جی کی ٹیکسی اور وہ خود بھی کچھ کم بدبودار نہیں تھے۔ جب وہ گوروں کو بدبودار قرار دے رہے تو اس کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کتنے بدبودار ہوں گے۔ میں نے سوچا اور کہا۔ ''سردار جی ہمیں گوروں کی بستی کے پاس اتار دینا۔''

''لو جی ادھر کیا کرنا ہے آپ نے؟''

''سوال نہیں۔'' میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔''

سردار جی نے یوں شانے اچکائے جیسے کہہ رہے ہوں کہ میری بلا سے جہنم میں جاؤ اور انہوں نے ہمیں گوروں کی خیمہ بستی کے پاس اتار دیا۔ میں نے ان کو دو گھنٹے کے حساب سے دو سو دیئے اور پھر مزید تین سو دیئے۔ ''سردار جی یہ منہ بند رکھنے کے۔''

''ورنہ ہم کسی اور طریقے سے بند کرنے آئیں گے۔'' بیتو نے اسے پستول کی جھلک دکھائی۔ ''تمہارا گھر ہم نے دیکھ لیا ہے۔''

سردار جی کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''میں کسی کو نہیں کہوں گا جی۔''

''بس سمجھ لینا تم ہم سے کبھی ملے ہی نہیں تھے۔'' میں نے کہا تو سردار جی نے ٹیکسی گھمائی اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے خیمہ بستی کی طرف دیکھا۔ وہاں رونق اور چہل پہل کم تھی۔ شاید بیشتر لوگ سو رہے تھے۔ میں حیران ہوا تھا محض منشیات کے لیے یہ لوگ موسم کی سختی جھیلتے ہوئے یہاں پڑے تھے۔ یہ جگہ کھٹمنڈو سے بلند تھی اور یہاں زیادہ سردی تھی۔ آس پاس زیادہ برف نظر آ رہی تھی۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''شوبی بھائی ادھر کیوں آیا ہے؟''

''یار یہ لوگ منشیات کے چکر میں یہاں آتے ہیں اور منشیات ان کو بستی سے ملتی ہو گی۔ ہم بھی یہاں آئے ہیں اور اب بستی میں جائیں گے تو کسی کو شک نہیں ہو گا۔''

بیتو نے سر ہلایا اس سے پہلے وہ کچھ کہتا کہ ایک شخص وہاں آیا۔ وہ مقامی تھا اور اس نے آتے ہی انگریزی میں کہا۔ ''تم گورا تو نہیں ہے۔''

''میں ہے یہ نہیں ہے۔'' میں نے بھی بگڑی انگریزی میں کہا۔ ''میں انٹونیو ہوں اور میرا تعلق اسپین سے ہے۔''

اسپین کے لوگ بالکل سفید نہیں ہوتے ہیں ان کا رنگ کسی قدر گندمی اور نقوش بھی گوروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے اس شخص نے مان لیا مگر وہ بیتو کی طرف سے مشکوک تھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''یہ میرا گائیڈ ہے۔''

''تم کو ادھر خیمہ چاہیے؟'' وہ کسی قدر مطمئن ہو گیا۔

''ہاں کوئی اچھا سا خیمہ دکھاؤ میں تم کو ڈالر دے گا۔'' میں نے گوروں کے سے بے فکرے انداز میں کہا تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ شاید وہ اس بستی کا مالک یا نگران تھا۔ وہ مجھے اور بیتو کو ایک نیلے رنگ کے بڑے سے خیمے کی طرف لایا اور اس کا کرایہ اس نے صرف دس ڈالرز روز کا بتایا۔ اتنے میں کھٹمنڈو میں کسی اچھے ہوٹل میں آرام دہ کمرہ مل سکتا تھا لیکن جو یہاں ملتا تھا وہ کھٹمنڈو کے کسی آرام دہ ہوٹل میں مشکل سے ملتا اس لیے گورے بخوشی دس ڈالرز روز کے دے کر یہاں خیمہ لینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ کیونکہ میں گورا بنا ہوا تھا اس لیے میں بھی تیار ہو گیا تھا۔ خیمے کے اندر صرف ایک گھسا ہوا قالین تھا۔ صرف قالین پر سونا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے بستر کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

''سلیپنگ بیگ ملتا ہے لیکن اس کا دو ڈالرز الگ سے دینا ہوگا۔''

میں اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میرے پاس کوئی بڑی رقم ہے اس لیے میں نے کچھ حجت کی تو وہ اسی کرائے میں دو سلیپنگ بیگز بھی دینے کو تیار ہو گیا تھا۔ کیونکہ ابھی کچھ نہیں کرنا تھا اس لیے ہم اپنے بیگ رکھ کر قالین پر دراز ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ کوہ پیماؤں والے خیمے تھے اور جب ان کو اندر سے زپ لگا کر بند کیا جاتا ہوگا تو باہر کے موسم کا اتنا اثر نہیں ہوتا ہوگا۔ نیپال کوہ پیماؤں کی جنت ہے اور ہر سال سینکڑوں کے حساب سے بین الاقوامی ٹیمیں یہاں مختلف چوٹیاں سر کرنے اور ٹریکس کرنے آتی ہیں۔ یہ اپنا سارا سامان باہر سے لاتی ہیں اور جاتے ہوئے بیشتر سامان اور خاص طور سے بھاری خیمے یہیں چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ مجھے اسی قسم کے خیمے لگ رہے تھے اور اسی وجہ سے یہاں آنے والے رات آرام سے گزارتے تھے ورنہ عام خیمے اس سردی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جو اتنی بلندی پر پڑتی تھی۔ موسم اس وقت بھی ابر آلود ہو رہا تھا۔ اگر برف باری شروع ہو جاتی تو اس خیمہ بستی کو اجڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ بیتو کچھ سوچ رہا تھا اس نے کہا۔

''اگر ان لوگوں نے راج کا کام تمام کر دیا ہوا تو؟''

''یہ اب اس کی قسمت ہوگی لیکن ہم اپنی سی کوشش ضرور کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''شوبی بھائی اس کے دشمن اتنے اچھے نہیں لگ رہے تھے انہوں نے اب تک اپنا مقصد حاصل کر کے اسے مار دیا ہوگا۔'' بیتو بے چارہ میری خیر خواہی میں مجھے قائل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

''تم فکر مت کرو میں کوئی قدم بنا سوچے سمجھے نہیں اٹھاؤں گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''شوبی بھائی تم سمجھ رہا ہے ہم شاید ڈر گیا ہے پر ہم کو تمہارا خیال ہے۔'' بیتو نے جلدی سے وضاحت کی۔
بیتو کی دلیری پر مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ یہ جدوجہد ہماری تھی اور اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ ہمارا ساتھ دیتا۔ جب کمار اور سادھنا ہم سے الگ ہوئے تھے تب وہ بھی جا سکتا تھا لیکن اس نے میرا ساتھ دیا اور اب تک پوری استقامت سے میرا ساتھ دے رہا تھا کتنی بار اس نے ہمارے ساتھ موت کا سامنا کیا اور ایک بار تو فتح خان کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''مجھے معلوم ہے یار مجھے کیوں بتا رہے ہو۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے ایک اور پاسپورٹ مل جاتا تو تم بھی یہاں سے جا سکتے تھے۔''
اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم کو پاسپورٹ مل بھی جاتا تب بھی ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاتا۔''
مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میرے ساتھیوں میں وہ واحد شخص تھا جس کا سارا ناطہ مجھ سے تھا۔ ویسے تو وسیم جیسا جاں نثار دوست تھا۔ سفیر جیسا یار تھا لیکن ان سب کے دوسرے لوگوں سے بھی رشتے تھے۔ بیتو واحد فرد تھا جس کا صرف مجھ سے رشتہ تھا۔ وہ میرا سایا تھا جو کسی وقت بھی ساتھ نہیں چھوڑتا ہے اور کبھی جدائی کا اندھیرا آ بھی جائے تو روشنی ہوتے ہی لوٹ آتا ہے۔ بیتو کچھ دیر لیٹا رہا پھر باہر نکل گیا۔ میں نے موبائل دیکھے یہاں سگنل نہیں تھا۔ آج سے کوئی چھ سال پہلے اس خطے میں موبائل سروس کا آغاز تھا۔ بھارت اس معاملے میں خطے کے باقی ممالک سے آگے تھا اس لیے وہاں کئی کمپنیاں سروس دے رہی تھیں۔ اس کی مارکیٹ بھی بڑی ہے۔ جب کہ نیپال چھوٹا سا اور پسماندہ ملک ہے۔ اس لیے یہاں موبائل فون نیٹ ورک تو تھا لیکن اس کی رینج زیادہ نہیں تھی۔ شہر سے باہر سگنل نہیں آتے تھے۔
میں اونگھنے لگا تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ خیمے کے ادھ کھلے پردے کے پاس کوئی ہے۔ میں نے چونک کر دیکھا تو ایک لڑکی اندر جھانک رہی تھی۔ وہ سفید فام تھی اور خاصی دلکش تھی جیسی کہ گوریاں ہوتی ہیں۔ مگر اس کی آنکھوں کے گرد حلقے بتا رہے تھے کہ وہ منشیات کے زہر کی عادی ہے۔ مجھے متوجہ پا کر وہ ترغیب آمیز انداز میں مسکرائی۔ اس نے پہلے کسی یورپی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔
''انگلش...... وری لٹل۔''
''گڈ...... کیا تم کو کسی ساتھی کی ضرورت ہے؟''
میں سمجھ گیا کہ وہ منشیات کے لیے جسم فروشی کرتی ہے اور میں اسے دفع ہو جانے کا کہنے والا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ اگر وہ میرے ساتھ ہو تو میرے لیے آسانی ہو جائے گی۔ اس لیے میں نے سر ہلا دیا۔ ''ہاں ہے تو۔''
وہ فوراً اندر آ گئی۔ ''میں تمہاری بہترین ساتھی ثابت ہو سکتی ہوں۔'' اس نے بتایا کہ بہترین ساتھی کی حیثیت سے وہ میرے لیے کیا کر سکتی تھی اور اس کی باتیں سن کر مجھے سرد ترین موسم میں بھی پسینہ آ گیا تھا اور میں نے شکر ادا کیا کہ بیتو یہاں نہیں تھا اگر چہ اسے انگریزی نہیں آتی تھی لیکن اس لڑکی کا انداز بھی بہت کچھ سمجھا رہا تھا وہ بنا کسی جھجک اور شرم کے اپنے انداز سے بھی وضاحت کر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اسے روکا۔
''مجھے اس قسم کے ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔''
وہ مایوس ہوئی تھی۔ ''اچھا پھر تو تم نے میرا وقت ضائع کیا۔''
وہ شاید جرمن تھی لیکن بعد میں وہ سوئس ثابت ہوئی تھی۔ اس کی انگریزی بھی کام چلاؤ تھی۔ میں نے

احتیاطاً اس سے اسپینش کے بارے میں پوچھا اور جب اس نے انکار کیا تو میں نے بے دھڑک اسپینش ہونے کا اقرار کرلیا اور اپنا نام انٹونیو ہی بتایا۔ میں خیمے والے مقامی آدمی کو بھی یہی نام بتا چکا تھا۔

اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میرا نام این گروٹرڈ ہے۔''

''این صحیح رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں میں اکیلا ہوں۔''

''میں نے بتایا تو ہے میں اچھی ساتھی ہوں......''

اس نے پھر بتانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے بوکھلا کر اسے روک دیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں کیا تم عورت کے قابل نہیں ہو۔'' اس نے بے تکلفی سے پوچھ لیا۔ اس بار میں بھنا گیا تھا۔

''تم سوالات کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تم لوگی کیا؟ میں کس قابل ہوں یا نہیں ہوں یہ میرا معاملہ ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''لگتا ہے تم برا مان ٹھیک ہے میں سمجھ گئی تمہیں سیکس سے دلچسپی......''

''بس۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی ورنہ تم جاسکتی ہو۔''

''اوکے اوکے۔'' این جلدی سے بولی۔ ''اگر تم مجھے کھانے، پینے کے علاوہ بیس ڈالرز دو تو میں ہر وقت تمہیں کمپنی دے سکتی ہوں۔ تم جس وقت مجھ سے جو چاہو گے میں کروں گی۔''

میں نے افسوس سے اسے دیکھا، کون کہتا ہے کہ غلامی کا دور ختم ہوگیا ہے دو وقت کے کھانے اور بیس ڈالرز کے بدلے وہ میرا ہر حکم ماننے کے لیے تیار تھی۔ ''میں کھانا کھلا سکتا ہوں شراب یا کوئی منشیات میرے ذمے نہیں ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بیس ڈالرز پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

وہ خوش ہوگئی، شاید اسے توقع نہیں تھی کہ میں اتنی آسانی سے مان جاؤں گا۔ ''تو میں اپنا سامان لے آتی ہوں۔''

''تم کسی اور کے ساتھ ہو؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔ ''وہ تمہاری خاطر لڑنے تو نہیں آجائے گا۔''

''نہیں......نہیں وہ بہت شریف آدمی ہے۔ بے چارے کے پاس رقم ختم ہوگئی ہے۔'' وہ بولی۔ ''تمہارا ہم وطن ہے۔''

یہ سن کر میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔ اگر وہ رقابت میں نہ سہی میرے ہم وطن ہونے کا سن کر دوڑا چلا آتا تو میرا پول کھلنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا لیکن این جا چکی تھی۔ اس کے جاتے ہی بیتو آگیا۔ ''شوبی بھائی یہ آوارہ عورت یہاں کیا کر رہی تھی؟'' اس نے خفگی سے کہا۔

مجھے شرارت سوجھی اور میں نے کہا'' کچھ نہیں وہ مجھے دوستی کی پیش کش کر رہی تھی رقم کے عوض۔''

''آپ نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا نا؟'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''نہیں اس کے برعکس میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی ہے۔ وہ بیس ڈالرز روزانہ اور کھانے کے عوض میرے ساتھ رہنے کو تیار ہوگئی ہے۔ اپنا سامان لینے گئی ہے۔''

بیتو نے پہلے حیرت سے مجھے دیکھا پھر ہنس دیا۔ ''شوبی آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتا ہے۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا وہ سچ مچ اپنا سامان لینے گئی ہے۔ وہ منشیات کی عادی ہے اور اس کا ذریعہ آمدنی

یہی ہے۔''

اس بار بیتو نے اندازہ لگا لیا کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ''شوبی بھائی کہیں آپ نے یہاں آ کر کچھ پی تو نہیں لیا ہے۔'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا اور منہ اٹھا کر بو سونگھنے کی کوشش کی۔ ''بو تو نہیں آ رہا ہے۔''

میں اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔ ''برخوردار تم کو کیا پتا اب تو بے بو بھی آ رہی ہے۔''

اسی دوران میں این ایک چھوٹا سا بیگ لے کر اندر آئی اور اس نے بیگ ایک طرف رکھ کر بے تکلفی سے بیتو کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ''ہیلو۔''

بیتو نے بادلِ ناخواستہ اس سے ہاتھ ملایا۔ ''ہیلو۔''

''بیتو یہ این ہے اور این یہ میرا دوست اور گائیڈ بیتو ہے۔''

بیتو کا شک اب کسی حد تک رفع ہو گیا تھا اور وہ دکھی نظر آ رہا تھا اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں کسی طوائف کے چکر میں پڑوں گا اور اسے باقاعدہ رقم دے کر ہائر کروں گا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''آپ وسیم بھائی اور دیدی کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔''

''ہاں ان کے سامنے اس قسم کا کام ذرا مشکل تھا۔'' میں نے سر ہلایا۔

بیتو مشتعل ہو گیا تھا۔ ''شوبی بھائی ہم کو آپ سے یہ امید نہیں تھا۔''

''کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں۔'' میں نے کہا تو بیتو غصے میں باہر چلا گیا۔ این ہماری باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''لگتا ہے تمہارا گائیڈ میرے آنے سے خوش نہیں ہے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم نشہ کون سا کرتی ہو؟''

''ہیروئن۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ادھر کھٹمنڈو میں سختی تھی لیکن یہاں کوئی نہیں پوچھا ہے۔''

''تمہارا ساتھی اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

''وہ جب تک میری ضرورت پوری کر رہا تھا اعتراض بھی کر سکتا تھا لیکن اب میں آزاد ہوں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ اس سردی میں بھی اس نے ایک ہلکی سی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ اس لباس میں اس کے جسمانی خدوخال پوری طرح نمایاں تھے۔ اس نے اپنے بیگ سے تلاش کر کے ایک سگریٹ نکالی اور اسے ماچس سے سلگایا اس نے جلدی جلدی اس کے دو تین کش لیے اور پھر سگریٹ کو بجھا کر واپس رکھ لیا۔ اس کے بعد وہ آنکھیں بند کر کے قالین پر لیٹ گئی۔ میں بھی آرام کر رہا تھا۔ بس بیتو کہیں باہر بے چین پھر رہا تھا۔ مجھے لگا میں نے اس کے ساتھ زیادہ ہی مذاق کر لیا تھا اور یہ بات اس کی دل آزاری کا سبب بن رہی تھی۔ میں نے خیمے سے باہر جھانکا اور تھوڑا نکل کر بھی دیکھا لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ میں اس کی تلاش میں سامان چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ چوری ہو جانے سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ این بیگ میں موجود اسلحہ نہ دیکھ لے۔ میں واپس آ گیا۔ بیتو کا بیگ بھی یہیں تھا۔ این بے سدھ ہو کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے پاس شاید ہیروئن سے بھرا یہی سگریٹ تھا جسے وہ کفایت شعاری سے استعمال کر رہی تھی۔

مجھے ابھی تک کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تھی جس سے میں مندر میں راج کے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ

کر سکتا۔ دن میں یہ بستی سوئی ہوئی لگ رہی تھی شاید رات کو یہاں رونق شروع ہوتی تھی۔ دو بجے کے قریب این انگڑائی لے کر اٹھ گئی اور اس نے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''یہاں سے کھانے کو کہاں سے ملتا ہے؟''

''یہاں ایک ہوٹل ہے وہاں سے مل جاتا ہے۔''

میں نے اسے کچھ رقم دی۔ ''ایسا کرو تم لے آؤ اور خیال رکھنا کہ میں اور میرا ساتھی گوشت والی کوئی چیز نہیں کھاتے ہیں۔''

این نے سر ہلایا۔ ''تم دونوں ویجیٹیرین ہو۔''

''ایسا ہی سمجھو۔'' میں نے کہا تو وہ خیمے سے نکل گئی تھی۔ اب مجھے بیتو کی طرف سے فکر ہو رہی تھی۔ اسے غائب ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ اس دوران میں اسے آجانا چاہیے تھا۔ شاید اس کا دماغ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر میں این کھانا لے آئی۔ یہ روٹی اور بھاجی تھی ساتھ میں سوفٹ ڈرنک تھی۔ اس نے باقی رقم مجھے واپس کرنا چاہی تو میں نے اشارے سے کہا کہ وہ رکھ لے اس نے خوش ہو کر فوراً رقم جینز کی جیب میں رکھ لی۔ اس نے کھانا ایک اخبار پر لگایا اور ہم نے مل کر کھایا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے کھانے سے کوئی غرض نہیں تھا وہ بس زندہ رہنے کے لیے کھا رہی تھی اور زندہ اس لیے رہنا چاہتی کہ نشہ کر سکے۔

کھانے کے بعد بیتو کا حصہ سنبھال کر رکھ دیا تھا اور اب مجھے تشویش کے ساتھ اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اسے اتنی غیر ذمے داری سے غائب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ این نے بھانپ لیا تھا کہ میں بیتو کی گمشدگی پر پریشان تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں اسے تلاش کر کے لاؤں۔''

''ہاں تم اس جگہ کے بارے میں جانتی ہو۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

اس نے جماہی لی اور بولی۔ ''آج کے بیس ڈالرز دو۔ میں نے نشہ بھی لینا ہے۔''

''ڈالرز کے بجائے اتنی ہی مالیت کی مقامی کرنسی سے کام چلے گا؟''

''ہاں دے دو۔'' اس نے کہا۔

مجھے کسی قدر اندازہ ہو گیا تھا کہ مقامی روپے میں بیس ڈالرز کتنے بنیں گے میں نے اسے رقم دے دی اور وہ باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں کئی بار باہر آیا اور تا حد نگاہ بیتو کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ میری تشویش میں ایک خیال نے اضافہ کر دیا تھا کہیں وہ اپنے طور پر راج کا سراغ لگانے تو نہیں نکل گیا اور کسی مصیبت میں پھنس گیا ہو۔ یہ جگہ اس کے بالکل انجان تھی۔ این پانچ بجے آئی تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارا ساتھی کہیں نظر نہیں آیا۔''

وہ اپنے لیے ہیروئن لے آئی تھی اور اس نے اسے احتیاط سے اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ ''تم کب سے ہیروئن کا نشہ کر رہی ہو؟''

''یہاں آنے کے بعد شروع کیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس سے پہلے کون سا نشہ کرتی تھیں؟''

''چرس اور کوکین۔'' اس نے کہا۔

''تم کو اندازہ ہے کہ یہ نشے اور خاص طور سے ہیروئن تمہیں کتنی تیزی سے ختم کر دے گی۔''

''اندازہ ہے لیکن پروا کسے ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور خراب ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ اس نے یہ بے راہ روی اپنے طرز حیات سے سیکھی تھی۔ وہ تباہی کے راستے پر جان بوجھ کر گامزن تھی۔ وہ اپنی مرضی کے راستے پر چلتے ہوئے خود کو فنا کرنا چاہتی تھی۔ ظاہر میرے لیکچر دینے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اور میں اسے لیکچر دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بجائے میں نے بہتر سمجھا کہ اس سے مندر اور اس کے ساتھ کچی بستی کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں۔

''ہیروئن تم نے کہاں سے لی ہے؟''

''یہاں بستی سے مل جاتی ہے۔''

میں نے حیرت ظاہر کی۔ ''اتنی عام ملتی ہے کہ کوئی بھی جائے اور لے آئے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ پوری بستی جرائم پیشہ افراد کی ہے وہاں کھلے عام سارے غیر قانونی کام ہوتے ہیں۔ ہر نشہ ملتا ہے اسلحہ بھی بکتا ہے۔''

''مندر کے پاس یہ سب ہو رہا ہے کیا حکومت کوئی نوٹس نہیں لیتی ہے۔'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''مندر ہی اصل میں ان کا اڈہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ وہاں سے سارے غیر قانونی کام چلائے جاتے ہیں۔ مندر کی وجہ سے حکومت ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی اور مقامی پولیس کو انہوں نے خرید رکھا ہے۔''

میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ ''کیا سیاحوں کو مندر میں جانے کی اجازت ہے۔''

''اجازت تو ہے لیکن صرف مرکزی ہال تک اجازت ہے اس سے آگے کوئی غیر متعلقہ فرد نہیں جا سکتا ہے۔ وہاں بہت خطرناک نظر آنے والے لوگ ہوتے ہیں۔'' این بولی۔ ''سچ کہوں تو مجھے وہاں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔''

''تم جا چکی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایک بار جا چکی ہوں مشیل کے ساتھ۔''

''مشیل کون ہے؟''

''میرا ساتھی تمہارا ہم وطن۔''

''تم نے اس سے میرا ذکر تو نہیں کیا؟''

''نہیں جب میں اپنا سامان لینے گئی تھی تو وہ غائب تھا۔ اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''میں اسپین سے اتنی دور کسی اسپینش سے ملاقات کرنے نہیں آیا ہوں یہ لوگ تو مجھے وہاں مل لیتے ہیں۔''

وہ مسکرائی۔ ''لگتا ہے تم تنہائی کی تلاش میں نکلے ہو۔''

''میں تبدیلی کی تلاش میں نکلا ہوں۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''تم اور مشیل مندر کیوں گئے تھے؟''

''پتا نہیں اصل میں مشیل وہاں کسی رانا چندر نامی شخص سے ملنے گیا تھا۔'' این نے بتایا تو میرے کان

کھڑے ہو گئے تھے۔ راج کے اس جانی دشمن کا نام بھی یہی تھا۔ اور راج نے کہا تھا کہ وہ یہیں ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ راج کے یہاں ہونے کا بھی امکان تھا اگر وہ زندہ تھا۔"

"مشیل کی اس شخص سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"ہاں لیکن وہ اندر کہیں ملے تھے میں ہال میں رہی تھی۔ وہاں موجود پجاری مجھے نظروں میں کھا جانے کی کوشش کرتے رہے تھے۔"

اب یہ شخص مشیل بھی میرے لیے اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اسے رانا چندر باز تک رسائی حاصل تھی۔ اگر کوئی غیر قانونی چکر تھا تو مشیل دوبارہ بھی اس سے مل سکتا تھا۔ اور میں بھی اس کے ساتھ جا سکتا تھا لیکن یہ بیتو کہاں دفع ہو گیا تھا مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی اور میں اس کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جب تاریکی چھا گئی اور باہر مشعلیں روشن ہونے لگیں تو میں نے باہر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب خیمہ بستی میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ سارا دن مردے کی طرح پڑے رہنے والے کلبلاتے ہوئے اپنے خیموں سے نکل رہے تھے۔

باہر جانے سے پہلے میں نے اسلحے والا وزنی بیگ اٹھا لیا تھا۔ اور بیتو کا بیگ وہیں چھوڑ دیا اس میں سوائے کپڑوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ باہر شدت کی سردی تھی اور شاید درجہ حرارت منفی میں جا چکا تھا۔ بستی میں جگہ جگہ الاؤ روشن کیے لوگ ان کے گرد تھے موسم کی سختی کو وہ آگ اور نشے سے کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ترقی یافتہ ہپی تھی۔ بس لمبے بالوں کی کمی تھی ورنہ وہ ہپی ہی لگتے۔ جو منشیات کی تلاش میں دنیا کے اس دور دراز ملک چلے آئے تھے۔ یہ سب ان ملکوں کے باشندے تھے جو اس وقت دنیا کے امام ہیں جو دنیا کو تہذیب اور جمہوریت برآمد کرتے ہیں۔ مگر یہ نشے کے عادی افراد بتاتے ہیں کہ ان کے نظام میں خرابی ہے ورنہ نشہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے ملک سے ہزاروں میل دور چلا آئے۔ یہ سب ان کو اپنے ملک میں بھی دستیاب تھا اس کے باوجود یہ لوگ اس پسماندہ ملک میں اس موسم میں یوں موجود تھے کہ ان کو دیکھ کر ترس آتا تھا۔ یہ سب مایوس اور مرنے کے شوقین تھے کیونکہ یہ اس طرز زندگی کے ساتھ زندہ نہیں رہنا چاہتے تھے۔

خیمہ بستی کی طرح کچی آبادی میں بھی زندگی جاگ رہی تھی۔ سرد موسم کے باوجود ان لوگوں کی سرگرمیاں رات کو ہی ہوتی تھیں۔ رات کو ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اور تاریکی بہت سارے جرائم کی پردہ پوشی کر دیتی ہے۔ اسلحے والا وزنی بیگ اٹھا کر گھومنا آسان نہیں تھا لیکن میں اسے کہیں چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ خیمہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی اور ایک گھنٹے کے اندر میں نے اس کے ایک ایک فرد کو دیکھ لیا تھا۔ بیتو وہاں نہیں تھا۔ این بور ہو رہی تھی جہاں کہیں یہ لوگ جمع ہو کر منشیات استعمال کر رہے تھے۔ این کے قدم وہیں رک جاتے تھے اور پھر مجھے اس کو آگے دھکیلنا پڑتا تھا۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔

"کیا بات ہے تم کہیں رکتے کیوں نہیں ہو؟"

"مجھے اپنے ساتھی کی تلاش ہے۔"

"شاید وہ اس آبادی میں چلا گیا ہے۔" اس نے کچی آبادی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تب میں اسے وہاں جا کر تلاش کروں گا۔" میں نے کہا۔

"سنو میں کچھ دیر کے لیے کہیں بیٹھ جاؤں۔" اس نے للچائے انداز میں کہا۔ "میں تھک گئی ہوں۔"

میں سمجھ رہا تھا وہ منشیات استعمال کرنے کے لیے بے چین تھی لیکن اگر میں اسے اجازت دے دیتا تو وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتی۔ جب کہ میں اسے ساتھ رکھنا چاہتا تھا ایک گوری کے ہوتے ہوئے میں زیادہ مشکوک نہیں رہتا۔ میں نے کہا۔ ''بس ذرا اس بستی میں اپنے ساتھی کو دیکھ لوں۔ اس کے بعد تم یہاں آ کر چند گھنٹے اپنی مرضی سے گزار سکتی ہو۔''

وہ مجھ سے رقم لے کر مجبور ہو گئی تھی۔ اس لیے میری بات ماننے پر مجبور تھی۔ وہ گھسٹنے کے انداز میں میرے ساتھ چل پڑی تھی۔ خیمہ بستی اور کچی بستی دونوں ذرا بلندی پر تھیں اور ان کے درمیان میں ایک گھاٹی تھی۔ آمد و رفت کے لیے اسے ہی استعمال کیا تھا اور وہاں کچرے کا بدبودار ڈھیر تھا۔ اس طرف روشنی کم تھی اس لیے ہمیں بچ کر چلنا پڑ رہا تھا اس کے باوجود کچرے سے ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ بمشکل ہم کچی بستی تک پہنچے۔ این بڑبڑا رہی تھی۔ اس کا نشہ اکھڑ رہا تھا اور اسے نشے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں اسے تسلی دیتا اوپر تک لے آیا۔ راستہ بہت دشوار تھا اور بعض جگہ مجھے اسے اوپر چڑھانے کے لیے سہارا دینا پڑا تھا۔

کچی بستی میں سارے ہی مقامی تھے اور وہاں مشکوک قسم کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ایک طرف چند مقامی لڑکیاں اشتہار بنی کھڑی تھیں اور ان کے عقب میں گندی غلیظ کوٹھریاں تھیں۔ ایک شراب خانہ تھا اور باقی جگہوں پر بھی ایسی ہی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ہم بستی میں گھومنے لگے۔ لوگ ہمیں خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن کسی نے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ این نے منمنا کر کہا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں۔''

ہم ایک جھونپڑی ہوٹل میں بیٹھ گئے۔ وہاں گندا فرنیچر تھا اور اندر دھواں بھرا ہوا تھا لیکن فضا باہر کے مقابلے میں گرم تھی اس لیے بے شمار لوگ تھے۔ مجھے اب تک بیتو یہاں بھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے گلاس میں پانی نکالا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کان میں انگریزی میں کہا۔ ''حشیش، ہیروئن، لڑکی۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے این کی طرف دیکھا۔ ''یہ تمہاری ساتھی ہے؟''

''ہاں یہ میرے ساتھ ہے۔''

''اس کو ایک رات کو دے گا۔ سوڈالرز ملے گا۔''

ایک لمحے کو میرے سر کی طرف خون نے یلغار کی تھی۔ اور میں نے بڑی مشکل سے اس منحوس صورت کی گردن دبانے کی خواہش پر قابو پایا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا تھا وہ سمجھا کہ میں سوڈالرز پر راضی نہیں ہوں۔ اس نے پیش کش بڑھا دی۔ ''اچھا ڈیڑھ سو امریکی ڈالرز اس سے زیادہ نہیں ملیں گے۔''

''دفع ہو جائے۔'' میں غرایا۔ تو وہ ڈر کر دور ہو گیا۔ پھر اس نے شانے ہلائے اور وہاں سے چلا گیا۔ این تجسس سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہا تھا یہ؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے اسے ٹالا اور بیرے کو بلا کر انگریزی میں کھانے کا پوچھا۔ اس نے روانی سے کچھ مقامی کھانوں کے نام بتائے جو میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ این نے میری مدد کی اس نے دال چاول اور بھاجی

منگوالی تھی۔ دال اور چاول دونوں پھیکے اور کسی حد تک بدذائقہ تھے لیکن بھاجی کے ساتھ کھانے کے قابل ہو گئے تھے۔ کھانا کھا کر ہم باہر آئے تو میں نے دیکھا کہ وہی شخص باہر منڈلا رہا تھا اور ہمیں دیکھ کر وہ انجان بن گیا لیکن جب ہم بستی میں گھوم پھر رہے تھے تو وہ ذرا فاصلہ رکھ کر ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ این نے بھی محسوس کر لیا۔ اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''یہاں سے چلو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''فکر مت کرو میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''اگر کسی نے مجھے غائب کر دیا تو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''یہاں ایسی وارداتیں ہوئی ہیں۔ سفید فام لڑکیاں غائب ہو جاتیں ہیں اور پھر ان کو اجتماعی زیادتی کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی رپورٹ بھی نہیں کرتا ہے۔ سچ بتاؤ یہ شخص تم سے کیا کہہ رہا تھا۔''

''یہ تمہارے عوض مجھے سوڈالرز دے رہا تھا ایک رات کے، میں نے انکار کیا تو اس نے ڈیڑھ سوڈالرز کر دیئے تھے۔''

وہ ڈر گئی تھی۔ ''تم نے سچ مچ انکار کیا تھا نا...... یہ لوگ درندے ہیں میری ایک ساتھی ان کی درندگی کا نشانہ بن چکی ہے اور آج کل جرمنی کے ایک نفسیاتی اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''اگر میں نے انکار نہ کیا ہوتا تو تم کو کیوں بتا رہا ہوتا۔''

''اوکے...... اب یہاں سے چلو۔''

''میرا ساتھی نہیں ملا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ممکن ہے وہ اپنے خیمے میں واپس آ چکا ہو۔'' اس نے کہا۔

میں سوچا کہ ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو اور اس کے ساتھ واپس آنے لگا تھا۔ گھاٹی میں حسبِ معمول بدبو اور کچرہ تھا۔ ایک جگہ این کا پاؤں پھسلا اور وہ لڑھکتی ہوئی نیچے جانے لگی۔ اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھی۔ میں سنبھل کر اس کے پیچھے جانے لگا لیکن جب میں گھاٹی کی تہہ تک پہنچا تو اس کی چیخیں رک چکی تھیں اور سب سے حیرت انگیز بات تھی کہ وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اس جگہ کچرے کے بڑے بڑے انبار تھے۔ میں ان کے درمیان میں این کو آوازیں دیتا ہوا تلاش کرنے لگا تھا۔ این کی چیخیں سن کر خیمہ بستی سے کچھ لوگ بھاگے آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''یہاں کون عورت چلا رہی تھی؟''

''وہ میری ساتھی ہے ہم کچی بستی سے آ رہے تھے کہ وہ اوپر سے گر گئی لیکن اب وہ مل نہیں رہی ہے۔''

اوپر سے آنے والے اپنے ساتھ مشعلیں اور نارچیں لائے تھے۔ وہ ان کی روشنی میں این کو تلاش کرنے لگے۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے پوری گھاٹی کو چھان مارا تھا لیکن این کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی گم شدگی حیرت انگیز ہی تھی کیونکہ وہ نیچے گری تھی آسمان کی طرف نہیں گئی تھی۔ اسے یہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے ایک پوچھنے والے کو این گروٹرڈ کا نام بتایا تو ایک شخص چونک کر سامنے آیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''صبح تک وہ میرے ساتھ تھی۔''

''اگر تم مشیل ہو؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تو این نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔''

کسی نے کہا ممکن ہے کہ وہ اوپر چلی گئی۔ ہم سب اوپر آئے لیکن این خیمہ بستی میں بھی نہیں تھی۔ مشیل اس کے لیے سب سے زیادہ مضطرب تھا اس نے کہا۔ ''تم بستی کی طرف کیوں گئے تھے؟''

''میرا ایک ساتھی جو مقامی ہے اور میرا گائیڈ بھی ہے وہ یہاں آ کر غائب ہو گیا تھا میں اسے تلاش کرنے گیا تھا۔''

مشیل نے اردگرد دیکھا اور مجھے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ ''تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟''

کیونکہ این یہاں نہیں تھی اس لیے میں بڑی آسانی سے امریکن بن گیا میرے پاس ڈالرز تھے ضرورت پڑنے پر میں ثابت کر سکتا تھا۔ اب میں انگریزی بھی امریکنوں کی طرح بگاڑ کر بول رہا تھا۔ میری طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے کہا۔ ''کیا کسی نے تم لوگوں کا تعاقب کیا تھا؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''صرف تعاقب نہیں کیا تھا بلکہ ایک شخص نے مجھے آفر بھی کی تھی کہ میں این کو ایک رات کے لیے اس کے حوالے کر دوں تو وہ اس کے بدلے مجھے سو ڈالرز دے گا میرے انکار پر اس نے رقم بڑھا کر ڈیڑھ سو ڈالرز کر دی تھی۔''

مشیل نے اضطراب سے کہا۔ ''وہ دبلا سا مقامی تو نہیں تھا۔ سرخی مائل بالوں والا۔''

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''وہی تھا پھر جب ہم بستی میں اپنے ساتھی کو تلاش کر رہے تھے تو اس نے ہمارا تعاقب بھی کیا تھا لیکن وہ ہمارے قریب نہیں آیا تھا۔''

''یہ وہی ہے۔'' مشیل جوش سے بولا۔ ''اس نے مجھ سے بھی بات کی تھی لیکن میں نے اس کے منہ پر گھونسہ مارا تھا۔''

اگرچہ وہ اتنا غیرت مند لگ نہیں رہا تھا لیکن میں نے اس سے اتفاق کیا کہ اس نے ایسا ہی کیا ہوگا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کہ این کی گمشدگی میں اس کا ہاتھ ہے۔''

مشیل نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور پھر دبے لہجے میں بولا۔ ''وہ شخص کچھ نہیں ہے اصل شخص رانا چندر باز ہے یہ اسی کا آدمی ہے۔ اگر این کو اغوا کیا گیا ہے تو یہ اسی شخص کا کام ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ این کو اصل میں رانا چندر باز نے اغوا کرایا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں مجھے پورا یقین ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا تم اس سے کبھی ملے ہو؟''

''ایک بار اس نے مجھے این کے سلسلے میں بلایا تھا۔ جب میں نے اس کے آدمی کے منہ پر گھونسہ مارا تھا اور پھر اس نے مجھے پیش کش کی تھی کہ اگر میں این کو اس کے حوالے کر دوں تو وہ مجھے منہ مانگی رقم دے گا۔''

مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ این اس کی محبوبہ نہیں تھی بس دونوں کا وقتی ضرورت کے تحت ایک ساتھ تھا۔ وہ رانا جیسے خطرناک آدمی کی پیش کش ٹھکرا رہا تھا جو این کو غائب بھی کر سکتا تھا اور این اس کی ذمے داری بھی نہیں تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر میرے پاس آئی تھی تو مشیل کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ ''تم نے انکار کر دیا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''شاید نہ کرتا کیونکہ این سے میرا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن مجھے ایک چیز نے روک دیا

تھا۔"

"کس چیز نے؟"

"این ایک بہت بڑے جرمن صنعت کار کی اکلوتی بیٹی ہے اس کا باپ ارب پتی ہے۔"

مجھے یقین نہیں آیا میلے کچیلے حلیے والی یہ لڑکی ایک ارب پتی صنعت کار کی بیٹی تھی اور وہ یوں پھر رہی تھی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"

اس نے سر ہلایا۔"کارل گروٹرڈ جرمنی کے دس امیر ترین افراد میں سے ایک ہے۔ اس کا الیکٹرانکس اور آئرن مل کا بہت بڑا بزنس ہے۔"

"اور اس کی بیٹی ایسے پھر رہی ہے۔"

"یہ اس سے نفرت کرتی ہے۔ کیونکہ کارل اسے اس کی مرضی کی زندگی گزارنے کیا اجازت نہیں دیتا ہے۔ یہ عملاً قید رہتی ہے اور اس بار موقع پا کر گھر سے بھاگ نکلی۔ اس کے باپ نے کوشش کی اور اسے یہاں نیپال میں تلاش کر لیا۔ اس کے ایک آدمی نے مجھ سے رابطہ کیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں این کو اپنے ساتھ رکھوں۔ اس کے بعد میں کیسے جرأت کر سکتا تھا کہ این کو میری وجہ سے کوئی نقصان ہو۔"

وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔"اس صورت میں بہتر ہے تم اس کے باپ کو اطلاع کر دو کہ وہ غائب ہو گئی ہے وہ اتنا ہی دولت مند ہے تو اپنی بیٹی کو خود تلاش کروا لے گا۔"

"وہ تو کروا لے گا لیکن وہ مجھے نہیں چھوڑے گا اور تمہیں بھی نہیں چھوڑے گا۔"

"مجھے کیوں میں تو این کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"لیکن وہ جب غائب ہوئی تو تمہارے ساتھ ہی تھی۔"

"ہاں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھ پر اس کی کسی قسم کی ذمے داری آتی ہے۔" میں بولا۔"البتہ میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اسے تلاش کرنے میں مدد دے سکتا ہوں۔"

مشیل نے پُر امید نظروں سے مجھے دیکھا۔"وہ کیسے؟"

میں نے وضاحت کی۔"تم نے بتایا کہ یہ کام رانا چندر باز کا ہے اور وہ مندر میں رہتا ہے تو این بھی وہیں ہو گی ہم اسے بازیاب کرانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔"تمہارا مطلب ہے کہ ہم مندر میں گھسیں گے۔"

"اس کے سوا اور کیا راستہ ہے ہمارے پاس۔" میں نے کہا۔"یا تو تم این کے باپ کو بتا دو۔"

"نہیں۔" وہ کانپ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی پریشان تھا اور شاید این کے باپ سے زیادہ معاملہ پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہا تھا۔ ورنہ اس کا سیدھا راستہ تو یہی تھا۔ اگر وہ پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی اور غیر قانونی کام میں ملوث تھا۔

"کارل کا آدمی کہاں ہے جس نے تم سے رابطہ کیا تھا؟"

اس سوال کا جواب دینے میں اس نے کچھ تامل کیا تھا۔"وہ کل شام اسے کسی نے مار پیٹ کر زخمی کر دیا تھا اور وہ اس وقت اسپتال میں ہے۔"

''کہاں مارا پیٹا تھا؟''

''کھٹمنڈو میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ تو پولیس کیس ہو گیا۔''

''ہاں حملہ آور نے اس کی کئی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔''

''کیا کارل کے پاس بس یہی ایک آدمی ہے؟''

''فی الحال تو یہی ہے اگر اس نے کسی اور کو روانہ نہ کر دیا ہو تو۔''

''اگر ہم نے این کو رانا چندر باز کے چنگل سے نہیں نکالا تو سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس کا کیا حشر کرے گا۔''

مشیل پریشان نظر آنے لگا اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں۔ رانا چندر باز اور اس کے آدمی عورت کے معاملے میں درندے ہیں۔ وہ این کا برا حال کر دیں گے۔''

''تب ہمیں مندر میں جانا ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہاں جانا آسان نہیں ہے وہاں رانا کے درجنوں کے حساب سے مسلح ساتھی موجود ہوتے ہیں اور وہ کسی کو اندر جانے نہیں دیتے۔''

''ہم ان سے اجازت لے کر نہیں چھپ کر جائیں گے۔''

''چھپ کر کیسے جا سکتے ہیں؟'' اس نے دریافت کیا۔

''ایک بات بتاؤ...... جب این نیچے گری اور تم لوگوں نے اس کی چیخیں سنیں تو تم لوگ کتنی دیر میں نیچے آ گئے تھے؟''

''مشکل سے ایک منٹ لگا تھا کیونکہ ہم گھاٹی کے کنارے ہی بیٹھے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کسی نے این کو اغوا کیا تو وہ اسے اٹھا کر اوپر لے گیا ہوگا۔ کچی بستی والی طرف؟''

''بالکل وہ اسی طرف لے گیا ہوگا۔ کیونکہ دوسری طرف سے تو ہم آ رہے تھے۔''

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کوئی انسان این کو لے کر اوپر جاتا تو وہ کتنی جلدی کرتا دو تین منٹ سے پہلے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ جب کہ اتنی دیر میں گھاٹی میں مشعلیں روشن ہو گئی تھیں۔ تو کیا این وہیں گھاٹی میں کہیں تھی مگر اوپر سے آنے والے نے چپہ چپہ چھان مارا تھا وہ کہیں نہیں ملی تھی۔ مجھے اب خیال آ رہا تھا کہ جس وقت این نے گرتے ہوئے چیخیں ماری تھیں تو خیمہ بستی سے لوگ آ گئے تھے لیکن کچی بستی کی طرف سے کسی نے جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا تو کیا انہوں نے چیخیں نہیں سنی تھیں۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا این کی چیخیں تو دور تک سنائی دی گئی ہوں گی۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ بستی والوں کو ان چیخوں کی توقع تھی اس لیے کسی نے جھانک کر نہیں دیکھا۔

مشیل میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے یہ بات بتاؤں یا نہیں۔ وہ مجھے کچھ مشکوک لگ رہا تھا اسے این کی پروا نہیں لگ رہی تھی اور وہ کسی وجہ سے ڈر رہا تھا۔ کارل سے ڈر مجھے مصنوعی لگا تھا۔ وہ اس بات پر بھی راضی نہیں تھا کہ ہم مندر میں جائیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میں ظاہر کروں کہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اس لیے میں نے بھی اچانک معاملے سے لاتعلقی اختیار کر لی۔ میں نے مشیل کی طرف دیکھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں بلاوجہ اس معاملے میں ملوث ہو رہا ہوں میری بلا سے این کے ساتھ کچھ بھی

ہو۔“

”شاید ہمیں اس معاملے میں دخل دینا بھی نہیں چاہیے۔“ اس نے فوراً میری تائید کی۔ اب میں سمجھا وہ اس بات پر پریشان تھا کہ کہیں میں معاملہ پولیس تک نہ لے جاؤں۔ اس لیے جب میں نے لاتعلقی اختیار کی تو اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اسے چھوڑ کر میں اپنے خیمے کی طرف بڑھ گیا مجھے یقین تھا کہ بیتو وہاں نہیں ملے گا اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اب مجھے یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ بیتو کسی مشکل میں پھنس گیا ہے اس نے اپنے طور پر کچھ کرنے کی کوشش کی تھی اور کسی مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اس کا بیگ وہاں موجود تھا اور کسی نے اسے چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرے بیگ میں اسلحہ موجود تھا اس میں دو رائفلیں اور دو ہی پستول تھے۔ میں نے ایک چھوٹی اے کے سیونٹی فور رائفل منتخب کی تھی۔ مشہور زمانہ بلکہ بدنام زمانہ کلاشنکوف نسل کی یہ تیسری رائفل ہے۔ کارکردگی اور مار میں یہ اپنی پیشرو رائفلوں سے بہتر ہے اور اس کا دستی نکال دیا جائے تو یہ بہت چھوٹی ہو جاتی ہے۔ میرے پاس جو رائفل تھی اس کا دستہ چھوٹا سا تھا اور میں با آسانی اسے اپنی جیکٹ میں چھپا سکتا تھا۔

اس کے ساتھ میں نے دونوں پستول رکھ لیے ان کے فاضل میگزینز جیکٹ کی جیبوں میں آ گئے تھے۔ دوسری رائفل میں نے بیگ میں رکھ دی تھی۔ شاٹ گن لے جانا بھی بے کار ہوتا اسے بھی بیگ میں چھوڑ دیا۔ میں بیگ نہیں لے جا سکتا تھا۔ یہ بوجھ بن جاتا اور پھر شاید میں یہاں واپس بھی نہیں آتا۔ اگر مجھے بیتو اور راج مل جاتے تو میں ان کو لے کر کھٹمنڈو کی طرف نکل جاتا۔ اب میں رات گہری ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

میں رات دس بجے باہر آیا۔ سردی عروج پر آ گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ وہاں منشیات کے عادی افراد بھی نشے میں بہت عروج پر محو پرواز تھے وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ کہیں تکے بنائے جا رہے تھے جن کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں اس ٹولی کی طرف بڑھا جس میں مشیل تھا۔ قریب جانے کے بجائے میں نے دور سے دیکھا۔ مشیل ان لوگوں میں موجود تھا اور شاید وہ بھی نشے میں تھا کیونکہ وہ ذرا جھول رہا تھا۔ مگر ساتھ ہی وہ بار بار مڑ کر اوپر مندر کی طرف بھی دیکھتا تھا۔ میں ایک خیمے کی آڑ سے اس کی نگرانی کرنے لگا۔ نہ جانے کیوں مجھے پکا یقین تھا کہ اس کا اس سارے معاملے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ وہ مجھے شروع سے مشکوک لگ رہا تھا۔ اس وجہ سے میں نے اس کی نگرانی کرنے کا سوچا تھا۔

اچانک مندر کی طرف سے ایک سبز رنگ کی لائٹ چمکی۔ اس کے بعد وہ وقفے وقفے سے چمکتی رہی۔ ایک بار مشیل نے پلٹ کر دیکھا اور چونک گیا مگر اس کے بعد وہ انجان بن گیا اور اس نے دوبارہ مندر کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے ایک منٹ بعد وہ اٹھا اور بہ ظاہر کسی حاجت کی وجہ سے گھاٹی کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی پتلون کی زپ کھول رہا تھا۔ میں اس سے ذرا فاصلے پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ گھاٹی کی طرف بڑھا۔ ایک خیمے کی آڑ سے اسے گھاٹی میں اترتے دیکھا۔ میں بھی کنارے پہنچا تو وہ کہیں کسی موزوں پوز میں بیٹھنے کے بجائے تیزی سے گھاٹی کے دوسرے سرے کی طرف جاتا نظر آیا۔ میں نے اس کے تعاقب میں جانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ مجھے معلوم تھا وہ کہاں جا رہا تھا کچھ دیر بعد وہ گھاٹی کا سرا چڑھ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نیچے اترا اور اندازے سے اس جگہ تک آیا جہاں این گری تھی۔ میں ہر ممکن حد تک خاموشی سے حرکت کر رہا تھا اور میری کوشش تھی کوئی مجھے یہاں دیکھ نہ پائے۔ میرے پاس ایک چھوٹی ٹارچ تھی جس کی روشنی زیادہ دور نہیں

جاتی تھی۔ اس کی مدد سے میں زمین کا معائنہ کرنے لگا۔

اصل میں مجھے شبہ تھا کہ اس گھاٹی میں کوئی خفیہ راستہ تھا جو اوپر کہیں جاتا تھا اور این کو اسی کی مدد سے یہاں سے لے جایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی ایسا طریقہ سمجھ نہیں آرہا تھا جس کی مدد سے کوئی این کو سب کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے لے جا سکتا۔ کچرے کے ڈھیر چھپنے میں تو معاونت کر سکتے تھے لیکن اگر کوئی گھاٹی میں حرکت کرتا تو وہ نظر میں آجاتا۔ مجھے زیادہ شبہ کچی بستی کی ڈھلان والی سمت پر تھا۔ اس طرف بعض جگہ سے ڈھلان بالکل سیدھی تھی اور کسی دیوار کی طرف اوپر چلی گئی تھی۔ یہاں جھاڑیاں اور درخت بھی خاصے تھے۔

ڈھلان میں ایک جگہ منتخب کر کے میں اوپر چڑھنے لگا۔ سہارے کے لیے میں جھاڑیاں پکڑ رہا تھا۔ گھاٹی کی تہہ سے کوئی بیس فٹ کی بلندی پر میں نے ایک جھاڑی پکڑی تو وہ اچانک ہی گھوم گئی تھی اور میں گرتے گرتے بچا تھا۔ تب میں دیکھا کہ جھاڑی ڈھلان پر جہاں لگی تھی وہاں اب ایک خلا تھا اور جھاڑی کو بڑی مہارت سے خلا کے اوپر ایک گھومنے والے دروازے میں اس طرح سے لگایا گیا تھا کہ باہر سے دیکھنے سے قطعی شبہ نہیں ہوتا تھا کہ جھاڑی مصنوعی تھی۔ اگر میری گرفت مضبوط نہ ہوتی تو شاید میں نیچے گر جاتا۔ میں نے حواس بحال رکھے اور پہلے ٹارچ سے اندر روشنی کی۔ میرا خیال تھا کہ اندر کوئی بڑا خلا ہوگا لیکن یہ تو بہت چھوٹی سی جگہ تھی۔

جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اندر کوئی نہیں ہے تو میں جھاڑی کا سہارا لے کر اس خلا میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹا سا کچا خلا تھا اس میں کھڑے ہونے کی جگہ بھی مشکل سے تھی۔ میں نے ٹارچ سے روشنی کی تو مجھے اوپر کی طرف ایک تنگ زینہ جاتا نظر آیا۔ اسے سیمنٹ سے لیپ پوت کر خود ہی بنایا گیا تھا کیونکہ اس کے بنانے میں اناڑی پن نمایاں تھا قدمچے چھوٹے بڑے اور ناہموار تھے۔ زینہ بھی خاصا سیدھا جا رہا تھا۔ میں اس پر چڑھنے لگا لیکن اس سے پہلے میں نے مصنوعی جھاڑی والا دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ اسے اندر سے بند کرنے والا کھٹکا تھا لیکن وہ شاید کھلا رہ گیا تھا اور اسی وجہ سے مجھے اس راستے کا سراغ مل گیا تھا۔

میں نے پستول نکال لیا تھا کیونکہ اس چھوٹی سی جگہ پر پستول ہی کارآمد ہو سکتا تھا۔ زینہ بہت بلندی پر کہیں نکل رہا تھا۔ میں جب جب روشنی کا رخ اوپر کرتا تو مجھے بل کھاتا زینہ ہی نظر آتا تھا۔ کئی جگہوں سے یہ زینہ گھوم رہا تھا۔ ایسی جگہوں پر رک کر میں سن گن لیتا تھا تاکہ بے خیالی میں کسی کے سامنے نہ جا نکلوں یا کسی ٹریپ میں پھنس جاؤں۔ مجھے بڑی حد تک یقین ہو چلا تھا کہ یہ راستہ مندر میں جا کر نکلتا تھا۔ کیونکہ اب میں بستی کی سطح تک تو پہنچ گیا تھا۔ جب کہ زینہ اس سے کہیں اوپر جاتا نظر آرہا تھا۔ یہ خفیہ راستہ مجرمانہ سرگرمیوں اور بہ وقت ضرورت فرار کے لیے تھا اور مجھے تعجب تھا کہ انہوں نے اسے اتنی بے احتیاطی سے کیسے چھوڑ دیا تھا یہاں کسی نہ کسی کو پہرے پر ہونا چاہیے تھا اور پھر مجھے پہریدار بھی نظر آ گیا۔ میری خوش قسمتی کہ وہ سیڑھی پر بیٹھے بیٹھے ایک دروازے سے ٹیک لگائے سو رہا تھا اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو ٹارچ کی روشنی دیکھ کر بہت پہلے ہوشیار ہو جاتا۔

پہریدار کا اطمینان بتا رہا تھا کہ اسے اس طرف سے کسی کے آنے کی توقع نہیں تھی لیکن آنے والا آ گیا تھا۔ اس جگہ ایک کم طاقت کا بلب جل رہا تھا۔ اس علاقے میں بجلی نہیں تھی۔ یقیناً یہ بلب کسی بیٹری یا جنریٹر کی مدد سے روشن تھا۔ میں نے پہریدار کو کوئی موقع دیئے بغیر ناک آؤٹ کر دیا۔ اس کے سر پر دو مرتبہ ضرب لگانے کا نتیجہ تسلی بخش نکلا تھا اور وہ بنا آواز نکالے بے ہوش ہو گیا تھا اس کے پاس ایک دیسی ساختہ پستول تھا جو میں نے نیچے

زینے پر اچھال دیا اور وہ ٹن ٹن کی آواز کرتا نیچے گرنے لگا۔ پہریدار کے لیے بھی یہی سوچا تھا کہ اسے نیچے پھینک دوں مگر وہ انسان تھا صحیح سلامت نیچے نہیں جا سکتا تھا اس راستے پر اس کی ساری ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں اور عین ممکن تھا وہ مارا جاتا۔ میرے دل نے گوارا نہیں کیا اس لیے میں نے اسے سیڑھی پر لٹا دیا۔

دروازہ کھلا تھا اس میں ایک ایسا کھٹکا لگا جو دونوں طرف سے کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے کھینچا اور دروازہ کھول کر اس کی جھری سے اندر جھانکا مجھے ایک راہداری نظر آئی تھی لیکن کوئی آدمی نظر نہیں آیا اور نہ ہی کسی قسم کی آواز تھی۔ میں کچھ دیر سن گن لیتا رہا پھر باہر آیا یہ ایک راہداری تھی جس کے دوسری سمت ایک دروازہ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں مندر میں آ چکا تھا۔ یہ دروازہ کھولا تو سامنے ایک ہال تھا جس میں بے شمار ستون تھے اور ایک طرف دیوار کے ساتھ ماتما بدھ کا مجسمہ رکھا تھا۔ یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ میں پستول رکھا تھا لیکن رائفل جیکٹ تلے سے نکال کر شانے سے لٹکا لی اب میں دس سیکنڈ کے نوٹس پر اسے اتار سکتا تھا۔

میں ہال کے اندر آیا اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ مجھے اب کس طرف کا رخ کرنا چاہیے۔ اچانک ہی ایک طرف سے دو افراد کے بولنے کی آواز آئی اور میں لپک کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ یہ کوئی دو فٹ قطر کا ستون تھا جس کے پیچھے میں چھپ سکتا تھا۔ آنے والے دونوں افراد نے بدھ بھکشوؤں جیسا لباس پہن رکھا تھا لیکن ان کے ہاتھ میں شراب کی بوتلیں تھیں اور وہ نشے میں لگ رہے تھے۔ وہ مقامی زبان میں کچھ کہتے اندر ایک کمرے میں غائب ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی میں اس طرف بڑھا جہاں سے وہ آئے تھے۔

یہ ایک اور راہداری تھی اور اس میں دونوں طرف کمرے تھے۔ کمرے باہر سے بند تھے میں نے باری باری ان کو کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ تیسرا کمرہ کھولا تو مجھے اندر ایک آدمی فرش پر بچھی چٹائی پر اوندھے منہ پڑا نظر آیا۔ اس کی پشت زخموں سے بھری تھی اور اس نے اس سرد موسم میں صرف پتلون پہن رکھی تھی۔ میں دروازہ بند کر کے اندر آیا اور اس شخص کی طرف بڑھا۔ پہلے مجھے لگا وہ مر گیا ہے لیکن پھر اس کی پشت میں ہلکی سی جنبش نظر آئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے سیدھا کیا تو وہ بے ساختہ کراہا تھا اور یہ دیکھ کر مجھے دھچکا لگا کہ وہ راج تھا۔ صرف پشت نہیں اس کا پورا جسم ہی مارنے، کٹ لگانے اور جلانے کے زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ سیدھا کرنے سے اسے تکلیف ہوئی تھی لیکن وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنی سوج جانے والی آنکھیں کھولیں۔ کچھ دیر وہ مجھے یوں دیکھتا رہا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''تم آ گئے میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟''

''ہاں مجھے دیر ہوئی لیکن میں آ گیا ہوں۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''اب میں تم کو یہاں سے لے جاؤں گا۔''

وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں میں مرنے والا ہوں۔ انہوں نے مجھ پر تشدد کی حد کر دی ہے۔''

وہ تو میں بھی دیکھ رہا تھا لیکن میرے حساب سے یہ سارے سطحی زخم تھے جو ہفتہ دس دن کے علاج کے بعد بھر جاتے۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہ سارے عام زخم ہیں بس ان کی تکلیف زیادہ ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ یہ بتاؤ یہاں کتنے لوگ ہیں؟''

وہ دردناک انداز میں کراہا۔ ''بہت ہیں ایک درجن...... سے زیادہ ہیں۔ وہ سب ظالم ہیں۔''

''تم نے یہاں میرے ساتھی بیتو کو دیکھا ہے؟''

''نہیں میں تو کل سے اس جگہ پڑا ہوں انہوں نے پانی تک نہیں دیا ہے پلیز مجھے پانی پلا دو۔''

اس کے خشک ہونٹ بتا رہے تھے اسے واقعی بہت دیر سے پانی نہیں ملا تھا لیکن وہاں پانی نہیں تھا۔ میں نے کہا۔''میں تلاش کر کے لاتا ہوں۔''

میں باہر نکلا تو میرا خون کھول رہا تھا۔ بے شک راج کوئی اچھا آدمی نہیں تھا لیکن وہ انسان تو تھا۔ کسی انسان کے ایسا سلوک تو درندے بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر راج کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے اس وقت میرے سامنے آجاتے تو شاید میں ان کو شوٹ کر دیتا اور راج کی حالت دیکھ کر مجھے بیتو کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اگر وہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا تو وہ اس کے ساتھ راج والا سلوک کر سکتے تھے۔ سوچ کر ہی میرا غصہ تیز ہو گیا تھا اگر انہوں نے بیتو کو ہاتھ بھی لگایا ہوا تو ان کی خیر نہیں ہو گی۔

اس راہداری کے باقی کمرے خالی تھے لیکن ایک کمرہ کھولا تو مجھے اندر بے پناہ اسلحہ رکھا نظر آیا۔ اس میں دستی بموں جیسا خطرناک اسلحہ بھی تھا۔ میں نے تین دستی بم اٹھا لیے تھے۔ یہ اصل میں تباہ کن گرینیڈ تھے۔ جنہیں ایک خاص رائفل پر لگا کر فائر بھی کیا جا سکتا تھا۔ یہ مجھے اچھی چیز مل گئی تھی۔ اتنا اسلحہ انہوں نے ایسے ہی کھلا رکھا ہوا تھا۔ شاید وہ بہت پُر اعتماد تھے کہ کوئی غیر اندر نہیں آ سکتا۔ دوسرے یہ وقت ضرورت فوری اسلحہ حاصل کرنے کے لیے اسے کھلا رکھنا ضروری تھا۔ لاک رکھنے کی صورت میں اسلحہ ضرورت کے وقت نہ ملے تو آدمی مارا جاتا ہے۔

اس راہداری سے آگے ایک چھوٹا سا ہال تھا مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ اس ہال سے دو اطراف میں راہداریاں نکل رہی تھیں اور ایک طرف بڑا سا دروازہ لگا ہوا تھا۔ میں اس دروازے کے پاس پہنچا تو دوسری طرف سے کچھ لوگوں کے بولنے کی آواز آئی تھی۔ میں نے دروازے میں ذرا سی جھری کر کے جھانکا۔ مجھے سامنے ہی مشیل نظر آیا۔ وہ کھڑا تھا اور اس کے سامنے تخت پر ایک مکروہ صورت نیپالی بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل نے کہا وہی رانا چندر باز تھا۔ وہ کسی شہنشاہ کے انداز میں تخت پر اکڑ کر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں شاید کوئی گلاس تھا۔ وہ مشیل سے انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ کوئی عام ٹورسٹ ہے؟''

''ہاں مجھے یقین ہے۔ وہ ہمارے لیے کسی طرح خطرہ نہیں ہے۔'' مشیل نے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ میرے کام کا کیا بنا، مال کب ملے گا؟''

''مل جائے گا اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' رانا ایک خبیثانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''میں نے منگوایا ہے بس آنے والا ہے۔''

مشیل نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''تم ایک ہفتے سے یہی بات کر رہے ہو، میری ساری جمع پونجی ختم ہو چکی ہے اور ابھی مجھے واپس بھی جانا ہے، میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔''

''کام تو میرے آدمیوں نے کیا ہے۔'' رانا نے عیاری سے کہا۔ ''وہ اسے اٹھا کر یہاں تک لائے ہیں۔ یہ رسک تو میرا ہے کوئی گورا دنیا کے کسی کونے میں مشکل میں پڑ جائے تو ساری دنیا میں شور مچ جاتا ہے۔''

''مگر اسے یہاں لانے والا تو میں تھا۔'' مشیل نے احتجاج کیا۔ ''ورنہ وہ اس ویرانے میں آنے کے لیے تیار نہیں تھی۔''

''میرا دماغ خراب مت کرو۔'' رانا کا لہجہ یک دم خراب ہو گیا تھا۔ ''تم سے کہہ دیا ہے مال ابھی آ رہا ہے۔ جب آ جائے گا تو میں تم کو بلا لوں گا اب دوبارہ اس طرف مت آنا۔''

''وہ شخص پولیس کے پاس جا رہا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔'' مشیل کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

''تو جانے دیتے، پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہے۔'' رانا نے کہا اور کسی کو اشارہ کیا ایک شخص سامنے آیا اور اس نے مشیل کا بازو پکڑا اور تقریباً کھینچ کر اسے وہاں سے لے جانے لگا۔ مشیل نے کچھ کہنا چاہا پر اسے موقع نہیں ملا تھا۔ ان لوگوں کی باتوں سے یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ این رانا کے پاس تھی اور مشیل نے اسے اپنے کسی مفاد کی تکمیل کے لیے اسے رانا کے حوالے کیا تھا لیکن رانا اب اسے بھی دھوکا دے رہا تھا اور اس کا مطالبہ پورا کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ بیتو کہاں تھا۔ اس نے اس طرح غائب ہو کر مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں کوئی واضح لائحہ عمل تیار نہیں کر پا رہا تھا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بیتو کہاں تھا تو میں اسے اور راج کو لے کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ اب میں صرف راج کو لے کر یہاں سے نکلتا تو مجھے اس میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا یہ دو افراد کا کام تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے ایک قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں بے دھڑک اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں رانا تخت پر نیم دراز اب شراب نوشی میں مگن تھا۔ اس نے آہٹ سن لی تھی لیکن مڑ کر نہیں دیکھا اس کا خیال تھا کہ اس کا کوئی آدمی ہو گا۔ میں جس دروازے سے آیا تھا اسے اندر سے بند کر دیا تھا۔ کمرے کا دوسرا دروازہ شاید مندر کے باہر والے حصے کی طرف کھلتا تھا اور وہ بند نہیں تھا۔ میں نے رانا کے سر سے پستول لگایا تو وہ ساکت ہو گیا۔ پھر اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''کون ہو تم؟''

''فی الحال کچھ بھی ہاں یہ تم چاہو تو دوست یا دشمن بنا سکتے ہو۔'' میں نے سرگوشی میں کہا اور اس کا لباس ٹٹولنے لگا۔ اس کی ایک جیب سے چھوٹا سا پستول نکلا تھا وہ میں نے خالی کر کے ایک طرف اچھال دیا اور اس کے سامنے آ کر الٹے قدموں جا کر دوسرا دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا۔ رانا مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''تو یہ تم ہو؟''

''تم مجھے جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اب تم نیپال میں بھی مشہور ہو گئے ہو۔ یہاں بھی تمہاری تصویریں گردش کر رہی ہیں۔''

میں چونکا تھا میں سمجھ رہا تھا کہ وہ این اور مشیل کے حوالے سے جانتا ہے لیکن وہ بات کچھ اور کر رہا تھا۔

میں انجان بنا۔ ''کیا مطلب؟''

وہ مسکرایا۔ ''شہباز ملک انجان مت بنو تم سمجھ گئے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بہت سارے لوگوں کو تمہاری تلاش ہے ان میں کچھ تمہارے دشمن ہیں اور کچھ تمہارے دوست ہیں۔ دونوں نے بھاری قیمت لگا رکھی ہے اس وجہ سے بہت سارے تمہاری تلاش میں ہیں۔''

میں حیران تھا کہ میری شہرت اس دور دراز علاقے تک پہنچ گئی تھی۔ مگر فی الحال میرا مسئلہ بیتو تھا اور پھر

یہاں سے صحیح سلامت نکلنا تھا اس لیے میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''میرا ایک ساتھی بھی یہیں کہیں ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارا ساتھی یہاں نہیں ہے۔ میرے آدمیوں نے اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔''

یہ بھی ایک اطلاع تھی کہ بیتو کی جھڑپ ہوئی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کہاں چلا گیا تھا وہ میرے پاس واپس کیوں نہیں آیا تھا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو میرا ساتھی تمہارے قبضے میں ہے۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''تمہارا ساتھی غائب ہے ادر میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ جلد یا دیر سے وہ اسے تلاش کر لیں گے کیونکہ یہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''این گروٹرڈ کا کیا معاملہ ہے؟''

''کچھ نہیں وہ مجھے پسند آ گئی تھی لیکن یہاں آنے کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے مجھے اس آدمی کی مدد حاصل کرنا پڑی۔ اس کے عوض میں نے اسے دو کلوگرام ہیروئن دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے تمہارا وعدہ پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے کمرے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے رانا کا پُرسکون انداز پریشان کر رہا تھا۔ کیا اسے امید تھی کہ مجھ سے بچ جائے گا اور یہ امید کیوں تھی۔

وہ مسکرایا۔ ''دو کلوگرام ہیروئن یورپ میں بہت بڑی مالیت رکھتی ہے پھر اسے ایک خاص شکل میں ڈھالنے کا کام بھی مشکل ہوتا ہے۔''

''خاص شکل میں...... کیا مطلب؟''

''ہیروئن کو ایک خاص عمل سے گزار کر اس کا ٹھوس مجسمہ بنا لیا جاتا ہے اور دیکھنے میں یہ مجسمہ پتھر کا لگتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اس طرح یہ با آسانی کسٹم سے گزر جاتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تم ہیروئن اسمگل کرتے ہو؟''

''تم جو چاہے سمجھ لو۔'' اس نے مکاری سے کہا۔ ''لیکن ہم صرف ہیروئن اسمگل نہیں کرتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے تم اسلحہ بھی اسمگل کرتے ہو لیکن کہاں؟'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

اس نے اعتراف کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔ ''ہاں ایسی بات ہے اور جہاں ضرورت ہوتی ہے ہم وہاں اسلحہ فراہم کرتے ہیں۔''

''جیسے ماؤنسٹوں کو؟''

اس نے منہ بنایا۔ ''مجھے ان سے نفرت ہے اور میرا بس چلے تو ایک ایک کو چن چن کر ماروں۔''

''اس ملک میں اسلحے کی سب سے زیادہ ضرورت ان کو ہوتی ہے اگر تم ان سے نفرت کرتے ہو تو کیا اسلحہ حکومت کو سپلائی کرتے ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے کہا نا جہاں ضرورت ہوتی ہے اسے سپلائی کرتا ہوں سوائے ماؤسٹوں کے۔''

میں نے غور کیا کہ اس علاقے میں اسلحے کی ضرورت اور کہاں ہوسکتی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے پاس جدید ترین مغربی ساختہ اسلحہ تھا۔ جیسا کہ میں ابھی کچھ دیر پہلے ایک کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ اچانک مجھے ان ہی دنوں تبت میں جاری شورش کا خیال آیا۔ کوئی ساٹھ سال پہلے چین نے تبت پر قبضہ کیا تھا اور ہندوستان کی سرحد تک آ گیا تھا۔ امریکہ اور یورپ کی نظروں میں چین کھٹک رہا تھا۔ اور اس کی حالیہ حیران کن معاشی، صنعتی اور فوجی ترقی نے ساری مغربی دنیا کو ایک خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق چین دنیا کی دوسری بڑی معاشی قوت بن چکا ہے۔ بیس سال کے قلیل عرصے میں چین میں بسنے والے لوگوں کی فی کس آمدنی میں پانچ گنا اضافہ ہوا ہے۔ جب کہ اسی دوران میں مغربی ممالک کی فی کس آمدنی میں صرف بیس فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ پھر چین بڑی تیزی سے اپنی فوجی طاقت بڑھاتے ہوئے مغرب اور بالخصوص امریکہ کے سامنے ایک متبادل فوجی قوت کے طور پر سامنے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر چہ ابھی چین اور امریکہ کی فوجی قوت میں بہت فرق ہے لیکن معاشی فرق کی طرح یہ فرق بھی برق رفتاری سے کم ہو رہا ہے۔ سب سے بڑھ کر امریکہ کو پے در پے اقتصادی بحرانوں اور مستقل جنگی جنون نے کمزور کرنا شروع کر دیا ہے اور چین طاقت میں اضافے کی طرف گامزن ہے۔ اس کی کیفیت جوانی کی طرف بڑھتے شیر کی سی ہے جب کہ امریکہ ایک بوڑھا ہوتا شیر ہے جس کی طاقت رو بہ زوال ہے۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں دنیا کے سیاسی اور معاشی حالات پر غور کرنے کے لیے نہیں آیا تھا مجھے بیتو اور راج کی تلاش تھی۔ راج مل گیا تھا اور بیتو کو تلاش کرنا باقی تھا۔ اور نہ ہی میں رانا چندر باز سے ہیروئن اور اسلحے کی درآمد برآمد پر بات کرنے آیا تھا۔ مجھے اپنا کام کر کے جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ وہ گھٹے ہوئے جسم کا کسی قدر طویل قامت اور طاقتور شخص تھا لیکن میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ ”میرے ساتھ چلو۔“

”کہاں؟“ اس نے مزاحمت کی۔ ”میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ تمہیں پتا نہیں ہے یہاں چپے چپے پر میرے آدمی ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ میں تم کو یہاں سے لے جانے کی کوشش کروں گا تو وہ مجھے روکیں گے اور مجھے سب سے تمہارا کام تمام کرنا پڑے گا تو ٹھیک ہے پھر میں تم کو لے جانے کی زحمت کرنے کے بجائے یہیں شوٹ کر دیتا ہوں۔“ میں نے کہا اور پستول سیدھا کیا۔ میرا انداز اتنا فیصلہ کن تھا کہ اس کی حالت فوری طور پر خراب ہو گئی اور اس نے جلدی سے ہاتھ اوپر کیا۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں چل رہا ہوں۔“

”گڈ اب آئے نا تم راہ پر۔ یہ بتاؤ کہ یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں لیکن خیال رہے کہ ایک غلط جواب پر تمہیں ایک ضرب سہنا ہوگی؟“

”دو درجن سے زیادہ آدمی ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔ مجھے مشیل اور این نے بتایا تھا کہ وہاں ایک درجن کے آس پاس مسلح افراد موجود رہتے تھے اس کا جواب غلط اور مجھے ڈرانے کے لیے تھا اس لیے میں نے اچانک اس کے سر پر پستول کا دستہ مارا۔ ضرب بے ہوش کرنے والی نہیں بلکہ تکلیف دینے والی تھی۔ اس نے کراہ

کر سر تھام لیا۔ کھال پھٹ جانے سے خون بہہ رہا تھا۔

''جواب غلط ہے مجھے درست تعداد کا علم ہے اس لیے پھر سے جواب دو۔'' میں نے کہا۔

''تم...... یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

اس بار میں نے پستول کی نال اس کی رخسار پر ماری۔ یہاں سے بھی کھال پھٹ گئی تھی اور خون نکل آیا۔

''سوال مت کرو میرے سوال کا جواب دو؟''

''یہاں میرے کل دس آدمی ہیں۔'' اس نے خون صاف کرتے اور اسی کا گھونٹ پیتے ہوئے جواب دیا۔

''گڈ اس بار تم نے درست جواب دیا ہے۔ اب سوال نمبر دو سنو، میرا ساتھی کہاں ہے؟''

اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے پستول بلند کیا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں اگر وہ یہاں ہوتا تو میں اتنا بے بس نہ ہوتا اگر تم مجھے مارتے تو میرے آدمی اسے مار دیتے۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ خود مجھے بھی لگ رہا تھا کہ بیتو اس کے پاس نہیں ہے لیکن وہ اس کے قبضے میں نہیں تھا تو پھر کہاں تھا اور میرے پاس کیوں واپس نہیں آیا تھا۔ ایک امکان تو یہ کہ مجھے خطرے سے دور رکھنے کے لیے وہ خود راج کی تلاش میں نکلا تھا اور مندر میں یا اس کے آس پاس تھا۔ مجھے راج اور این کو لے کر یہاں سے نکلنا تھا۔ مشیل نے اپنے مفاد کی خاطر این کو ان درندوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر چہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی اور این نے خود بتا دیا کہ وہ چند ڈالرز کے لیے کسی کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتی تھی۔ وہ کوئی پاکباز اور شریف لڑکی نہیں تھی لیکن مجھے یہ گوارہ نہیں تھا کہ رانا چندر باز اور اس کے ساتھی اس پر ظلم کریں۔ وہ اس کی مستحق نہیں تھی۔ پھر وہ میرے ساتھ تھی جب غائب ہوئی تھی اور ایک طرح سے وہ میری ذمے داری بنتی تھی۔ مجھے علم تھا کہ وہ یہاں قید ہے اس لیے میں اسے نظر انداز کر کے یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے رانا چندر باز کی طرف دیکھا جو ایک کپڑے سے اپنے زخموں کو صاف کر رہا تھا۔

''این کہاں ہے؟'' میں نے اچانک پوچھا تو وہ بدک گیا۔

''اس سے تمہیں کیا مطلب؟''

میں نے جواب میں اس کے سر پر پستول کی نال سے ایک ضرب اور لگائی۔ یہ ضرب بھی ایسی نہیں تھی کہ وہ بے ہوش ہو جاتا۔ البتہ اس بار وہ چکرا گیا تھا۔ وہ چکرا گیا تھا۔ ''اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ کیا مطلب ہے یا مزید سمجھاؤں۔ تمہارے آدمیوں نے این کو میرے پاس سے اغوا کیا ہے اس لیے میں اسے بھی لے کر جاؤں گا اگر وہ میرے ساتھ نہ بھی ہوتی تو میں اسے تم جیسے درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔''

اس نے خود کو سنبھال لیا اور بڑی مشکل سے بولا۔ ''یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو مجھے دشمن بنا کر۔ میرے دشمنوں کو نیپال میں کہیں پناہ نہیں ملتی ہے۔''

میں ہنسا۔ ''شکر ہے تم نے ساری دنیا کا ذکر نہیں کر دیا ورنہ مجھے سوچنا پڑتا۔'' میں نے کہتے ہوئے اچانک اس کے سر پر ایک وار اور کیا اور اس بار وہ نیچے گر پڑا تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ اٹھایا اور خونخوار لہجے میں بولا۔ ''تم نے میرے ساتھ اب تک کوئی دوستی نہیں دکھائی ہے۔'' میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''شرافت سے

این تک میری رہنمائی کرو۔"

اس باراس نے مزاحمت نہیں کی۔"وہ مندر کے اندر والے حصے میں ہے۔"

میں نے سوچا مندر کے اندر گھسنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے اسے حکم دیا۔"تمہارا کسی طرح اپنے ساتھیوں سے رابطہ تو ہوتا ہوگا۔ ان کو کہو کہ این کو یہاں لے آئیں۔"

اس نے جان لیا کہ میں این کو لیے بغیر نہیں جاؤں گا اس لیے اس نے بادلِ ناخواستہ بولا۔"مجھے خود جانا ہوگا کیونکہ اس کمرے کو صرف میں کھول سکتا ہوں۔"

"اس کی وجہ؟"

اس نے وضاحت کی۔"میرے سارے آدمی درندے ہیں خاص طور سے عورت کے معاملے میں اور میں ان پر بھروسہ نہیں کرسکتا ہوں۔ ایک بار ایک سفید لڑکی کو اغوا کے بعد میں نے ایسے ہی بند کروادیا تھا تو اگلے دن اس کی لاش ملی تھی۔ میں بڑی مشکل میں پڑ گیا تھا۔"

"تب چلو اور کوئی حماقت مت کرنا ورنہ اس کا نتیجہ دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔ تم لوگ عورت کے معاملے میں درندے ہو اور میں مردوں کے معاملے میں درندہ ہوں اگر میری شہرت تم تک پہنچ گئی تو تم وجہ شہرت بھی جانتے ہو گے؟"

اس نے رک کر کہا۔"تم یہاں سے زندہ نہیں نکل سکتے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو کہ میں یہاں سے زندہ نکل سکتا ہوں یا نہیں تم اپنی فکر کرو کہ تم زندہ رہتے ہو یا نہیں۔" میں نے پستول اس کے سر سے لگا دیا تھا۔"کسی بھی ہنگامے کی صورت میں مارے جانے والے پہلے آدمی تم ہو گے اس لیے کوشش کرنا کہ کوئی ہنگامہ نہ ہو۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن میں نے کہا نا میرے آدمی درندے ہیں۔"

بے بس اور خاص طور سے عورتوں پر ظلم کرنے سے کوئی درندہ نہیں بن جاتا ہے۔ آج اگر تمہارے آدمیوں نے مزاحمت کی تو ان کو پتا چل جائے گا کہ درندگی کیا ہوتی ہے؟"

رانا چندر باز خوف زدہ تھا۔ شاید اس کے ذہن میں ہوگا کہ اس کا کوئی ساتھی موقع سے فائدہ اٹھا کر میری آڑ میں اس کا صفایا نہ کردے۔ جرائم پیشہ گروہوں میں یہ عام سی بات تھی۔ وہ مجھے اندر والے دروازے سے نکال کر مندر کے اندرونی حصے میں لے گیا تھا۔ یہ مندر بہت بڑا تھا اور اس کے اندر کئی حصے تھے۔ ممکن ہے یہاں سے صرف حکامات دیئے جاتے ہوں۔ اور یہ بھی امکان تھا کہ یہاں منشیات اور اسلحہ ذخیرہ کیا جاتا ہو۔

میں نے باہر آنے کے بعد رائفل سنبھال لی تھی اور رانا چندر باز کی پشت سے رائفل ٹکی تھی۔ میں نے اسے خبردار کیا۔"یہ برسٹ موڈ پر ہے اور صرف انگلی دبانے سے تم پرلوک سدھار جاؤ گے۔"

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔"میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔"

"اپنے آدمیوں کو روکنا بھی تمہاری ذمے داری ہے۔"

راستے میں دو افراد ملے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے باس کو ہینڈز اَپ دیکھا تو وہ اس کے حکم پر خود بھی رضا کارانہ طور پر اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے میں نے باہر سے کنڈی لگادی تھی اور ان کو دھمکی دی تھی کہ

باس کی جان عزیز ہے تو منہ بند کر کے بیٹھیں۔ کئی راہداریوں سے گزارنے کے بعد رانا مجھے این کے کمرے تک لایا جو بیچ مندر کے خاصے اندر واقع تھا۔ مگر اچھی بات یہ ہوئی کہ ان دو کے سواء مجھے اور کوئی نہیں ملا تھا۔ رانا چندر باز نے ایک چابی کی مدد دے دروازے پر لگا تالا کھولا۔ صرف تالا ہی نہیں بلکہ دروازہ اور اس کی کنڈی بھی خاصی مضبوط قسم کی تھی۔ اسے آسانی سے توڑنا ممکن نہیں تھا۔

میں رانا کے ساتھ اندر آیا تھا وہ ایک بستر پر لیٹی سو رہی تھی اور فی الحال ٹھیک ہی لگ رہی تھی۔ دروازے پر آہٹ سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ رانا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھی لیکن جب اس نے مجھے دیکھا تو خوشی سے کھل اٹھی تھی۔ وہ بستر سے اتری اور تقریباً اڑتی ہوئی میرے پاس آئی تھی۔ وہ آ کر مجھ سے لپٹ گئی اور میں اسے روک بھی نہیں سکا تھا۔ اس کی یلغار نے ایک لمحے کو مجھے بوکھلا دیا تھا اور رانا چندر باز نے اسی کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اچانک ہی مجھے اور این کو دھکا دیا اور کمرے سے نکل گیا یہی نہیں وہ جاتے جاتے باہر سے کنڈی بھی لگا گیا تھا میں نے ذرا تاخیر سے فائر کیا تھا اور پھر این بھی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی مجھے اس کا خیال بھی تھا۔ اس لیے گولی دروازے میں لگی تھی۔

"یہ تم نے کیا حماقت کی ہے۔" میں نے برہمی سے کہا اور این کو دھکیل کر دروازے کی طرف لپکا۔ وہ باہر سے بند تھا میں نے این کی طرف دیکھا۔ "تم نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ تمہیں نکالنے آیا تھا اور اب میں بھی پھنس گیا ہوں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اب ہمارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟"

این خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ "سوری مجھے معلوم نہیں تھا میں تمہیں سامنے دیکھ کر خوشی میں سب بھول گئی تھی۔"

میں اس کے چچا کا بیٹا نہیں تھا جو وہ مجھے دیکھ کر اتنی خوش ہو گئی تھی۔ اس کی یہ حماقت مجھے مہنگی پڑنے والی تھی۔ رانا نکل گیا تھا اور اپنی سپاہ جمع کر کے آنے والا تھا لیکن اسے کچھ دیر لگتی اور میرے پاس یہی مہلت تھی۔ میں نے سوچا اور رائفل کا رخ دروازے کی طرف کر کے ایک چھوٹا برسٹ مارا میرا نشانہ دروازے کے باہر لگی کنڈی تھی۔ دوسرے برسٹ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ این کا خوف سے برا حال تھا شاید اس نے زندگی میں پہلی بار کوئی خود کار رائفل چلتے دیکھی تھی اور وہ بھی اتنے پاس سے۔ بند کمرے میں اس کا شور کچھ زیادہ ہی محسوس ہوا تھا۔ این کی چیخ نکل گئی تھی اور اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ چلائی۔

"یہاں سے نکلنے کی کوشش۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہیں پستول چلانا آتا ہے۔"

"ہاں آتا ہے۔" اس نے سر ہلایا تو میں پستول اس کے حوالے کر دیا۔

"جو سامنے آئے اسے بلا تکلف شوٹ کر دینا ورنہ خود ماری جاؤ گی، سمجھ گئیں۔"

"میں کسی کو نہیں مار سکتی۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

لیکن میں نے اس کی بات نہیں سنی اسے سمجھانے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

ہم باہر نکلے تھے کہ مجھے کہیں سے کچھ افراد کے چلا چلا کر بولنے کی آواز آنے لگی اور لگ رہا تھا کہ وہ ہماری

طرف آرہے ہیں۔ میں نے رائفل سامنے کر لی اور جیسے ہی سامنے سے پہلا مسلح بھکشو نمودار ہوا میں نے اسے گولی ماردی۔اس سے زیادہ زور سے این نے چیخ ماری تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا؟''

''اپنادفاع......اگر میں اسے نہیں مارتا تو وہ مجھے ماردیتا۔'' میں نے کہا اسی لمحے دوسرا نمودار ہوا لیکن میں این سے باتوں میں ذرا غافل ہو گیا تھا۔ اس نے آتے ہی عجلت میں فائر کیا اور گولی سنسناتی این کے پاس سے گزری تو اس نے بے ساختہ خود گولی چلادی اور بھکشو سینہ تھام کر منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے مسکرا کر این کی طرف دیکھا۔ ''بالکل ایسے ہی میں نے بھی گولی چلائی تھی۔ اب اگر زندہ رہنا ہے تو ایسے ہی سامنے آنے والے ہر مسلح شخص کو شوٹ کرنا ہوگا لیکن خیال رہے مجھے ہی مت گولی ماردینا۔''

این خوف سے لرز رہی تھی۔ ''یہاں بہت سارے لوگ ہیں اور سب بہت خون خوار ہیں۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک ہمارے پاس اسلحہ ہے ہم ان پر حاوی ہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔'' میں اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا۔ اس مندر کی وسعت کے لحاظ سے یہاں موجود افراد کی تعداد بہت کم تھی۔ رانا چندر باز نے بتایا تھا کہ اس کے دس ساتھی تھے۔ اگر اس سمیت ایک درجن بھی فرض کر لیے جاتے تو اب بھی دس باقی تھے۔ دس افراد سے جو ہر طرح کے اسلحے سے لیس تھے نمٹنا آسان کام نہیں تھا۔ میرے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ میں بہت تیزی سے حرکت کروں اور ان کے سنبھلنے سے پہلے خفیہ راستے تک رسائی حاصل کر لوں۔

این فکر مند تھی۔ ''ہم باہر کیسے جائیں گے سامنے سے نکلنا ممکن نہیں ہے؟''

''تم فکر مت کرو میں ایک خفیہ راستے سے واقف ہوں اور میں اسی راستے سے یہاں آیا ہوں۔''

مجھے معلوم تھا کہ مندر میں جانے والا خفیہ راستہ کہاں تھا لیکن اصل مسئلہ وہاں تک جانے کا تھا۔ مندر کی اندرونی ساخت اور راہداریاں ایک جیسی تھیں۔ پھر کمروں کے دروازے ایک جیسے تھے۔ مجھے بس سمت کا احساس تھا اور یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ ایک راہداری میں آتے ہی سامنے سے دو مسلح افراد نمودار ہوئے اور انہوں نے مشین گنیں اٹھا رکھی تھیں۔ انہوں نے مجھے اور این کو دیکھتے ہی چیخ کر مقامی زبان میں کچھ کہا اور اپنی مشین گنیں بیک وقت بلند کیں۔ اگر میں ان پر فائر کرتا بھی تو دونوں نہیں مارے جاتے اور بچ جانے والا برسٹ مارتا تو اس تنگ جگہ بچنے کا سوال مشکل تھا۔ میں نے بروقت فیصلہ کیا بلکہ حرکت کی اور این کو سمیٹتا ہوا دائیں طرف موجود کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ اتفاق سے یہ وہی کمرہ تھا جس میں راج پڑا تھا۔ وہ ابھی بھی چٹائی پر اوندھے منہ پڑا تھا۔

باہر سے دونوں مسلح افراد نے بیک وقت فائر کھول دیے تھے ہمیں ایک لمحے کے تیسرے حصے کی تاخیر ہوتی تو ہم دونوں ہی مارے جاتے۔ وہ دونوں مسلسل فائرنگ کرتے ہوئے دروازے کی طرف آرہے تھے اور گولیاں چوکھٹ سے ٹکرا کر اس کے پرخچے اڑا رہی تھیں۔ وہ دروازے تک آجاتے تو اس کمرے میں ہمارے بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی وہ مشین گن اندر کر کے بیک وقت برسٹ مارتے تو کوئی نہ کوئی گولی کام کر جاتی۔ ان کے دروازے تک آنے سے پہلے کچھ کرنا ضروری تھا۔

میں نے سوچا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے وہ دستی بم نکالا جو میں نے یہیں سے لیا تھا۔ اس کی پن نکالی اور لیور کو دباتے ہوئے دل ہی دل میں تین تک گن کر دستی بم باہر اچھال دیا۔ فوراً ہی فائرنگ بند ہوگئی اور ان دونوں کے چلانے اور بھاگنے کی آواز آئی تھی مگر بم نے ان کو مہلت نہیں دی تھی۔ گرینیڈ پھینک کر میں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور این نے پہلے ہی رکھ لیے تھے۔ اس کے باوجود دھماکے نے میرے اعصاب جھنجھوڑ دیئے تھے یہ بہت طاقتور گرینیڈ تھے۔ ایسا لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ باہر راہداری میں دھواں ہو رہا تھا میں نے باہر جھانکا۔ راہداری میں دونوں طرف کے کمروں کی دیواریں گر گئی تھیں۔ اور زمین میں بھی گڑھا پڑ گیا تھا۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر جلے گوشت کی بو بتا رہی تھی کہ دونوں مشین گن بردار گرینیڈ کا نشانہ بن گئے تھے۔

میں دیوار سے چپک کر ذرا آگے گیا اور مجھے دھوئیں کے پاس کسی کی نقل و حرکت محسوس ہوئی تھی۔ کوئی اس طرف آ رہا تھا میں نے رسک نہیں لیا اور نیم دائرے میں ایک بھرپور برسٹ مارا۔ چند چیخیں سنائی دی تھیں اور میں تیزی سے واپس کمرے میں آیا۔ دوسری طرف سے جوابی فائرنگ ہوئی تھی لیکن اتنی دیر میں میں اندر کمرے میں آ چکا تھا۔ این خوف زدہ سی بیٹھی تھی اور میری آہٹ محسوس کر کے اس نے بھڑک کر پستول سیدھا کیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"یہ میں ہوں۔"

"باہر...... کیا ہوا ہے؟" وہ سہمے انداز میں بولی۔

میرا اندازہ تھا کہ میرے کم سے کم چار دشمن اور کم ہوئے تھے اور درندگی کا دعویٰ کرنے والے رانا چندر باز اور اس کے ساتھیوں کو پتا چل گیا ہو گیا کہ ان کا واسطہ کسی نرم بوٹی سے نہیں پڑا ہے۔ جسے وہ ایک لقمے میں نگل جائیں بلکہ ایک ایسی سخت ہڈی سے پڑا تھا جسے وہ نہ چبا سکتے تھے اور نہ سالم حلق سے اتار سکتے تھے۔ میں نے این سے کہا۔ "اب ہمارے پانچ یا چھ دشمن باقی رہ گئے ہیں۔"

"اور باقی؟" اس نے سہم کر پوچھا۔

"وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ اب مجھے یہ فکر تھی کہ یہاں سے کیسے نکلیں۔ باہر راہداری میں دھواں چھٹ چکا تھا۔ اور اب میں دیکھنے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن اس کوشش میں امکان یہی تھا کہ میرا سر باقی نہ رہے۔ رانا چندر باز اپنی باقی سپاہ کے ہمراہ گھیرا ڈال کر بیٹھا ہو گا اور ممکن ہے اس نے بستی سے اپنے آدمیوں کی تازہ کھیپ طلب کر لی ہو۔ بلکہ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ میں نے باہر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنی گھڑی اتاری اور اس کا پٹا تھام کر ڈائل دروازے سے ذرا باہر کیا اور ڈائل کے شیشے میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ فوراً ہی باہر سے ایک فائر ہوا اور گولی گھڑی کے بالکل پاس سے گزر گئی تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ باہر دشمن میرے انتظار میں تھے کہ میں اور این باہر نکلیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔ یقیناً اپنے ساتھیوں کی موت نے ان کو دیوانہ کر دیا تھا۔ مجھے زندہ چھوڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر ان کے پاس اور راستے بھی تھے وہ اندر آئے بغیر بھی ہمیں مار سکتے تھے۔ میں نے صرف تین گرینیڈ اٹھائے تھے اور ان کے پاس بے شمار تھے۔

اس کمرے میں دوبارہ آنے کے بعد مجھے راج کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ بے سدھ پڑا تھا۔ گھڑی

واپس کلائی سے باندھتے ہوئے میں نے پلٹ کر راج کی طرف دیکھا۔ این راج کے پاس بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ میں بھی راج کے پاس بیٹھا تو این نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

''یہ مر چکا ہے۔''

یہ سن کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ وہ زمین پر سیدھا پڑا تھا اور نہ جانے کب زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا کوئی چیز دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرائی اور ٹن ٹن کی آواز پیدا کرتی فرش پر رک گئی۔ وہ ایک گرینیڈ تھا اور ہمارے اور موت کے درمیان صرف چند لمحے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ مجھے بچاؤ کے لیے جو کرنا تھا اسی دوران میں کرنا تھا اور کمرے میں گرینیڈ سے بچنے کے لیے کوئی آڑ نہیں تھی۔

میرے پاس چند لمحے تھے جن میں مجھے اپنے اور این کے بچاؤ کی کوشش کرنا تھی لیکن اس وقت میں نے جو کیا وہ سوچا سمجھا نہیں تھا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں دماغ کے علاوہ بھی ایسی فیصلہ کرنے والی قوتیں موجود ہیں جن کا ابھی تک ادراک نہیں کیا گیا ہے جیسے آدمی کا ہاتھ کسی گرم یا نوکیلی چیز سے چھو جائے تو وہ سوچنے سے بھی پہلے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیتا ہے۔ اس ردِعمل میں دماغ کا کوئی کردار نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت میں نے جو کیا وہ شاید ایسا ہی ردِعمل تھا میں این کو لیتے ہوئے مردہ راج کی آڑ میں گرا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ این ننگے فرش پر پھسل کر آگے چلی گئی اور میں اس کے اوپر نہیں گرا تھا۔ اس طرح ہم دونوں ہی راج کی آڑ میں آ گئے تھے۔

جب دھماکہ ہوا تو راج کی لاش اُڑ کر مجھ سے ٹکرائی تھی۔ دھماکے کی شدت نے مجھے بہرہ کر دیا تھا اور مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین لرز رہی ہو۔ راج کی لاش کے بعد گرد و غبار اور سنگریزوں کا ایک بادل مجھ سے ٹکرایا تھا اور مجھے لگا جیسے میرے جسم میں گھس گیا ہو۔ مجھ سے سانس بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔ این دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گئی تھی اور مزید لپٹی جا رہی تھی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بھی زندہ ہے اور میں کیونکہ سوچ رہا تھا اس لیے میں تو زندہ تھا۔ کمرے میں گرد و غبار کے ساتھ گرینیڈ کے آتش گیر مادے سے خارج ہونے والا زہریلا دھواں بھی بھر گیا تھا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن مجھے احساس تھا کہ میرا دشمن حرکت میں آ چکا ہوگا۔ گرینیڈ کے دھماکے میں وہ بالکل محفوظ رہا تھا اور اب یقیناً کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ خودکار رائفل کے چند برسٹ ہم دونوں کو ہمیشہ کی نیند سلانے کے لیے کافی ہوتے۔ میں اس بار بھی خودکار طور پر حرکت میں آیا اور میں نے جیکٹ کی جیب سے دوسرا گرینیڈ نکالا اور راج کی لاش کو ایک طرف دھکیل کر رینگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے پن نکالی اور تین تک گن کر گرینیڈ راہداری میں بائیں طرف لڑھکا دیا اور تیزی سے پلٹ کر واپس آیا۔ اس دھماکے کی آواز مجھے نہیں آئی تھی لیکن میں نے اس کے اثرات کو دروازے کے سامنے سے گزرتے دیکھ لیا تھا۔

مجھے تشویش ہونے لگی کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا کیا میرے کان کے پردے پھٹ گئے تھے اور میں ہمیشہ کے لیے بہرہ ہو گیا تھا۔ اب کمرے میں دھواں کسی قدر کم ہو گیا تھا اور راہداری دھواں دھار ہو رہی تھی۔ کمرے میں جس جگہ گرینیڈ پھٹا تھا وہاں فرش میں سوراخ ہو گیا تھا۔ مجھے اپنے جسم میں کہیں درد محسوس نہیں ہو رہا تھا اور کچھ دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ فرش سے اٹھ کر میں پہلے راہداری میں ایک برسٹ مارا اور پھر اس سوراخ سے نیچے

دیکھا تو مجھے ایک کمرہ نظر آیا تھا۔ یہ نچلی منزل کا حصہ تھا اور خفیہ راستے تک جانے کے لیے مجھے نچلی منزل سے گزرنا ضروری تھا۔

ابھی تک میں اور این محصور تھے اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے اور اب قدرت نے خود میرے اور این کے لیے راستہ کھول دیا تھا۔ میں نے این کی طرف دیکھا وہ ابھی تک شاک میں تھی لیکن ہوش میں تھی میں نے اسے گھسیٹ کر ہاتھوں سے تھام کر نیچے لٹکایا اور جب وہ ممکنہ حد تک نیچے ہوگئی تو اسے چھوڑ دیا۔ وہ ہلکی سی ایک چیخ کے ساتھ نیچے جا گری تھی۔ اسی لمحے میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے تڑپ کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ دروازے کا سہارا لیے کھڑے شخص کی چلائی گولی اس جگہ لگی تھی جہاں کچھ دیر پہلے میں تھا۔ میں بال بال بچا تھا لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ میں اس کے سامنے تھا اور اس کے پستول کا رخ میری طرف ہی تھا۔ اس نے پستول سیدھا کیا اور پھر گولی چلا دی۔ میرے پاس بچنے کا موقع نہیں تھا اور میں موت کا سامنا کرتے وقت آنکھیں بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پستول کا رخ میرے سینے کی طرف تھا۔ اس نے ٹریگر دبایا لیکن گولی نہیں نکلی۔ اس نے دوبارہ کوشش کی اور اس کا نتیجہ بھی حسبِ سابق رہا تھا۔ اسے تیسرا موقع دینا حماقت ہوتی ممکن ہے گولی پستول میں پھنس رہی ہو اور بار بار کی کوشش سے چل جائے۔ میں نے رائفل سیدھی کی اور اسے شوٹ کر دیا۔ وہ راہداری میں جا گرا تھا۔ وہ گرینیڈ کے دھماکے میں زخمی ہوا تھا لیکن ہمت کر کے کسی طرح مجھ تک آ گیا تھا۔ اصل میں اسے موت یہاں کھینچ کر لائی تھی۔ ورنہ اسے گرینیڈ کے دھماکے میں جان بچ جانے پر شکر ادا کرتے ہوئے سر پر پاؤں رکھ کر یہاں سے بھاگنا چاہیے تھا۔

ابھی تک مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن جب میں نے اسے گولی ماری تو مجھے ہلکی سی آواز آئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی تھی۔ میں مکمل طور پر بہرہ نہیں ہوا تھا شاید دھماکے کی شدت نے عارضی طور پر میری سماعت پر اثر ڈالا تھا۔ اب سماعت بحال ہو رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر راہداری میں دونوں طرف بنا دیکھے برسٹ مارے اور پھر جھانک کر دیکھا۔ یہاں بھی اب دھواں چھٹ رہا تھا اور مجھے راہداری میں بائیں طرف کم سے کم پانچ افراد کی لاشیں نظر آئی تھیں۔ ان میں سے تین تو واضح طور پر گرینیڈ کا شکار ہوئے تھے اور ان کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ ایک میری فائرنگ سے مرا تھا اور دوسرا جو خود مرنے کے لیے آیا تھا۔ یعنی ابھی چار یا پانچ افراد باقی تھے۔

میں پلٹ کر راج کی طرف آیا۔ گرینیڈ نے اس کی لاش کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اگرچہ ایسی لاشیں میرے لیے اجنبی نہیں تھیں لیکن اسے دیکھ کر مجھے کچھ ہونے لگا اور میں نے بے ساختہ پلٹ کر الٹی کر دی۔ راج برا آدمی سہی لیکن زندگی میں بھی ہمارے کام آیا تھا اور مرنے کے بعد بھی ہماری زندگی بچانے کا سبب بن گیا تھا۔ اگر درمیان میں اس کی لاش نہ ہوتی تو یہ حشر میرا ہوتا کیونکہ اس کے بالکل پیچھے میں تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بالکل بچ گیا تھا۔ نہیں اڑتے ٹکڑے اور سنگریزے ٹکرانے سے مجھے بھی زخم آئے تھے لیکن ان میں سے کوئی جان لیوا نہیں تھا اور نہ ہی مجھے نقل و حرکت سے روکنے والا کوئی زخم لگا تھا۔ چھوٹے موٹے زخم تھے جن کا مجھے اس وقت احساس بھی نہیں تھا۔

مجھے افسوس ہونے لگا تھا۔ جب میں نے دیکھا تھا تو راج کی حالت اگرچہ ایسی تھی کہ وہ قریب المرگ لگ رہا تھا لیکن مجھے امید نہیں تھی وہ اتنی جلدی مر جائے گا۔ شاید اسے بھوکا پیاسا بھی رکھا گیا تھا یا اسے کوئی شدید

اندرونی چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے وہ زندگی ہار گیا۔ میں نے دکھ سے اس کی ادھڑی لاش کو دیکھا۔ میں اس کی خاطر یہاں تک آیا لیکن اس کی زندگی بس اتنی ہی تھی۔ اس نے مجھ سے پانی مانگا تھا اور میں اسے پانی بھی نہیں دے سکا تھا ایسے موقع پر انسان کو احساس ہوتا ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا بلکہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

میں پلٹ کر سوراخ تک آیا اور اس کا کنارہ پکڑ کر نیچے لٹک گیا تھا۔ فرش میرے پیروں سے کوئی تین فٹ نیچے تھا۔ میں نے کنارہ چھوڑ دیا اور نیچے گرا تو ایک طرف موجود این پھر بھڑک گئی۔ وہ ابھی تک دھماکے کے اثر میں تھی۔ میرے کودنے کی آہٹ پر اس نے پستول اٹھایا تھا لیکن پھر مجھے دیکھ کر نیچے کر لیا۔ میں نے پوچھا۔ وہ گرد و غبار سے ڈھک گئی تھی اور اس کے ہاتھ پیروں پر چھوٹے موٹے زخم نظر آ رہے تھے۔

''تم ٹھیک ہو نا؟''

وہ پہلی بار مسکرائی۔ ''ذرا اپنا حلیہ دیکھو۔'' اس نے ایک الماری میں لگے آئینے کی طرف اشارہ کیا جو گرد و غبار سے دھندلا گیا تھا۔ میں نے ہاتھ سے آئینہ صاف کیا تو مجھے ایک وحشی نظر آیا۔ جس کے چہرے پر خون کے دھبے اور جلنے کے نشانات تھے۔ پورا جسم گرد سے اٹ گیا تھا اور پائنچے کے پاس پتلون خون آلود ہو رہی تھی۔ میں نے پائنچہ اوپر کیا تو مجھے پنڈلی پر زخم نظر آیا۔ کوئی چیز لگ گئی تھی لیکن زخم اتنا گہرا نہیں تھا کہ اس پر کچھ باندھنے کی ضرورت پیش آتی۔ مجھے اس کا احساس بھی نہیں تھا، وہ تو خون دیکھا تو پتا چلا۔ مجموعی طور پر خاصے زخم تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی خطرناک نہیں تھا۔ میں نے ایک طرف پڑی چادر سے اپنا چہرہ اور ہاتھ صاف کیے۔ اس دوران میں، مَیں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہم کہاں تھے اور ہمیں کس طرف کا رخ کرنا چاہیے تھا۔

''اب کیا کرنا ہے۔'' این نے مجھے سوچ میں گم پا کر پوچھا۔ ''وہ تو مر گیا۔'' اس نے کسی قدر تجسس سے پوچھا۔ ''وہ ہے کون؟''

میں چونک گیا تھا۔ ''ہے ایک جاننے والا۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ رانا چندر باز کے ساتھیوں تعداد خاصی کم کر دی ہے امید ہے آگے اتنی مزاحمت نہیں ہو گی۔''

مگر این سہمی ہوئی تھی۔ ''یہ بہت ظالم لوگ ہیں۔''

''انسان ظالم ہو مظلوم اسے مرنا ایک گولی سے ہوتا ہے۔ اس لیے تم گولی چلانے کے لیے تیار رہو۔'' میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے کھولنے سے پہلے سن گن لی۔ پھر این کو سامنے سے ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی ایک طرف ہو کر دروازہ کھول دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ سامنے یا دائیں بائیں کوئی نہ کوئی مورچہ بند ہو گا۔ مگر فائر نہیں ہوا۔ میں نے چادر اٹھا کر اس کا اگلا حصہ کچھ ایسا بنایا جیسے کسی نے سر پر چادر لے رکھی ہو اور اسے دروازے سے ذرا سا باہر کیا۔ فوراً ہی ایک فائر ہوا اور چادر میں سوراخ ہو گیا۔ میرا اندیشہ درست نکلا تھا باہر میری جان کے دشمن مورچہ بند موجود تھے اور میں سر باہر نکالتا تو یہ سوراخ میرے سر میں ہوتا۔

''یہ کیا؟'' این سہم گئی۔ ''وہ لوگ باہر ہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ میرا ذہن تیزی سے اس صورتِ حال سے نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیونکہ یہاں سے نکلنے کا ایک ہی دروازہ تھا اور دوسرا چھت کا وہ سوراخ جس سے ہم یہاں آئے تھے لیکن اس سے واپس

بھی نہیں جا سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا رانا چندر باز کے آدمی اوپر بھی مورچہ زن ہوں گے۔ ہم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے تھے۔ اچانک رانا چندر باز کی آواز آئی۔

''شہباز ملک تم یہاں سے نکل کر نہیں جا سکتے اس لیے بہتر ہے خود کو میرے حوالے کر دو۔''

میں نے بلند آواز میں جواب دیا۔''رانا شاید اپنے سات آٹھ بندوں کی موت نے تم کو دیوانہ کر دیا ہے۔ میں خود کو تمہارے حوالے کر دوں تا کہ تم مجھے فوراً گولی مار دو۔''

''مجھے کرنا تو یہی چاہیے۔''اس نے جواب دیا۔''لیکن میں ایسا کروں گا نہیں۔''

''کیوں؟''میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔''کیا تم اچانک ہی سچ مچ کے بھکشو بن گئے ہو اور مجھے معاف کر دینے کو تیار ہو گئے ہو؟''

''ایسی بات نہیں ہے...... مجھ جیسے لوگ کبھی شریف نہیں بن سکتے لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔ تمہارے لیے بعض لوگوں نے بھاری رقم کا انعام رکھا ہے اور جو تمہیں ان کے حوالے کرے گا اسے دس لاکھ ڈالرز کا انعام دیا جائے گا۔''

میں حیران رہ گیا۔''دس لاکھ ڈالرز...... تم بکواس کرتے ہو مجھ جیسے معمولی شخص کے لیے بھلا دس لاکھ ڈالرز کون دے گا۔ اور میں تمہاری بات کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ ابھی میں پہلے گرینیڈ حملے اور اس کے بعد تمہارے ایک آدمی کے ہاتھ سے مرتے مرتے بچا ہوں۔ میں کیسے مان لوں کہ تم مجھے بخش دو گے؟''

''گرینیڈ میرے ایک آدمی نے مجھ سے پوچھے بغیر استعمال کیا تھا کیونکہ تم نے جو گرینیڈ مارا تھا اس میں اس کا بھائی مارا گیا ہے۔ پھر وہی تمہیں شوٹ کرنے گیا تھا اور مارا گیا۔ اگر وہ بچ جاتا تو میں خود اسے اس حکم عدولی کی سزا دیتا۔''

کیونکہ ساری بات انگریزی میں ہو رہی تھی اس لیے این بھی کسی حد تک سمجھ رہی تھی۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔''کیا یہ سچ کہہ رہا ہے...... تم پر اتنا بڑا انعام ہے تم میں ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''یہ بکواس کرتا ہے مجھے گھیر کر سامنے لانا چاہتا ہے تا کہ آرام سے مار سکے۔''

''پھر بھی اس نے ایسی بات کیوں کی؟''اس نے اصرار کیا۔

''بابا یہ وقت ان باتوں میں الجھنے کا نہیں ہے۔''میں جھنجھلا گیا۔''مجھے یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچنے دو تمہارے ذہن میں کچھ آ رہا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''مجھے ایسی باتوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے میں کوئی رائے نہیں دے سکتی۔''

خود میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ ہم اس صورتِ حال سے کیسے بچ کر نکلیں۔ ہمیں دروازے اور اوپر کے سوراخ دونوں طرف سے ہوشیار رہنا تھا۔ دشمن کسی بھی طرف سے وار کر سکتا تھا۔ میں نے این کو دروازے کی نگرانی کرنے کو کہا اور خود اوپر سوراخ پر نگران ہو گیا۔ میں نے پستول کا رخ بھی اوپر کر رکھا تھا۔ رانا چندر باز کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''شہباز ملک تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا، بے شک میرے چھ ساتھی مارے گئے ہیں لیکن کچھ ہی دیر میں بستی سے مزید لوگ آ جائیں گے اور تم کسی صورت یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔ مقابلہ کرنے کی صورت میں موت تمہارا مقدر بنے گی۔''

''رانا چندر باز مجھے یہاں سے جانے دو میں وعدہ کرتا ہوں اس صورت میں تم اور تمہارے بقیہ ساتھی زندہ رہے گے۔''

اس نے قہقہہ مارا۔ ''اس حال میں بھی تم کو اتنی امید ہے؟''

''ہاں کیونکہ مجھے اپنے پیدا کرنے والے پر بھروسہ ہے اگر میری موت کا وقت نہیں آیا ہے تو تم بستی سے اپنے بدمعاش بلالو یا سارے نیپال سے بدمعاشوں کو جمع کرلو، مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

''تمہاری یہ خوش فہمی کچھ دیر میں دور ہو جائے گی۔'' اس نے کہا۔ ''اگر مجھے تم کو مارنا ہوتا تو میرے پاس گرینیڈز کی کمی نہیں ہے۔''

''مجھے معلوم ہے میں تمہارا اسلحہ خانہ دیکھ چکا ہوں۔ ویسے تم راج سے کیا چاہتے تھے جو تم نے اس پر اتنا غیر انسانی تشدد کیا تھا؟''

''غیر انسانی۔'' وہ ہنسا۔ ''یہ تشدد میں انسانیت کہاں سے آ گئی؟''

''اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ تم لوگوں نے شاید اس پر تفریحاً تشدد کیا ہے۔''

''میرے ایک آدمی کی غلطی سے منشیات کی ایک کھیپ اس کے ہاتھ لگ گئی تھی اور اس نے وہ بیچ دی۔ بعد میں، مَیں نے معلوم کروالیا۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتی ہیں۔ میں نے اس سے ہرجانے کا مطالبہ کیا تو وہ مجھے ٹالنے لگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس سے دب کر بات کر رہا ہوں۔ جب اس نے شرافت سے نہیں مانی تو میں نے اسے اٹھانے کے لیے آدمی بھیج دیئے تھے۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ اصل میں تم ہو۔ ورنہ میرے آدمی تمہیں بھی نہیں چھوڑتے۔''

''فائدہ راج مر گیا تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔''

''جب اس کی لاش کسی سڑک سے ملے گی تو میرے مخالفوں کو احساس ہوگا کہ مجھ سے ٹکرانے کا کیا انجام ہوسکتا ہے۔'' اس نے غرور سے کہا۔ ''اس نے میری دولت ہتھیائی تھی لیکن وہ اسے استعمال کرنے کے لیے زندہ نہیں رہا۔ کتے کی موت مر گیا۔''

رانا چندر باز سے باتیں کرنے کے دوران میرے کان دوسری آوازوں پر بھی مرکوز رہے تھے۔ بتدریج میری سماعت مکمل طور پر بحال ہوگئی تھی لیکن رانا چندر باز کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے آدمی یا خاموش تھے یا ان کی تعداد کم ہوگئی تھی اور وہ دور تھے۔ میں نے سوچا کہ میں اچانک باہر نکل کر حملہ کروں تو ممکن ہے ان کے سنبھلنے سے پہلے ان سب کو مار گراؤں لیکن مجھے اپنا یہ خیال فلمی لگا تھا۔ صرف فلموں میں ایسا ہوتا ہے کہ ہیرو اچانک دھاوا بول دیتا ہے کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے۔ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ گولیاں اس کے آس پاس سے گزر جاتی ہیں۔ مگر میں یہاں بیٹھا بھی تو نہیں رہ سکتا تھا۔ رانا چندر باز کے پاس مجھے یہاں سے نکالنے کے دس طریقے تھے اور میرے پاس یہاں سے نکلنے کا فی الحال ایک بھی طریقہ نہیں تھا۔

''شہباز ملک۔'' کچھ دیر بعد رانا چندر باز نے پھر کہا۔''اب تمہارے پاس صرف دومنٹ کی مہلت ہے۔ میرے ساتھی گیس بم لے آئے ہیں اور اگر تم ہتھیار ڈال کر باہر نہیں آئے تو یہ بم پھینک دیں گے۔''

''تم میرا خاتمہ کرنا چاہتے ہو تو گیس بم کے بجائے گرینیڈ کیوں نہیں پھینک دیتے ہو؟''

''اسی سے اندازہ لگا لو کہ میں تم کو زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔''اب بھی وقت ہے تکلیف اٹھائے بغیر ہتھیار ڈال دو۔''

میں نے چادر سے دو ٹکڑے پھاڑے جو وہاں پڑی تھی اور ایک طرف رکھی بوتل میں موجود پانی سے اسے اچھی طرح تر کر کے میں نے ایک ٹکڑا این کو دیا اور دوسرا خود منہ پر لپیٹ لیا۔ اگرچہ اس سے کچھ خاص فائدہ نہیں تھا۔ اگر وہ آنسو گیس کا بم بھی مارتا تو اس محدود جگہ وہ بہت خطرناک ثابت ہوتا اور ہم اس سے بچ نہیں سکتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی بے ہوش کر دینے والی گیس ہوتی تو اس سے بچت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا اس دوران میں رانا چندر باز نے باہر سے وارننگ دی۔

''ایک منٹ باقی ہے...... اور شاید تم اسے دھمکی سمجھ رہے ہو۔''

''نہیں میں جانتا ہوں جو لوگ گرینیڈ رکھ سکتے ہیں اور ان کے پاس دنیا کا جدید ترین اسلحہ ہو سکتا ہے ان کے لیے گیس بم حاصل کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔'' میں نے اعتراف کیا۔''لیکن میں صرف اس وجہ سے خود کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اگر تم مجھ پر قابو پانا چاہتے ہو تو انتظار مت کرو بم پھینک دو۔''

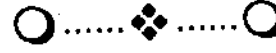
''فکر مت کرو وہ بھی پھینکتا ہوں۔'' اس نے کہا اور میں دروازے کے پاس بالکل تیار ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ جیسے ہی بم اندر گرے گا میں اسے اٹھا کر واپس ارسال کر دوں گا۔ مگر وہ دشمن ہی کیا جو آپ کی توقع کے مطابق کام کرے۔ بم اوپر والے سوراخ سے اندر آیا تھا اور کمرے کے کونے میں گرا۔ اس سے تیزی سے گیس خارج ہو رہی تھی۔ این نے چیخ ماری اور میں اس کی طرف لپکا۔ بم لمبا سا پائپ کی شکل کا تھا۔ میں نے اسے دروازے سے باہر پھینکا تھا کہ اوپر سے دوسرا آ گیا اور اس بار کمرے میں اچھی خاصی گیس ہو گئی تھی۔ یہ آنسو گیس کے شیل تھے اور میری آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی۔ این ایک کونے میں منہ چھپائے کھڑی تھی۔ میں نے اسے ڈانٹا۔

''یہ کیا کر رہی ہو۔ ہوشیار رہو۔''

''ہوشیار رہنے سے کیا ہوگا؟'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم ان لوگوں سے بچنا نہیں چاہتی ہو۔ ابھی کچھ دیر میں تمہیں پتا چل جائے گا کہ تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔'' میں نے چڑ کر کہا اور اس دوران میں تیسرا شیل بھی اندر آ گرا تھا میں نے بیک وقت دونوں اٹھا کر باہر راہداری میں پھینک دیئے تھے۔ اس کے باوجود کمرے میں اتنی گیس آ چکی تھی کہ سانس کے ساتھ اندر جا رہی تھی۔ میرے حلق اور سینے میں بھی جلن ہونے لگی تھی۔ این کا برا حال تھا اور وہ کھانس رہی تھی۔ شاید اس نے کپڑا صحیح سے نہیں لیا تھا اور گیس زیادہ مقدار میں اس کے جسم میں جا چکی تھی۔ وہ زمین پر گر گئی۔ چوتھا شیل آ کر گرا تو مجھے اسے تلاش کرنے اور اٹھانے میں کچھ وقت لگا تھا۔ کمرہ اتنا دھواں دھار ہو گیا تھا کہ کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بھی کھانسنا شروع کر دیا تھا اور مجھے خیال آیا کہ اس سے پہلے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں مجھے باہر نکل کر ایک کوشش کرنی چاہیے۔ میں نے رائفل لی اور فرش پر رینگتا ہوا راہداری میں آیا۔ وہاں زیادہ گیس تھی

کیونکہ چاروں شیل میں نے وہیں پھینک دیئے تھے۔ راہداری میں آ کر میری حالت مزید بری ہوگئی تھی۔ میں رینگتے اور کھانستے ہوئے آگے جا رہا تھا۔ اب وہاں سانس لینے کے لیے سوائے گیس کے کچھ نہیں تھا اور یہ گیس منہ کے راستے جسم میں اتر کر مجھے مفلوج کر رہی تھی۔ اس کے باوجود میں رینگتا رہا پھر میری ہمت جواب دے گئی اور میں وہیں بے ہوش ہوگیا۔ آخری احساس یہ تھا کہ کوئی میری طرف آ رہا ہے۔



جب مجھے ہوش آیا تو میں اس کمرے میں پڑا تھا جہاں میں نے پہلی بار رانا چندر باز کو دیکھا تھا۔ اور میں اسی تخت نما چیز پر پڑا تھا جس پر رانا بیٹھا مے نوشی کر رہا تھا۔ رانا چندر باز سامنے کھڑا تھا اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میرا سر گیس کے اثر سے ابھی بھی چکرا رہا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ دو رانا چندر باز میرے سامنے کھڑے ہیں۔ پھر کسی نے میری ناک تلے امونیا کی شیشی رکھی اور اس کی تیز مہک مجھے تیزی سے ہوش کی دنیا میں لے آئی۔ اب تک میں دراز تھا اور حواس بحال ہوتے ہی اٹھ بیٹھا۔ میں نے رانا چندر باز سے کہا۔

''تو تم نے مجھ پر قابو پا لیا۔ مجھے تعجب ہے تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟''

''میں ایسا ہی کرتا لیکن......'' اس نے تلخی سے کہا اور رک کر ہونٹ کاٹنے لگا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''شوبی بھائی مطلب ہم سمجھاتا ہے۔'' شوبی کی آواز آئی اور میں اچھل پڑا تھا پھر وہ میرے عقب سے نکل کر خود سامنے آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خطرناک شاٹ گن تھی اور تب مجھے پتا چلا کہ میں رانا چندر باز کا قیدی نہیں تھا بلکہ وہ میرا قیدی تھا۔ اس کمرے میں ہم چار افراد تھے۔ چوتھی این تھی جو فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔

''بیٹو تم کہاں تھے؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''ہم ادھر ہی تھا شوبی بھائی دور دور سے آپ کی نگرانی کر رہا تھا۔'' اس نے دانت نکالے۔ ''مگر جب آپ گھاٹی میں غائب ہوا تو ہم پریشان ہو گیا تھا۔''

''تمہارے غائب ہونے کی وجہ؟''

''ایک تو ہم صورت سے ادھر کا لگتا ہے اور آپ نہیں لگتا دوسرے ہم کو ادھر کا زبان آتا ہے۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ آپ سے دور رہ کر کام کرے گا۔ ہم نے اس آدمی کو بھی دیکھ لیا تھا جو اس عورت کے پیچھے پڑا تھا۔ جب آپ غائب ہوا تو ہم اس کے پیچھے لگ گیا۔ ہم کو لگا تھا کہ اس عورت اور آپ کو مندر میں لایا گیا ہے لیکن یہاں بہت سخت پہرہ تھا ہم اندر نہیں جا سکتا تھا۔''

''پھر تم اندر کیسے آئے؟'' میں نے اس سے امونیا کی شیشی لی اور این کے پاس بیٹھ گیا۔ ''کیا بستی والوں کو پتا چل گیا تھا کہ مندر میں کیا ہو رہا ہے؟''

''ہاں مندر سے ایک آدمی آیا تھا لیکن کوئی آواز نہیں آیا تھا۔ وہ اسی آدمی کو لے گیا اور ہم ان کے پیچھے

یہاں آ گیا وہ تو ادھر آ کر پتا چلا کہ آپ نے کیا تباہی پھیلایا ہے۔''

این کی ناک سے چند لمحے کے لیے امونیا کی شیشی لگائی تو اسے بھی ہوش آ گیا تھا لیکن وہ کھانسنے لگی تھی۔ اس نے گیس کی خاصی مقدار جذب کر لی تھی۔ کھانسنے سے اس کے منہ سے کے پیلا مواد نکل رہا تھا میں نے اسے وہیں موجود بوتل سے پانی دیا۔ اسے پی کر اس نے الٹی کر دی۔ الٹی میں بھی ایسا ہی مواد نکلا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ ''ہم کہاں ہیں؟''

''تم فکر مت کرو اب ہم محفوظ ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

الٹی کرنے کے بعد اس کی حالت بہتر ہو گئی اور وہ خود سے اٹھ کر تخت پر لیٹ گئی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''اس کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟''

بیتو نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ ''سب مارے گئے۔''

''سب؟'' میں نے حیرت سے کہا

''ہاں بس یہی بچا تھا یا وہ جسے اس نے مدد کے لیے بستی بھیجا تھا لیکن اس کا بدقسمتی کہ وہاں اس کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا سوائے اس منحوس صورت والے کے۔ ان دونوں کو میں نے لٹا دیا۔''

''یعنی مار دیا۔''

''نہیں شوبی بھائی سلا دیا۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''تھوڑا سر سہلا دیا تھا ان کا۔''

اب میں رانا چندر باز کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم نے گیس بم کیسے استعمال کیے جب تم اکیلے تھے۔''

''ان حرامیوں نے کیے تھے جو بستی سے آئے تھے۔'' اس نے جلے بھنے انداز میں کہا۔ ''مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کسی کو پیچھے لگا لائے ہیں۔''

میں ہنس دیا۔ ''رانا جی جب کسی کی شامت آتی ہے تو ایسے ہی آتی ہے۔''

اس کا غصے سے برا حال تھا۔ ''تم لوگوں نے مجھے تباہ کر دیا۔''

''ہم نے نہیں تمہارے اعمال نے۔''

وہ بھڑک گیا۔ ''تم ایک ٹھکانے کو تباہ کر کے کیا سمجھتے ہو کہ رانا ختم ہو گیا نہیں ابھی رانا کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے۔''

''مجھے جاننے میں دلچسپی بھی نہیں ہے ہم جس آدمی کے لیے تمہارے پاس آئے تھے اسے تم نے مار دیا ہے۔''

بیتو اچھل پڑا۔ ''اس نے راج کو مار دیا؟ ہم نے کہا تھا نا......''

میں نے بیتو کی بات کاٹی۔ ''اس نے اسے بے پناہ اذیتیں دے کر ایک جگہ ڈال دیا تھا میں نے اسے زندہ دیکھا تھا لیکن بعد میں وہ مر گیا۔''

''رانا کا دشمن زیادہ دیر زندہ نہیں رہتا۔'' اس نے غرور سے کہا۔

بیتو نے مشتعل ہو کر رانا کے پہلے سے زخمی سر پر مکا مارا اور وہ کراہ کر نیچے گر گیا بیتو گرج کر بولا۔ ''کتے کا اولاد ابھی تم کو گولی مارے تو تم بھی مر جائے گا۔''

''اس سے الجھنا بے کار ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے بیتو سے کہا۔ مجھے خیال آ رہا تھا کہ اب کھٹمنڈو جانا خطرناک تھا کیونکہ ہم رانا کے طاقتور گروہ کو اپنا دشمن بنا چکے تھے اور اب میری آمد کا شہرہ نیپال میں بھی عام تھا اس لیے حکومت کے ادارے بھی میری تلاش میں ہو سکتے تھے لیکن اب سوال یہ تھا کہ ہم کہاں کا رخ کریں۔ نیپال کی سرحد پاکستان سے نہیں لگتی ہے بلکہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی چھ سات سو کلومیٹرز کا فاصلہ ہے اور یہ سارا فاصلہ ہمالیہ کے فلک بوس پہاڑوں اور دشوار گزار دروں سے گزرتا ہے۔ نیپال کے ایک طرف انڈیا ہے اور دوسری طرف چین ہے مگر چین اور نیپال میں دشوار ترین پہاڑ حائل ہیں اور صرف بھارت کی طرف سے راستے کھلے ہیں۔ جس کا بھارت پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس چھوٹے سے اور کمزور ملک پر اپنی دھونس جماتا ہے۔

نیپال ایک لمبا اور پتلا سا ملک ہے اور اس کی چوڑائی کہیں سے بھی ڈیڑھ سو کلومیٹرز سے زیادہ نہیں ہے جب کہ اس کی لمبائی کوئی آٹھ سو کلومیٹرز ہے۔ بھارت کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف چین تھا لیکن وہاں جانا ہی کسی جوکھم سے کم نہیں تھا۔ چین کے ساتھ طویل سرحد پر آمد و رفت کے لیے بس چند درے ہیں۔ یہ درے بھی سال کے چند مہینے ہی کارآمد رہتے ہیں اور برف باری شروع ہوتے ہی ان میں آمد و رفت بند ہو جاتی ہے۔ یہ سارا علاقہ اتنا دشوار گزار ہے کہ یہاں آج تک کوئی مستقل سڑک نہیں بن سکی ہے۔ مسلسل لینڈ سلائیڈنگ اور زلزلے ایسی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ صرف ایک سڑک ہے اور وہ شاہراہ قراقرم ہے جو چین اور پاکستان کو ملاتی ہے لیکن یہ بھی اتنی نازک ہے کہ معمولی سی لینڈ سلائیڈنگ اسے دنوں کے لیے بند کر دیتی ہے اور موسم سرما میں تو یہ بار بار بند ہوتی ہے۔ یہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر درہ خنجراب سے گزرتی ہے اور یہاں درجہ حرارت سارے سال نکتہ انجماد کے پاس ہی رہتا ہے۔

مجھے کئی بار خیال آیا تھا کہ مجھے اور بیتو کو چین کی طرف جانا چاہیے لیکن میں اس مصیبت سے نکلنے کے لیے چین کی طرف جانے کا فیصلہ کرتا تو یہ مرحلہ بھی جان جوکھم سے کم نہیں تھا۔ برف باری یقینی تھی اور راستے میں آفتیں اور مشکلات ہمارا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔ چین کا میرے ذہن میں اس وجہ سے بھی آ رہا تھا کہ چین پاکستان کا ایسا دوست ملک ہے جس نے پاکستان کے مفاد کا خیال اس کے بعض حکمرانوں سے بڑھ کر رکھا ہے۔ وہاں میرے ساتھ کم سے کم بھارت والا سلوک ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف بھارت اور چین کی دشمنی بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ میں نے بھارت میں جو کارنامے انجام دیئے تھے اس بات کا پورا امکان تھا کہ چین کے حکام کو ان کا علم ہو اور وہ میری مجبوری کو تسلیم کر لیں۔ ممکن مجھے چین کے پاکستانی سفارت خانے سے نیا پاسپورٹ مل جاتا اور میں بھی دبئی نکل جاتا۔ اگر چہ یہ مفروضات تھے ممکن ہے چینی حکام کا رویہ بھی سخت ہو جاتا لیکن دوسری طرف مجھے یقینی مشکل کا سامنا تھا میں بھارتی یا نیپالی حکومت کے ہاتھ آ جاتا تو اس کے بعد میری گلو خلاصی ناممکن تھی۔ تمام امکانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے چین کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رانا چندر باز اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور غور سے میری طرف دیکھ کر اپنے ممکنہ انجام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تم سے کوئی سروکار نہیں رکھوں گا اور نہ تمہارے پیچھے آؤں گا۔''

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کچھ دیر پہلے میں نے یہی پیشکش تمہیں کی تھی اور تم نے اسے مسترد کر دیا تھا اور تم نے کیا مجھے احمق سمجھ رکھا ہے جو میں تم جیسے شخص کے الفاظ پر اعتبار کروں گا۔''

''تم جیسی کہو میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے ذہن میں اس سے بہتر گارنٹی ہے۔''

''کیسی گارنٹی؟''

''میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا تو تمہارا کوئی آدمی ہمارا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔''

''کہاں لے جاؤ گے؟'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''یہ تو جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو پتا چل جائے گا لیکن یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی طاقتور اور پہاڑی راستوں پر چلنے والی فور وہیل ڈرائیو ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایک جیپ ہے لیکن وہ نیچے بستی میں ہے۔ وہاں تک جانا ہوگا۔''

''ہم چلیں گے...... اور اس خیال میں مت رہنا کہ تمہارے آدمیوں کی کسی حماقت کے بعد زندہ رہنے والوں میں تم بھی شامل ہو گے اس لیے ان کو سمجھا دینا دور رہیں اور کوئی غلط حرکت نہ کریں۔''

''تمہیں کوئی نہیں روکے گا لیکن مجھے لے جانے کی صورت میں وہ لازمی تمہارا پیچھا کریں۔''

''میرا خیال اس کے برعکس ہے۔'' میں سکون سے کہا۔

بیتو ایک طرف مستعد کھڑا تھا میرا اسلحہ بھی اس کے پاس تھا اور ساتھ ہی اس نے میری رقم والی بیلٹ بھی سنبھال لی تھی یہ شاید ان لوگوں میں سے کسی نے کھول دی تھی۔ جنہوں نے مجھے وہاں سے اٹھایا تھا۔ بیتو نے مجھے بعد میں جو بتایا اس کے مطابق وہ ان دونوں افراد کا تعاقب کرتا مندر کے اندر پہنچنے میں کامیاب رہا تھا کیونکہ اس وقت نگرانی پر کوئی نہیں تھا لیکن اندر آنے کے بعد وہ راستہ بھٹک گیا اور اسے مجھ تک پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی تھی اس دوران میں رانا چندر باز نے ان دونوں کی مدد سے گیس بم پھینک کر مجھے قابو کر لیا تھا۔ جس وقت رانا کے گرگے مجھے اور این کو قابو کر کے یہاں لائے تو بیتو نے ان کو قابو کر لیا اور اس کے بعد اس نے رانا چندر باز کو گن پوائنٹ پر رکھ لیا تھا۔ وہ اکیلا اور نہتا تھا اس لیے بیتو کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔ بیتو نے اس سے امونیا کی بوتل حاصل کی تھی اور ہمیں ہوش میں لانے میں کامیاب رہا تھا۔ میں نے بے ساختہ اس کی پیٹھ تھپکی۔

''شاباش...... اس کارنامے کے صلے میں تمہارے غائب ہونے کا قصور بھی معاف کیا جاتا ہے۔''

بیتو خوش ہو گیا۔ ''سچ شوبی بھائی ہم ڈر رہا تھا پہلی بار آپ سے مار کھائے گا۔''

''وہ بھی کھاؤ گے اگر تمہاری حرکتیں اسی طرح جاری رہیں۔'' میں نے اسے یقین دلایا پھر پوچھا۔ ''ایک بات بتاؤ مندر سے جو آدمی گیا تھا اس نے صرف اسی منحوس صورت سے بات کی تھی جسے لے کر وہ مندر میں آیا تھا؟''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''مجھے یقین ہے اس نے صرف اسی سے بات کی تھی۔''

''تب کسی اور کو علم نہیں ہے کہ مندر میں کیا ہوا ہے۔'' میں اطمینان محسوس کیا۔ ''اس کا مطلب ہے ہم یہاں کچھ دیر گزار سکتے ہیں۔''

''آپ کا حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اور ابھی رات بھی ہے ہم صبح کے وقت نکلے تو ٹھیک رہے گا۔''

میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہم رانا چندر باز کو مندر میں اس کے رہائشی حصے میں لائے اور اس کے ذاتی کمرے کی سجاوٹ اور وہاں موجود عیش و عشرت کے مناظر سے بھرپور تصاویر دیکھ کر میں اور بیتو دنگ رہ گئے تھے اور این باوجود اپنے کردار کے شرما گئی تھی۔ مجھے اس کمرے سے الجھن ہو رہی تھی اس لیے ہم دوسرے نشست گاہ والے کمرے میں آ گئے۔ وہاں کھانے پینے سے لے کر علاج تک تمام سہولتیں موجود تھیں۔ ہم نے رانا چندر باز کو باندھ کر قالین پر ڈال دیا اور پھر بیتو نے سب سے پہلے میری مرہم پٹی کی میرے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔ اور کپڑوں والا بیگ خیمے میں تھا۔ اس کے بعد ہم نے پیٹ بھرا وہاں بہت کچھ تھا لیکن میں نے احتیاطاً صرف پھل اور ڈبل روٹی لی تھی۔ این نے مرہم پٹی کے بعد کافی بنائی تھی۔ وہاں بے شمار اقسام کی شرابیں بھی تھیں این نے ایک قیمتی شراب کی بوتل کھول لی تھی۔ رانا قالین پر پڑا بیک وقت این اور بوتل کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے خیال آیا کہ اس جگہ کی تلاشی لینی چاہیے۔ کھا پی کر میں رانا چندر باز کے بیڈ روم میں آیا۔ وہاں ایک الماری تھی اور میری توجہ کا مرکز وہی تھی۔ الماری لاک تھی لیکن اس کا پٹ عام لکڑی کا تھا۔ میں نے چاقو کی مدد سے لاک توڑ دیا۔ اندر وہی سب تھا جو جرائم پیشہ افراد کے پاس ہوتا ہے۔ بے شمار اقسام کی کرنسی اور سونے کی بڑی مقدار بھی تھی۔ سونا بین الاقوامی کرنسی ہے اور غیر قانونی کام کرنے والے عام طور سے اسے استعمال کرتے ہیں۔ رانا چندر باز بھی ایسا ہی کرتا ہوگا۔ میں الماری کا معائنہ کر رہا تھا کہ این وہاں آ گئی۔ اتنی بڑی مقدار میں کرنسی اور سونا دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ حالانکہ مشیل کے مطابق وہ جرمنی کے ایک ارب پتی کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کے نزدیک اس دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن دوسری طرف وہ بیس ڈالرز کے عوض کسی کی ہونے کو تیار ہو جاتی تھی۔ شاید اسی وجہ سے وہ حیران ہوئی تھی۔

''اتنی دولت......'' اس نے سحر زدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں یہ ایک بڑی دولت ہے۔'' میں نے اتفاق کیا

اس نے للچائی نظروں سے اس دولت کو دیکھا۔ ''کیا میں اس میں سے کچھ لے سکتی ہوں؟''

اس کا خیال تھا کہ میں اس دولت کو ہتھیانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور وہ مجھ سے اپنا حصہ مانگ رہی تھی۔ جب کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں تم چاہو تو ساری دولت لے سکتی ہو۔''

اس نے نا قابلِ یقین نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے میں یہ ساری کرنسی اور سونا لے سکتی ہوں؟''

''بالکل۔''

''تو کیا تم اس میں سے کچھ نہیں لو گے؟''

''نہیں۔'' میں نے اس بار بھی مختصراً جواب دیا۔

''مگر......''

میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے یہ لینا ہے تو لے لو ورنہ جو دل

چاہے کرو اور ہاں یہاں سے نکلنے کے بعد ہمارے راستے جدا ہوں گے۔"

یہ سن کر وہ سہم گئی۔ "نہیں یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔"

"تم پولیس کے پاس چلی جاؤ اور جرمن سفارت خانے کو اطلاع کر دو وہ تمہیں ان لوگوں سے بچا لیں گے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" وہ خوش ہو گئی۔

"تمہارا اسپینش ساتھی مشیل بتا رہا تھا کہ تم ایک ارب پتی جرمن صنعت کار کی اکلوتی بیٹی ہو؟"

اس نے سر ہلایا۔ "یہ درست ہے تم مشیل سے ملے تھے؟"

"اسی نے تو تمہیں دو کلوگرام ہیروئن کے بدلے رانا چندر باز کو فروخت کیا تھا۔"

وہ حیران ہوئی۔ "مشیل نے...... لیکن وہ تو مجھ سے ہمدردی رکھتا ہے۔"

"معاف کرنا تم لوگوں میں اس قسم کے جذبات نہیں پائے جاتے ہیں۔"

اس نے میری بات پر غور کیا۔ "تم لوگوں نے۔" پھر وہ چونکی۔ "مجھے یاد آیا رانا تمہیں کسی اور نام سے پکار رہا تھا۔ شاید شاباش کے نام سے۔"

"شہباز۔" میں تصحیح کی۔ "اور میں یورپی نہیں ہوں سب کونٹینینٹ کا رہنے والا ہوں۔"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "مجھے پہلے ہی شک تھا۔"

"لیکن اس بات کو اپنے تک محدود رکھنا بلکہ کوشش کرنا کہ مندر کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤ ورنہ تم بھی ایک لمبی انکوائری کے چکر میں پھنس سکتی ہو یہاں سے نکل کر سیدھا سفارت خانے جانا وہ لوگ تمہاری روانگی کا بندوبست کر دیں گے۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔" اس نے سر ہلایا۔ اور وہاں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگی جس میں یہ سارا سونا اور کرنسی آ سکے۔ بالآخر اسے ایک بڑا بیگ مل گیا اور اس نے ساری کرنسی اور سونا اس میں بھر لیا۔ ان سب چیزوں کا وزن کسی طرح دس کلوگرام سے کم نہیں تھا۔ مگر اسے شاید وزن محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔ رانا کے ان کمروں میں اور کچھ خاص نہیں تھا اس کے کپڑے مجھے نہیں آ سکتے تھے اس لیے میں واپس نشست گاہ میں آ گیا۔ بیتو بھی پیٹ پوجا سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے ڈکار لے کر اعلان کیا۔

"اب ہم چوبیس گھنٹے تک کھائے پیے بغیر بھی رہ سکتا ہے۔"

رات کے تین بج رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے کیونکہ یہاں سے نکلنے کے بعد نہ جانے کہاں جا کر آرام نصیب ہو۔ میں ایک کوچ پر لیٹ گیا تھا۔ این بھی بوتل نصف ختم کر کے ایک طرف بیٹھ کر اونگھنے لگی تھی اس نے بیگ ساتھ رکھا تھا۔ بیگ دیکھ کر رانا چندر باز کی آنکھوں میں شک آیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ فی الحال اس نے صبر کر لیا تھا اور خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں لیٹتے ہی سو گیا تھا اور بیتو نے مجھے سونے دیا۔ اس نے پانچ کے بجائے مجھے چھ بجے اٹھایا اور میرے بیدار ہوتے ہی بھاپ اڑاتا کافی کا مگ میرے سامنے کر دیا۔

"شوبی بھائی اٹھ جاؤ اب جانا ہے۔"

''جیو میری جان۔''میں نے مگ لیا اور اس سے رانا کا پوچھا۔''وہ کیا کر رہا ہے؟''

''ادھر لیٹا ہے ایک بار شور کیا تھا ہم نے چپ کرا دیا۔''

میں سوچنے لگا کہ اب ہمیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ مجھے بستی سے رانا چندر باز کی جیپ لے جانا خطرے سے خالی نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے بیتو سے بات کی تو اس نے کہا۔''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ادھر گوروں کی بستی میں مقامی ٹھیکیدار کے پاس کئی گاڑیاں ہیں ڈرائیور بھی ساتھ دیتا ہے۔ ہم وہاں سے کرائے پر لے لے گا۔''

''ڈرائیور کے ساتھ۔''میں نے تشویش سے کہا۔''لیکن اس صورت میں رانا چندر باز کو لے جانا مشکل ہو گا۔''

''نہیں ہو گا...... ڈرائیور بھی ہمارے سامنے رانا کی طرح بے بس ہو گا۔''بیتو نے فوری حل پیش کر دیا۔ اس کا دماغ بھی چلنے لگا تھا۔

''اس صورت میں ہمیں سامنے کے بجائے خفیہ راستے سے جانا ہوگا تاکہ بستی میں کسی کو پتا نہ چلے۔''

بیتو کو تجسس تھا کہ خفیہ راستہ کہاں ہے؟ رانا چندر باز کو این کی نگرانی میں چھوڑ کر میں بیتو کو خفیہ راستہ دکھانے لے گیا اور پھر ہم نے اسلحے والے کمرے سے اپنے اسلحے کے لیے فاضل ایمونیشن حاصل کیا گرینیڈ بہت کارآمد ثابت ہوئے تھے میں نے ان میں سے نصف درجن گرینیڈ مزید اٹھا لیے تھے۔ باقی اسلحے کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ بیتو نے کہا۔''ہمیں جانے سے پہلے یہ سب تباہ کر دینا چاہیے۔''

''وہ کیسے؟''

نیتو کو اس دوران میں یہاں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے جلانے والی لکڑیاں اور ایک کین مٹی کا تیل حاصل کیا اور پہلے لکڑیاں اسلحے والے کمرے میں رکھ کر گرینیڈ ان کے آس پاس رکھ دیئے تھے پھر اس نے لکڑیوں کو مٹی کے تیل سے تر کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ فی الحال نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اسے اس کا کام کرتے چھوڑ کر میں واپس رانا چندر باز کے پاس آیا۔ میں نے اس کے پاؤں کھول دیئے تھے۔ اس نے پہلی بار زبان کھولی۔

''سنو مجھے یہیں چھوڑ دو میں وعدہ......''

''رانا اس کی ایک ہی صورت ہے میں تمہیں زندہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''میں پستول نکال کر اس کے سینے کی طرف رخ کیا۔''اب بولو تو تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں؟''

اس نے شکست خوردہ انداز میں انکار کیا۔''ٹھیک ہے لیکن یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو تم پچھتاؤ گے۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہو گا۔''میں نے کہا۔

''اللہ۔''وہ چونکا۔''کیا تم مسلمان ہو؟''

''ہاں میں مسلمان ہوں۔''

''کیا تمہارا تعلق کسی دہشت گرد......''

میں نے اس بار پستول کی نال اس کے منہ میں رکھ دی۔''میرا کسی دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے

سمجھ گئے۔"

وہ ڈر گیا تھا کہ ابھی گولی چل گئی تو اس کا بھیجا اُڑ جائے گا۔ اس نے جلدی سے سر ہلا کر مجھ سے اتفاق کیا۔ عام طور سے میں سیاست پر غور نہیں کرتا ہوں لیکن اس وقت مجھے شدت سے غصہ آ گیا تھا۔ ساری دنیا نے مل کر مسلمانوں کا ایک امیج بنا لیا تھا کہ اگر وہ اچھا مسلمان ہے تو اس کا تعلق لازمی طور پر کسی نہ کسی دہشت گرد تنظیم سے ہوگا یا وہ اس کا نظریاتی ہمدرد ہوگا۔ میں نے چند گہری سانسیں لے کر خود پر قابو پایا۔

"تم نے راستے میں کوئی غلط حرکت نہیں کرنی ہے ورنہ فوری مارے جاؤ گے۔"

"میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔" اس نے مجھے یقین دلایا۔

"این چلنے کی تیاری کرو۔" میں نے این سے کہا۔ "ہم تمہیں خیمہ بستی میں چھوڑ دیں گے۔"

وہ اپنے بیگ سمیت بالکل تیار تھی۔ میں ان دونوں کو لے کر خفیہ راستے کی طرف آیا تو راستے میں میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ بیتو نے ایک لمبی رسی لے کر اور اسے تیل میں تر کر کے خفیہ راستے تک بچھایا تھا۔ اب اسے آگ دکھائی جاتی تو دس سے پندرہ منٹ میں اسلحہ خانے میں موجود گرینیڈ پھٹ سکتے تھے۔ گرینیڈ اتنے تھے کہ یہ پورا مندر ہی تباہ ہو جاتا۔ مگر میں نے بیتو کو منع کر دیا۔ "بیتو اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "مگر کیوں شوبی بھائی؟"

"ایک تو دھما کہ پولیس اور دوسری سیکورٹی ایجنسیوں کو اس طرف متوجہ کر دے گا اور دوسرے یہ ایک مندر بھی ہے۔"

"پر شوبی یہ مجرموں کا اڈہ ہے۔" بیتو نے بے چینی سے کہا۔ وہ واضح طور پر اس جگہ کو تباہ کرنے کے لیے بے تاب تھا۔

"بے شک لیکن اس کی شہرت ایک عبادت گاہ کی سی ہے اور کسی عبادت گاہ کو میں تباہ نہیں کر سکتا۔"

شوبی نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "جیسا آپ کا مرضی شوبی بھائی۔"

میں اور بیتو اردو میں بات کر رہے تھے اس لیے رانا چندر باز اور این نہیں سمجھ سکے تھے۔ البتہ رانا تیل میں بھیگی رسی دیکھ کر کسی قدر سمجھ گیا تھا۔ اس کا رنگ بدل گیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا۔ "کیا تم میری جگہ کو تباہ کرنے جا رہے ہو؟"

"اگر تمہاری جگہ ہوتی تو میں یقیناً ایسا ہی کرتا مگر تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہ جگہ ایک مندر ہے۔"

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "اگر مندر ہے تو تمہیں کیا؟"

"مسلمان کسی عبادت گاہ کو تباہ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیں سختی سے اس کام سے منع کیا گیا ہے۔"

وہ شاید کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن میرے پاس اس سے بحث کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اسے خفیہ راستے کی طرف دھکیلا۔ بیتو نے دروازہ کھولا۔ اس جگہ کے پہریدار کو میں نے بے ہوش کر دیا تھا لیکن لازمی بات ہے وہ بعد میں ان لوگوں کو مل گیا ہوگا۔ ہمارے پاس ٹارچز تھیں۔ سب سے آگے این تھی۔ اس کے بعد بیتو اور پھر رانا چندر باز تھا۔ سب سے آخر میں، مَیں تھا۔ ہم احتیاط سے سیڑھیاں اترنے لگے تھے۔ دو ٹارچز کی مدد سے راستہ پہلے کے مقابلے میں صاف نظر آ رہا تھا۔ دس منٹ بعد ہم نیچے تھے۔ اونچی ڈھلان سے چھلانگ لگا کر اترنا پڑا!

تھا۔
خیمہ بستی پر سناٹا چھا گیا تھا اور وہاں جلنے والے الاؤ بھی بجھ چکے تھے۔ ساری رات منشیات اور شراب کا زہر اپنے اندر اتارنے والے اس زہر سے نڈھال ہو کر کہیں اندر خیموں میں جا چکے تھے۔ ہم اوپر کی طرف آنے لگے۔ رانا چندر باز نے ایک بار پھر کوشش کی۔ ”دیکھو تم مجھے چھوڑ دو ورنہ کسی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔“
”تم فکر مت کرو ہمیں مشکلوں میں پڑنے کی عادت ہے۔“ میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ”میرا تمہیں مارنے کا ارادہ نہیں ہے لیکن تم خود مرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا۔“
ہم خیمہ بستی میں داخل ہوئے۔ حسبِ توقع وہاں بالکل سناٹا اور تاریکی تھی۔ ہم اپنے خیمے تک آئے۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا سامان غائب ہوگا لیکن اپنے بیگ وہاں دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی تھی حتیٰ کہ میں جو فاضل اسلحہ چھوڑ گیا تھا وہ بھی بیگ میں موجود تھا۔ بیتو نے اندر آتے ہی رانا چندر باز کے پاؤں تو باندھے تھے ساتھ ہی ٹیپ لگا کر اس کا منہ بھی بند کر دیا۔ میں نے سب سے پہلے دوسرے کپڑے نکال کر پہنے۔ کیونکہ گرینیڈ دھماکے میں کپڑے خراب ہو گئے تھے۔ جیکٹ میرے پاس یہی تھی اس لیے مجبوری تھی سردی کی وجہ سے اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ این کا چھوٹا سا بیگ بھی وہیں تھا اور اس نے بلا تکلف ہمارے سامنے ہی کپڑے بدل لیے۔ میں اور بیتو جھینپ گئے تھے اور دوسری طرف دیکھنے لگے تھے جب کہ رانا چندر باز کی آنکھوں میں حسرت آ گئی تھی۔
بیتو نے میری طرف دیکھا۔ ”اب کیا کرنا ہے؟“
”اس سے پہلے کہ اس کے آدمیوں کو پتا چلے کہ مندر میں کیا ہو چکا ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“
بیتو نے سر ہلایا۔ ”میں دیکھتا ہوں کوئی گاڑی مل جائے۔“
بیتو کے جانے کے بعد میں نے این سے کہا۔ ”میں تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ اور تم بھی آج ہی چلی جانا۔“
”تم مجھے ساتھ لے کر نہیں چلو گے؟“
”نہیں کیونکہ ہمیں کھٹمنڈو کی طرف نہیں جانا ہے۔ اس لیے اس جگہ سے ہمارے راستے الگ ہیں۔“
وہ الگ ہونے کا سوچ کر کچھ جذباتی ہو رہی تھی حالانکہ گورے ان تکلفات میں نہیں پڑتے ہیں۔ وہ برسوں کا ساتھ صرف ایک گڈ بائی میں نمٹا کر چل پڑتے ہیں۔ این اچانک میرے گلے لگ گئی اور اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ”میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے جلدی سے اسے الگ کیا۔ ”تم کہاں جاؤ گی؟“
اگرچہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کہاں جاتی ہے لیکن میں نے وقت گزاری کے لیے اس سے پوچھ لیا مناسب سمجھا۔ ”میرا ارادہ امریکہ جانے کا ہے۔“
”ان چیزوں کے ساتھ؟“ میں نے بیگ کی طرف دیکھا۔ ”کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ؟“
وہ مسکرائی۔ ”تم فکر مت کرو میں جانتی ہوں کہ مجھے ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ میں سب یہیں ڈالرز میں تبدیل کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔“
اس بار رانا نے نام سے آواز نکال کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ غالباً وہ اپنی 'محنت' کی کمائی یوں لٹتے دیکھ

تڑپ اٹھا تھا۔ میں نے اس کی غوں غاں کی طرف توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''تم اپنے باپ کے پاس کیوں نہیں چلی جاتی ہو؟''

اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ''مجھے اس سے نفرت ہے۔ وہ ایک ظالم شخص ہے جو میری ماں کو ساری عمر خون کے آنسو رلاتا رہا اور پھر اسے مار دیا یہ قتل اس نے بہت چالاکی سے کیا تھا۔''

میں حیران ہوا تھا۔ ''تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو مار دیا تھا۔''

''ہاں یہ قتل میرے سامنے ہوا تھا اس نے گھر کی بالکونی سے ماں کو نیچے گرا دیا۔ وہ نشے میں تھی اور اسی وجہ سے پولیس نے اسے حادثہ قرار دیا تھا۔''

''تم نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی؟''

''میرا دماغ یہ منظر دیکھ کر خراب ہو گیا تھا اور مجھے ایک نفسیاتی کلینک میں داخل کرانا پڑا تھا۔ میرے باپ نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا اور مجھے پاگل مشہور کر دیا۔ جب میں نے پولیس کو بتایا تو اس نے یقین نہیں کیا۔ میرا باپ زبردستی میرا نفسیاتی علاج کراتا رہا اور اس نے مجھے سچ مچ پاگل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اسی لیے تو میں گھر سے بھاگ نکلی۔''

''یعنی تمہارا باپ ایک خودغرض شخص ہے۔'' میں نے تبصرہ کیا۔ ''اور تم اس کی بالکل ٹھیک بیٹی ہو۔''

وہ چونکی۔ ''کیا مطلب؟''

''اگر ایسا باپ ہمارے ہاں ہو تو بھی اولاد سر جھکا کر اس کے مظالم سہتی ہے۔ یہ سب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو تم کر رہی ہو۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہ ہماری تہذیب کا ایک حصہ ہے۔''

''اسی لیے تم نے امریکہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہ تمہارا باپ تم کو پھر پاگل خانے میں بند کرا دے گا۔''

''وہ ایسا ہی کرے گا۔ ابھی بھی وہ مجھے ایک نفسیاتی مریضہ کی حیثیت سے ہی تلاش کروا رہا ہے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''میں اس سے جتنا دور رہوں گی اتنا ہی محفوظ رہوں گی۔''

''میری اچھی تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا اور اسے بیس ڈالرز دیئے۔ ''یہ تمہارا آج کا معاوضہ۔''

وہ ہنسی۔ ''مذاق کر رہے ہو اب میرے پاس رقم کی کمی نہیں ہے۔''

''رکھ لو اور اس قسم کی دولت پر بھروسہ مت کرنا۔ یہ جس طرح اچانک آتی ہے اسی طرح اچانک چلی بھی جاتی ہے۔''

وہ سوچتی رہی پھر اس نے بیس ڈالرز لے لیے۔ ''مجھے ضرورت نہیں ہے لیکن تمہاری نشانی کے طور پر رکھ لیتی ہوں۔''

ہم بالکل تیار تھے۔ بیس منٹ بعد باہر کسی بھاری گاڑی کی آواز آئی اور فوراً ہی بیتو اندر آیا۔ ''تیار ہے سب؟''

''صرف مجھے اور رانا کو جانا ہے۔'' میں نے کہا اور این کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ یہیں رہے گی۔''
بیتو نے رانا کے ہاتھ پیر کھولے اور اس کے منہ سے ٹیپ ہٹایا اور پھر اس کے پہلو سے پستول لگا دیا۔
''چپ چاپ چلے گا اگر بولا تو یہ بھی بولے گا۔''
رانا شرافت سے اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میں نے این کے گلے لگنے سے پہلے اس سے ہاتھ ملا لیا۔
''او کے پھر ملیں گے اگر خدا نے ملایا۔''
وہ ہنسی۔ ''تم لوگ ہر کام میں خدا کو ضرور شامل کرتے ہو۔''
میں طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''ابھی ہم مغرب جتنے طاقتور نہیں ہوئے ہیں اس لیے ہمیں خدا کی ضرورت ہے۔''
''میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' این نے کہا اور میرے ساتھ باہر آئی تھی۔ میں نے دونوں بیگز لے کر آیا تھا۔ بیتو ایک بڑی جیپ کی عقبی نشست پر رانا سمیت اس طرح بیٹھا تھا کہ رانا نے تقریباً رکوع کرنے والے انداز میں سر جھکا رکھا تھا۔ میں نے دونوں بیگز جیپ کے سب سے پچھلے حصے میں رکھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوش رو دبلا اور لمبا سا مقامی نوجوان بیٹھا تھا۔ اس نے جیپ کا انجن اسٹارٹ رکھا تھا۔ میں اس کے برابر میں آ گیا۔ عقب سے بیتو نے کہا۔ ''اس کا نام سالانگ ہے اور یہ گورکھا ہے۔ انگریزی جانتا ہے۔''
''تم نے اسے کہا جانے کو کہا ہے؟''
''ہمیں بھادگاؤں کی طرف جانا ہے۔''
میں چونکا۔ ''بھادگاؤں یہ کون سی جگہ ہے اور ہمیں گاؤں جا کر کیا کرنا ہے؟''
بیتو ہنسا۔ ''یہ گاؤں نہیں ہے درہ ہے ادھر سے چین کو راستہ جاتا ہے۔ ہم نے اس دوران بہت کچھ معلوم کیا ہے۔''
مجھے تعجب ہوا تھا کہ بیتو کو کیسے علم ہوا کہ میں نے چین کی طرف جانے کا سوچا تھا لیکن فی الحال اس موضوع کو میں نے یہیں رہنے دیا۔ میں ڈرائیور کی طرف متوجہ ہوا تو وہ مسکرایا تھا۔ ''دوست تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''
''شمال کی طرف ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں جیپ چلا کر کماتا ہوں۔''
''بھادگاؤں کی طرف جانے والے راستے سے واقف ہو؟''
اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ابھی اس طرف نہیں جا سکتے ہیں کیونکہ راستے میں کئی جگہ لینڈ سلائیڈنگ ہوئی ہے راستے بند ہیں۔''
اس موسم میں یہ معمول کی بات تھی لیکن ہم نے جانا تھا۔ اس لیے میں نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں جہاں تک ممکن ہوا ہم جیپ پر جائیں گے۔''
اس نے ہمارا جائزہ لیا۔ ''صاحب آپ کے پاس ٹھیک لباس نہیں ہے۔ ابھی کچھ دور برف کا علاقہ شروع ہو جائے گا ادھر یہ لباس نہیں چلے گا۔''
''ہمارے پاس تو یہی لباس ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا یہاں کہیں سے مل سکتے ہیں؟''
اس نے سر ہلایا۔ ''مل سکتے ہیں۔ یہاں ایک کوہ پیمائی کا سامان فروخت کرنے والا اسٹور ہے اس کے

پاس کوہ پیماؤں والے خاص لباس ہوتے ہیں۔"

"ہمیں وہی لے چلو۔" میں نے کہا۔ اس دوران میں وہ جیپ باہر سڑک تک لے آیا تھا۔ رانا بالکل شرافت سے بیٹھا تھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ ہم سے الجھنے کا کیا انجام ہوا تھا اس کے سارے ساتھی جو چھٹے ہوئے بد معاش تھے مارے جا چکے تھے اور اس کا اڈہ تباہ ہو گیا تھا۔ بس وہ خود بچا تھا اور عافیت اسی میں سمجھ رہا تھا خود زندہ رہے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ اسے بھی مرنا پڑے۔ بیتو نے اسے سمجھا دیا کہ راستے میں کسی قسم کی گفتگو اس کی صحت کے لیے مضر ہو سکتی تھی اس لیے وہ سختی سے منہ بند کر کے بیٹھے۔ فی الحال وہ ایسا ہی کر رہا تھا۔

ہم جس سڑک پر سفر کر رہے تھے وہ نہایت خستہ حال تھی اور جیسے جیسے آگے جا رہے تھے اس کی خستہ خالی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کچھ بلندی آتے ہی برف کا علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں بہت زیادہ برف پڑی تھی اور سردی میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ بند جیپ میں بھی سردی لگ رہی تھی۔ رانا نے ہمارے مقابلے میں بہت ہلکے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا۔ سالانگ مجھے بتانے لگا۔

"اس بار شمال میں حالات زیادہ خراب ہیں۔ سردیاں وقت سے پہلے شروع ہو گئی تھیں اور اب برف باری اور بارش روز کا معمول ہے۔ راستے بند ہو گئے ہیں۔"

"تم کہاں سے ہو کر آئے ہو؟"

اس نے ایک مشکل سی جگہ کا نام لیا۔ "دو ہفتے پہلے اس طرف گیا تھا۔ اب جا رہا ہوں۔"

"میرے ساتھی نے تمہیں کہاں سے ہائر کیا تھا؟"

"یہیں اسی بستی سے۔" اس نے بتایا۔ "میں ایک امریکی کو یہاں چھوڑنے آیا تھا کہ آپ کے ساتھی نے روک لیا۔"

مجھے تعجب ہوا تھا۔ "تم شمال کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گئے اس موسم میں؟"

وہ سنجیدگی سے بولا۔ "یہ تو میری قسمت ہے سر کیونکہ اس موسم میں کام کہاں ملتا ہے۔"

پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کے لیے سرما صرف موسم کی شدت کے لحاظ سے اذیت ناک نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ان کو معاشی لحاظ سے مفلوج کر دیتا ہے۔ بلندی کے لحاظ سے چار سے چھ مہینے تک کے لیے تمام کاروبار زندگی مفلوج ہو جاتا ہے۔ لوگ گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اشیائے صرف بھی دستیاب نہیں ہوتی ہیں۔ دوائیں اور دوسری ضروری اشیاء نایاب ہو جاتی ہیں کیونکہ آمد و رفت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کوئی مرمت کا کام کرنا ہوتا ہے تو وہ بھی سرما کی آمد سے پہلے کر لیتا ہے۔ اکثر آبادی جاہل اور معاشی لحاظ سے کمزور ہے وہ اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ اپنے مسائل حل کریں دوسری طرف حکومت کو بھی ان کے مسائل حل کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔

ترقی یافتہ ممالک نے اپنے سرما کے مسائل حل کر لیے ہیں۔ یورپ اور شمالی امریکہ کے سرد خطوں میں سرما بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی کوئی دوسرا موسم، راستے کھلے رہتے ہیں اور ضرورت کی تمام چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔ وہاں لوگ سردی کے امراض اور دوسری بیماریوں کا صرف اس لیے شکار نہیں ہوتے کہ ان کو تمام سہولتیں میسر ہیں اور اسپتال تک جانا آسان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس برصغیر کے پسماندہ پہاڑی علاقے جو ساری دنیا

کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں آج بھی ترقی سے کوسوں دور ہیں۔ اس سفر کے دوران میں نے محسوس کیا کہ انڈیا کے شمالی علاقے سب سے بہتر حالت میں ہیں۔

اگرچہ وہاں بھی مقامی آبادی کے لیے کچھ نہیں کیا گیا ہے اور ان کی زمینوں اور خوب صورت مقامات پر انڈیا کے سرمایہ کار قابض ہو رہے ہیں لیکن سیاحت کے نکتہ نظر سے ہوٹلنگ اور آمدورفت کے ذرائع کو بہت ترقی دی گئی ہے۔ پہاڑی سڑکوں کا معیار بہت اچھا ہے۔ اسی طرح پورے ہمالیہ کے دامن میں جا بہ جا خوش نما چھوٹے چھوٹے قصبے آباد کیے گئے ہیں جن میں میدانی علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے گرمائی بنگلے ہیں۔ یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہے کہ ان قصبوں کے اصل باسیوں کو دور دراز کے جنگلوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ کسی زمین کے آبائی رہائشی کو اس جگہ سے بے دخل کرنا ایک سنگین جرم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ اور مزے کی بات ہے کہ جو دو ملک دنیا میں اس جرم کے سب سے بڑے ذمے دار ہیں یعنی بھارت اور اسرائیل وہی مغرب کے انسانی حقوق کے علم برداروں کی آنکھوں کا تارا ہیں۔ اسرائیل تقریباً پچاس لاکھ فلسطینیوں کو ان کی زمین سے بے دخل کر چکا ہے اور بھارت اپنے ہی ملک میں نچلی ذات کے کوئی دو کروڑ افراد کو مختلف وجوہات کی بناء پر ان کی آبائی زمینوں سے بے دخل کر چکا ہے۔ یہ سب افراد اب ایسی جگہوں پر رہنے پر مجبور ہیں جہاں انسانوں کے لیے بنیادی سہولتیں ہی نہیں ہیں۔ مزید ستم یہ کہ ان لوگوں کو متبادل جگہ جس کا وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی نہیں دی گئی ہے۔ اس وقت مجھے صرف بیتو اور کمار کے قبیلے پر گزرنے والی آفت کا پتا تھا یہ تو بعد میں پتا چلا کہ پورے بھارت میں نچلی ذاتوں کے ساتھ یہی سلوک ہو رہا ہے۔

پاکستان میں صورتِ حال بہتر ہے اگرچہ شمالی علاقوں میں انفرا اسٹرکچر اتنا اچھا نہیں ہے لیکن مقامی آبادی کو کسی قدر سہولیات میسر ہیں اور سیاحت کے فروغ کے نام پر ان کو ان کے آبائی علاقوں سے بے دخل نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ صفائی ستھرائی اور آمدورفت کی سہولتوں کے معاملے میں ہم ابھی بھارت سے کہیں پیچھے ہیں اور نیپال مجھے ان دونوں ملکوں سے کہیں زیادہ پسماندہ نظر آیا تھا۔ وہاں نہ عوام کا معیار زندگی اچھا تھا اور ان کو زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر نہیں تھیں اور نہ ہی وہاں انفرا اسٹرکچر کی حالت اچھی تھی۔ وہاں لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ اپنی زندگی کو برقرار رکھنا تھا اور اس کے لیے وہ خراب ترین حالات میں بھی کام کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

سالانگ ہمیں ایک چھوٹی سے بستی میں لایا۔ اس کا سڑک کے ساتھ والا حصہ مارکیٹ اور ہوٹلوں پر مشتمل تھا۔ یہاں سیزن میں سیاحوں کی آمدورفت جاری رہی تھی اور ان کا کام سیاحوں سے چلتا تھا۔ کوہ پیمائی کے سامان کا اسٹور ایک چھوٹی سی دکان میں تھا جس میں سامان ٹھونس کر بھرا ہوا تھا۔ دکان دار ایک چھوٹے قد کا تبتی نقوش والا نیپالی تھا جو بہترین انگریزی بول رہا تھا۔ میں نے ان پہاڑی لوگوں میں یہ بات بھی دیکھی تھی کہ اگر ان کا واسطہ سیاحوں سے زیادہ پڑتا تھا تو ان کے بچے بھی انگریزی جانتے تھے۔

”ہمیں سردی سے بچانے والے لباس اور بلندی پر رات گزارنے کے لیے خیمے درکار ہیں۔“ میں نے دکان دار سے کہا۔

”ملے گا صاحب۔“ اس نے جواب دیا اور سب سے پہلے میری فرمائش پر اندر سے تین عدد گرم لباس نکالا۔ یہ خاص فائبر سے بنی پتلون اور جیکٹ تھی جو منفی تیس ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں بھی انسان کو

سردی سے بچاتا تھا۔ اس کے ساتھ خاص جوتے اور دستانے تھے۔ پھر ٹوپے اور سن گلاسز جو آنکھوں کو برف کی چمک سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ میں نے ایک بڑا خیمہ لیا۔ جس میں تین افراد آسانی سے سا سکتے تھے۔ اس کے بعد خوراک اور ادویات لیں۔ میں راستے میں سفر کے لحاظ سے ہر ممکن چیز لے جانا چاہتا تھا۔ خاصا سامان ہو گیا تھا اور اس سب کی مالیت کوئی ایک ہزار ڈالرز کے مساوی ہو گئی تھی۔

دکان دار بہت خوش تھا کہ اس موسم میں ایک ہی دن میں اس کی اتنی سیل ہو گئی تھی کہ اس کا سارے سرما کا خرچ نکل آیا تھا۔ اس نے خوش ہو کر مجھے ایک چھوٹا سا اسٹوو اور دو لیٹر مٹی کے تیل کی بوتل تین بوتلیں تحفے میں دے دی۔ مجھے اس کا استعمال آتا تھا۔ کھانے میں، مَیں نے ڈبا بند غذائیں لی تھیں۔ ان میں خاص طور سے بنائی ہوئی ہائی پروٹین غذائیں تھیں۔ اور حیرت انگیز طور پر اس دکان دار کے پاس دستیاب تھیں۔ یہ سارا سامان میں نے سالانگ کی مدد سے جیپ کے پچھلے حصے میں بار کیا اور میں نے اسے تین الگ الگ بیگز میں اس طرح پیک کروایا تھا کہ ہر بیگ میں مساوی وزن آ گیا تھا۔ بیگز بھی مجھے دکان دار نے دیئے تھے اور خاص کوہ پیماؤں والے مضبوط بیگز تھے۔ سب سے اہم چیز تین عدد گرم سلیپنگ بیگز تھے جن میں رات آرام سے گزرتی۔ دکان دار نے بتایا تھا کہ یہ منفی چالیس درجے میں بھی انسان کو گرم رکھتے تھے۔ کچھ برتن اور مگ لیے تھے۔ کافی بنانے کا سامان خاص طور سے لیا۔ رسیاں اور دوسرے اوزار تو لازمی تھے۔ ان کے بغیر پہاڑوں میں جانے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

جب تک میں اندر خریداری کرتا رہا تھا بیتو رانا چندر باز کے ساتھ باہر رہا تھا۔ میں واپس آیا تو میں نے رانا کو سیٹ سے سر ٹکائے محوِ خواب پایا تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے بیتو کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ ''تھک گیا تھا اس لیے سو گیا ہے۔''

بیتو کا لہجہ بتا رہا تھا کہ یہ اس کی کارروائی تھی۔ رانا نے شاید موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور بیتو نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ شکر ہے وہاں رش نہیں تھا اور کسی کو جیپ اور اس میں سوار افراد سے دلچسپی بھی نہیں تھی اس لیے کسی نے رانا کے اس طرح سونے پر غور نہیں کیا تھا۔

قصبے سے نکلنے کے بعد بیتو اور میں نے ایک جگہ جیپ رکوا کر لباس بدل لیا۔ واقعی سردی ناقابلِ برداشت تھی کیونکہ یہ لباس پہننے کے بعد ہمیں سکون ملا تھا۔ یہاں درجہ حرارت منفی سے نیچے تھا اور اسی درجہ حرارت میں سالانگ ایک عام سی جیکٹ اور سوتی پتلون میں آرام سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کوئی ایسی تکنیک اختیار کی تھی کہ انجن کی حرارت سے جیپ کا اندرونی حصہ بغیر ہیٹر کے ہی گرم ہو رہا تھا۔ آنے والے دو گھنٹوں میں ہم رانا چندر باز کی بستی سے خاصا دور نکل آئے تھے اور اب سڑک کے اطراف میں بس برف ہی برف تھی۔ سردی کی شدت میں ہر گزرتے میل کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا کیونکہ سڑک ہر میل کی چڑھائی کے دوران کوئی پانچ سوفٹ بلند بھی ہو رہی تھی۔ جیپ میں لگا آلٹی میٹر بتا رہا تھا کہ ہم سطح سمندر سے دس ہزار فٹ کی بلندی پر آ چکے تھے۔

میں نے اسٹور سے ایک نقشہ بھی لیا تھا۔ یہ اس سارے علاقے کا بہت تفصیلی نقشہ تھا اور اسے خاص قسم کے پلاسٹک پیپر پر کسی یورپی سیاحتی ادارے نے شائع کیا تھا میں دیکھا تھا کہ مغرب کے لوگ اور ادارے ہمارے علاقوں سے اس طرح واقف تھے کہ ہم خود بھی اپنے علاقوں کو اس طرح نہیں جانتے تھے۔ یہ نقشہ اس کا

ایک اور ثبوت تھا اس میں ایک ایک راستہ اور شمال کی طرف جانے والے درے نمایاں تھے۔ بھادگاؤں بھی اس نقشے میں موجود تھا۔ یہ چین کی طرف جانے والے اس تاریخی درے پر نیپال کی آخری آبادی بھی تھی۔ اس کے بعد برف زاروں پر مشتمل ویرانہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس نقشے میں خاص بات یہ تھی کہ اس میں مقامات کی بلندی بھی بتائی گئی تھی اور اس کے مطابق چین جانے کے لیے ہمیں ایک انیس ہزار فٹ بلند درے کو عبور کرنا تھا۔ جو سارے سال برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ یعنی گرمیوں میں بھی اس کی برف نہیں پگھلتی ہے اور اس موسم میں اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہاں کا کیا حال ہوگا۔

راستہ بے حد خراب تھا لیکن سالانگ ہمیں بھادگاؤں کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچانے کے لیے اپنی سی پوری کوشش کر رہا تھا۔ پھر ایک جگہ لینڈ سلائڈنگ نے راستہ مکمل طور پر بند کر دیا تھا تو وہ بے بس ہو گیا۔ اس نے میری طرف معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا۔ ''صاحب اس سے آگے نہیں جا سکتا ہے۔''

''بھادگاؤں یہاں سے کتنا دور ہوگا؟''

میرے سوال پر اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ''ابھی آپ پیدل جاتے ہیں تو آپ کو کم سے کم چار گھنٹہ لگے گا۔ جیپ سے یہ راستہ آدھے گھنٹے میں طے ہو جاتا۔''

اب مسئلہ یہ تھا کہ رانا ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔ بیتو نے وار زیادہ ہی سخت کر دیا لیکن بیتو کے پاس اس کا علاج بھی تھا۔ اس نے امونیا کی شیشی نکالی اور سالانگ سے چھپا کر رانا کی ناک سے لگا دی۔ وہ کسمسا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر جاننے کی کوشش کی کہ کہاں ہے لیکن اس کے سوچنے سمجھنے سے پہلے بیتو نے اسے کھینچ کر جیپ سے اتار لیا تھا۔ اس نے مزاحمت کی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''بکومت۔'' بیتو غرایا اور اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ سالانگ اس بات پر ذرا حیران ہو رہا تھا۔ میں اس کی حیرانی پر توجہ دیئے بغیر سامان اتارتا رہا اور سارا سامان جیپ سے نکالنے کے بعد میں نے سالانگ کو اس کے طے شدہ معاوضے کی ادائیگی کی۔ پھر اسے سو ڈالرز مزید دیئے۔

''یہ تمہارا انعام ہے۔''

وہ خوش ہو گیا۔ ''شکریہ صاحب۔''

میں نے مزید ایک سو ڈالرز کا نوٹ دیا۔ ''اور یہ سب بھول جانے کے لیے ہے۔''

وہ حیران ہوا۔ ''کیا مطلب صاحب؟''

''تم بھول جاؤ گے کہ تم نے بڑے مندر کے پاس سے تین افراد کو اٹھایا تھا اور بھادگاؤں تک لائے تھے۔ بہتر ہوگا کہ تم کسی اور راستے سے واپس کھٹمنڈو جاؤ۔''

''مگر کیوں صاحب؟''

''سوال مت کرو۔'' اس بار میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو ورنہ اپنی کسی مشکل کے ذمے دار خود ہو گے اور ابھی کچھ عرصے تک بڑے مندر کی طرف آنے سے گریز کرنا۔ اب جاؤ۔''

وہ کنفیوز انداز میں جیپ میں بیٹھا اور اسے ریورس میں لے جانے لگا۔ اس جگہ سڑک اتنی تنگ تھی کہ جیپ کے مڑنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ خاصی دور جا کر اسے ایک جگہ ملی اور اس نے جیپ کو موڑا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

رانا ایک طرف کھڑا سردی سے کانپ رہا تھا میں نے سب سے پہلے اسے بیگ سے گرم لباس نکال کر دیا۔ ساتھ میں جوتے اور دستانے بھی تھے۔ تمام چیزیں میں نے اندازے سے لی تھیں لیکن میرا اندازہ غلط نہیں نکلا تھا اور سب کو لباس اور جوتے تقریباً ٹھیک آئے تھے۔ رانا نے یہ لباس پہنا اور پھر بولا۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''تاکہ آرام سے تمہارا کریا کرم کرسکیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو۔'' میں نے جواب دیا تو اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

''تت......تم مجھے مار دو گے؟''

''اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ایسا ہی کروں گا؟''

''کون سی بات؟''

''ہمیں چین جانا ہے۔''

''تو جاؤ میں نے کب منع کیا ہے؟''

میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمیں تم وہاں لے کر جاؤ گے۔''

وہ بدکا۔ ''میں......میں کیسے لے جاسکتا ہوں؟''

''کیونکہ تم ایک اسلحہ اسمگلر ہو اور مجھے یقین ہے تم تبت اور چین میں بھی اسلحہ اسمگل کرتے رہے ہو گے۔''

''اگر میں ایسا کرتا بھی رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں چین لے جاسکتا ہوں۔''

میں نے اپنا پستول نکال لیا۔ ''رانا چندر باز ایک بار اور سوچ لو تم ہمیں چین کی سرحد تک لے جاسکتے ہو یا نہیں۔'' میں نے پستول کا سیفٹی لاک ہٹا کر اس کا رخ رانا کی طرف کر دیا۔ ''تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے سوچنے کے لیے۔''

رانا نے جلد ہی سر ہلا دیا۔ ''لے جاسکتا ہوں لیکن کیا ضمانت ہے کہ تم پھر مجھے چھوڑ دو گے؟''

''کوئی ضمانت نہیں ہے۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ ''تم نے میرے ساتھ جو کرنے کی کوشش کی تھی اس کے بعد مجھے حق ہے تمہیں مار دوں اور اگر نہیں مارتا تو یہ مہربانی ہے اس لیے کوشش کرو کہ مجھے تمہاری کسی بات سے غصہ نہ آئے ورنہ میں تمہیں مار دوں گا۔''

وہ عیاری سے مسکرایا۔ ''مجھے مار دو گے تو چین کی سرحد تک کیسے جاؤ گے؟''

''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ ہم تمہارے محتاج ہیں تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ انڈیا سے یہاں تک ہم کسی کے سہارے نہیں آئے ہیں۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''تمہارے بغیر ہمیں کچھ مشکل ہو گی لیکن ہم چین پہنچ سکتے ہیں۔''

رانا چندر باز نے سمجھ لیا تھا کہ اسے میری بات ماننا پڑے گی ورنہ میں سچ مچ بھی اسے مار سکتا ہوں۔ بیتو اب تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ میں رانا کو ساتھ لے کر کیوں جا رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک طرف لے جا کر کہا۔ ''شوبی بھائی اسے لے جانے کا فائدہ......یہیں ایک گولی مار کر چھوڑ جاؤ بہت سارے لوگوں کا بھلا ہو گا۔''

''میں اسے ایک خاص مقصد سے ساتھ لے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایک بیگ اٹھا کر بیتو کی پشت پر لاد دیا۔ پھر دوسرا رانا کی کمر پر باندھا اور تیسرا خود اٹھا لیا۔ ہمارے کپڑے بھی اسی میں آ گئے تھے۔ اسلحے میں

سے دو رائفل اور دو پستول لے کر باقی اسلحہ گرینیڈ سمیت ایک بیگ میں ڈال کر ایک گہری کھائی میں پھینک دیا تھا مجھے امید تھی کہ یہاں یہ مدتوں دریافت نہیں ہوگا اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ فی الحال یہ سیدھا راستہ تھا اس لیے ہمیں رسوں اور دوسرے سامان کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔

روانہ ہونے سے پہلے میں نے رانا کے سامنے نقشہ رکھا اور اس سے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟''

اس نے نقشہ دیکھا اور بولا۔ ''راستہ ایک ہی ہے اس کے علاوہ ہر طرف اونچے ناقابلِ گزر پہاڑ ہیں۔''

''اس راستے پر کوئی سرکاری چوکی ہوگی؟''

''ہاں ہے لیکن ان کو ایک ہزار روپے دے دو تو وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں لیکن موسم میں چوکی خالی ہوتی ہے۔'' رانا کے جواب سے واضح تھا کہ وہ اس راستے کے تمام نشیب وفراز سے واقف تھا۔

''چین کی سرحد پر بھی کوئی چوکی ہوگی؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''چین کی حدود میں پہاڑ بلند ہیں اور علاقہ بہت خراب ہے ان کی طرف کوئی چوکی تقریباً تیس میل بعد ہے۔''

''یعنی چین کی طرف زیادہ مواقع ہیں۔''

''ہاں وہاں زیادہ راستے ہیں لیکن چین میں داخل ہونا آسان نہیں ہوگا خاص طور سے اس موسم میں۔'' اس نے خبردار کیا۔

''کوئی بات نہیں دیکھا جائے گا اب چلو۔''

ہم سلائنڈ نگ سے بند ہونے والی سڑک کے اوپر موجود برفانی ملبے پر سے گزرنے لگے۔ اس اونچے نیچے اور کھسکنے والے ملبے پر چلنا آسان نہیں تھا اس لیے ہماری رفتار بہت سُست تھی۔ مجھے تعجب تھا کہ کسی نے نہ تو رانا کو بڑے مندر کے علاقے میں چھڑانے کی کوشش کی اور نہ کوئی ہمارے تعاقب میں آیا تھا۔ شاید کسی کو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ مندر میں کیا ہوا تھا اور رانا کہاں غائب تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہارے ساتھی تم سے اتنے بے خبر رہتے ہیں کہ ان کو پتا ہی نہیں ہے تم غائب ہو چکے ہو؟''

اس نے جواب دیا۔ ''میرے آدمی بلا وجہ کبھی مندر میں نہیں آتے ہیں بس جو اندر تھے وہی آتے جاتے ہیں باقیوں کو بنا اجازت آنا منع ہے۔''

''کیوں منع ہے؟''

''میں نے مندر کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے وہاں منشیات اور اسلحہ ہوتا ہے اس لیے صرف بہت اعتماد کے لوگ ہی وہاں آتے جاتے ہیں۔'' اس نے وضاحت کی۔

''یہ احتیاط ہی تمہارے گلے پڑ گئی ہے۔''

''لیکن مجھے امید ہے اب تک بستی میں موجود میرے آدمیوں کو پتا چل گیا ہوگا۔'' اس کے لہجے میں امید آ گئی۔ ''انہوں نے میری تلاش شروع کر دی ہوگی۔''

''تو دعا کرنا وہ تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہ آئیں۔ ورنہ میں اپنا تو نہیں کہہ سکتا لیکن تم یقینی طور

پر مارے جاؤ گے۔''

اس نے کچھ کہا نہیں اور سر جھکائے چلتا رہا تھا۔ بیتو سب سے آگے تھا اور اس کے بعد رانا تھا سب سے آخر میں، مَیں تھا۔ ملبے میں موجود گڑھوں سے بچنے کے لیے ہم نے اسٹکس لی تھیں لیکن صرف میرے اور بیتو کے پاس تھیں رانا کو ہم نے نہیں دی تھی کہ وہ موقع پا کر اس کا غلط استعمال بھی کر سکتا تھا۔ میں دشمن کو کمزور سمجھنے اور اس کی طرف سے غافل رہنے کا قائل نہیں تھا اللہ کی مہربانی کے علاوہ ایک سبب زندہ رہنے کا یہ بھی تھا۔ ہمیں سلائیڈنگ والی جگہ عبور کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے تھے۔ نقشے کے مطابق بھاد گاؤں سے پہلے ہمیں دو آبادیاں ملنا تھیں۔ ان میں سے ایک تو ملبے سے اترتے ہی نظر آ گئی تھی۔ یہ سڑک کے ساتھ ہی آباد ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس کے دائیں طرف کے اوپری حصے میں کچھ خوش نما مقامی طرز کے مکانات تھے۔ ان کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ امرا کے ہیں۔

ہم نے بڑے مندر میں کچھ کھایا پیا تھا اور اس سفر نے سب کے پیٹ مکمل طور پر خالی کر دیئے تھے۔ اس لیے رکنا لازمی تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کھانا اس قصبے سے لیں گے اور اپنے پاس موجود خوراک آنے والے سفر کے لیے بچا کر رکھیں گے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''ذرا دیکھنا یہاں کوئی ہوٹل ہے جہاں مناسب قسم کا کھانا مل جائے۔''

''ہوٹل ہے۔'' بیتو سے پہلے رانا بولا۔ ''لیکن فضول سا ہے اگر تم اچھا کھانا کھانا چاہتے ہو تو کسی گھر کا دروازہ بجاؤ۔ گھر والے تم کو کم قیمت میں اچھا کھانا دیں گے۔''

مجھے ذاتی طور پر بھی اس کا تجربہ تھا۔ نیپال میں عام لوگ اچھے اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ بے شک وہ رقم لے کر کھانا پینا اور رہائش فراہم کرتے ہیں مگر مہمان کی کھال نہیں کھینچتے اور اسے مناسب رقم کے بدلے بہت اچھی سہولیات دیتے ہیں۔ ہم آبادی کی طرف بڑھے تھے۔ ابھی ہم کچھ دور تھے کہ ایک مقامی عورت جنگل کی طرف سے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے نمودار ہوئی تھی۔ اس نے سر سے پاؤں تک ایک موٹا اونی فرغل پہن رکھا تھا اور اس کا چہرہ بھی مفلر میں چھپا تھا لیکن اپنی چال اور چستی سے وہ جوان لگ رہی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''اس سے بات کرو اگر یہ ہمیں کھانا مہیا کر دے؟''

بیتو نے اس آگے بڑھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بیتو کی زبان نہیں سمجھ پا رہی تھی اس نے جواب میں کچھ اور کہا جو بیتو کے سر پر سے گزر گیا اس نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا۔ ''ہم نہیں سمجھا یہ کیا کہتا ہے۔''

رانا نے کہا۔ ''ان کی زبان مختلف ہے اگر تم اجازت دو تو میں بات کروں مجھے ان کی زبان آتی ہے؟''

میں نے سوچا اور پھر اجازت دے دی۔ ''لیکن کوئی احمقانہ بات کرنے کی کوشش مت کرنا...... میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''ہاں تم فکر مت کرو۔'' اس نے جواب دیا اور عورت سے اس کی زبان میں بات کرنے لگا میں رانا کی بات سننے کے بجائے عورت کے انداز کا جائزہ لے رہا تھا اور مجھے لگا کہ رانا نے اسے کوئی چونکا دینے والی بات نہیں کہی تھی۔ عورت راضی ہو گئی کہ وہ ہمیں کھانا مہیا کرے گی۔ رانا نے مجھ سے کہا۔ ''یہ مان گئی ہے سو روپے

مانگ رہی ہے۔''

بیتو نے فوراً سو روپے اس کے حوالے کر دیئے۔ میں نے رانا سے کہا۔'' یہ مان گئی ہے لیکن اس کے شوہر نے انکار کر دیا تو؟''

''اس کے شوہر انکار نہیں کریں گے؟'' رانا نے کہا تو میں چونک گیا۔

''شوہر......؟''

''ہاں اس کے دو شوہر ہیں۔ یہاں ایسا ہوتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ اور میں بھی دیکھ چکا تھا کہ اس علاقے میں ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں بیوی خریدنا پڑتی ہے اور غریب لوگوں کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو تین یا زیادہ بھائی مل کر ایک عورت سے شادی کر لیتے ہیں اور وہی سب کی مشترکہ بیوی ہوتی ہے۔ یہ عورت بھی شاید اسی طرح کئی بھائیوں کی بیوی تھی۔ عورت روانہ ہوئی اور ہم اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ عورت کا گھر بائیں طرف عام سی آبادی میں تھا ایک گھر کی چھت سے اتر کر ہم اس کے گھر کے آنگن میں آئے تھے۔ ایک چھوٹے سے دروازے سے اس کے گھٹے ہوئے تاریک گھر میں داخل ہوئے۔ سردی سے بچنے کے لیے یہ لوگ اپنے گھروں کو ممکنہ حد تک بند کرتے ہیں اور ہوا کی آمد و رفت کا کوئی راستہ نہیں رکھتے ہیں۔

عورت کے دونوں شوہر اندر تشریف فرما تھے اور ایک ہی حقے سے شغل کر رہے تھے۔ میری توقع کے مطابق دونوں بھائی نکلے تھے اور ان کے آس پاس کوئی نصف درجن بچے کھیل رہے تھے جن کی عمریں دس سے دو سال تک تھیں۔ انہوں نے ہمیں سرسری نظروں سے دیکھا اور اپنے شغل میں لگ گئے۔ عورت نے اندر آتے ہی انہیں بتا دیا تھا کہ ہم مہمان تھے۔ ان لوگوں کے انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ اس گھر کی بیشتر ذمے داری اس عورت کے شانوں پر تھی جو پہلے ہی دو شوہر اور ان کے مشترکہ طور پر چھ بچے پالنے کی ذمے داری پوری کر رہی تھی۔ اس نے ہمیں ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا اور کھانا بنانے چلی گئی۔ فوراً ہی اس کے بچے باری باری اندر جھانکنے لگے اور ہمیں محو استراحت دیکھ کر بلا وجہ کھلکھلانے لگے۔ رانا نے غرا کر ان سے کچھ کہا تو بیتو نے ٹوکا۔

''بچوں سے آرام سے بات کرو۔''

رانا بھنایا ہوا تھا۔'' بکواس کر رہے ہیں۔''

''تو تمہاری عزت میں کون سی کمی آرہی ہے۔'' اس بار میں نے کہا۔'' آرام سے خاموش ہو کر بیٹھو۔''

ہمیں پر مشقت زندگی کی عادت پڑ گئی تھی اب کئی کئی دن بھاگ دوڑ میں رہنا اور کئی وقت کے بعد کھانا معمول بن گیا تھا۔ سفر ایسا مسلسل تھا کہ جب موقع ملا کھا لیا اور جب موقع ملا سو گئے لیکن پچھلے دو گھنٹے کا سفر بہت تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا اور اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آنے والے مراحل ہمارے لیے توقع سے زیادہ مشکل ثابت ہوں گے۔ یہ بات بیتو بھی سوچ رہا تھا۔ وہ میرے پاس کھسک کر آیا۔

''شوبی بھائی دو گھنٹے کے سفر میں اپنا انجر پنجر سب ڈھیلا ہو گیا ہے آگے کیا ہوگا۔''

''وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔'' اب واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے ہمیں آگے

جانا ہوگا۔'' پھر مجھے خیال آیا اور میں نے بیتو سے پوچھا۔'' تم نے سالانگ سیبھاد گاؤں کی بات کیوں کی تمہیں کیسے پتا چلا کہ میرا چین کی طرف جانے کا ارادہ ہے؟''

بیتو مسکرانے لگا تھا۔'' ہم آپ کو تھوڑا سمجھنے لگا اور پھر ہم کو بھی خیال آیا کہ ہم چین جا کر اس مصیبت سے نکل سکتا ہے اس لیے ہم نے سالانگ سے بھاد گاؤں چلنے کا کہا۔''

''اور اگر میرا ایسا ارادہ نہ ہوتا تو کیا کرتے؟''

''کوئی مسئلہ نہیں تھا ہم سالانگ کو پیسہ دے رہا تھا اسے کہیں بھی لے جاتا۔'' بیتو بولا۔

''مجھے خوشی ہے اب تم نے اپنی ذہانت استعمال کرنا شروع کر دی ہے۔''

رانا چندر باز ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔'' تم لوگ بہت خطرناک علاقے کی طرف جا رہے ہو اور اس موسم میں تو وہاں قدم قدم پر موت گھات لگائے ہوتی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے اس کے باوجود ہم نے جانا ہے۔''

ظاہر ہے رانا ہماری فکر میں نہیں مرا جا رہا تھا۔ اسے اپنی فکر تھی کہ اگر قدرتی آفات سے بچ بھی گیا تو کیا ہم اسے بخش دیں گے۔ ایک گھنٹے بعد اس عورت نے ہمیں دال چاول اور بھاجی پر مشتمل کھانا دیا تھا۔ کھانا معمولی قسم کا لیکن لذیذ تھا اور ہمیں بھوک بھی لگی تھی۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو عورت کا ایک شوہر اٹھ کر ہمارے پاس آیا۔ اس نے پوچھا۔

''تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟''

''شمال کی طرف ٹریک کرنے۔'' میں نے رانا کے توسط سے جواب دیا۔

''اس موسم میں؟'' وہ تعجب سے بولا۔

''تمہیں اس سے کیا؟'' میں نے جواب دیا۔'' ہم اس موسم میں جائیں یا کسی بھی موسم میں جائیں؟''

میں نہیں چاہتا تھا کہ رانا اس سے زیادہ بات کرے اور اس دوران میں اسے کوئی بات کہہ دے اس لیے میں نے رانا کو اس سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ عورت کا شوہر مسلسل بول رہا تھا۔ ایک بار اس نے کچھ کہا تو رانا نے میری طرف دیکھا۔'' یہ کہہ رہا ہے کہ اگر ہم اسے دو سو روپے دیں تو یہ ایک بھیڑ کا بچہ کاٹ کر اس کا گوشت ہمیں دے سکتا ہے۔''

اس آدمی کی بات میرے دل کو لگی تھی کیونکہ میں نے ٹن بند خشک گوشت بھی لیا تھا لیکن میں اس بارے میں مشکوک تھا کہ اسے کیسے کھاؤں کہیں حرام نہ ہو۔ اب میں اس شخص سے اپنے لیے گوشت لے سکتا تھا اور ٹن میں بند گوشت رانا اور بیتو کھا سکتے تھے۔ برفانی علاقوں میں سفر کے لیے گوشت کا استعمال لازمی ہوتا ہے ورنہ انسان کمزور ہو جاتا ہے اور آسانی سے سردی کا شکار ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ بھاد گاؤں سے نکلنے کے بعد ہمیں کئی دن تک ہمالیہ کے برفانی ویرانوں میں بھٹکنا پڑے گا۔ ہمارے پاس خوراک اور خاص طور سے گوشت کی بڑی مقدار ہونا ضروری تھی۔

''ٹھیک ہے لیکن اس سے کہو کہ بھیڑ کا بچہ میں ذبح کروں گا باقی کام یہ کرے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

رانا نے اس سے کہا تو وہ خوش خوش وہاں سے چلا گیا اور چند منٹ کے بعد ایک چھوٹا سا بھیڑ کا بچہ اٹھا لایا۔ وہ

بہت کم عمر اور شاید بیمار تھا۔ اسی وجہ سے وہ اسے بیچ کر دام کھرے کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے دو سو روپے دیئے اور اس نے مجھے ایک چھری مہیا کر دی۔ بھیڑ کا بچہ میں نے اس گھر کے اندر بنے باڑھے میں ذبح کیا اور عورت کے شوہر نے آدھے گھنٹے میں اس کی کھال اتار کر اور گوشت بنا کر ایک پولی تھین میں ڈال کر میرے حوالے کر دیا۔ یہ مشکل سے تین ساڑھے تین کلوگرام گوشت تھا لیکن راستے میں میرے بہت کام آتا۔ اس سردی میں اس کا خراب ہونے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔

کھا پی کر اور آرام کر کے ہم تازہ دم ہو گئے تھے۔ اس لیے گوشت لیتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ نقشے کے مطابق بھادگاؤں کے راستے میں آنے والی دوسری آبادی کوئی دس میل کے بعد تھی لیکن راستہ بہتر تھا اس لیے ہم ڈھائی گھنٹے بعد وہاں پہنچ گئے تھے۔ بھادگاؤں کی آخری آبادی یہاں سے چھ میل دور تھی اور ہم تاریکی سے پہلے وہاں پہنچ سکتے تھے لیکن اس کے لیے ہمیں تیز چلنا تھا۔ رانا نے دبی زبان میں کہا۔

''میرا خیال ہے رات یہیں رک جاتے ہیں کل صبح یہاں سے سفر شروع کر سکتے ہیں۔''

میں نے اسے گھورا۔ اس کے ذہن میں شاید تھا کہ اس کے آدمی اسے تلاش کر رہے ہوں گے اور وہ کوشش کریں تو کل تک یہاں آ سکتے تھے۔ خود مجھے بھی یہی خدشہ تھا۔ اس لیے میں بہر صورت آج ہی کے دن بھادگاؤں پہنچنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''نہیں ہمیں سفر جاری رکھنا ہے اور رات سے پہلے بھادگاؤں پہنچ جانا ہے۔''

رانا نے بہانہ بنایا۔ ''میرے پاؤں میں تکلیف ہو رہی ہے۔''

میں نے اسے گھورا اور پھر بتایا۔ ''میرے پاؤں میں تم سے زیادہ تکلیف ہو رہی ہے۔ اس میں گرینیڈ کا ٹکڑا لگا تھا۔ اس لیے بکواس کرنے کے بجائے چلتے رہو۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے مارچ شروع کر دی تھی۔ مگر اس کی رفتار سُست تھی۔ بیتو نے یہ بات محسوس کر لی تھی اس نے اچانک رانا کو عقب سے لات ماری اور وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ بیتو بولا۔ ''کتے کے بچے کیا کسی باغ کی سیر کر رہا ہے تیز چل۔''

رانا نے اٹھ کر اسے خون خوار نظروں سے دیکھا تو بیتو نے اسے دوسری لات ماری اور وہ پھر لڑھک گیا۔

''ایسے کیا دیکھتا ہے انسان کا بچہ بن اور شرافت سے چل ورنہ اسی طرح لاتیں کھاتا رہے گا۔''

میں اس دوران میں آرام سے کھڑا رہا تھا بیتو رانا کے ساتھ بالکل ٹھیک کر رہا تھا۔ وہ لاتوں کا بھوت تھا اور میرے شریفانہ رویے سے شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر مجھ سے شکایت کی۔ ''تمہارا ساتھی میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہا ہے۔''

''یہ بہت رحم دلی دکھا رہا ہے ورنہ جب اسے غصہ آتا ہے تو یہ قتل سے کم بات نہیں کرتا ہے اور بعض اوقات تو میری بھی نہیں سنتا ہے اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہو تو وہی کرو جو یہ کہہ رہا ہے۔''

رانا سمجھ گیا کہ اسے وہی کرنا ہوگا جو ہم چاہتے ہیں۔ اس بار اس کی رفتار تیز تھی اور جس وقت تاریکی چھانے کو تھی ہم بھادگاؤں پہنچ گئے تھے۔ یہ بہت چھوٹی سی آبادی تھی جو اس درے کی طرف جانے والے راستے پر تھی جو نیپال کو چین سے ملاتا تھا۔ اس کے بعد کوئی آبادی نہیں تھی۔ مشکل سے چند درجن گھر تھے جن میں سے کچھ ہی ایسے تھے جن میں جلنے والے چراغوں کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس علاقے میں بجلی اور دوسری سہولیات کا

کوئی تصور نہیں تھا اور یہاں رہنے والے آج بھی ویسی زندگی گزار رہے تھے جیسی آج سے صدیوں پہلے گزارتے آئے تھے۔ البتہ سیاحوں اور کوہ پیماؤں کی آمد و رفت کی وجہ سے ان کی کمائی کے اور کئی راستے کھل گئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ رات گزارنے اور کھانے کے لیے ہمیں کون سا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے اس بار رانا نے ہماری مدد کی۔ ''یہاں شوئینگ نامی ایک شخص ہے جو یہاں آنے والوں کو رات گزارنے کی جگہ بھی دیتا ہے اور کھانا بھی مہیا کرتا ہے۔''

''اس سے تمہاری جان پہچان ہے؟''

میرے اس سوال پر رانا محتاط ہو گیا۔ ''نہیں نہیں میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔''

''تب چلو اس کے گھر۔''

''مجھے کیا معلوم کہ اس کا گھر کہاں ہے؟'' وہ بولا۔ نہ جانے مجھے کیوں محسوس ہوا جیسے وہ اس بارے میں جھوٹ بول رہا ہے۔

''کوئی دروازہ بجاتے ہیں معلوم ہو جائے گا۔'' بیتو بولا۔ اس وقت شمال کی جانب سے یخ بستہ ہوا چلنے لگی تھی۔ ہم نے بستی کا آنے والا پہلا دروازہ بجایا اور بڑی دیر تک بجاتے رہے تب کہیں جا کر ایک آدمی باہر آیا تھا۔ وہ بوڑھا تو نہیں تھا شاید چالیس سال اس کی عمر تھی لیکن زندگی کی سختی نے اسے ساٹھ سال کے بوڑھے کا روپ دے دیا تھا۔ وہ کسی حد تک انگریزی سے واقف تھا اس لیے میں نے اس سے شوئینگ کا پتا پوچھنے کے بجائے رات گزارنے اور کھانے کا سوال کیا۔

''ہم تمہیں ادائیگی کریں گے۔''

ان لوگوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی سیزن میں تو ہر گھر ہی گیسٹ ہاؤس میں بدل جاتا ہو گا اس لیے وہ خوش ہو گیا اور ساتھ ہی حیران تھا کہ ہم اس موسم میں اس علاقے میں کیا کرنے آئے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم ایک ٹریک کے لیے آئے تھے۔ وہ ہمیں اندر لے گیا۔ رانا کسی قدر مایوس نظر آیا کہ میں نے شوئینگ کا پوچھنے کے بجائے یہیں ڈیرہ جما لیا تھا۔ جوان بوڑھے کا نام شاید کائی چنگ تھا اس کے نقوش بھی چینی تھے۔ اندر اس کے ساتھ صرف ایک نوجوان لڑکی تھی۔

اس معاملے میں مجھے اتنے تجربات ہو چکے تھے کہ میں اب اس لڑکی کو اس بوڑھے کی بیٹی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بلکہ مجھے یقین تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ حالانکہ وہ بہت پیاری سی اور مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی۔ مگر یہاں کم سن لڑکیوں سے بوڑھوں کی شادی کا رواج عام ہے۔ کائی چیک کا مکان اندر سے صرف دو کمروں پر مشتمل تھا اور یہ دونوں کمرے کثیر المقاصد تھے۔ دونوں کمروں میں کھانا پکانے سے لے کر مویشی باندھنے تک تمام انتظامات تھے اور ہمیں جو کمرہ ملا تھا اس میں چھوٹی گائے پہلے ہی موجود تھی۔ یہ شاید یاک کی کوئی نسل تھی۔ ویسے پہاڑی جانور قد و قامت میں چھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے کائی چیک سے مطالبہ کیا۔

''اسے باہر نکالو۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''یہ شریف گائے ہے تم کو کچھ نہیں کہے گا۔''

''مجھے کچھ نہیں کہے گا لیکن یہ جو کرے گی اس کی بو کون برداشت کرے گا۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اچھا اچھا نکالتا ہوں۔'' اس نے پہلے دانت نکالے اور پھر گائے نکال کر لے گیا۔ شکر ہے اس وقت تک گائے نے کچھ کیا نہیں تھا۔ وہاں ایک طرف زمین پر غالیچہ بچھا تھا۔ گزشتہ پانچ گھنٹے سے سفر کر کے ہم سب کا برا حال تھا۔ پھر یہ جگہ سطح سمندر سے کوئی بارہ ہزار فٹ بلند تھی اس لیے یہاں سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ کوئی گھنٹہ بھر ہمیں سانس درست کرنے میں لگ گیا۔ رانا کا حالت زیادہ بری تھی کیونکہ وہ شراب کا عادی تھا اور شرابی کے پاس اسٹیمنا نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے۔ کائی چیک نے ہمیں کالی چائے فراہم کی اور ساتھ ہی واضح کیا کہ اس کا معاوضہ دینا ہوگا۔

''ہم تمہیں ہر چیز کا معاوضہ ادا کریں گے۔'' میں نے کہا اور سو روپے اسے ایڈوانس میں دے دیئے تو وہ مطمئن ہو گیا۔ ازراہِ مہربانی اس نے ایک انگیٹھی بھی لا دی تھی جس میں حرارت کم اور دھواں زیادہ تھا۔ اس میں لکڑی کا ناقص کوئلہ تھا جو صحیح طرح سے کوئلہ بننے کے عمل سے نہیں گزرا تھا۔ یہ لوگ شاید انگیٹھی کو کھلی فضا میں جلانے کی عیاشی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کے لیے حرارت کا ایک ایک حصہ اہم تھا۔ اس لیے وہ انگیٹھی گھر میں سلگاتے تھے نتیجے میں وہ آگ کم دیتی تھی اور اس سے دھواں زیادہ خارج ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں کمرہ دھواں دھار ہو گیا تھا لیکن سردی کی وجہ سے یہ دھواں برا نہیں لگ رہا تھا اور پھر اس کی وجہ سے ہوا کسی قدر بھاری ہو گئی تھی اور اسے کھینچنے کے لیے پھیپھڑوں کو زیادہ زور نہیں لگانا پڑ رہا تھا۔ رانا اور بیتو آپس میں بات کر رہے تھے۔ بیتو نے اسے کچھ بتایا تو وہ چونک گیا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ زور سے بولا۔

''آواز آہستہ رکھو۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''یہ کہہ رہا ہے کہ وہ لڑکی این میری الماری سے ساری رقم اور سونا لے گئی ہے۔''

''ہاں لے گئی ہے پہلے تمہارا اس پر زور چلا تھا اور پھر اس کا زور چل گیا اور اس نے حساب برابر کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔'' رانا غصے سے ہانپنے لگا تھا۔

''جب تک تم واپس جاؤ گے وہ کسی پرواز پر یہاں سے جا چکی ہوگی۔'' بیتو نے کہا۔ رانا اسے گالیاں دینے لگا۔

''بری بات ہے مرد کے منہ سے عورت کو گالی اچھی نہیں لگتی ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''خاص طور سے تم جیسے سور نامردوں کے منہ سے۔''

وہ چپ ہو کر ہونٹ کاٹنے لگا پھر بولا۔ ''یہ نقصان بھی مجھے تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ وہ ایک کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم تھی۔''

''ممکن ہے ہو۔'' میں نے اسی انداز میں کہا۔ ''اگر کبھی ہم پر قابو پا سکو تو وصول کر لینا۔''

''وہ جائے گی کہاں میں اسے ساری دنیا میں تلاش کر سکتا ہوں۔'' رانا زیر لب خود سے بولا۔ میں اس کی لن ترانیاں سننے کے بجائے دوبارہ لیٹ گیا اور بیتو سے کہا۔ ''جب کھانا آ جائے تو مجھے جگا دینا۔''

میرا ارادہ تھا کہ بیتو اور میں باری باری رات کو جاگ کر پہرہ دیں گے تاکہ رانا کوئی شرارت نہ کر سکے۔

اس وجہ سے میں ابھی سو گیا تھا۔ تھکن اتنی تھی کہ نیند آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ کوئی دو گھنٹے بعد بیتو نے مجھے اٹھا دیا۔ ''شوبی بھائی کھانا۔''

لڑکی کپڑا اچھا کر کھانا لگا رہی تھی۔ اس نے سبزیوں اور ابلے ہوئے انڈے کی مدد سے ایک سوپ نما چیز بنائی تھی اور ساتھ میں ایک روٹی نما چیز تھی۔ جب میں نے اسے کھایا تو ذائقے میں گندم کی روٹی ثابت ہوئی تھی لیکن صورت ایسی تھی جیسے مکئی کے آٹے سے بنائی گئی ہو۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ یہ گندم ہی تھی لیکن یہ قسم بہت بلندی پر کاشت ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ اچھا نہیں ہوتا لیکن یہاں کے لوگ مجبوراً اسے ہی کاشت کرتے ہیں اس بلندی پر گندم یا مکئی کی کوئی اور قسم نہیں اگ سکتی ہے۔ کھانا گزارے لائق تھا اور کچھ بھوک کی وجہ سے رغبت سے کھایا۔ رانا نے ہمارے مقابلے میں کم لیا تھا۔ اسے کچھ بے چینی ہو رہی تھی۔ کھانے کے بعد بھی وہ لیٹنے یا بیٹھنے کے بجائے کمرے میں ٹہلتا رہا تھا۔

''کیا بات ہے تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' میں نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے یونیورسل اشارہ کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے طلب ہو رہی ہے۔''

میں سمجھ گیا لیکن انجان بن کر بولا۔ ''کس چیز کی۔''

''شراب...... کی۔'' وہ جھنجلا گیا تھا لیکن جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہاں سے مل سکتی ہے۔''

''ممکن ہے مل سکتی ہو لیکن تمہیں نہیں ملے گی۔''

''کیوں؟'' اس نے فریادی لہجے میں کہا۔

''مجھے شراب اور اس کے عادی افراد سے سخت نفرت ہے۔''

''لیکن میں اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔''

''تم چلو گے اور تم خود دیکھ لو گے۔ اب آرام سے لیٹ کر سونے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔ بادلِ ناخواستہ وہ اپنی جگہ آ لیٹا تھا۔ کائی چیک نے ہمیں کمبل یا رضائی نہیں دی تھی اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی ہمارے پاس سلیپنگ بیگز تھے جو بیک وقت بستر اور رضائی دونوں کا کام کرتے تھے۔ ہم نے وہی نکال لیے تھے۔ رانا اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا تھا۔ بیتو کھانا کھاتے ہی لیٹ گیا تھا۔ میں جاگ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کائی چیک نے کمرے میں جھانکا اور پوچھا۔ ''چائے پیو گے؟''

چائے سے اس کی مراد وہی کالا اور تلخ مشروب تھا جو ہم نے یہاں آنے پر پیا تھا۔ یہ لوگ دودھ اور چینی استعمال نہیں کرتے تھے۔ میں نے سر ہلا دیا۔ ''لے آؤ۔''

مجھے جاگنے کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ چند منٹ بعد وہ دو پیالے اٹھا لایا۔ وہ میرے سامنے غالیچے پر بیٹھ گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اب سوال کرے گا۔ اسے بھی تجسس تھا کہ ہم اس موسم میں بھاد گاؤں کی طرف کیوں جا رہے تھے۔ آپ نے اس ہوشیار گھوڑے کا قصہ ضرور سنا ہوگا جس کا مالک اسے نلکی میں ڈال کر دوا پلانا چاہتا تھا اور گھوڑے نے پہلے پھونک مار دی۔ اس گھوڑے کی مانند میں نے کائی چیک سے سوال شروع کر دیئے اس سے

پہلے کہ وہ سوالات شروع کرتا۔
''تم کب سے اس علاقے میں ہو؟''
''میں پیدا یہیں ہوا ہوں۔'' اس نے کہا۔
''اچھا۔'' میں نے سخت تعجب سے کہا۔ ''اتنے سرد علاقے میں بھی بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔''
اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''بچے کہاں پیدا نہیں ہوتے؟''
''یہ تو ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ممکن ہے کسی دن خبر آئے کہ کسی کوہ پیما خاتون نے ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر بچے کو جنم دیا۔''
اس نے زیادہ عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''
''کیوں نہیں ہو سکتا، ان گوروں کو ریکارڈ بنانے کا بڑا شوق ہوتا ہے ممکن ہے کوئی صرف ریکارڈ بنانے کے لیے یہ کام کر گزرے۔''
وہ بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''ہاں ہو تو سکتا ہے یہ گورے پاگل تو ہوتے ہیں۔''
''چھوڑو ان گوروں کو یہ بتاؤ تمہاری بیویاں کتنی ہیں؟''
''میری کوئی بیوی نہیں ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
میں چونکا۔ ''یہ لڑکی تمہاری بیوی نہیں ہے۔''
''یہ میری بیٹی ہے۔'' اس نے جز جز ہو کر کہا۔ ''اور میں تبتی یا نیپالی نہیں ہوں میرے آبا و اجداد چین سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ میں ہان نسل سے ہوں۔''
''معاف کرنا میں سمجھا تم بھی مقامی لوگوں کی طرح ہو جو یا تو چھ سات بیویاں رکھتے ہیں یا پھر ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہیں۔''
''ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ہم چینی کئی شادیاں کر سکتے ہیں لیکن عام طور سے ایک ہی بیوی پر گزارا کرتے ہیں اور ہماری ہاں لڑکی خریدی یا بیچی نہیں جاتی ہے۔''
مجھے جان کر حیرت ہوئی کہ اس نیپالی گاؤں میں چینی نسل کے لوگ آباد تھے۔ انہوں نے زبان اور کسی حد تک مقامی ثقافت اپنا لی تھی لیکن چینی تہذیب کی خصوصیات بھی برقرار رکھی تھیں۔ وہ کسی زمانے میں ہمالیہ عبور کر کے اس طرف آ گئے تھے اور پھر جہاں ان کو آباد ہونے کے لائق پہلی زمین ملی وہ آباد ہو گئے۔ مقامی لوگوں سے میل جول اور دوسری تعلقات کی وجہ سے ان میں خاصی تبدیلی آئی تھی۔ وہ مجھے احمق سمجھ رہا تھا جسے دنیا کے بارے میں اتنا معلوم نہیں تھا اور میں بھی چاہتا تھا کہ وہ میرا دماغ نہ کھائے۔
''تم لوگ واپس اپنی پرانی سرزمین کی طرف جاتے ہو؟''
اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں کیونکہ ہمارے آبا و اجداد وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اس سرزمین سے ہمارا تعلق اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔ اب ہم نیپالی ہیں۔''
''اچھا تم لوگوں میں سے کوئی اس طرف جاتا ہے؟''
''ہاں ہم میں سے کئی افراد گائیڈ کا کام کرتے ہیں لیکن وہ بھی سیاحوں کو سرحد تک لے کر جاتے ہیں اس

سے آگے کوئی نہیں جاتا ہے۔''

اس کی بات سن کر مجھے ایک خیال اور آیا تھا۔ میرا اصل مقصد چین کی سرحد تک جانا تھا اور اس کا راستہ رانا جانتا تھا لیکن میں اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسلحہ چین بھی اسمگل کرتا تھا اور لازمی بات تھی کہ اس کے چین کے جرائم پیشہ افراد سے تعلقات تھے۔ وہ ہمیں بھٹکا کر کسی ایسی جگہ لے جا سکتا تھا جہاں ہم پھنس جاتے۔ اگر میں کائی چیک کے گاؤں سے کوئی گائیڈ لے لیتا تو مجھے رانا پر انحصار نہیں کرنا پڑتا اور وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میں اچھا معاوضہ دیتا تو کوئی نہ کوئی جانے پر راضی ہو جاتا۔

''گائیڈ اس موسم میں بھی جاتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اس موسم میں تو کوئی اس طرف نہیں جاتا ہے۔'' اس نے انکار کیا۔ ''تم لوگ کیوں اس طرف جا رہے ہو؟''

''ہمیں موقع اب ملا ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن اس وقت شمال بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ برفانی طوفان آتے ہیں۔ راستے ختم ہو جاتے ہیں۔'' اس نے خبردار کیا۔ ''گڑھے برف سے ڈھک جاتے ہیں اور جب کوئی اس پر سے گزرتا ہے تو گڑھے میں گر جاتا ہے۔''

''ہمارے پاس ایسے تمام خطروں سے نمٹنے کا سارا سامان ہے لیکن ہمیں راستوں کے لیے ایک گائیڈ کی ضرورت ہے۔''

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''اس موسم میں کوئی گائیڈ جانے کو تیار نہیں ہوگا۔''

''اگر اسے معمول سے دوگنا معاوضہ ملے تب بھی تیار نہیں ہوگا؟''

یہ سن وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔''

''تم۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''کیا تم بھاد گاؤں درے کی طرف جانے والے تمام راستوں سے واقف ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے کہا نا ہمارے ہاں اکثر لوگ گائیڈ ہوتے ہیں میں بھی کچھ عرصے پہلے تک گائیڈ کا کام کرتا تھا لیکن پھر کامی جوان ہو گئی اور میں نے باہر جانا چھوڑ دیا اس کی دیکھ بھال کرنے والا گھر میں کوئی نہیں ہے۔''

''تم اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتے ہو؟''

''میں اسی کام کے لیے رقم جمع کر رہا ہوں میرے کچھ رقم ہو گئی ہے باقی ہو جائے تو آنے والے موسم میں اس کی شادی کر دوں گا۔''

''تبھی تم ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔''

''ہاں اب مجھے رقم چاہیے۔''

''لیکن کامی گھر میں اکیلی رہ جائے گی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ایک دفعہ کی بات ہے اور پھر میں کسی کو بتا کر نہیں جاؤں گا اس موسم میں لوگ بلا ضرورت گھر سے نہیں نکلتے ہیں اس لیے کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔''

میں ہچکچا رہا تھا کیونکہ وہ کمزور صحت کا شخص تھا اور شمال میں سردی زیادہ ہوتی وہ برداشت نہیں کر پاتا تو ہمارے لیے مشکل ہو جاتی نہ ہم واپس آ سکتے تھے اور نہ اسے چھوڑ سکتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ''تم کمزور ہو کیا اس مشکل سفر کو برداشت کر لو گے؟''

وہ ہنسا۔ ''صاحب میں ادھر کا رہنے والا ہوں اور مجھے سردی سے کچھ نہیں ہوتا پھر میرے پاس سارا سامان بھی ہے۔ تم فکر مت کرو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

''تم معاوضہ کیا لو گے؟''

''گائیڈ دن کے حساب سے لیتا ہے ایک دن کا دو سو روپیہ لیتا ہے آپ نے دوگنا دینے کو کہا ہے۔''

''یعنی چار سو روپے روزانہ۔'' میں نے غور کیا اور ایک بار پھر میں حیران ہوا تھا۔ پاکستان میں ایک پورٹر یا گائیڈ ایک دن کا معاوضہ اس سے چار پانچ گنا زیادہ لیتا تھا اور دوسری سہولتیں الگ لیتا تھا۔ یہ بے چارے تو بہت کم معاوضہ لیتے تھے۔ میں نے منظور کر لیا۔ ''لیکن میں تمہیں روز کے حساب سے نہیں دوں گا بلکہ ایک ساتھ دو ہزار روپے دوں گا۔''

وہ خوش ہو گیا تھا کیونکہ یہ اس کی توقع سے زیادہ تھا۔ مگر پھر اسے خیال آیا۔ ''صاحب یہ تو پانچ دن کا معاوضہ بنتا ہے اگر زیادہ دن لگے تو......''

''تو میں تمہیں زیادہ دوں گا یہ دو ہزار بھی پیشگی لے لینا لیکن میرا خیال ہے تمہیں تین چار دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔''

اس نے غور کیا۔ ''تمہیں جانا کہاں ہے صاحب؟''

''یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے چل کر چین کی سرحد تک کتنے دن میں پہنچ سکتے ہیں؟''

''زیادہ سے زیادہ دو دن میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میرا اندازہ درست تھا تم چوتھے دن تک واپس آ جاؤ گے۔''

وہ چونکا۔ ''تو کیا آپ نے واپس نہیں آنا ہے؟''

''نہیں ہمیں سرحد پار کر کے چین جانا ہے۔''

وہ ڈر گیا۔ ''یہ تو جرم ہے صاحب ادھر پولیس پکڑ لیتی ہے۔''

''نہیں ہم چھپ کر نہیں جا رہے ہیں ہمارے پاس پاسپورٹ ہیں وہ دکھانے پر ہمیں چین میں داخل ہونے کا اجازت نامہ مل جائے گا۔''

وہ چپ ہو گیا لیکن مطمئن نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''کیا تمہارا ارادہ بدل گیا ہے؟''

''نہیں صاحب۔'' وہ بے دلی سے بولا۔ ''مجھے رقم کی ضرورت ہے میں ضرور چلوں گا۔''

''تم اس بات کا ذکر بھی کسی سے نہیں کرو گے، نہ ابھی اور نہ آنے کے بعد۔'' میں نے ذرا بدلے لہجے میں کہا تو وہ چونک گیا تھا۔

''نہیں کروں گا صاحب۔''

''اس صورت میں ممکن ہے تم کو تمہارے طے شدہ معاوضے سے زیادہ ہی مل جائے۔'' میں نے اب اسے لالچ دیا۔ وہ رقم کے لیے ہی تو یہ سب کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سونے کے لیے چلا گیا تو رانا کی سلیپنگ بیگ سے اس کی آواز آئی۔

''لگتا ہے تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے تبھی اسے ساتھ لے جا رہے ہو۔''

وہ جاگ رہا تھا اور ہماری ساری باتیں سن رہا تھا۔ ''فرض کرو ایسا ہی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

اس نے زپ ہٹا کر منہ باہر نکالا۔ ''اگر تمہیں یہ شخص چین کی سرحد تک پہنچا سکتا ہے تو مجھے لے جانا کیوں ضروری ہے؟''

''تم اتنے معصوم ہو کہ تمہیں اس سوال کا جواب ہی نہیں معلوم ہے۔ سانپ کو پٹاری میں کیوں بند رکھا جاتا ہے۔''

''تمہیں مجھ سے خطرہ ہے۔''

''جب تک ہم نیپال کی زمین سے نہیں نکل جاتے میں تمہیں آزاد نہیں کر سکتا اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

''ابھی بھی تم مجھے چھوڑ دو تو مجھے واپس آ کر اپنے آدمی لانے میں جتنا وقت لگے گا اتنی دیر میں تم آرام سے سرحد پار کر جاؤ گے۔''

''بکواس مت کرو۔ مجھے کیا معلوم کہ اس جگہ کے آس پاس بھی تم نے کوئی ٹھکانہ بنا رکھا ہے یا نہیں۔ جو سمگلنگ کرتے ہیں وہ سرحدوں کے پاس اپنے ٹھکانے ضرور بناتے ہیں۔''

اس کا رنگ بدل گیا تھا اور اس نے جلدی سے منہ اندر کر لیا۔ اس کے ردِعمل سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میری بات درست تھی۔ اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو وہ چند گھنٹوں کے اندر آدمی اور اسلحہ حاصل کر کے ہمارا تعاقب کر سکتا تھا۔ رات کے بارہ بج گئے تھے۔ بیتو آٹھ بجے سویا تھا اور میں اسے دو بجے اٹھا دیتا اس کے بعد خود سو جاتا۔ صبح آٹھ بجے اٹھ کر ہم ناشتہ کرتے اور پھر روانگی کی تیاری شروع کر دیتے۔ نو بجے تک ہم یہاں سے روانہ ہو جاتے اس طرح ہمیں سفر کے لیے سارے دن میں آٹھ نو گھنٹے مل جاتے۔ کائی چیک نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم نو بجے روانہ ہو جائیں گے۔ دو بجے بیتو کو اٹھا کر میں اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا اور کچھ دیر میں سو گیا تھا لیکن یہ سکون والی نیند نہیں تھی۔ مجھے خواب آتے رہے اور خیالات بار بار نیند سے چونکاتے رہے تھے۔

کل مجھے اور بیتو کو ایک نامعلوم قسم کے برف زار میں سفر کرنا تھا جہاں بے شمار خطرات تھے اور پیچھے رہ جانے والے خطرات سے بچنے کے لیے میں نے یہ سفر کرنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا آنے والا دن ہمارے لیے کیا لے کر آتا۔ ہمارے پیارے دبئی میں ہمارا انتظار کر رہے تھے اور میری جان کے دشمن مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے انہوں نے میری قیمت بھی لگا دی تھی اور اس قیمت کی وجہ سے میرے لیے بے شمار خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ رانا چندر باز جیسا ویرانے میں بیٹھا بدمعاش تک مجھ سے واقف تھا اور اس جیسے نہ جانے کتنے میری تلاش میں تھے۔ میں واپس نہیں جا سکتا تھا۔ میری مہم جو طبیعت فطرت سے لڑ سکتی تھی اور انسانوں سے لڑتے

نے میں تھک گیا تھا اس لیے میں نے اس ویرانے کا رخ کیا تھا۔
آٹھ بجے بیتو نے مجھے اٹھا دیا۔ وہ بھی تازہ دم لگ رہا تھا اور شاید کہیں باہر فارغ بھی ہو کر آیا تھا میں نے والی چیک کی رہنمائی میں ایک قریبی ٹیلے کا رخ کیا جو اسی کام کے لیے مخصوص تھا اس لیے وہاں دماغ خراب نے والی بو تھی۔ واپسی میں کائی چیک نے گھر میں مجھے منہ ہاتھ دھونے کے لیے گرم پانی دیا تو میں خوش ہو گیا اچھی طرح منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے بیتو اور رانا چندر باز کے ساتھ ناشتہ کیا جو موٹے پراٹھوں اور ہوئے انڈوں پر مشتمل تھا۔ ناشتے کے فوراً بعد ہم نے اپنا سامان اٹھایا اور اپنی پشتوں پر باندھ لیا۔ سب کے میں کوئی تیس کلو گرام وزن آیا تھا۔ یہ وزن کم نہیں تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ پیشہ ور پورٹر اس سے زیادہ وزن لے کر دشوار گزار برفانی ویرانوں میں سفر کرتے تھے۔
کائی چیک گرم لباس اور جوتے پہن کر تیار ہو کر آیا میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اسے اپنے لیے ہر چیز خود نی ہوگی کیونکہ ہمارے پاس اپنے لیے سامان تھا البتہ میں نے اسے خوراک اور دوسری چیزوں کا معاوضہ دے دیا تھا وہ اس سفر میں استعمال کرتا۔ یہ بھی میری ذمے داری بنتی تھی۔ جانے سے پہلے میں نے اسے دو ہزار بھی دیے تھے۔ وہ خوش ہو گیا تھا اور بار بار چینی انداز میں جھک کر شکریہ ادا کر رہا تھا۔ نو بجے ہم اس کے گھر سے آئے۔ اس وقت آسمان پر گہرے سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے یہ برف باری کی نشانی تھی۔ کائی چیک نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔
"تین چار گھنٹے میں برف باری شروع ہو جائے گی ہمیں اس سے پہلے بلندیوں کی طرف جانا ہوگا ورنہ راستے بند ہو جائیں گے۔"
میں نے اس سے اتفاق کیا اور ہم ہر ممکن تیزی سے شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ پندرہ منٹ بعد ہم ایک لے درے سے گزر کر ایک لامتناہی حد تک پھیلے برف زار میں داخل ہو گئے تھے۔ آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ صرف ویرانہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بارہ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد ٹری لائن ختم ہو جاتی ہے یعنی اس بلندی بعد کوئی درخت نہیں ملتا ہے اور صرف چھوٹی جھاڑیاں یا پودے ملتے ہیں۔ ان کی حد بھی سنو لائن تک ہوتی ہے۔ سولہ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد مستقل برف کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں ندیوں میں کائی جیسے پودے جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ یہاں صرف ریت، چٹانیں اور برف ہوتی ہے۔ ہیبت گلیشیرز کا خطہ بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ ابھی راستے میں سردی سے ٹھٹھرائے ہوئے چھوٹے درخت ے نظر آ رہے تھے جنہوں نے برف کا چادر اوڑھ رکھی تھی۔
سب اپنے اپنے بیگز کے بوجھ تلے سر جھکائے خاموشی سے قدم اٹھا رہے تھے۔ آنے والے خطرات کا اس سب کو تھا۔ سامنے نظر آنے والے عظیم الشان پہاڑوں کے سامنے ہم چار انسانوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اپنے اندر آنے والوں پر ایک ہیبت سی طاری کر دیتے ہیں ان میں داخل ہونے والا کوئی انسان خوف کھائے نہیں رہتا ہے اور جو کہتا کہ وہ نہیں ڈرتا تو وہ یقیناً جھوٹ بولتا ہے۔ اس وقت ہم سب ہی ڈرے ہوئے تھے اور احتیاط سے چل رہے تھے۔ کوہ پیمائی کی دکان میں مجھے ایک ہاتھ پر باندھنے والا آلٹی میٹر نظر آیا تھا میں نے بھی لے لیا۔ اس وقت بھی وہ میری کلائی پر تھا اور اس کے مطابق ہم تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے اوپر جا چکے

تھے۔ بارہ بجے ہم چودہ ہزار فٹ کی بلندی بھی عبور کر چکے تھے اور تہہ در تہہ پہاڑوں کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں سوائے برف کے اور کچھ نہیں تھا۔ بیتو نے مجھ سے کہا۔

''اگر ہم ادھر مر جائے تو کسی کو ہمارا پتا بھی نہیں چلے گا۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ایسا اکثر ہوتا ہے۔ پہاڑوں میں سفر کرنے والے کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی لاشیں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں جب برسوں بعد کسی کا اس طرف سے گزر ہوتا ہے تو ان کی لاشیں دریافت ہوتی ہیں۔''

بیتو مزید سہم گیا تھا۔ ''ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا ہے۔''

''ہونے کو کیا نہیں ہوسکتا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''موت تو شہر میں اپنے محفوظ گھر میں بیٹھے انسان کو بھی لے جاتی ہے۔ یہ تو ایک پُرخطر جگہ ہے لیکن اللہ سے بہتری کی امید رکھو اس نے پہلے بھی ہمیں بچایا ہے اور آگے بھی وہی بچائے گا۔''

ایک بجے ہم ایک بلند ٹیلے پر رکے تھے۔ اصل میں ہمیں اس پر چڑھ کر دوسری طرف اترنا تھا مگر دوسری طرف ایک طویل ڈھلان نظر آرہی تھی جس میں بہ ظاہر کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہیں تھی اس لیے طے ہوا کہ ہم دوپہر کا کھانا یہیں کھا لیتے ہیں۔ کھانا کیا تھا۔ کامی کی بنائی روٹی کے ساتھ اچار تھا۔ روٹی پتھر کی طرح سخت تھی اور اچار منجمد تھا وہ منہ میں جا کر پہلے پگھلتا تھا اور پھر اسے حلق سے اتارا جا سکتا تھا۔ اس علاقے میں کھانا بھی ایک قسم کی مشقت تھی۔ اوپر سے ہوا ہلکی ہونے سے ہمارا سانس مستقل پھولا رہنے لگا تھا۔ بولتے تھے تو دو جملوں کے بعد لازمی سانس کا وقفہ دینا پڑتا تھا۔ میں اور بیتو ٹیلے کی ڈھلان والے کنارے پر تھے۔ رانا چندر باز درمیان میں بیٹھا تھا اور کائی چیک اس بلند دیوار پر تھا جہاں سے اتر کر ہم آئے تھے۔ اچانک کائی چیک چونکا اور پھر اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

''مجھے لگ رہا تھا تین یا چار افراد اس طرف آرہے ہیں لیکن وہ ابھی دور ہیں۔''

میرا فکرمند ہونا لازمی تھا کیونکہ اس موسم میں یہاں کوئی اس وقت آسکتا تھا جب ایسا کرنا انتہائی لازمی ہو جاتا۔ میں نے جا کر اوپر سے دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ ''کائی اس طرف تو کوئی نہیں ہے۔''

''ہے صاحب۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''وہ کبھی اوٹ میں چلے جاتے ہیں اور کبھی نظر آنے لگتے ہیں۔''

میں غور کرتا رہا چند منٹ بعد مجھے دور برف میں کچھ نکتے سے حرکت کرتے دکھائی دیئے اور ایک منٹ سے بھی کم وقت میں دوبارہ غائب ہو گئے تھے۔ مجھے کائی چیک کی بات درست لگی تھی ہمارے عقب میں کچھ لوگ آرہے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کیوں آرہے تھے لیکن میری چھٹی حس نے بتایا کہ معاملہ گڑبڑ تھا۔ رانا ہماری باتیں غور سے سن رہا تھا اور میں اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے تھے۔ شاید اسے امید بندھی تھی کہ آنے والے اس کے ساتھی تھے اور اسے تلاش کرتے ہوئے ہمارے تعاقب میں آرہے تھے۔

ہمارے پاس سامان سے باہر صرف دو پستول تھے ایک بیتو کے پاس تھا اور دوسرا میرے پاس تھا رائفلیں ایک بیگ میں تھیں۔ میں نے کائی چیک کے سامنے اسلحہ ظاہر کرنے سے گریز کیا تھا تاکہ وہ ہمیں عام سیاح ہی سمجھتا رہے۔ ورنہ سیاحوں کے مسلح ہو کر گھومنے کا رواج نہیں ہوتا ہے۔ میں بیتو کے پاس واپس آیا

"مجھے لگ رہا ہے کہ رانا چندر باز کے آدمی پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے ہیں۔"

بیتو چونکا۔ "مجھے پہلے خطرہ تھا اس کے آدمی ضرور آئیں گے۔ اسے یہیں چھوڑ دیں۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ممکن نہیں ہے۔ میں اسے چین لے جانا چاہتا ہوں۔"

بیتو نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور میرے ساتھیوں کی یہ خوبی ہے جب وہ جان جاتے ہیں کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں تو وہ کیا اور کیوں نہیں کرتے ہیں۔ بیتو بولا۔ "ٹھیک ہے شوبی بھائی، پر ان آنے والوں کا کیا کرنا ہے؟"

"اگر وہ رانا کے لیے آئے ہیں تو ہم ان کا صفایا کر دیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہم رائفلیں نکال لے؟"

"ہاں کچھ پتا نہیں کہ آنے والے کن ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔" میں نے اسے اجازت دے دی۔

رائفلیں دونوں اس کے بیگ میں تھیں۔ بیتو رائفلیں نکالنے لگا۔ آنے والے اگر ہمارے تعاقب میں تھے تو ان کے لیے کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ برف پر ہم جا بہ جا اپنے نقش قدم چھوڑتے آئے تھے۔ ایک بات اور یقینی تھی کہ ان کی رفتار ہم سے تیز تھی کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے اوپر کوئی ایک من کا بوجھ تھا اور وہ اس سے آزاد تھے۔ رانا غور سے ہمیں دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

"سنو مجھے یقین ہے آنے والے میرے آدمی ہیں۔ اگر تم مجھے آزاد کر دو تو میں وعدہ کرتا ہوں ان کو لے کر خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ کوئی تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔"

"تم خاموشی سے بیٹھو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر یہ تمہاری آدمی ثابت ہوئے تو تمہیں کچھ اموات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"مرنا مارنا ہمارے لیے کھیل ہے۔" اس نے جرأت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

"مرنا نہیں مارنا اور وہ بھی عام لوگوں کو جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے ہیں۔" میں نے طنز کیا۔ "اگر تمہارے آدمیوں کو مرنا آتا ہوتا تو وہ اتنے اناڑی پن سے نہ مرتے۔"

کائی چیک نے اطلاع دی۔ "اب وہ لوگ صاف نظر آ رہے ہیں۔"

میں نے جا کر اوپر سے دیکھا تو اس کی بات درست نکلی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایک میل دور تھے اور ان کی تعداد چار یا پانچ تھی۔ اس دوران میں بیتو رائفلیں نکال لایا اور اس نے ایک رائفل مجھے دے دی۔ کائی چیک چونکا۔ "تم لوگوں کے پاس اتنا اسلحہ ہے۔"

"یہ حفاظت کے لیے ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم فکر مت کرو۔"

لیکن میری تسلی کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھا وہ مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے رانا سے کہا۔ "تم اوندھے منہ زمین پر لیٹ جاؤ جلدی۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی اور میں نے اپنا اور بیتو کا بیگ اس کی پشت پر رکھ دیا تھا اب وہ آسانی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا اور ہم اس کی طرف سے مطمئن ہو کر آنے والوں کے خلاف کارروائی کر سکتے تھے۔ اب وہ نصف میل کے فاصلے پر تھے اور ان کی تعداد واضح طور پر پانچ تھی۔ کائی چیک کی نظریں زیادہ تیز تھی اور وہ کچھ بے چین

تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ”آنے والوں میں ایک عورت بھی ہے۔“
میں چونکا۔ ”عورت......تم کو کیسے پتا چلا؟“
”اس کی چال سے۔“ اس نے بتایا۔ ”وہ درمیان میں ہے کبھی کبھی نظر آتی ہے۔“
میرے ذہن میں ایک خدشہ آیا تھا لیکن میں نے کائی چیک سے نہیں کہا۔ میں نے ایک طرف مورچہ جما لیا تھا اور مجھ سے دور بیتو نے اس طرح پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اس طرح کہ آنے والے اس ڈھلان پر پوری طرح ہماری زد میں ہوتے۔ ہم نے برف کی مدد سے خود کو کیموفلاج کر لیا تھا۔ آنے والے ایک سوگز کی دوری تک آجاتے تو ہم سے نہیں بچ سکتے تھے۔ کائی چیک میرے ساتھ ہی لیٹا ہوا تھا۔ اچانک وہ اچھلا۔
”یہ...... یہ تو کامی ہے۔“ اس نے لرزتے لہجے میں کہا۔
مجھے اسی کا خدشہ تھا لیکن میں نے اسے تسلی دی۔ ”ایسا کیسے ہوسکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“
”نہیں اس نے جو لباس پہن رکھا ہے یہ میں ہی لایا تھا۔ وہ دیکھو سفید پتلون پر سرخ دھاریاں ہیں۔ اس نے جو جیکٹ پہن رکھی ہے شانے سے ادھڑ گئی تھی تو اس نے سیاہ اون کپڑے کا پیوند لگایا تھا۔“
لڑکی کے لباس میں یہ دونوں خصوصیات نمایاں تھیں۔ اب میں جان گیا کہ آنے والوں کو کیسے پتا چلا کہ ہم کہاں جا رہے تھے اور انہوں نے ہمارا بالکل درست پیچھا کیا تھا۔ وہ کائی چیک کے گھر پہنچے اور اس کی لڑکی سے سب معلوم کر لیا اور پھر اسے لے کر ہمارے پیچھے آئے تھے۔
”میری بیٹی۔“ کائی چیک جذباتی ہو کر اٹھنے لگا تھا کہ میں نے اسے روک لیا۔
”یہ کیا حماقت کر رہے ہو۔ ان کو نزدیک آنے دو۔“
”مجھے جانے دو۔“ اس نے مزاحمت کی۔ ”انہوں نے کامی کو پکڑ رکھا ہے۔“
”تمہارے جانے سے وہ اسے نہیں چھوڑ دیں گے۔“ میں نے اسے سختی سے روکا۔ ”اسے ہم چھڑائیں گے لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ تم آرام سے رہو اور ان کو خبردار مت کرو۔“
بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ دبک کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میں یہی سمجھا تھا کہ وہ میری بات سمجھ گیا ہے۔ آنے والے کوئی دو سو گز دور تھے۔ میری توجہ کائی چیک کی طرف نہیں رہی تھی اس لیے جب وہ اچانک اٹھ کر بھاگا تو میں اسے روک نہیں سکا تھا اس نے برف کی دیوار پھلانگی اور دوسری طرف کود کر نیچے اترنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے مقامی زبان میں کچھ چلانا شروع کر دیا تھا۔ بعد میں رانا نے مجھے بتایا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ ”میری بیٹی کو چھوڑ دو۔“
کائی چیک کی آواز سن کر اور پھر اسے دیکھ کر آنے والے رک گئے تھے اور میں نے ان میں سے ایک کو اپنی رائفل اٹھاتے دیکھا میں نے جلدی سے اس کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی لیکن اس سے پہلے وہ کائی چیک پر گولی چلا چکا تھا۔ میرا نشانہ دوری کی وجہ سے خطا گیا اور اس کا نشانہ ٹھیک بیٹھا کیونکہ کائی چیک اتنی دیر میں خاصا نیچے جا چکا تھا۔ اسے گولی لگی تو وہ قلابازی کھا کر ڈھلان پر گرا اور کچھ دور لڑھکنے کے بعد ساکت ہو گیا۔ اس کی بیٹی چلائی تھی۔ اسے ایک آدمی نے پکڑ رکھا تھا اور وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔
میں نے اور بیتو نے دوسروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی آنے والے میرے فائر سے ہوشیار ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ انہوں نے چھوٹی موٹی آڑوں کی پناہ لے لی تھی۔ میں نے سر پر ہاتھ

مارا۔کائی چیک خود بھی مارا گیا تھا اور ہمیں بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔آنے والی ابھی ہماری حد سے کچھ دور تھے۔ وہ بیس پچیس قدم بھی آگے آجاتے تو ہم ان کو بچ کر جانے کا موقع نہیں دیتے۔

''بیتو کوشش کرو کہ ان کو انفرادی نشانہ بناؤ۔'' میں نے کہا۔''گولیاں ضائع مت کرنا۔''

بیتو نے سر ہلایا لیکن یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ میں اور بیتو دونوں ہی کوئی غیر معمولی نشانے باز نہیں تھے کہ دو سو گز کی دوری سے معمولی سے نظر آنے والے دشمن کو نشانہ بنا سکیں۔ میں نے رائفل کو سنگل موڈ پر کیا اور سب سے آگے موجود آدمی کو نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگا وہ برف کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے پیچھے اس طرح چھپا تھا کہ اس کے جسم کا معمولی سا حصہ نظر آرہا تھا۔اس معمولی سے حصے کو نشانہ بنانا بہت مشکل کام تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ آنے والوں کے عزائم قاتلانہ تھے اور انہوں نے کائی چیک کو کوئی موقع دیئے بغیر گولی ماردی تھی۔ میں فائرنگ شروع کی اور بیتو بھی کوشش کرنے لگا اور برف زار فائرنگ کی آواز سے گونجنے لگا تھا۔ یہاں سردی کی وجہ سے برف سخت ہو رہی تھی ورنہ سنو سلائیڈنگ کا خطرہ تھا۔کوئی ایک درجن گولیاں چلانے کے بعد بھی نتیجہ صفر تھا اور آنے والوں نے بھی فائرنگ شروع کردی تھی لیکن جس طرح وہ ہماری حد سے تقریباً باہر تھے اسی طرح ہم بھی ان کی حد سے دور تھے۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے سب سے آگے موجود شخص کے سامنے موجود برف کے ابھار کو نشانہ بنایا۔اگر یہ صرف برف تھی تو گولی اس میں سے آسانی سے گزر سکتی تھی۔ میں نے کئی گولیاں چلائیں اور برف کا ٹیلہ اُڑ گیا تھا۔اب اس کے پیچھے چھپا آدمی صاف نظر آنے لگا تھا۔اسے بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ نظر آرہا ہے اور اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی کہ بیتو نے اسے نشانہ بنالیا دو گولیاں اس کی پشت میں اتر گئی تھیں وہ چیخ مار کر اوندھے منہ برف پر گرا اور کچھ دور پھسلنے کے بعد ساکت ہو گیا تھا۔اس کے آس پاس پھیلتا خون دور سے بھی صاف نظر آرہا تھا میں نے بے ساختہ بیتو کو داد دی۔''شاباش برخوردار۔''

اب تین دشمن باقی تھے اور ان کو اپنے ساتھی کی موت نے دیوانہ کر دیا تھا انہوں نے بیک وقت ہماری طرف اتنی شدت سے فائرنگ کی تھی کہ میں اور بیتو تھوڑا نیچے آگئے تھے۔ہم نے جہاں مورچے بنا رکھے تھے وہاں کی برف اُڑ رہی تھی اور اس جگہ جیسے ایک چھوٹا موٹا برفانی طوفان آگیا تھا۔رانا بیگز کے بوجھ تلے کسمسا رہا تھا۔میں نے جھک کر کہا۔

''مبارک ہو تمہارا ایک اور مبینہ ساتھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔''

اس نے بھرائی آواز میں کہا۔''نہ جانے وہ کون سے منحوس گھڑی تھی جب تم لوگ مندر کی طرف آئے تھے۔''

''یقیناً ہم بہت سے لوگوں کی شامت اعمال بن کر آتے ہیں۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا اور دوبارہ اوپر چڑھا۔دشمن کا اشتعال کسی قدر کم ہو گیا تھا اور اس کی طرف سے فائرنگ میں کمی آگئی تھی غالباً انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ بے کار میں گولیاں ضائع کررہے تھے اور ایمونیشن ان کے پاس یقیناً لامحدود نہیں تھا۔ مارا جانا والا سب سے آگے تھا اور اس کے بعد موجود شخص کوئی پانچ قدم کی دوری پر ایک بڑی آڑ میں تھا اور اس کا جسم نظر نہیں آرہا تھا۔باقی دو نے بھی خود کو مناسب انداز میں چھپا رکھا تھا۔ان میں سے ایک نے لڑکی کو بھی قابو کر رکھا تھا کبھی

کبھی وہ مزاحمت کرتی تو اس کی ایک جھلک نظر آتی تھی۔ مجھے افسوس ہوا اس کا باپ اس کی نظروں کے سامنے مارا گیا تھا۔ اور اب اس کا دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

میں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ فی الحال دونوں اپنے اپنے مورچوں میں محفوظ تھے۔ ہم اس لحاظ سے بہتر تھے کہ بلندی پر تھے اور اس لحاظ سے مشکل میں تھے کہ ہماری طرف ایک سیدھی ڈھلان تھی اگر ہم اس پر سفر شروع کرتے اور دشمن پیچھے سے آ جاتا تو بلندی کی وجہ سے اس کی پوزیشن بہتر ہو جاتی اور ہمیں چھپنے کے لیے جگہ نہیں ملتی گویا ہم اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ دشمن کے عزائم جاننے کے لیے میں نے ڈائلاگ کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کیا اور چلا کر بولا۔

''تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟'' میں نے انگریزی میں کہا تھا

جواب کچھ دیر بعد آیا تھا اور انگریزی میں آیا۔ ''ہم جو بھی ہوں ہمیں رانا چاہیے۔ اگر تم رانا چندر بازدے دو تو ہم خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔''

''اور اگر نہ دوں تو؟''

''تو تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔ یہ وہی تھا جواب سب سے آگے ایک ابھار کے پیچھے روپوش تھا۔ ''راناجی کو ہم لے کر جائیں گے۔''

''زندہ یا مردہ؟''

''بکومت تم زیادہ دیر نہیں بچ سکو گے۔'' وہ بھڑک کر بولا۔

میں ہنسا۔ ''یہ بات تم کہہ رہے ہو جس کا ایک ساتھی مارا جا چکا ہے۔''

''ہمیں معلوم ہے تم اس جگہ سے نہیں نکل سکتے اگر تم اپنا مورچہ چھوڑ دو گے تو ہم اوپر آ جائیں گے۔''

''تم بھی ساری عمر اس جگہ نہیں رہ سکتے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ہم انتظار کر سکتے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''ہمیں جلد مزید کمک مل جائے گی اور اس کے بعد ہم تمہارے یہاں سے نکلنے کا راستہ بند کر دیں گے۔''

یہ اطلاع تشویش ناک تھی اور وہ کیونکہ آبادی کی طرف سے آ رہے تھے اس لیے اس کی بات کو جھوٹ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ عین ممکن ہے ان کے کچھ ساتھی کمک لینے روانہ ہو چکے ہوں اور ان کو آنے میں وقت لگتا لیکن وہ آ سکتے تھے۔ جب کہ ہمیں نہ تو کہیں سے کمک مل سکتی تھی اور نہ ہی ہم اس جگہ کو چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ میں نے سوچا اور پھر سر جھٹکا یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی بلکہ ہمارے لیے تو ہرگز بھی نئی بات نہیں تھا اگر دو چار دن کہیں اس قسم کی صورتِ حال سے دوچار نہ ہوں تو زندگی میں بے چینی سی محسوس ہونے لگتی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''اب کیا کیا جائے۔''

بیتو میرے پاس کھسک آیا تھا۔ ''شوبی بھائی ہم نے پوچھا نہیں تھا کہ اس کو لے جانا کیوں ضروری ہے۔'' اس نے کچھ دور برف پر پڑے رانا کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن اس کے بغیر ہم بہتر سفر کر سکتا ہے۔''

''اسے لے جانا لازمی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''سمجھ لو کہ اس کا جانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ہمارا جانا۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے تب ہم اندھیرا ہونے پر نکل سکتے ہیں۔ ورنہ اس وقت تو ہم بہت آسانی سے ان کا نشانہ بن جائیں گے۔''

''میں کب تک اس طرح پڑا رہا ہوں گا۔'' رانا نے فریاد کی۔

''پڑے رہو۔'' بیتو غرایا۔ ''ورنہ ہمیشہ کے لیے پڑے جاؤ گے۔''

''میں اتنے بوجھ کے ساتھ پڑا رہا تو میرا جسم بے کار ہو جائے گا اور تمہیں مجھے مار کر ہی جانا پڑے گا۔'' وہ پھر بولا۔

میں نے سوچا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ''بیتو اس پر سے بیگ ہٹا دو اگر ہمیں یہاں سے عجلت میں نکلنا پڑا تو اس کا جسم اس قابل نہیں رہے گا۔''

بادلِ ناخواستہ بیتو نے بیگز ہٹا دیئے اور ساتھ ہی اسے خبردار کیا۔ ''لیکن اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔''

رانا لیٹا رہا تھا۔ دن کے ڈھائی بج رہے تھے اور ڈھائی گھنٹے بعد یہاں اندھیرا چھانے لگتا۔ گویا ہمیں تین گھنٹے تک ان لوگوں کو روکنا تھا۔ اس کے بعد ہم یہاں سے نکل سکتے تھے۔ شروع میں نیچے موجود لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ہم وقفے وقفے سے فائر کرتے رہے تھے لیکن چار بجے ہم نے خاموشی اختیار کر لی اور اوپر سے نگرانی کرنا بھی بند کر دی۔ کوہ پیمائی کے سامان کی دکان سے میں نے جو بیگز لیے تھے ان پر آئینے بھی لگے تھے۔ میں نے ان میں سے دو آئینے نکال کر برف میں اس طرح سیٹ کر لیے کہ مجھے اور بیتو کو سر نکالے بغیر بھی دوسری طرف کا منظر نظر آ رہا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہماری طرف سے خاموشی کے بعد ان کا ردِعمل کتنی دیر میں سامنے آتا ہے۔ رانا کو بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ زبان بند رکھے اور بولنے کی کوشش نہ کرے۔ کوئی ساڑھے چار بجے مخالف کیمپ میں بے چینی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ بار بار جھانک کر دیکھ رہے تھے اور ایک دو بار ہمیں آواز بھی دی تھی۔

میں نے بیتو کو اشارہ کیا کہ تیار رہے ممکن ہے وہ اوپر آنے کی کوشش کریں۔ پونے پانچ بجے جب سورج ڈوبنے کے قریب تھا تو ان میں سے ایک اپنی آڑ سے نکلا اور جھک کر دبے قدموں اوپر آنے لگا۔ وہ مجھے آئینے میں صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ پہلے اپنے ساتھی کی لاش کے پاس سے گزرا اور پھر کائی چیک کی لاش تک آیا تھا۔ میں اس کے مزید آگے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنا آگے کہ وہ پلٹ کر واپس نہ جا سکے اس کے ساتھی اپنی جگہوں پر دبکے منتظر تھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے میں نے بیتو کو اشارے سے بتایا کہ ایک اوپر آ رہا ہے اور ہمیں بیک وقت اسے نشانہ بنانا تھا۔ بیتو نے سر ہلایا وہ سمجھ گیا تھا۔

آنے والے کے پاس بھی رائفل تھی اور اس نے اسے یوں اٹھا رکھا تھا کہ فوراً فائر کر سکے اسے بھی اندازہ تھا کہ وہ کتنا بڑا خطرہ مول لے رہا تھا اگر ہم اسے دیکھ لیتے تو اس کا بچ کر واپس جانا بہت مشکل تھا۔ اس کے باوجود وہ اوپر کی طرف آ رہا تھا تو اپنے ساتھیوں کی نسبت دلیر تھا یا پھر مجبور تھا۔ اب وہ کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔

میں نے آئینہ اس طرح نصب کیا تھا کہ اس کی چمک ان لوگوں کو متوجہ نہ کرے ویسے بھی سورج ہمارے دائیں طرف کسی قدر عقب میں تھا اور اس کی روشنی منعکس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لیکن وہ تھوڑا سا اوپر آیا تھا کہ اسے کچھ نظر آ گیا یا اس کی چھٹی حِس نے اسے خبردار کر دیا اور وہ اچانک

پلٹ کر بھاگا۔ میں چلایا۔ ''بیتو وہ جا رہا ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے اوپر ہوتے ہوئے بھاگتے شخص پر برسٹ مارا۔ وہ اس کی حد میں تھا اور اسی لمحے بیتو نے اس کا نشانہ لیا تھا اس کی پشت میں کئی گولیاں اتر گئی تھیں اور وہ اچھل کر برف پر گرا پھر لڑھکتا ہوا نیچے جانے لگا اگر وہ مرا نہیں تھا تب بھی شدید زخمی ضرور ہوا تھا۔ اس کے ساتھی اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے تھے لیکن ہم اپنے مورچوں میں محفوظ تھے ان میں سے کوئی چیخ چیخ کر مقامی زبان میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ یقیناً گالیاں دے رہا تھا۔ میں اور بیتو دونوں نیچے کی طرف متوجہ تھے اور اس لمحے ہم رانا کو عارضی طور پر بھول گئے تھے اور شاید اس نے محسوس کر لیا کہ یہی موقع تھا جس کا اسے بڑی دیر سے انتظار تھا۔ وہ دبے قدموں اٹھا اور پھر میری طرف جھپٹا اس نے عقب سے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ مجھے آخری موقع پر احساس ہوا اور میں نے پلٹنے کی کوشش کی تھی لیکن اسی لمحے وہ مجھ پر آ گرا۔ میں کنارے کے اوپر تھا اور یہاں سخت برف جمی ہوئی تھی۔

جب رانا نے مجھ پر چھلانگ لگائی تو اس کا وزن دوگنا ہو کر مجھ پر آیا یعنی برف کے کنارے پر آیا اور برف سخت ہونے کی وجہ سے دھنسی نہیں بلکہ کنارہ ہی ٹوٹ گیا۔ میں رانا سمیت ڈھلان پر لڑھک گیا تھا اور پھر تیزی سے نیچے جانے لگا تھا۔ رانا اتنا چالاک تھا کہ اس نے نیچے گرتے ہوئے بھی مقامی زبان میں چلا کر کچھ کہا۔ شاید اس نے اپنے ساتھیوں کو فائرنگ کرنے سے منع کیا تھا کیونکہ وہ انجانے میں فائرنگ کر دیتے تو میرے ساتھ وہ بھی مارا جاتا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ مجھے رائفل نہ استعمال کرنے دے اور ساتھ ہی لڑھکنے کا عمل بھی جاری رہے۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن رانا کی وجہ سے میں رک نہیں پا رہا تھا۔ ایک بار میری کہنی کے سامنے اس کا منہ آیا تو میں نے بلا تکلف اس کے منہ پر وار کیا اور اس کے کم سے کم دو دانت داغ مفارقت دے گئے تھے۔ اس کی چیخ بھی میری کہنی تلے دب گئی تھی۔

بیتو اوپر ہی رہا تھا اور اس نے باقی دو افراد پر فائرنگ جاری رکھی تھی تاکہ وہ اپنے مورچوں سے ہم پر فائر نہ کر سکیں۔ اسے خبر نہیں تھی کہ رانا کی وجہ سے ویسے ہی کوئی ہم پر فائر نہیں کر رہا تھا۔ لڑھکتے ہوئے ہم کائی چیک کی لاش کے پاس پہنچے تو میں نے اچانک ہاتھ بڑھا کر کائی چیک کی ٹانگ پکڑ لی اور میں ایک جھٹکے سے رکا تھا تو رانا مجھ سے ہوتا آگے گیا۔ اس نے مجھے لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ رک جانے کے بعد جیسے ہی میرا مومینٹم ختم ہوا میں نے کائی چیک کی آڑ لی اور رائفل سیدھی کر کے رانا کے اس آدمی پر فائر کیا جو اپنی آڑ سے نکل کر مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس سے پہلے میری گولی اسے چھوتی اوپر سے بیتو نے فائر کیا اور میں نے کم روشنی میں بھی اس کے سر سے خون کا فوارہ بلند ہوتے دیکھا۔ وہ پلٹ کر گرا تھا اور فوراً مر گیا۔ اسے مرتے دیکھ کر رانا مارے دہشت کے رک گیا۔ اب وہ سنبھل کر خود سے نیچے جا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''مجھے مت مارنا۔''

میں نے رائفل اس کی طرف کر دی۔ ''اپنے ساتھی سے کہو ہتھیار پھینک کر سامنے آ جائے ورنہ تم مارے جاؤ گے۔''

میرے لہجے میں موجود سفاکی نے اسے ڈرا دیا تھا اس نے جلدی سے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''ہتھیار پھینک دو۔''

مگر اب اس کا ساتھی باغی ہو گیا تھا۔ اس نے آڑ سے کہا۔ ''میں پاگل نہیں ہوں جو مرنے کے لیے ہتھیار پھینک دوں۔ میں اسے بھی مار دوں گا۔'' اس نے کہتے ہی میری طرف ایک برسٹ مارا لیکن میں کائی چیک کی لاش کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا گولیاں اسے لگی تھیں۔ اس موقع پر جو ہوا وہ میرے ساتھ رانا اور اس کے ساتھی کے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ کامی جواب تک خاموش تھی اور صدمے میں تھی اس سے اپنے باپ کی لاش کی یہ بے حرمتی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے اچانک ہی رانا کے ساتھی پر حملہ کر دیا۔ اس نے عقب سے چمٹ کر اس کا کان دانتوں سے پکڑ لیا تھا۔ اس افتاد اور پھر تکلیف سے بلبلا کر وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر دھان پان سی کامی ایک جنونی کیفیت میں اس سے چمٹ گئی تھی۔ اس نے اس شخص کا کان تقریباً الگ ہی کر دیا تھا۔

وہ شخص تکلیف کی وجہ سے پاگل کتے کی طرح چلا رہا تھا اور کامی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس نے کسی طرف کامی کا ایک بازو پکڑ کر اسے گھما کر برف پر دے مارا۔ اس وقت وہ میرے بالکل سامنے تھا اور اس کی رائفل گر چکی تھی۔ جب اسے احساس ہوا اور وہ واپس دوڑا تو میں نے اس کے پیروں کی طرف فائر کیا گولی بالکل پاس لگی تو وہ جلدی سے ساکت ہو گیا اور جسم اکڑا لیا تھا۔ میں نے اٹھنے کے بجائے لیٹے لیٹے اسے حکم دیا۔

''برف پر الٹے لیٹ کر اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو۔''

اور میری اس احتیاط نے بچا لیا اس نے چپکے سے اپنے لباس سے پستول نکال لیا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ میرے حکم کی تعمیل کی صورت میں وہ اسے استعمال نہیں کر سکے گا تو اس نے اچانک ہی میری طرف پستول کرتے ہوئے گولی چلا دی۔ کائی چیک کی لاش نے ایک بار پھر مجھے بچا لیا تھا۔ یہ گولی بھی اس کے مردہ جسم میں اتر گئی اور اگلے ہی لمحے بیتو نے اس کی کھوپڑی بھی اڑا دی تھی۔ یہ سب مشکل سے ایک منٹ میں ہو گیا تھا اور کسی کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ رانا چندر باز کا حوصلہ جواب دیا گیا تھا اور وہ بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''ماتما کے لیے مجھے مت مارنا۔''

میرا اسے مارنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے شدت سے غصہ آ رہا تھا میں نے اچانک اس کے سر کے اوپر فائر کیا تو وہ دہشت سے چیخ مار کر نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں کھڑا ہوا اور اس دوران میں بیتو اوپر سے بھاگتا ہوا آیا تھا اور اس نے سب سے پہلے مارے جانے والے افراد کو چیک کیا کہ ان میں سے کوئی زندہ تو نہیں ہے لیکن وہ سب مر چکے تھے۔ میں کامی کی طرف بڑھا مارے جانے والے شخص نے اسے بے دردی سے پٹخا تھا اگر چہ وہ برف پر گری تھی لیکن برف بھی اتنی نرم نہیں تھی میں نے اسے سیدھا کیا اور اس کی نبض دیکھی۔ نبض دھیمی لیکن متواتر رفتار سے چل رہی تھی وہ شاید صرف دھچکے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ رانا بھی بے ہوش تھا۔ بیتو نے بے دردی سے اسے تھپڑ مارے اور وہ کچھ دیر کسمسانے کے بعد ہوش میں آ گیا تھا اس نے رونے والے انداز میں کہا۔ ''مجھے مت مارو۔''

مجھے شدت سے رانا پر غصہ آ رہا تھا۔ میں نے کامی کو ہوش میں لانے کے بجائے شانے پر ڈالا اور بیتو سے کہا۔ ''اس حرامزادے کو اوپر لے کر آؤ۔''

میں کا می کو اوپر لے آیا اسے پلانے کے لیے پانی نہیں تھا صرف برف تھی میں نے وہی کا می کے ہونٹوں سے لگا دی۔ وہ بڑی پیاری اور معصوم نظر آنے والی لڑکی تھی اور مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ دنیا میں اپنے واحد رشتے سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ کچھ برف پگھل کر اس کے منہ میں گئی تو وہ بھی ہوش میں آنے لگی۔ جیسے ہی اسے مکمل ہوش آیا وہ کسی وحشت زدہ ہرنی کی طرح چونک کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ یہ زبان مجھے تو کیا بیتو کی سمجھ میں بھی نہیں آتی ہے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ سب ٹھیک ہے اور اب کوئی دشمن باقی نہیں رہا ہے لیکن اسے دشمنوں کی نہیں اپنے باپ کی فکر تھی۔ وہ چیخ مار کر اٹھی اور ڈھلان سے نیچے کی طرف لپکی جہاں کائی چیک کی لاش پڑی تھی۔

میں نے اسے جانے دیا البتہ خود اس کے پیچھے آیا تھا۔ جب میں نیچے پہنچا تو وہ کائی چیک کی لاش کے پاس بیٹھی بلند آواز سے رو رہی تھی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ میں اسے زبان سے نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اس لیے بہتر تھا وہ رو کر اپنا دکھ ہلکا کر لے۔ اس لیے میں نے دوسرے معاملات پر توجہ دی۔ ایک طرف گڑھا سا تھا۔ یہ زیادہ گہرا تو نہیں تھا لیکن کام آ سکتا تھا۔ میں نے رانا کے ساتھیوں کی لاشیں کھینچ کر اس گڑھے میں ڈال دیں پھر ان کا اسلحہ جمع کیا اور وہ بھی اس گڑھے میں ڈال دیا۔ ایک بار مجھے خیال آیا کہ ان کی جیبوں کی تلاشی لوں لیکن پھر مجھے یہ بات بے کار لگی اور میں نے اس سے گریز کیا۔

پھر میں کا می کے پاس آیا اور اسے کائی چیک کی لاش کے پاس سے ہٹایا میں نے اسے اشاروں سے سمجھایا کہ میں کائی چیک کو بھی دفن کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سمجھ گئی اور اس نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ اس دوران میں تاریکی چھا گئی تھی اور بیتو اوپر سے کیروسین لیپ روشن کر کے لے آیا۔ میں نے رانا کا پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''اسے باندھ کر ڈال دیا ہے۔''

کائی چیک کو میں نے اسی گڑھے میں ذرا الگ سے ہٹ کر دفن کیا تھا۔ ان پر اچھی طرح برف ڈال کر ہم اوپر آ گئے۔ اب آنے والے گرما سے پہلے ان لاشوں کے دریافت ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کا می نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن کبھی کبھی وہ سسکیاں لینے لگتی تھی۔ بیتو نے خیمہ لگایا اور سب سے پہلے اسٹوو جلا کر کافی بنانے لگا۔ کافی پی کر سب کی جان میں جان آئی تھی اور اسٹوو کی وجہ سے خیمے کے اندر کا ماحول کسی قدر گرم بھی ہوا تھا۔ پھر کھانا گرم کیا گیا۔ میں نے اپنے لیے بھیڑ کے گوشت کے ٹکڑے تلے اور ان پر ہلکا سا نمک چھڑک کر ایک ٹن مٹر کا کھول کر اس کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے بعد پھر کافی کا دور چلا تھا۔ کھانے کے دوران بیتو نے رانا کے ہاتھ پیر کھول دیئے تھے۔ اس کے بعد اسے پھر باندھ دیا۔ اس نے معمولی سی مزاحمت کی تھی لیکن بیتو نے دو گھونسے مار کر اسے سیدھا کر دیا تھا۔ باندھے جانے کے بعد وہ پٹے ہوئے کتے کی طرح ایک طرف سر ڈال کر لیٹ گیا۔

میں کا می کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب اس کا کیا کرنا ہے۔ ایک طرح سے وہ ہمارے سر آ گئی تھی اور ہم اسے اس ویرانے میں نہ تو چھوڑ کر جا سکتے اور اسے ساتھ لے جانا بھی مشکل تھا اسے چھوڑنے کے لیے واپس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات بیتو بھی سوچ رہا تھا اس نے اصرار کر کے کا می کو کچھ کھلایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی اس کا کیا کرنا ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یار۔''

''اسے واپس چھوڑنے تو نہیں جا سکتے۔'' بیتو نے بھی وہی کہا جو میرے ذہن میں تھا۔

''یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اول تو رانا کے گرگے وہاں ہوں گے اور دوسرے اب اس کا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف باپ تھا اب وہ بھی نہیں رہا ہے۔ میرا دل گوارا نہیں کر رہا ہے کہ اسے اکیلے واپس جانے کو کہوں۔''

بیتو کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے دبے لفظوں میں کہا۔''شوبی بھائی اگر ہم اسے ساتھ لے چلیں۔''

''لے جانے میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی حرج ہے لیکن ہم ایک اندھے راستے پر جا رہے ہیں اور کچھ نہیں معلوم کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا۔ کہیں یہ بے چاری اور مصیبت میں نہ پڑ جائے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ ہمیں چین میں پکڑ لیا گیا تو یہ بھی پکڑی جائے گی اور جیل جائے گی۔''

''بالکل ایسا ہی ہوگا۔ کسی کے ساتھ الگ سے نہیں ہوگا ہم سب بھگتیں گے۔'' میں نے سر ہلایا۔ بیتو چپ ہو کر پھر سے کافی بنانے لگا تھا۔ ہم نے خیمہ دوسری کی ڈھلان پر برف ہٹا کر اس طرح نصب کیا تھا کہ اس کے پھسلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ یہ خاصا بڑا خیمہ تھا ویسے تو تین افراد کے لیے تھا لیکن اس میں چار بھی آرام سے آ گئے تھے۔ کامی ویسے ہی دھان پان سی تھی۔ اگلو نما خیمے کی زپ بند کر لینے سے اب یہ مکمل طور پر بند ہو گیا تھا اور اسٹوو کی وجہ سے اندر سے گرم بھی ہو گیا تھا۔ کافی بنا کر بیتو نے اسٹوو بند کر دیا اور سارا سامان پھر سے پیک کر دیا۔

کامی اب سکون سے تھی میں نے بیتو سے کہا۔''اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ یہ کیا چاہتی ہے۔''

بیتو نے سر ہلایا اور اس کے ساتھ اشاروں کی زبان میں بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے رانا کا جائزہ لیا۔ بیتو نے اس کے ہاتھ پشت کی طرف کر کے باندھ دیئے تھے ساتھ ہی اس کے پاؤں بھی باندھے تھے اب وہ آزادی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے شرافت سے کہا۔''مجھے سلیپنگ بیگ دے دو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''آج تمہیں ایسے ہی سونا ہوگا۔ سلیپنگ بیگ اس لڑکی کو ملے گا جسے تم نے یتیم کر دیا ہے۔''

اس نے بے چینی سے سر پٹخا۔''مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں تم ٹھٹھر سکتے ہو لیکن مجھے یقین ہے تم سردی سے مرو گے نہیں۔''

رانا سمجھ گیا کہ اسے سلیپنگ بیگ نہیں ملے گا۔ اس لیے وہ خود میں سکڑ سمٹ کر سردی سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں ٹھیک کہا تھا کہ وہ ٹھٹھرے گا ضرور لیکن مرے گا نہیں۔ کیونکہ سردی ناقابلِ برداشت نہیں رہی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔''میں سو رہا ہوں تم جاگتے رہنا اور کوشش کرنا کہ کامی سے اس کی مرضی معلوم کر لو لیکن اسے بتا دینا کہ اگر اس نے واپس جانا ہے تو اسے یہ سفر اکیلے کرنا ہوگا اور ہمارے ساتھ جانا چاہے تو آگے بھی بہت سارے خطرات ہیں مجھے چار گھنٹے بعد اٹھا دینا۔''

''ٹھیک ہے آپ سو جاؤ...... ہم اس کا بات کچھ کچھ سمجھنے لگا ہے۔'' بیتو نے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ یہ کام کچھ زیادہ ہی دل جمعی سے کر رہا تھا لیکن میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ میں اپنے سلیپنگ بیگ میں

گھسا تو مجھے اندازہ ہوا کہ خیمے کی بند فضا میں بھی ٹھیک ٹھاک سردی تھی اور مجھے اب سکون آیا تھا۔ مجھے رانا کا خیال آیا لیکن میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا ہمارے پاس کل تین سلیپنگ بیگز تھے اور ان کے علاوہ اوڑھنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے ایک خیال اور آیا تھا جب ہم مزید بلندی کی طرف جائیں گے تب رانا رات کو کیسے گزارا کرے گا۔ درجہ حرارت ابھی بھی منفی دس کے پاس تھا اور مزید بلندی پر یہ گر کر منفی تیس سے منفی چالیس تک چلا جاتا۔ اس قیامت کی سردی کا مقابلہ انسان چلتے پھرتے تو کر سکتا تھا لیکن رات کے وقت اس میں بنا کسی چیز کے سونا اور خود سے سردی سے بچائے رکھنا ناممکن تھا میں اس بات پر غور کرتے کرتے سو گیا۔

بیتو نے مجھے چار کے بجائے چھ گھنٹے بعد جگایا تھا اس نے معذرت کی۔ ''شوبی بھائی......اب ہم نیند سے مر رہا ہے اس لیے تم کو جگا دیا۔''

''احمق تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا۔'' میں نے سلیپنگ بیگ سے باہر آتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اندر کی گرمی سے مجھے خطرہ تھا پھر نیند نہ آ جائے۔ بیتو جلدی سے اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا اور کامی پہلے ہی سو رہی تھی۔ رانا بھی ایک طرف سکڑا سمٹا سو رہا تھا اور اس کی حالت بتا رہی تھی کہ سردی سے اس کا برا حال ہے۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اسے جگایا۔

''تم میرے بیگ میں سو جاؤ۔''

وہ کچھ حیران ہوا تھا لیکن اسے موقع ملا تو اس نے سوال جواب میں وقت ضائع نہیں کیا تھا اور فوراً میرے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے اسٹوو جلایا اور کافی بنانے لگا۔ اس دوران میں خیمے کی اندر کی فضا پھر سے کسی حد تک سرد ہو چلی تھی۔ اور گرم سلیپنگ بیگ سے باہر آنے کے بعد مجھے کچھ زیادہ ہی سردی لگ رہی تھی اس لیے جب میں نے اسٹوو جلایا تو جان میں جان آئی تھی۔ کافی کا گرم مگ لے کر میں ایک طرف بیٹھ گیا اور سوچوں کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا۔ مجھے اپنے احباب یاد آنے لگے تو دوسری طرف مجھے دشمنوں کا خیال بھی آیا تھا۔ میری زندگی ان دو افراد سے عبارت تھی۔ میں دوستوں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور دشمنوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔

پھر مجھے آنے والے وقت کا خیال آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ چین میں غیر قانونی داخلے کے بعد ہمارا کیا ہو گا۔ ممکن ہے چینی حکام ہمارا کیس ہمدردی سے لیں اور یہ بھی امکان تھا کہ ہمیں سرد مہری سے کسی جیل میں ٹھونس دیا جائے۔ چین میں ہم کسی جرم میں ملوث نہیں تھے اور نہ ہی وہاں حکومت کو مطلوب تھے لیکن آج کل دہشت گردی کے نام پر مغرب، اسرائیل اور بھارت نے دنیا کو یرغمال بنا رکھا ہے اور اپنے کرتوتوں سے قطع نظر صرف دوسروں پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ممکن ہے ہمارے چین میں داخلے کی صورت میں چین کی حکومت کو بھی ایسی کوئی صورت حال درپیش ہو اور وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے ہمیں نیپال یا بھارت کے حوالے بھی کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود ایک امید تھی کہ شاید ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہ ہو۔

رات رینگ رینگ کر گزر رہی تھی۔ ہم جس جگہ تھے یہاں کسی جانور یا پرندے کا گزر نہیں تھا اس لیے باہر صرف ہوا کے سرسرانے کی آواز آ رہی تھی۔ رانا سمیت سب محو خواب تھے۔ میں سو نہیں سکتا تھا بعض اوقات ایک لمحے کی غفلت ہمیشہ کا پچھتاوا بن جاتی ہے۔ اس لیے میرا جاگتے رہنا ضروری تھا۔ نہ جانے کب صبح کی روشنی

نمودار اور خیمے کی دیوار باہر سے روشن ہونے لگی۔ جب روشنی خاصی ہوگئی تو میں نے بیتو کو اٹھا دیا۔ آٹھ بج گئے تھے۔ رانا اور کامی بھی اٹھ گئے تھے۔ میں ناشتے کا سامان کرنے لگا۔ پاؤڈر دودھ میں پانی ڈال کر اسے گرم کیا اور پھر اس میں کارن فلیکس ڈال دیئے یہی سب کو دیا گیا۔ اس کے بعد کافی تھی۔ ناشتے کے فوراً بعد پیکنگ شروع ہوئی اور بیتو پیکنگ کا کام رانا سے لینے لگا۔

مجھے ایک خیال آیا اور میں کامی کے لباس کا جائزہ لیا۔ وہ گرم تھا لیکن اتنا بھی نہیں۔ لباس خاصا بوسیدہ تھا اور اس میں جا بہ جا پیوند بھی لگے تھے۔ بیتو نے اس سے جو بات کی تھی اس کے مطابق اس نے اکیلے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے اب اسے ہمارے ساتھ سفر کرنا تھا۔ اسے بہتر لباس کی ضرورت تھی اور ہمارے پاس لباس نہیں تھے۔ میں نیچے آیا جہاں ایک ہی قبر میں کائی چیک اور اس کے قاتل دفن تھے۔ میں نے اس حصے سے برف ہٹائی جہاں کائی چیک دفن تھا۔ کائی چیک اور کامی کی جسامت تقریباً ایک جیسی تھی اور اس کا لباس بہت بہتر تھا۔ میں نے دل پر جبر کر کے کائی چیک کا لباس اتارا۔ سارے لباس کی ضرورت نہیں تھی میں نے صرف اس کی پتلون اور جیکٹ اتار لی۔ کامی کے لیے اسی کی ضرورت تھی۔ جیکٹ میں گولیوں کے سوراخ تھے لیکن خون زیادہ نہیں لگا تھا۔ جو لگا تھا وہ بھی میں نے صاف کر دیا اور پھر اوپر آیا۔ بیتو سارا سامان پیک کروا چکا تھا اور کامی ایک طرف بیٹھی تھی۔ میں نے اسے کائی چیک کا لباس دیا اور اشارے سے کہا کہ وہ اسے اپنے لباس سے بدل لے کیونکہ اس کا لباس بہت بوسیدہ ہے۔ باپ کے کپڑے پہچان کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر وہ ایک آڑ میں چلی گئی اور اس نے لباس بدل لیا۔

رانا اب فکر مند تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ”دیکھو اب تم چین کی سرحد سے صرف ایک دن کی مسافت پر ہو مجھے واپس جانے دو۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ہم ایک دن کی مسافت پر ہیں لیکن راستہ نہیں جانتے اور تمہارے بغیر بھٹک جانے کا امکان ہے اگر کائی چیک ہوتا تو شاید میں تم کو جانے بھی دیتا۔“

”اب تم مجھ پر اعتماد کر رہے ہو۔“ اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ”کل تک تو تم کائی چیک پر اعتماد کر رہے تھے۔ اگر میں تم کو غلط جگہ لے جاؤں تو؟“

”رانا چندر باز یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی بہت سارے لوگوں نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی لیکن ہم آج بھی زندہ ہیں۔ جب کہ دھوکا دینے والوں کی اکثریت اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ اگر تم بھی اپنا نام ان میں شامل کرانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ چپ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ”مجھے شک ہے تم مجھے زندہ واپس آنے نہیں دو گے۔“

”کیوں؟“

”بس مجھے لگ رہا ہے کل والے واقعے کے بعد تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری قبر بھی ہمالیہ کی برف میں بنے گی۔“

”اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ بلا وجہ انسان کی جان لینے پر یقین نہیں رکھتا

چاہے وہ میرا بدترین دشمن کیوں نہ ہو میرے ہاتھ سے صرف وہی لوگ مارے گئے جو میری جان لینا چاہتے تھے یہی وجہ ہے میرے بہت سارے دشمن آج بھی زندہ ہیں اور وہی میری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حالانکہ مجھے کئی بار موقع ملا کہ میں ان سے چھٹکارا حاصل کرلوں۔"

رانا نے سر ہلایا۔"میں جانتا ہوں لیکن میرے اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔"

"واپس تو ہم نے بھی نہیں آنا ہے۔" میں نے کہا اور آگے قدم بڑھا۔"رفتار تیز رکھو آج ہمیں بہرصورت چین کی سرحد تک پہنچنا ہے۔"

لیکن تقریباً ایک من بوجھ کے ساتھ یہ خاصا مشکل کام تھا ہم کچھ دیر تو رفتار سے چلتے تھے لیکن پھر تھک کر رینگنے لگتے۔ کبھی بلندی آجاتی تھی اور کبھی نشیب میں اترنا پڑتا تھا جو اوپر چڑھنے سے زیادہ مشکل کام تھا۔ کامی کو کوئی سامان نہیں دیا تھا اور وہ خالی ہاتھ تھی لیکن سب سے زیادہ وہی تھک رہی تھی۔ وہ بار بار سانس درست کرنے کے لیے رک جاتی تھی اور بیتو اسے سہارا دینے کے لیے رک جاتا تھا۔ ایک بار وہ دونوں ذرا پیچھے رکے ہوئے تھے تو رانا نے ناگواری سے کہا۔

"اس لڑکی کو تم بلاوجہ لے آئے اسے وہیں سے واپس بھیج دیتے۔"

"وہ اکیلے جانے پر آمادہ نہیں تھی۔"

"تو کیا ہوا وہ تمہاری ذمے داری تو نہیں ہے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کررہا۔" میرا موڈ آف ہوگیا تھا۔"مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا یہ میں ہی بہتر جانتا ہوں۔"

"میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہم اسی طرح رکتے رہے تو آج چین کی حد میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔"آج نہ سہی ہم کل تو چین میں ہوں گے۔"

اس نے شانے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو کہ میری بلا سے تم جہنم میں جاؤ۔ مجھے اب اطمینان ہوگیا کہ کوئی اگر ہمارے تعاقب میں بھی تھا تب بھی وہ یہاں تک ہمارا پیچھا نہیں کرسکتا تھا۔ کم سے کم ضروری سامان کے بغیر نہیں کرسکتا۔ دوپہر تک ہم نے کوئی بارہ میل کا فاصلہ مزید طے کرلیا تھا۔ کھانے کے بعد تازہ دم ہوکر ہم نے پھر سفر کا آغاز کیا۔ کامی اب پہلے سے زیادہ بہتر تھی اور وہ بیتو کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے غم کا اثر بھی کم ہوگیا تھا اور کبھی کبھی وہ ہنس دیتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ باپ کا غم وہ بیتو کی وجہ سے کسی قدر فراموش کربیٹھی تھی۔ ویسے وہ حوصلے والی لڑکی تھی اور اس ویران اور دشوار گزار سفر میں پوری استقامت سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ میرے حساب سے ہم نے اچھا سفر طے کرلیا تھا اور خطرات کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ آج رات ہونے تک اگر ہم چین کی سرحد پار نہ بھی کرپاتے تب بھی ہم اس کے قریب ضرور پہنچ جاتے۔ اس کے بعد کی منزل آسان تھی۔

دو بجے ہم سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں سے سنو لائن شروع ہوجاتی ہے۔ یعنی اس بلندی پر سارے سال برف نہیں پگھلتی ہے۔ اسے ٹنڈرا کا علاقہ بھی کہتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی کہ ہمیں صرف سردی سے مقابلہ کرنا پڑرہا تھا اور موسم خراب نہیں ہوا تھا۔ مجھے راستے میں بیتو سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے شام سے پہلے ایک جگہ ستانے کے لیے رکے تو میں نے اس سے پوچھا۔

''برخوردار کیا بات ہے کامی تم سے بہت مانوس ہوگئی ہے؟'' میرا لہجہ معنی خیز تھا۔ اس نے دانت نکالے۔

''بس شوبی بھائی ہم نے اس کا دکھ ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''بہت خوب کوشش کی ہے۔ زبان نہ جاننے پر یہ حال ہے۔ اگر جانتے تو نہ جانے بات کہاں تک جا چکی ہوتی۔''

بیتو جھینپ گیا۔ ''نہیں زبان تو ہم نے تھوڑا بہت سکھا دیا ہے۔ اے کامی ادھر آؤ۔''

بیتو نے پکارا تو وہ فوراً بھاگی آئی۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے اردو میں کہا تو میں حیران رہ گیا۔

''تمہیں تو اچھی اردو آگئی ہے۔''

''نہیں شوبی بھائی......اسے بس چند لفظ آیا ہے۔ جیسے آجاؤ، چلے جاؤ اور کھالو۔''

''کیا یہ اپنی خوشی سے ہمارے ساتھ جارہی ہے؟''

''ہاں ہم نے اس سے معلوم کیا ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''یہ خوش ہے ہم نے اسے خطرے کا بھی بتایا لیکن اس کا سمجھ میں نہیں آیا۔''

''چلو جو ہمارے ساتھ ہوگا اس کے ساتھ بھی ہوگا۔''

بیتو تشویش زدہ ہوگیا تھا۔ ''چین میں بے شک ہم کو پکڑ لے لیکن کامی کو ہم سے الگ نہ کرے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے اسے گھورا تو وہ گڑبڑا گیا تھا۔

''ہمارا مطلب ہے کہ کامی کسی اور سے مانوس نہیں ہے اس لیے ہمارے ساتھ ٹھیک رہے گا۔''

کامی معصومیت سے منہ اٹھا کر ہمیں دیکھ رہی تھی۔ گفتگو میں بار بار اس کا نام آرہا تھا اس لیے وہ اتنا تو سمجھ رہی تھی کہ بات اس کے بارے میں ہو رہی ہے۔ پھر بیتو نے مسکرا کر اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ فکر کی بات نہیں ہے تو وہ مطمئن نظر آنے لگی تھی مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ہم اس کے لیے بالکل اجنبی تھے اس کے باوجود اس نے کتنے اعتماد سے خود کو ہمارے سپرد کر رکھا تھا۔ شاید اس کی چھٹی حس نے بتا دیا تھا کہ اس کے لیے ہمارے دل میں کوئی برائی نہیں تھی۔ کم سن ہونے کے باوجود وہ جوان تھی اور جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کی مردوں کے بارے میں چھٹی حس بھی بیدار ہو جاتی ہے اور وہ مرد کے دیکھنے کے انداز سے جان جاتی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کیسی سوچ رکھتا ہے۔

ستانے کے بعد ہم نے پھر سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے سفر دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ ابھی تک کوئی چوٹی ہماری راہ میں نہیں آئی تھی لیکن کئی ایسے پہاڑی کٹاؤ عبور کرنے پڑے تھے جن پر سفر کرتے ہوئے دانتوں میں پسینہ آگیا تھا۔ جس وقت شام تیزی سے نزدیک آنے لگی تھی ہم کوئی سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر برف کی ایک دیوار پر سفر کر رہے تھے جس کے دونوں طرف دور تک پھیلی ڈھلان تھی۔ دیوار کی چوڑائی خاص نہیں تھی اور ذرا سی لاپروائی سے نیچے جانے کا پورا امکان تھا۔ ہمیں ہر قدم پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ ہوا کے ہلکے پن کا یہ عالم تھا کہ سانس مستقل پھولا ہوا تھا۔ بات کرنا بھی دشوار تھا۔

ایک جگہ بیتو نے رک کر تیزی سے غروب ہوتے سورج کی طرف دیکھا۔ ''شوبی...... بھائی......اندھیرا ہونے والا ہے......رات کدھر کرے گا۔''

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس دیوار پر خیمہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ مجھے کچھ دور ایک ہموار سطح نظر آ رہی تھی اگرچہ وہ جگہ بھی دیوار کا حصہ تھی لیکن وہاں بہرحال خیمہ لگانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ہم ڈھلان سے نیچے اتر جاتے لیکن اس کام میں خطرہ بہت زیادہ تھا۔ عین ممکن تھا نیچے اترنے کے بعد اوپر آنے کا موقع ہی نہیں ملتا دوسرے ڈھلان پر بھی کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں خیمہ لگایا جا سکتا۔

''اس طرف چلو۔'' میں نے ہموار سطح کی طرف اشارہ کیا۔ ''ممکن ہے وہاں خیمہ لگا سکیں۔''

وہ جگہ بھی کوئی نصف میل دور تھی۔ ہمیں وہاں پہنچتے پہنچتے مزید نصف گھنٹہ لگ گیا تھا اور سورج تقریباً غروب ہو چکا تھا۔ یہ کوئی پانچ چھ گز لمبا چوڑا ہموار ٹکڑا تھا لیکن اس میں ہلکی سے ڈھلان تھی اور خیمہ پھسل جانے کا خطرہ تھا۔ اس دوران میں موسم بھی بدلنے لگا تھا اور آسمان پر بادل چھا رہے تھے ہوا تیز ہونے لگی۔ بیتو، میں رانا آنے والے طوفان سے پہلے خیمہ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ اس بار ہم نے خیمے کو رسیوں اور لمبی کیلوں کی مدد سے برف سے باندھ دیا تاکہ تیز ہواؤں کے سبب خیمہ پھسلے نہیں۔ خیمہ بڑی مشکل سے لگا تھا اور ہم فوراً ہی سامان سمیت اس میں گھس گئے۔ سردی اور تھکن سے سب کا برا حال تھا۔ سامان رکھ کر اور سلیپنگ بیگز نکال کر بیتو نے سب سے پہلے اسٹوو جلایا اور ہم سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ خیمہ بند ہونے کی وجہ سے اندر دھواں بھر رہا تھا لیکن ہم خیمے کی زپ کھول کر اس حرارت کو ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت یہ حرارت ہمارے لیے دنیا کی سب سے قیمتی چیز تھی۔ جب خیمہ کسی قدر گرم ہوا اور ہماری جان میں جان آئی تو بیتو نے کھانا بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے ٹن نکالے اور گرم کر کے سب کو دینے لگا۔ کامی نے فرائی آلو اور ساتھ میں مچھلی لی تھی۔ بیتو نے بھی اپنے لیے یہی نکالا تھا۔ رانا نے خشک گوشت لیا تھا۔ میرے لیے بیتو نے بھیڑ کے گوشت کے پارچے بھونے تھے۔ میں نے وہ کھائے اور آخر میں سب کے لیے گرم گرم کافی تھی۔ اس دوران میں برفانی ہواؤں نے خیمے کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ کافی بنا کر بیتو نے اسٹوو بجھا دیا تھا لیکن کیروسین لیمپ جلتا رہنے دیا تھا۔ بیتو اور کامی تو اپنے اپنے سلیپنگ بیگز میں گھس گئے تھے میں اور رانا ابھی باہر تھے۔ رانا نے حسرت سے سلیپنگ بیگ کی طرف دیکھا۔ آج سردی کل کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے تو جاگنا تھا اس لیے رانا کو سلیپنگ بیگ دینے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن پہلے میں اس سے کچھ بات کرنا چاہ رہا تھا۔

''تمہارے خیال میں چین کی سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''مجھے صحیح سے اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے ہچکچا کر جواب دیا۔ ''میں صرف دو بار اس طرف آیا ہوں اور وہ بھی گرمیوں میں...... اس وقت تو یہاں کچھ پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔''

وہ صحیح کہہ رہا تھا پہاڑی علاقے سرما میں بالکل مختلف نظر آتے ہیں لیکن میں نے پھر پوچھا۔ ''تمہارا اندازہ تو ہوگا؟''

''شاید ہم سرحد کے بالکل پاس ہیں۔'' اس بار اس نے اعتماد سے جواب دیا۔ ''لیکن ہیں نیپال کی حدود میں ابھی ہم نے نیپال کی سرحد عبور نہیں کی ہے۔''

''یہاں نیپال کی بارڈر فورس ہوتی ہے؟''

''نہیں گرمیوں میں بارڈر فورس اس علاقے میں گشت کرتی ہے لیکن سردیوں میں کوئی اس طرف نہیں آتا

ہے۔اس وقت یہاں قدم رکھنا خودکشی سمجھا جاتا ہے۔‘‘

’’لیکن ہم بھی تو یہاں ہیں۔‘‘میں مسکرایا۔

وہ سنجیدہ رہا تھا۔’’شہباز ملک تم اور تمہارے ساتھی بہت خوش قسمت ہیں کہ اب تک کسی حادثے کا شکار نہیں ہوئے۔ورنہ گرمیوں میں بھی اس علاقے کا یہ حال ہے کہ میرے جو ساتھی اس جگہ سفر کرتے ہیں ان کو کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور میرے چار ساتھی اب تک یہاں مختلف حادثات میں مارے جا چکے ہیں۔‘‘

اس نے یہ بات بھی درست کہی تھی میں اور میرے ساتھی خوش قسمت تھے کہ اب تک ہمیں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ورنہ ہمالیہ تو حادثات کا گھر ہے یہاں اگلے پل کا پتا نہیں ہوتا۔خاص طور سے برف والے علاقوں میں تو موت گھات لگا کر بیٹھی ہوتی ہے۔کہیں برف تڑختی ہے اور آدمی کسی اندھے غار میں گر جاتا ہے۔کہیں اچانک برف کے تودے آن گرتے ہیں اور کہیں لینڈ سلائیڈنگ ہو جاتی ہے۔پھر سردی بھی کم خطرناک نہیں ہوتی ہے۔اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ڈیتھ زون شروع ہو جاتا ہے۔آدمی کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہے۔اس کا دل رک جاتا ہے،پھیپھڑے اچانک جواب دے جاتے ہیں یا دماغ کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ہر صورت میں آدمی لمحوں میں مر جاتا ہے۔ایسی موت کے لیے کوئی وجہ ہونا ضروری نہیں ہے سپر فٹ کوہ پیما بھی ایسی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

’’تم سو جاؤ۔‘‘میں نے رانا سے کہا اور سلیپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں اور وہ فوراً بیگ میں گھس گیا۔میں نے کیروسین لیمپ اٹھا کر اپنے پاس کر لیا اور اس کی حرارت سے خود کو گرم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے اور ابھی بہت طویل رات باقی تھی اور سردی لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔باہر برفانی طوفان آ گیا تھا اور ہوائیں رہ رہ کر خیمے کو جھنجھوڑ رہی تھیں جیسے اسے کھائی میں گرا کر دم لیں گی۔میں ان سب سے بے نیاز خود کو گرم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔سردی جیسے رگ و پے میں گھسی جا رہی تھی۔میں لیمپ کو منہ کے پاس کر کے اس کی گری سانسوں کے ذریعے اندر اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کے باوجود ایسا لگ رہا تھا جیسے میں یخ بستہ پانی میں ڈوب گیا ہوں اور سانس کے راستے یہ پانی میرے پھیپھڑوں میں اتر رہا ہے۔دو گھنٹے بعد میں نے مجبور ہو کر اسٹوو بھی جلا لیا تھا اور اس کی حرارت تاپنے لگا۔اسٹوو نے خیمے کو گرم کیا تو مجھے کچھ سکون آیا تھا لیکن اسٹوو مستقل بھی نہیں جلا سکتا تھا کیونکہ ہمارے پاس مٹی کا تیل محدود تھا۔دو دو لیٹرز کی تین بوتلیں تھیں جن میں سے ایک ختم ہو چکی تھی اور صرف دو باقی تھیں نہ جانے آگے ہمیں اور کتنا بھٹکنا پڑے۔اس لیے جیسے ہی خیمہ ذرا گرم ہوا میں نے اسٹوو بند کر دیا۔

میں دو بیگز کے درمیان سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا تھا۔میرے ذہن پر کہر سی چھا رہی تھی۔شاید بے پناہ سردی میرے اعصاب بھی سن کر رہی تھی۔مجھے احساس نہیں ہوا کہ کب میں غنودگی میں چلا گیا تھا۔دوسروں کا حال بھی مجھ سے الگ نہیں تھا۔بیتو اور رانا سوئے تو سوتے رہ گئے اور پھر صبح ہو گئی۔میری نیند کسی قدر کم ہوئی تھی۔اچانک میری چھٹی حس نے چونکایا اور میں اٹھ بیٹھا اسی لمحے باہر کسی نے حرکت کی تو برف سرکنے کی واضح آواز آئی تھی۔باہر کوئی تھا۔میں نے بیتو کا سلیپنگ بیگ ہلایا۔

’’کیا......کیا ہوا؟‘‘وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''شش...... باہر کوئی ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

اسی لمحے باہر سے کسی نے کسی نامانوس زبان میں چلا کر کچھ کہا اور ہم نے رائفل کا بولٹ کھڑ کنے کی آواز سنی۔ رانا بھی ہڑبڑا کر اٹھا تھا اور پھر میں نے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوتی دیکھی تھی۔ دشمن پیچھا کرتا ہم تک آ گیا تھا۔



اس لمحے مجھے لگا کہ ہم نے جتنی کوشش کی تھی اور اپنی جان کی بازی لگا کر خطروں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ وہ ساری کوشش رائیگاں گئی تھی اور خطرے پھر سے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ رانا کے آدمی تھے تو اس کے حیرت انگیز حد تک وفادار تھے اور اپنی جان کی بازی لگا کر انہوں نے اسے بچانے کے لیے ہمارا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب سوچتے ہوئے اس سردی میں بھی میرا خون کھولنے لگا تھا۔ وہ یہاں تک آنے میں تو کامیاب رہے تھے لیکن ضروری نہیں تھا کہ اپنے باس کو زندہ لے جانے میں بھی کامیاب ہوتے۔ میں نے رانا کو گریبان سے پکڑ کر سلیپنگ بیگ سے باہر کھینچ لیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''یہ کون ہیں...... تمہارے آدمی؟''

مگر رانا چندر باز کا چہرہ اب دھواں دھواں ہو رہا تھا اس کے چہرے پر آنے والی ابتدائی مکروہ مسکراہٹ یوں غائب ہو گئی تھی جیسے سورج طلوع ہوتے ہی رات کی ظلمت غائب ہو جاتی ہے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ نیپالی نہیں ہیں۔''

''پھر کون ہیں؟'' میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرو ورنہ سب سے پہلے تم مرو گے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر تھوک نگل کر بولا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں یہ نیپالی نہیں ہیں۔ یہ چینی زبان بول رہے ہیں۔''

میں چونک اٹھا۔ ''چینی زبان...... یعنی ہم چین کی حدود میں ہیں؟''

رانا چندر باز مرجھا گیا تھا۔ ''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔''

رانا چندر باز کا خوف سمجھ میں آ رہا تھا وہ چینی حکومت کا مجرم تھا اور اگر وہ ان کے ہاتھ آتا تو اسے کم سے کم بھی ساری عمر کے لیے جیل میں ڈال دیتے ورنہ اسے پھانسی ہونے کا پورا امکان تھا۔ اس دوران میں باہر سے دوسری بار وارننگ دی گئی تھی۔ بولنے والے کے لہجے میں ایک مخصوص کرختگی تھی۔ بیتو اور کامی اپنے سلیپنگ بیگز سے باہر آ گئے تھے۔ بیتو گن اٹھانے لگا تھا تو میں نے اسے اشارے سے روک دیا اور بلند آواز سے انگریزی میں کہا۔ ''میں چینی زبان نہیں جانتا...... تم لوگ کون ہو اور ہمیں کیوں دھمکی دے رہے ہو؟''

باہر سے پھر چینی میں کچھ کہا گیا رانا بولا۔ ''یہ ہتھیار ڈال کر باہر آنے کو کہہ رہے ہیں۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم چینی جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''تھوڑی بہت جانتا ہوں۔''

''ان سے پوچھو کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟''

''یہ چین کی بارڈر فورس کے لوگ ہیں۔'' اس نے مجبوراً بتادیا یقیناً اس نے پہلے ہی یہ بات سن لی تھی لیکن مجھے بتانے سے گریز کر رہا تھا۔ ''یہ کہہ رہے ہیں کہ خیمے میں موجود ہر فرد ہاتھ اوپر کر کے باہر آ جائے ورنہ یہ فائر کھول دیں گے۔''

''ان سے کہو ہم باہر آ رہے ہیں۔''

لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا بیتو نے اس کے سر پر رائفل کی نال رکھ دی۔ ''کوئی الٹا سیدھا بات مت کرنا ورنہ تم ضرور مارا جائے گا۔''

مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ رانا شرارت بھی کر سکتا تھا وہ ان لوگوں سے کوئی غلط بات کہہ دیتا تو اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا۔ بیتو نے بروقت اسے روک دیا تھا۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''ہم باہر آ رہے ہیں۔''

میں نے خیمے کی زپ کھولی تو باہر کچھ ہلچل مچی تھی۔ میں ایک لمحے کو رکا اور پھر ہاتھ اوپر کر کے باہر آ گیا۔ مجھے تو خیمے کے اندر سردی زیادہ لگ رہی تھی باہر آیا تو پتا چلا کہ اصل سردی تو یہاں ہے۔ موسم صاف ہو گیا تھا اور مشرق سے سورج ابھر رہا تھا اس کے باوجود فضا جیسے برف بن گئی تھی اور سانس لینے پر یہ برف جسم کے اندر جا رہی تھی۔ ہمارے خیمے کو نصف درجن چینیوں نے گھیر رکھا تھا اور انہوں نے چائنا ری پبلکن آرمی کی وردی پہن رکھی تھی کم سے کم وردیوں سے وہ چین کے فوجی ہی لگ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں موجود خود کار رائفلوں کا رخ خیمے کی طرف تھا۔ میں نے ہاتھ اوپر کیے کیے کہا۔

''میں پاکستانی ہوں اور صرف اردو یا انگریزی جانتا ہوں۔''

میں نے محسوس کیا کہ پاکستانی کے لفظ پر وہ چونکے تھے لیکن ان کے انداز میں کوئی نرمی نہیں آئی تھی وہ بدستور چوکنا تھے۔ میں نے اشارے سے بتایا کہ میرے تین ساتھی اور بھی ہیں۔ پھر میں نے بیتو سے کہا۔ ''پہلے رانا کو باہر بھیجو اور پھر اسلحہ چھوڑ کر خود بھی باہر آ جاؤ۔''

اس موقع پر رانا چندر باز نے حرامی پن کیا اور اس نے چلا کر چینی زبان میں کچھ کہا تو باہر موجود سپاہیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ میں نے ان کی سراسیمی محسوس کر کے کہا۔ ''بیتو جلدی کرو...... اس حرامزادے کو باہر بھیجو...... اس نے کچھ بکواس کی ہے۔''

بیتو نے بھی اس کی شرارت محسوس کر لی تھی اس نے لات مار کر رانا کو باہر پھینکا اور پھر خود بھی کامی کے ساتھ باہر آ گیا۔ وہ میرے ساتھ آ گیا اور ہم تینوں نے ہاتھ بلند کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔ صرف رانا برف پر ہاتھ نیچے کیے بیٹھا تھا سپاہی اس پر چلانے لگے اور شاید انہوں نے اسے شوٹ کرنے کی دھمکی دی تھی اس لیے وہ بڑی پھرتی سے سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے فوری طور پر مزاحمت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک تو میں اپنے پلان کے مطابق چین تک پہنچنے میں کامیاب رہا تھا۔ دوسرے مسلح پیشہ ور فوج کا مقابلہ کرنا خودکشی ہوتی اس لیے میں چاہتا تھا کہ میں یا میرے ساتھیوں کے کسی انداز سے ان کو خطرہ محسوس نہ ہو۔ ورنہ وہ گولی چلانے میں دیر نہیں کرتے۔

چار سپاہیوں نے ہمیں گھیر لیا اور دو سپاہی خیمے کی طرف بڑھے انہوں نے احتیاط سے اندر جھانکا اور اپنے ساتھیوں کو خیمہ خالی ہونے کی اطلاع دی۔ انہوں نے ہمیں ہاتھ سروں پر رکھ کر نیچے بیٹھنے کا حکم دیا ہم نے حکم کی

تعمیل کی۔ انہوں نے پہلے ہماری تلاشی لی۔ ہمارے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا مگر جب خیمے کی تلاشی لی اور اس میں موجود اسلحہ دیکھا تو ان کے تاثرات بدل گئے تھے اور ہم یک دم ان کے نزدیک خطرناک قسم کے مجرم قرار پائے تھے۔ کیونکہ اس قسم کا اسلحہ کسی عام شخص کے پاس نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے پوری مستعدی سے ہم پر رائفلیں تان لی تھیں اور یوں چوکنا ہو گئے تھے کہ انہوں نے پلک بھی جھپکی تو ہم غائب ہو جائیں گے یا ان پر حاوی ہو جائیں گے۔ ان کے انداز میں پیشہ ور مستعدی تھی اور وہ یقیناً عام فوجیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تربیت یافتہ تھے تبھی اس مشکل ترین علاقے میں اور اس موسم میں یہاں گشت کر رہے تھے۔

ان کا کام ہمالیہ میں واقع نیپال اور چین کی سرحد کے ساتھ گشت کرنا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ یہ لوگ اس موسم میں بھی اپنا کام کر رہے تھے۔ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر اور منفی پچیس ڈگری سینٹی گریڈ میں کھلی فضا میں پھرنا آسان کام نہیں تھا۔ انہوں نے ہمارا اسلحہ قبضے میں لے لیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے ہم سے اپنا خیمہ سمیٹنے کو کہا۔ میں نے ان کو اشارے سے بتایا کہ ہمیں ابھی ناشتہ کرنا تھا۔ اس موسم میں بھوک بہت لگتی ہے اور ہم سب کا بھوک سے برا حال تھا لیکن انہوں نے کوئی ردِ عمل نہیں دکھایا تو مجبوراً ہمیں خیمہ سمیٹنا پڑا تھا۔ رانا چندر مجھ سے دور تھا ایک بار میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو ایک سپاہی نے مجھے سخت لہجے میں منع کر دیا۔ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے تھے لیکن اس کے انداز سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ مجھے منع کر رہا ہے۔

ہم نے خیمہ اور دوسرا سامان باندھ کر ہم نے اپنے شانوں پر لادا اور چینی سپاہیوں کی نگرانی میں آگے روانہ ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ہم ابھی برفانی ویرانے میں ہیں اور کسی آبادی تک پہنچنے میں کم سے کم ایک دن تو لگے گا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد ایک بڑی ڈھلان آئی اور جب ہم نے اس سے اترنا شروع کیا تو دو گھنٹے میں پندرہ ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے آ گئے تھے۔ سورج نکل آیا تھا اور دھوپ کی وجہ سے سردی کی شدت میں کمی آئی تھی۔ پھر بلندی کم ہونے سے بھی فرق پڑا تھا اور اب ہم بہتر محسوس کر رہے تھے۔

مجھے لگا کہ رانا چندر باز نے راستے کے بارے میں ہم سے غلط بیانی کی تھی۔ یہ اتنا بڑا ویرانہ بھی نہیں تھا جس میں ہم کئی دن تک بھٹکتے رہتے۔ شاید وہ ہمیں ڈرا کر سفر سے باز رکھنا چاہتا تھا یا مایوسی کے جال میں پھنسانا چاہتا تھا۔ جب کہ یہاں چینی سپاہی گشت کر رہے تھے اور یقیناً ان کا بیس کیمپ آس پاس تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ دو گھنٹے بعد ہم چودہ ہز ۔ٹ کی بلندی پر تھے اور چین کی سرحدی فورس کی پہلی چوکی تک پہنچ گئے۔ یہ چوکی برف میں اس طرح پوشیدہ تھی کہ پہلی نظر میں تو اس کا پتا ہی نہیں چلا۔ پھر سرخ پرچم نے ہمیں چونکایا اور اس کے بعد کسی خفیہ چمنی سے اٹھتا دھواں دکھائی دیا جس سے پتا چلا کہ ہم کسی چوکی کے پاس ہیں۔ یہ چوکی ایک ٹیلے میں اس طرح سے قائم تھی کہ اس کا دروازہ مشرق کی طرف تھا اور وہاں تک گھوم کر جانا پڑتا تھا۔ ہم گھوم کر اس فولادی دروازے کے سامنے پہنچے تو ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی یقیناً وہاں پر نگرانی کا کوئی خفیہ نظام بھی تھا آج کل نگران کیمرے گھروں میں عام ہوتے ہیں یہ تو ایک فوجی چوکی تھی اور یہاں اس قسم کے کیمرے لازمی ہونے چاہیے تھے جو آس پاس کی نگرانی کرتے۔ جیسے ہی ہم دروازے کے سامنے پہنچے وہ خود بہ خود کھل گیا۔

اندر کھولنے والا دکھائی نہیں تھا اور اسے کھولنے اور بند کرنے کا کوئی مرکزی نظام تھا۔ ہم اندر آئے یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور یہاں درجہ حرارت باہر سے بہت بہتر تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں گرم جیکٹیں لٹکی تھیں۔ یعنی

باہر جانے والے یہاں سے گرم جیکٹ پہن کر جاتے تھے۔ اندر ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سب سے پہلے ہمارا سامان لے لیا گیا۔ اس کے بعد ہمیں ایک اور کمرے میں لایا گیا اور یہاں ہماری ایک بار پھر تلاشی لی گئی تھی۔ اس کے بعد ہمیں ایک سیل میں دھکیل دیا گیا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں ایک طرف لوہے کی سلاخوں کا بنا دروازہ تھا۔ ہمیں اس میں دھکیل کر باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا۔

اندر درجہ حرارت صفر سے اوپر ہی تھا اور ہم سکون میں آ گئے تھے۔ اگر چہ ہم قید میں تھے اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے کیا ہو گا۔ اس کے باوجود میں خود کو پریشان محسوس نہیں کر رہا تھا۔ البتہ بیتو اور کامی سہمے ہوئے تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم پریشان ہو؟''

وہ زبردستی مسکرایا۔ ''پریشانی کا بات تو ہے شوبی بھائی۔ ہم تو عادی ہے لیکن یہ بے چارہ پہلی بار گھر سے نکلا۔'' اس نے کامی کی طرف دیکھا۔

''اس کی فکر مت کرو جو ہمارے ساتھ ہو گا وہی اس کے ساتھ ہو گا۔ بلکہ ممکن ہے اسے چینی نسل کا ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے اور یہ ابھی کمسن بھی ہے۔ اسے اس بات کی رعایت بھی ملے گی۔''

کامی ہمیں دیکھنے لگی شاید اسے اندازہ ہو گیا کہ ہم اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ بیتو اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ بھی مسکرانے لگی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کامی بیتو سے کتنی مانوس ہو گئی تھی۔ اسے ہم روایتی اور آج کل زکام کی طرف نوجوان طبقے میں پھیل جانے والی محبت تو نہیں کہہ سکتے ہیں۔ بیتو کے بارے میں مجھے معلوم تھا اور کامی نے تو دنیا ہی نہیں دیکھی تھی لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے۔ ان کے اندر کی کیمسٹری نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا اور جب دو انسان اندر سے ایک ہو جائیں تو ان کے لیے زبان سے اظہار ضروری نہیں ہوتا ہے اور وہ بن کہے ایک دوسرے کی بات سمجھ جاتے ہیں۔

رانا چندر ایک طرف ہراساں اور فکر مند بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم نے اپنی شرارت کا انجام بھی دیکھ لیا۔''

''اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔ ''کیسی شرارت؟''

پہلے میں نے سیل سے باہر گیلری میں جھانکا اور وہاں کسی کو نہ پا کر رانا کو گریبان سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ ''تم نے ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور خود کسی بھی ممکنہ رعایت محروم کر لیا۔''

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''کیسی رعایت؟''

''تم کو جلد پتا چل جائے گا۔'' میں نے جھٹکا دے کر اس کا گریبان چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی بنچ پر بیٹھ گیا۔ اس سیل میں اوپر تلے چار بنچز تھیں۔ جن پر فوم کے گدے بچھے تھے اور پیروں کی طرف ایک ایک ہلکا کمبل رکھا تھا یعنی یہ باقاعدہ حوالات تھی۔ مجھے اس چوکی کے کچھ ہی حصے دیکھنے کا موقع ملا تھا لیکن مجھے لگا تھا کہ یہ خاصی بڑی تھی اور شاید کوئی چٹان کھود کر بنائی ہوئی تھی۔ ورنہ برف میں چوکی بنانا ممکن نہیں تھا۔ وہ بھی اس علاقے میں جہاں برف مستقل کھسکتی رہتی تھی۔ یہاں کوئی مستقل تعمیر ممکن نہیں تھی لیکن یہ چٹان شاید پہاڑ کا حصہ تھی اس لیے اس کے سرک جانے کا امکان نہیں تھا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ اس جگہ مجھے چینی محافظ مل سکتے ہیں۔ اور مجھے عین ہمالیہ کے وسط میں چینیوں کو موجود پا کر حیرت ہوئی تھی۔

اگر ہم اس علاقے میں بین الاقوامی سیاست کا کردار دیکھیں تو ہمالیہ میں چین کا فوجی کردار سمجھ میں آتا ہے۔سوویت یونین کی تحلیل کے بعد امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور بن گیا۔ پھر نائن الیون کے بعد امریکہ کو موقع مل گیا کہ وہ مسلم دنیا پر حملے شروع کرے۔ وہ افغانستان میں آیا ہے تو برصغیر کا علاقہ یک دم بین الاقوامی سیاست کا مرکز بن گیا ہے اور خاص طور سے چین اور بھارت کے درمیان جو اچھے تعلقات پیدا ہو رہے تھے ان کو دھچکا لگا ہے۔ اس کے بعد سے چین نے بھارت کے ساتھ اپنی سرحد پر فوجی تنصیبات اور فوج کی تعداد میں ایک پالیسی کے تحت اضافہ کیا ہے۔ اس کا اندازہ مجھے ہمالیہ کے اس دور دراز خطے میں ایک چینی چوکی دیکھ کر ہوا۔ یہ خاصی بڑی چوکی تھی اور یہاں سے ہمالیہ کے اوپری حصوں تک نگرانی کی جاتی تھی۔ اس موسم میں بھی چینی اپنی سرحد کی حفاظت کے لیے مستعد تھے۔ نیپال سے چین کے اچھے تعلقات ہیں اس کے باوجود چین نے اس کی سرحد کو کھلا نہیں چھوڑا ہے اور اس کی یہاں موجودگی اس خطے میں جاری بین الاقوامی سیاست کی عکاسی کرتی ہے۔

ہمیں یہاں آئے ہوئے ایک گھنٹا ہوا تھا کہ ہمارے لیے ناشتہ آ گیا۔ ناشتے میں دلیہ، ابلا ہوا انڈہ اور سیاہ بغیر شکر کی چائے تھی۔ سب کو بھوک لگ رہی تھی اس لیے کسی نے ناشتے میں تکلف نہیں کیا تھا۔ ناشتہ لانے والا ایک نوعمر چینی لڑکا تھا ممکن ہے اس کی عمر زیادہ ہو کیونکہ چینی عمر کے معاملے میں چور ہوتے ہیں۔ اس نے مسکرا ناشتے کی ٹرے دروازے کے نیچے بنے خلا سے اندر کی اور انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ وہ دس منٹ بعد ٹرے واپس لینے آئے گا۔ اس کے جانے کے بعد بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے انہوں نے سرحد عبور کرنے کے جرم میں ہمیں قید کر دیا ہے۔''

''یہ ان کی سرحدی چوکی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے جلد ہمیں کسی کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ممکن ہے مزید تفتیش کے لیے ہمیں کہیں اور بھیج دیا جائے۔''

''یہ بھی ممکن ہے یہ ہمیں اسمگلر سمجھ کر گولی سے اُڑا دیں۔'' رانا بولا۔ اس کا انداز ڈرانے والا تھا۔ ''چینی سرحدی نگران اکثر اسمگلروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔''

''شاید یہ ٹھیک ہی کرتے ہیں لیکن ہم اسمگلر نہیں ہیں ہمارے پاس سے اسمگلنگ کا کوئی سامان نہیں نکلا ہے۔''

میری بات پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''اسلحہ تو نکلا ہے۔''

''اسلحہ اس خطے میں عام ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا لیکن اندر سے میں متفکر ہو گیا تھا۔ پاکستان، بھارت اور چین تینوں ملکوں میں چین کی پالیسی سب سے سخت تھی اور یہاں معمولی جرائم پر بھی سخت سزاؤں کا رواج ہے جب کہ عدالتی نظام بھی آزاد نہیں ہے۔ سزا کے خلاف اپیل بھی ممکن نہیں تھی لیکن میں نے یہ فکر اپنے تاثرات سے ظاہر نہیں کی تھی رانا چندر باز بہت شاطر آدمی تھا اور وہ اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا اس کے لیے وہ کوئی بھی حربہ استعمال کر سکتا تھا۔

ناشتے کے ایک گھنٹے بعد دو مسلح سپاہی آئے اور انہوں نے سیل کا فولادی دروازہ کھول کر مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میرے ساتھ رانا اور بیتو بھی اٹھے تھے لیکن انہوں نے درشت انداز میں ان دونوں کو منع کر دیا اور صرف مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اٹھ کر باہر آیا تو انہوں نے دروازہ بند کر کے اسے لاک کر دیا اور مجھے ساتھ

لے کرایک بڑے سے کمرے میں آئے جہاں چار پانچ میزیں لگی تھیں اوران پر مختلف لوگ مصروف تھے۔ اکثر کمپیوٹر اور مواصلاتی آلات کے ساتھ کام کررہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یہیں لایا گیا ہے لیکن کچھ دیر بعد مجھے اس بڑے کمرے کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے دروازے سے اندر لایا گیا۔ اس چھوٹے سے کمرے صرف ایک میز اور اس کے دونوں طرف ایک ایک کرسی تھی۔ مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر وہ دونوں باہر چلے گئے تھے۔

میں سکون سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے یہاں مجھے پوچھ گچھ کے لیے لایا گیا۔ چند منٹ بعد روازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر اور متورم پپوٹوں والا چینی اندر آیا۔ چینی فوج کی وردیوں پر لگے نشانات سے پتا نہیں چلتا تھا کہ کون کس رینک کا آدمی ہے لیکن اس شخص کو دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ افسر تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گیا اور کچھ دیر میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔ پھر اس نے چینی لہجے میں انگریزی بولی۔ ”مجھے لیفٹننٹ ژوہان ینگ کہتے ہیں۔“

میرا خیال تھا کہ دنیا میں سب سے بھیانک انگریزی ویسٹ انڈیز کے سیاہ فام بولتے ہیں لیکن اس روز مجھے پتا چلا کہ چینی بھی ان سے کم نہیں ہیں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ چینی بول رہا ہے اور میں اسے بتانے جارہا تھا کہ مجھے چینی زبان نہیں آتی ہے۔ اچانک مجھے احساس ہوا اس نے انگریزی ہی بولی ہے اور ذرا غور کرنے پر میں اس کی بات کا مطلب بھی سمجھ گیا۔ میں نے نارمل قسم کی انگریزی میں جواب دیا۔

”مجھے شہباز ملک کہتے ہیں اور میرا تعلق پاکستان سے ہے۔“

نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ پاکستان کے نام پر اس کے سخت چہرے پر کچھ نرمی آئی تھی۔ شاید یہ میرا وہم تھا۔ اس نے میرے چہرے پر نظر جما کر کہا۔ ”تم کہتے ہو تمہارا تعلق پاکستان سے ہے لیکن تم نیپال سے سرحد عبور کرکے چین میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہو۔“

”اس کی وجہ ہے۔ میں نیپال میں اور اس سے پہلے انڈیا میں مقیم رہا ہوں۔ اگر تمہارے پاس وقت ہو تو میں اپنی کہانی سنا سکتا ہوں۔“

”کہانی میں ضرور سنوں گا لیکن چین کی سرحد عبور کرنے کی تمہارے پاس کوئی معقول وجہ ہوگی؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”ہاں مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھارتی خفیہ ایجنسیوں اور پولیس سے خطرہ لاحق تھا۔ وہ انڈیا سے ہمارے پیچھے لگی تھیں اور انہوں نے نیپال میں بھی مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک یا گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجبوراً مجھے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے چین آنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔“

اس کا چہرہ تن گیا تھا۔ ”تم جان بوجھ کر چین کی سرحد عبور کرکے آئے ہو؟“

”میں نے کہا نا ہمیں جان کا خطرہ تھا۔“

وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور اس نے مجھ سے کئی سوال اور بھی کیے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی اور میری گفتگو کہیں ریکارڈ ہو رہی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے میری کہانی کے بارے میں پوچھا اور میں نے اختصار سے اور غیر ضروری واقعات یا جن سے میں اور میرے ساتھی گرفت میں آتے ان کو حذف کرکے اپنی کہانی سنادی اور یہ بھی بتادیا کہ میں حادثاتی طور پر پاکستان سے بھارت میں داخل ہوا تھا اور اس کے بعد وہیں پھنسا رہا تھا لیکن میں نے یہ نہیں

بتایا کہ پاکستان میں،مَیں نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا اس دوران میں اس نے مجھ سے نہ تو کوئی سوال کیا تھا اور نہ ہی میری بات کاٹی تھی۔ جب میں نے اپنی کہانی مکمل کر لی تو اس نے کہا۔

''یہ تینوں تمہارے ساتھی ہیں؟''

''نہیں ان میں سے دو میرے ساتھی ہیں یعنی کم عمر لڑکا اور لڑکی، بلکہ لڑکی بھی میری ساتھی نہیں ہے۔ اس کا باپ چینی نژاد اور گائیڈ تھا وہ راستے میں مارا گیا اور یہ لڑکی ہماری ذمے داری بن گئی۔''

''چوتھا جو نیپالی ہے؟''

''وہ اصل میں میرا دشمن اور انڈیا کا ایجنٹ ہے۔ وہ چین کا بھی مجرم ہے اور چین میں سرگرم تبتی تخریب کاروں کو اسلحہ فراہم کرتا رہا ہے میں اسے تم لوگوں کے لیے لایا ہوں۔''

وہ چونکا۔''ہمارے لیے؟''

''ہاں یہ تم لوگوں کا مجرم ہے۔ جب تم اس سے تفتیش کرو گے تو یہ تمہاری معلومات میں بہت اضافہ کرے گا۔''

لیفٹنٹ زوہان کسی قدر پُر جوش نظر آنے لگا۔''تم نے پہلے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟''

''اس سے پہلے مجھ سے کسی نے پوچھا ہی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔''ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''میں صرف ایک سرحدی چوکی کا نگران ہوں اور میں کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ میں تمہیں اور دوسرے لوگوں کو آگے روانہ کر دوں گا۔ جہاں اعلیٰ حکام تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔''

اس نے مجھے واپس بھیج دیا۔ مجھے سیل تک لانے والے چینی سپاہی نے مجھے اندر بھیجنے کے بعد رانا کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ فکر مند ہو گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔''مجھے کیوں بلایا جا رہا ہے؟''

میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔''تمہیں کیوں نہیں بلایا جا سکتا ہے؟ تمہارے لیے جج منٹ ڈے آ گیا ہے اسے ہماری زبان میں یوم حساب بھی کہتے ہیں۔''

رانا مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن سپاہی نے اسے باہر کھینچ لیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے جاتے ہوئے ہمیں یوں دیکھا جیسے ہم ہی اس پر آنے والی افتاد کے ذمے دار ہیں اور یہ ایک حد تک ٹھیک بھی تھا کہ اسے ہم ہی یہاں لائے تھے۔ بیتو اور کامی میرے لیے فکر مند تھے۔ بیتو نے کہا۔''آپ کے ساتھ کیا ہوا؟''

''یہ مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔'' میں نے اختصار سے اسے بتایا۔ کامی ہماری باتیں نہیں سمجھ رہی تھی لیکن وہ بھی پورے انہماک سے سن رہی تھی۔ میں نے کامی کے بارے میں کہا۔''اس کے بارے میں بھی بتا دیا ہے اس لیے امید ہے کم سے کم اس سے نرم سلوک کیا جائے گا اور ہمیں جلد یہاں سے کہیں اور روانہ کر دیا جائے گا۔''

''کہاں؟''

میں نے شانے اچکائے۔''کہیں بھی بھیج سکتے ہیں۔ ہم ان کے ہاتھ میں ہیں اور اپنے لیے بس اتنا کر

سکتے ہیں کہ لیٹ کر سو جائیں۔''

میں سچ مچ لیٹ گیا اور پھر سو بھی گیا سفر کے دوران آرام کا صحیح سے موقع کم ہی ملا تھا۔ کئی گھنٹے بعد بیتو نے مجھے جگایا کہ کھانا آ گیا تھا۔ یہ چاول اور مچھلی کے شوربے پر مشتمل کھانا تھا اس کے ساتھ گرم کافی تھی۔ کھانا اچھی کوالٹی کا اور اچھی مقدار میں تھا۔ ہم نے پیٹ بھر کر کھایا اور میں پھر سو گیا تھا۔ اگلی بار میری آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے اور میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ بیتو اور کامی اوپر نیچے کی برتھوں پر سو رہے تھے۔ مجھے باتھ روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے دروازہ بجایا اور دوسری بار بجانے پر ایک سپاہی سامنے آیا۔ میں نے چھوٹی انگلی سے یونیورسل اشارہ کیا اور وہ سمجھ کر واپس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک مسلح سپاہی نے آ کر دروازہ کھولا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ مجھے ایک واش روم ایریا میں لایا جہاں لائن سے کئی واش رومز تھے اور ساتھ میں نہانے دھونے کا بندوبست بھی تھا۔ سپاہی مجھے چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

یہ صاف ستھری اور بو سے پاک جگہ تھی۔ میں فارغ ہو کر واپس آیا تو سپاہی نے مجھے سیل تک پہنچا دیا۔ ان لوگوں کا رویہ شریفانہ اور انسانی تھا۔ اگر میں بھارت یا نیپال میں کسی سیکورٹی ادارے کے ہاتھ آ جاتا تو اس وقت غیر انسانی حالات سے گزر رہا ہوتا۔ خود وطن عزیز میں میرے ساتھ یہی سلوک ہو رہا ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ چین صرف مادی لحاظ سے سپر پاور نہیں بنا تھا بلکہ انسانوں کے لیے اس کے رویے میں بھی بہتری آئی تھی۔ یعنی چینی اخلاقی لحاظ سے بھی ترقی کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد رات کا کھانا آ گیا تھا۔ میں نے بیتو اور کامی کو اٹھایا۔ رانا واپس نہیں آیا تھا اس کا مطلب تھا کہ اسے کہیں اور رکھا گیا تھا اور شاید اس سے تفتیش کی جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد انہوں نے خود ایک بار ہمیں باتھ روم جانے کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ اب ہمیں صبح ہی واش روم جانے کی اجازت ملتی اس لیے سب نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

میں دن میں سو گیا تھا اس لیے رات دیر تک جاگتا رہا۔ کامی اور بیتو پھر سو گئے۔ نیند پوری ہونے کے بعد اب مجھے مستقبل کے اندیشے بھی ستانے لگے تھے کہ کل کیا ہوگا۔ اگرچہ چین کے عسکری حکام کا رویہ اچھا تھا لیکن پھر بھی میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ آنے والے دنوں میں ان کا ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ دو باتوں کا مجھے خاصی حد تک یقین تھا ایک تو ہمیں واپس بھارت یا نیپال کے حوالے نہیں کیا جائے گا اور دوسرا ہمیں غیر قانونی سرحد عبور کرنے کی سخت سزا نہیں دی جائے گی۔ مگر اس کا امکان تھا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ سزا ہو جائے اور اس سے بھی زیادہ خوفناک امکان یہ تھا کہ اس کے بعد ہمیں پاکستان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جہاں پولیس میری منتظر تھی کہ کب میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ آؤں اور اسے مرشد سے وفاداری دکھانے کا موقع ملے۔ خاص طور سے اکرم مجھ سے خار کھائے بیٹھا ہوگا وہ میری وجہ سے معطل ہوا تھا۔ دوسرا خدشہ یہ تھا کہ بھارت میں ہونے والی کارروائیوں کا ملبہ بھی مجھ پر نہ گرے۔ میرا ارادہ تھا کہ اگر چینی حکام نے ہم پر کوئی فرد جرم عائد نہ کی تو میں پاکستانی سفارت خانے سے پاسپورٹ بنوانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ بیتو کا مسئلہ ہوتا۔ وہ بھارتی شہری تھا لیکن ایسا شہری جو کسی صورت بھارت نہیں جا سکتا تھا۔ سب سے آسان کیس کامی کا تھا۔ چینی نسل سے ہونے کی وجہ سے امکان تھا کہ اسے چین کی شہریت یا کم سے کم وہاں رہنے کا اجازت نامہ مل جائے گا۔

مجھے صبح کے قریب جا کر نیند آئی تھی اور کچھ دیر بعد ہمیں اٹھا دیا گیا۔ لیفٹننٹ ژوہان خود ہمیں بتانے آیا تھا کہ ناشتے کے بعد ہماری روانگی تھی۔ اس چوکی میں وہی تھا جو انگریزی سمجھتا تھا۔ ناشتے کے بعد ہمیں سیل سے نکالا گیا رانا کو بھی وہیں لایا گیا تھا۔ اب تک ہمیں ہتھکڑیاں نہیں پہنائی گئی تھیں لیکن اس بار روانگی سے پہلے ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں اور چوکی سے نکلنے کے بعد ہم پیدل ہی تھے۔ ہمارے ساتھ دو سپاہی تھے۔ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اور سپاہی بھی صرف ہتھیار بدست تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ ہمارا سفر زیادہ طویل نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ ایک گھنٹے بعد ہم ایک سڑک تک پہنچے جہاں ایک چھوٹا ٹرک اور چار مسلح سپاہی ہمارے منتظر تھے۔ ہمیں اس ٹرک میں سوار کیا گیا اور ساتھ آنے والے سپاہی واپس چلے گئے تھے۔ میں حیران ہوا تھا کہ چینیوں نے اتنے دشوار گزار علاقے میں پختہ سڑک بنالی تھی۔ یہ جگہ بھی سطح سمندر سے کوئی بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھی اور پورا علاقہ اونچے نیچے پہاڑوں پر مشتمل تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ٹرک روانہ ہو گیا۔ سردی بے پناہ تھی اور ہم گرم کپڑوں میں بھی ٹھٹھر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمالیہ کے اس طرف موسم بہت زیادہ سرد تھا۔ حالانکہ اگر طول البلد کے حساب سے دیکھا جائے تو ہم اسلام آباد کی سیدھ میں تھے لیکن بلندی اور وسط ایشیا کے میدانوں کی قربت کی وجہ سے یہاں سردی بے پناہ تھی۔

ٹرک میں چاروں سپاہی اس طرح بیٹھے تھے کہ وہ چاروں کونوں پر تھے اور ان کے درمیان دونوں طرف دو دو کر کے ہم بیٹھے تھے۔ ایک طرف میں اور رانا تھے دوسری طرف کامی اور بیتو بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہمارے سامان میں سے کچھ بھی نہیں دیا تھا اسلحے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن ہمارے کپڑے اور رقم بھی انہوں نے ضبط کر لی تھی۔ یعنی اب ہم خالی ہاتھ تھے۔ بہر حال مجھے ان چیزوں کی اتنی پروا نہیں تھی اگر چینی ہمارے ساتھ ہمدردانہ رکھتے ہوئے ہمیں رہا کر دیتے تو یہ چیزیں بھی کہیں نہ کہیں سے مل ہی جاتیں۔ اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ہم زندہ سلامت اور آزاد رہیں۔

ہمیں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی اس لیے خاموش بیٹھے گزرنے والے مناظر دیکھتے رہے تھے۔ بلندی تیزی سے کم ہو رہی تھی لیکن برف میں کمی نہیں آئی تھی چاروں طرف سفیدی چھائی ہوئی تھی۔ البتہ زمین کسی قدر ہموار ہو گئی تھی۔ راستے چوڑے اور موڑ کم ہو گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہم میدانوں کے قریب تھے۔ روانگی کے کوئی دو گھنٹے بعد ٹرک ایک بڑی وادی میں داخل ہوا اور مجھے لگا جیسے ہم کسی فوجی چھاؤنی میں آ گئے ہوں۔ بعد میں یہ جگہ ایک فوجی چھاؤنی ہی ثابت ہوئی تھی۔ یہاں دور تک فوجی بیرک نما عمارتیں ترتیب سے بنی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان میں چوڑے راستے تھے۔

جس وقت ٹرک اس چھاؤنی میں داخل ہو رہا تھا میں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں آلٹی میٹر دیکھا۔ ہم نو ہزار فٹ سے کم بلندی پر آ گئے تھے مگر سردی اور برف میں کوئی کمی نہیں آئی تھی البتہ میں نے پہلی بار یہاں پر درخت دیکھے جنہوں نے برف کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ٹرک بیرک نما عمارتوں کے درمیان سے گزرتا ایک بڑی سی پختہ عمارت کے سامنے رکا اور ہمیں اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب تک ملنے والے سارے احکامات اشاروں سے تھے کیونکہ ان کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ صرف رانا کو چینی زبان آتی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ اسے چینی نہیں بلکہ تبتی آتی تھی۔ دونوں زبانوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ سندھی اور پشتو میں ہو سکتا ہے۔ سرحدی چوکی میں

موجود لوگ زیادہ تر مقامی تبتی تھے اور وہ اپنی زبان بولتے تھے اس لیے رانا ان کی بات سمجھ لیتا تھا۔
ٹرک رکتے ہی کئی سپاہیوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہاں خاصی گہما گہمی تھی اور اپنے رقبے اور لوگوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ کوئی بڑا فوجی مستقر لگ رہا تھا۔ ہمیں نیچے اتارا گیا اور جو سپاہی نیچے موجود تھے وہ ہمیں اپنی نگرانی میں اس عمارت میں لے گئے۔ سب سے پہلے ہمیں ایک آرمی افسر کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے ہمارے بارے میں بریفنگ لی۔ اس کے بعد رانا کے بارے میں پوچھا اور اسے الگ کر کے کہیں لے جانے کا حکم دیا۔ رانا کو بھیجنے کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور اس نے میرا نام لیا۔

''شہباز ملک۔''

''یس سر۔'' میں نے کہا لیکن اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور فون پر کسی سے بات کرنے لگا۔ وہ چھوٹی سی میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا اور اس کمرے میں مزید کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ چند منٹ بعد ایک نوجوان چینی سادہ لباس میں اندر آیا۔ اس نے افسر سے کچھ کہا اور اس بات سن کر ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اس نے شستہ انگریزی میں کہا۔

''مسٹر شہباز ملک، میجر آیون تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں تعاون کے لیے حاضر ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد سوال جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ وہی سوال کر رہا تھا جو مجھ سے زوہان نے بھی کیے تھے۔ یہ ان لوگوں کی تکنیک تھی ایک ہی سوال کو بار بار دہراتے رہو اگر آدمی جھوٹ بول رہا ہے تو کہیں نہ کہیں پھنس جائے گا۔ اس بار بھی میرے جوابوں کے نوٹس نہیں لیے جا رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ انٹرویو کہیں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ میجر آیون خاص طور سے بھارت میں میری سرگرمیوں کے بارے میں متجسس تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اروناچل دیش میں ہونے والی قبائلی بغاوت میں میرا کیا کردار تھا اور میں بچ بچا کر جواب دے رہا تھا میری کوشش تھی کہ میری ذات کسی طرح نمایاں نہ ہو اور میں کسی ایسی بات کا اقرار نہ کروں جس سے میں بعد میں پکڑا جاؤں۔ اگرچہ چین اور بھارت دو روایتی حریف ممالک ہیں لیکن آج کل کی سیاست میں کوئی نہ تو مستقل دوست ہوتا ہے اور نہ ہی مستقل دشمن ہوتا ہے۔ اس لیے میں کوئی قابلِ گرفت بات اپنے بیان میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو بعد میرے لیے مصیبت بن جائے۔
دو گھنٹے طویل اس انٹرویو میں اس نے مجھ سے تقریباً سب ہی پوچھ لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔ میرے ذہن میں ایک خدشہ تھا کہ کہیں بیتو سے بھی یہی سوالات نہ کیے جائیں اور وہ کچھ اور نہ بول جائے اس لیے جیسے ہی ہمیں ایک سیل میں بند کیا گیا میں نے سب سے پہلے اسے بتا دیا کہ میں نے انٹرویو میں کیا کیا کہا تھا اور اسے خاص طور سے ان حصوں کے بارے میں بتایا جو اس سے متعلق تھے۔ یعنی جب وہ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ غور سے سنتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

''ہم سمجھ گیا شوبی بھائی۔''

''کوشش کرنا اپنا بیان ان باتوں تک محدود رکھنا اور کسی ایسی بات کا اقرار نہ کرنا جو تم کو کہیں عدالت میں پھنسا دے۔''

''آپ فکر مت کرو۔'' وہ اعتماد سے بولا۔ ''ہم دیکھنے میں بے وقوف لگتا ہے پر ہے نہیں۔''

اس کی بات سے مجھے وسیم کا خیال آیا۔ اگر وہ ہوتا تو بیتو کی اس بات پر اسے چھیڑنے والا جملہ ضرور کستا۔ وسیم اور سادھنا کے بارے میں سوچتے ہوئے میں نے اپنے قید خانے کا جائزہ لیا۔ یہ سیل بھی چوکی والے سیل سے زیادہ مختلف نہیں تھا بس ایک فرق تھا کہ اس کے کونے میں ایک کموڈ اور واش بیسن بنا ہوا تھا گویا ہمیں باتھ روم کے لیے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کموڈ ایک چھوٹی سی پلائی کے دیوار کے پیچھے تھا کہ آدمی خود کو بمشکل اس کے پیچھے چھپا سکے لیکن سب کچھ صاف ستھرا اور بو سے پاک تھا۔ اس سیٹ اَپ سے لگ رہا تھا کہ یہاں قیدیوں کو طویل عرصے کے لیے بھی رکھا جاتا ہوگا۔ تبھی یہاں پر کموڈ اور واش بیسن کی سہولت بھی دی گئی تھی۔

بیتو کامی کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس نے دو تین دن میں کامی کو خاصی حد تک اردو سکھا دی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملے بول سکتی تھی اور اپنا مطلب بیان کر سکتی تھی مگر اس کی اردو گرامر کی قید سے آزاد تھی۔ اس وقت بھی بیتو اسے سمجھا رہا تھا کسی کام کے لیے کیا کہتے ہیں۔ کامی ذہین لڑکی تھی اس لیے وہ بہت تیزی سے سیکھ رہی تھی۔ میں سو گیا اور شام کو اٹھا تو کچھ دیر بعد میرا بلاوا آ گیا تھا۔ دو سپاہی مجھے میجر آیون کے پاس لائے لیکن اس وقت وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے کمرے میں دو افسر اور بھی تھے اور چوتھا چینی ترجمان تھا۔ اس بار کمرے میں اضافی کرسیاں تھیں اور ایک کرسی مجھے بھی دی گئی۔ اس کے بعد سب کو بغیر اور دودھ اور چینی کی چائے دی گئی۔ فی الحال ان لوگوں کا انداز دوستانہ تھا۔

میجر آیون نے مجھ سے کہا۔ ''مسٹر ملک...... ہم نے تمہارے بیان کے بارے میں ابتدائی تحقیقات کی ہیں۔ ان کے مطابق تم انڈیا میں دہشت گردی کی کئی وارداتوں میں ملوث رہے ہو۔''

میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ آج کل اس لفظ کو ایک خاص مفہوم پہنا دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان کسی ایسے کام میں ملوث ہو جس سے دوسرے کو نقصان ہو تو اس پر سیدھا سیدھا دہشت گردی کا الزام چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کسی قسم کی تحقیقات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ہے جب کہ وہی فعل کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے سے تو اس کا باقاعدہ پس منظر جانا جاتا ہے۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''یہ آپ اپنی معلومات بتا رہے ہیں یا اپنا خیال ظاہر کر رہے ہیں؟''

وہ میری بات سمجھ گیا۔ ''یہ ہماری معلومات ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے آپ مجھے دہشت گرد نہیں سمجھتے؟''

''فی الحال نہیں۔'' اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''یعنی آپ بعد میں سمجھ سکتے ہیں۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''میں نے کبھی کسی کو جان بوجھ کر نقصان نہیں پہنچایا ہے۔''

''یعنی تمہاری ذات سے دوسروں کو نقصان ہوا ہے؟'' یوآن کے ساتھ بیٹھے ایک افسر نے کہا اس کا اردو صاف نہیں ہوا تھا۔

''اپنی جان کے دفاع کا مجھے حق ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے بتایا جائے کہ میرے ساتھ آپ لوگوں کا سلوک کیا ہوگا؟''

''اس کا انحصار آنے والی معلومات پر ہوگا۔''

''تب مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں اپنا بیان دو بار دے چکا ہوں۔''

''ہم جتنی بار تم سے چاہیں بیان لے سکتے ہیں۔ تم اس کے لیے پابند ہو۔'' اس نے کھردرے انداز میں کہا۔

''ہاں آپ کو اس کا حق ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''اور میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیے جانے والے اچھے سلوک پر آپ کا شکر گزار بھی ہوں۔''

''ہم قیدیوں کے ساتھ بھی غیر انسانی سلوک کا قائل نہیں ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''تمہارے ساتھ ایک لڑکی ہے۔ تم نے اس کے بارے میں بیان دیا تھا کہ وہ نیپال میں رہنے والے ایک چینی نژاد باشندے کی بیٹی ہے؟''

''یہ درست ہے۔'' میں نے کہا۔ پھر میں نے اسے تفصیل سے کامی اور اس کے باپ کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی کہ وہ کس طرح موت کا شکار ہوا اور اب اس لڑکی کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

''رانا چندر باز۔'' اس نے کہا۔ ''یہ تمہارے ہاتھ کیسے لگا اور تم کو کیسے پتا چلا کہ وہ چینی حکومت کا مجرم ہے۔''

میں رانا چندر باز کے بارے میں بتا چکا تھا۔ میں نے اس داستان میں مندر میں ہونے والی تباہی اور قتل و غارت گری خارج کر دی تھی اور کہانی اس طرح بنائی تھی کہ رانا چندر باز کے آدمی ہم پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے۔ مجبوراً اپنی جان بچانے کے لیے ہم نے رانا چندر باز کو یرغمال بنالیا اور اسے لے کر بچتے بچاتے فرار ہو کر چین کی سرحد کی طرف آ نکلے تھے۔ مگر رانا کے آدمیوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ مجبوراً ہمیں جان بچانے کے لیے چین میں داخل ہونا پڑا تھا۔ تا کہ رانا چندر باز کے آدمیوں سے پیچھا چھڑا سکیں۔ اگر ہم واپس جاتے تو ان کے ہاتھوں مارے جاتے۔ میری بات مکمل ہونے پر میجر آیون نے کہا۔

''تم ان لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے رانا چندر باز کو اس کے آدمیوں کے حوالے کر سکتے تھے؟''

''اگر میں رانا کو ان کے حوالے کر دیتا تب بھی وہ ہماری جان نہیں چھوڑتے۔ دوسرے میں رانا کو چینی حکومت کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ چین پاکستان کا دوست ملک ہے اور ایک پاکستانی ہونے کے ناطے میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنے ملک کے دوستوں کے مفاد کا خیال رکھوں۔ مجھے رانا کے بارے میں پتا چلا ہے کہ اس کے بھارتی خفیہ ایجنسیوں سے رابطے ہیں اور وہ تبت میں اسلحہ اور دوسری چیزیں اسمگل کر کے یہاں موجود باغیوں کی مدد کر رہا ہے اور اس لحاظ سے وہ مغرب کا ایجنٹ بھی ہے۔''

میجر یو آن جو میری بار غور سے سن رہا تھا اس نے سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے رانا چندر باز ایک خطرناک مجرم ہے اور یہ تبت میں اسلحہ اسمگل کرنے کے جرم میں چین کی حکومت کو مطلوب ہے۔ اس کی گرفتاری ہمارے لیے بہت اہم ہے۔''

''میں بتا چکا ہوں اس کو اتنی مشکل سے لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں اسے چین کی حکومت کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ میرا خیال ہے مغربی دنیا بھارت کی مدد سے چین کو غیر مستحکم کرنے کے لیے تبت میں سازشی عناصر کو اسلحہ اور تربیت فراہم کر رہی ہے۔ رانا اس سازش کا ایک مہرہ ہے اور یہ یقیناً چین میں سازشی عناصر کے

بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ لوگوں کو اس سے تبت میں جاری شورش کے بارے میں گراں قدر معلومات ملیں گی۔"

میجر آیون نے سر ہلایا۔"ہم اس سے تفتیش کر رہے ہیں اور اگر ہمیں اس سے مدد ملی تو تمہیں بھی اس کا کریڈٹ ملے گا۔"

میں خوش ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔"میں اور میرے ساتھی چین کی حدود میں غیر قانونی داخلے کے علاوہ اور کسی جرم میں ملوث نہیں رہے ہیں۔ اور نہ ہی چین کو ہم سے کوئی خطرہ لاحق ہے بلکہ ہم چین کے خیر خواہوں میں سے ہیں اس لیے مجھے امید ہے چین کی حکومت ہمارے کیس پر ہمدردی سے غور کرے گی۔"

میجر آیون نے سر ہلایا لیکن اس نے زبان سے کوئی یقین دہانی نہیں کرائی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ کیس کی تحقیقات ابھی ابتدائی مرحلے میں تھیں اور اس کی مکمل تحقیق میں خاصا وقت لگ جاتا۔ تب تک ہمیں صبر وسکون سے انتظار کرنا تھا۔ میجر آیون کے ساتھ موجود افسران نے مجھ سے اسلحے کے بارے میں پوچھا کیونکہ یہ مخصوص قسم کا اسلحہ تھا جو تبت میں کئی جگہ پکڑا جا چکا تھا اور اس کے بارے میں چین کی حکومت کو شبہ تھا کہ مغربی ممالک نے خاص طور سے چین میں بغاوت کے لیے بھیجا تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ اسلحہ ہم نے رانا اور اس کے ساتھیوں سے چھینا تھا۔ اس لیے رانا ہی اس اسلحے کے بارے میں بہتر بتا سکتا تھا۔

اس بار بیتو سے بھی پوچھ گچھ ہوئی تھی جب مجھے واپس سیل میں پہنچایا گیا تو وہ بیتو کو ساتھ لے گئے تھے۔ کامی اس وقت بے چین ہو گئی اور اس نے بیتو کے ساتھ جانا چاہا لیکن بیتو نے اسے سمجھا بجھا کر روک دیا۔ وہ بیٹھ تو گئی تھی لیکن اس کے واپس آنے تک بہت بے چین رہی تھی۔ بیتو کوئی ایک گھنٹے بعد واپس آیا تھا اور اس کے بعد وہ لوگ کامی کو لے گئے۔ کامی نے اس بار زیادہ مزاحمت کی تھی۔ وہ اکیلے جانے کے لیے تیار نہیں تھی اور بیتو سے لپٹ گئی تھی۔ بیتو نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا تھا کہ وہ صرف اس سے کچھ پوچھیں گے۔ مگر کامی بہت ڈری ہوئی تھی۔ جب وہ سپاہیوں کے ساتھ جا رہی تھی تو اس کی معصوم صورت رونے والی ہو گئی تھی۔

کامی کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے میں ہوئی تھی۔ یہ وقت بیتو نے ایسے کاٹا جیسے افریقہ سے تازہ تازہ وارد ہونے والا شیر پنجرے میں اپنا پہلا گھنٹا گزارتا ہے۔ آخر میں تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ کچھ دیر کامی اور نہ آتی تو وہ دروازے کی سلاخیں بجانا شروع کر دیتا اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ کامی کے آنے پر اس نے سکون کا سانس لیا اور فوراً اس سے پوچھنے لگا کہ اس سے کیا پوچھ گچھ ہوئی تھی۔ وہ بے چاری بہت سہمی ہوئی تھی اور حسبِ استعداد بتاتی رہی۔ میں تو نہیں البتہ بیتو سمجھ گیا۔

"انہوں نے اس سے اس کے اور اس کے باپ کے بارے میں تصدیق کی ہے۔"

"ہمارے بارے میں کوئی سوال کیا ہے؟"

"بالکل کیا ہوگا......لیکن یہ بتا نہیں پا رہی ہے اور پھر بے چاری ہمارے بارے میں جانتی ہی کیا ہے۔ اس نے تصدیق کر دی ہوگی کہ رانا اور اس کے آدمی ہمارے دشمن ہیں اور انہوں نے ہی اس کے باپ کو مارا تھا۔"

کامی کے ساتھ ہونے سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس نے ہمارے بیانات کی تصدیق کر دی تھی۔ یوں چینیوں کے نزدیک ہم اور معتبر ہو گئے تھے۔ اس روز کے انٹرویوز کے بعد پھر انہوں نے ہمیں نہیں بلایا اور آنے والے دو

دن ہم اسی سیل میں بند رہے۔ صرف کھانے کے وقت ہمیں کسی چینی کی صورت دکھائی دیتی تھی جو کھانا لے کر آتا تھا۔ وہ بھی سیل کا دروازہ نہیں کھولتا تھا بلکہ نیچے ایک خانے سے ٹرے اندر سرکا دیا کرتا تھا اور ہم کھانا کھا کر اسی خانے سے ٹرے باہر سرکا دیتے تھے۔

یہ سیل زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دس بائی سات فٹ کا تھا جس میں دونوں طرف دیوار کے ساتھ اوپر نیچے دو دو بستر بنے ہوئے تھے۔ بستروں پر فوم کا گدا تھا اور ایک ہلکا کمبل دیا ہوا تھا۔ کیونکہ اندر اتنی سردی نہیں تھی۔ یہاں پر سینٹرل ہیٹنگ کا کوئی نظام تھا۔ ہاں ایک تبدیلی ہوئی تھی۔ انٹرویوز سے اگلے دن ہمیں دوسرے کپڑے مہیا کیے گئے تھے اور نہانے کا موقع فراہم کیا تھا۔ یہ سیاہ رنگ کے گرم ٹراؤزر اور جرسیاں تھیں۔ گرم پانی سے نہا کر ہم نے لباس تبدیل کیے۔ ہمارے اتارے جانے والے کپڑے لے لیے گئے تھے۔ اس سردی میں کپڑے پسینے سے خراب نہیں ہوتے اور نہ ہی یہاں دھول مٹی تھی اس کے باوجود کئی دن سے ایک ہی لباس پہنے رہنے سے دل اکتا گیا تھا اس لیے کپڑے بدلے تو اچھا محسوس ہوا تھا۔ ہماری جیکٹیں بھی لے لی گئی تھیں ان کی جگہ ہمیں سرخ رنگ کی ہلکی مگر بہت گرم جیکٹیں دی گئی تھیں۔ ساتھ میں ہلکے اور کسی گرم میٹریل سے بنے جوتے بھی دیئے تھے گویا ہمارے پاس موجود ہر چیز انہوں نے لے لی تھی۔ نہانے کے دوران مجھے اور بیتو کو شیو بنانے کا موقع بھی دیا گیا تھا۔ میری شیو خاصی بڑھ گئی تھی۔ البتہ سر کے بال مناسب تھے۔ بیتو نے اپنے چہرے پر موجود ہلکا سا رواں صاف لیا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ ابتدائے محبت کی اولین نشانی یہ ہوتی ہے کہ انسان زیادہ خوب صورت نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ نہانے کے بعد نئے کپڑے پہن کر کامی اور بیتو نے غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے کو جس طرح خود کو دکھایا تھا اس سے مجھے لگا کہ معاملات کچھ زیادہ ہی آگے جا رہے تھے۔

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بیتو اٹھارہ یا انیس برس کا تھا جب کہ کامی بھی کم سے کم پندرہ برس کی تھی اور تکنیکی لحاظ سے دونوں بالغ ضرور تھے۔ شادی اور محبت کے لیے روز اول سے ایک ہی شرط ہے جس پر وہ پورا اترتے تھے۔ بالغ کے ساتھ عاقل ہونے کی شرط نہ جانے کس حکیم نے لگائی تھی کیونکہ محبت کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے یہ سراسر جذبات کا کھیل ہے۔ اس لیے بیتو اور کامی بھی ایک دوسرے کو پسند کر بیٹھے تھے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں تھی۔

کامی کا معاملہ ہم سے الگ تھا۔ ایک تو وہ کم عمر تھی۔ دوسرے اس پر کوئی فرد جرم نہیں تھا اور تیسرے وہ چینی نسل تھی۔ اگر اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جاتا کہ اسے چین کی شہریت یا وہاں رکنے کا اجازت نامہ دیا جاتا ہے تو اس صورت میں ہم کیا کرتے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں تھا کہ ہم چینی حکام کو ان کا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرتے۔ ہم تو ان کے رحم و کرم پر تھے۔ اس لحاظ سے بیتو کا کامی کی طرف ایک حد سے زیادہ بڑھنا کسی صورت درست نہیں تھا۔ کم سے کم جب تک ہمارے بارے میں ایک فیصلہ نہیں کر لیا جاتا۔ مگر محبت یہ سب مجبوریاں کہاں سمجھتی ہے۔ یہ عام طور سے وہیں ہوتی ہے جہاں اسے نہیں ہونا چاہیے۔

آنے والی رات جب کامی سو گئی تھی میں اور بیتو جاگ رہے تھے تو میں نے اس سے کہا۔ ”برخوردار...... ایسا لگ رہا ہے تم کامی میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگے ہو؟“

اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ ”ایسا نہیں ہے شوبی بھائی...... بے چارا یتیم لڑکی ہے اس لیے ہم کو

اس سے ہمدردی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اگر چینی حکام نے کامی کو اپنی تحویل میں لے لیا تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اپنی تحویل میں کیوں؟" اس نے بے ساختہ کہا۔ "وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔"

"ہم اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ ان کی نسل سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ اس کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ یہاں رہ کر تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔ چین ایک ترقی یافتہ ملک ہے یہاں اس کا مستقبل بہتر ہوگا۔ ہمارے ساتھ تو اسے صرف دھکے ملیں گے۔ سب سے اہم بات کہ ہم ان لوگوں کے سامنے بے بس ہیں یہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں قبول کرنا ہوگا۔"

بیتو گم صم سا ہو گیا تھا۔ اس نے شاید اب تک اس نکتہ نظر سے نہیں سوچا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ شاید اپنے طور پر سوچ کر بیٹھا ہوا تھا کہ کامی ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "بیتو ہمیں حقیقت کی دنیا میں رہنا چاہیے۔"

اس نے ملتجی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کامی ہمارے ساتھ رہے؟"

میں نے گہری سانس لی۔ "بیتو میری اپنی بھی یہی خواہش ہے لیکن ہم بے بس ہیں اگر انہوں نے کامی کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کر لیا تو ہم اسے تبدیل نہیں کرا سکتے۔"

بیتو کا منہ لٹک گیا تھا۔ مجھے اس کی صورت دیکھ کر ترس آ رہا تھا لیکن یہ اس کے لیے بہتر تھا وہ خود کو آنے والی صورت حال کے لیے تیار کر سکتا تھا۔ میں نے کیا کہ اس گفتگو کے بعد وہ کامی سے غیر محسوس انداز میں کھنچ گیا تھا اور اس سے پہلے کی طرح گھل مل کر بات نہیں کر رہا تھا۔ کامی اس کی رکھائی پر حیران اور آزردہ تھی۔ ان کو دیکھ کر مجھے بھی دکھ ہو رہا تھا۔ مگر یہی شاید ان دونوں کے لیے بہتر تھا۔

تیسرے دن صبح سویرے دو سپاہی ہمیں سیل سے نکالنے کے لیے آئے۔ انہوں نے اشارے سے مجھے اور بیتو کو باہر آنے کو کہا۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ ہمیں کہیں اور لے جایا جا رہا تھا کیونکہ ایک سپاہی نے ہمیں اپنی ساری چیزیں لینے کو کہا تھا۔ ہمارے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو ہم لیتے۔ بیتو مضطرب ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "انہوں نے کامی کو ساتھ کیوں نہیں لیا ہے؟"

مجھے خود نہیں معلوم تھا میں نے جواب دیا۔ "حوصلہ رکھو یار ابھی سب سامنے آ جائے گا۔"

دونوں سپاہی ہمیں میجر آیون کے دفتر میں لائے۔ وہاں میجر آیون اور مترجم ہمارے منتظر تھے۔ میجر آیون نے کہا۔ "تم لوگوں کو یہاں سے منتقل کیا جا رہا ہے؟"

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔ "اور ہماری ساتھی لڑکی کو کیوں نہیں بھیجا جا رہا ہے۔"

"اس کے بارے میں ہم نے تحقیق کر لی ہے۔ اس کا تعلق سچ مچ چینی نسل سے ہے اور اس کا تم لوگوں سے یارانا چندر باز سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کیونکہ وہ چینی نسل سے ہے اس لیے وہ چین کی شہریت حاصل کرنے کی حق دار ہے۔ اعلیٰ حکام نے اسے چین کی شہریت دینے اور اس کو تمام سہولیات دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کل وہ یہاں سے روانہ کر دی جائے گی۔"

بیتو انگریزی نہیں سمجھتا تھا لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بات کامی کے بارے میں ہو رہی ہے۔ جیسے ہی

میری اور میجر آیون کی گفتگو میں وقفہ آیا اس نے مجھ سے کہا۔ ”شوبی بھائی یہ کیا کہہ رہا ہے؟“
”بیتو انہوں نے کامی کو اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا ہے؟“ میں نے اسے بتایا تو وہ چیخ اٹھا تھا۔
”لیکن کیوں وہ ہمارے ساتھ ہے۔“

بیتو کے چلانے سے میجر آیون اور وہاں موجود ترجمان و سپاہی چوکنا ہو گئے تھے۔ میجر نے مجھ سے کہا۔
”اس نوجوان کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟“

”ایک منٹ میجر میں تم کو بتاتا ہوں۔“ میں نے کہا اور بیتو سے کہا۔ ”جذباتی مت ہو میں نے کہا تھا نا کہ ہم ان کے سامنے بے بس ہیں۔ میجر نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے کامی کو چین کی شہریت دینے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ اب یہاں حکومت کی مدد سے تعلیم حاصل کرے گی۔ اسے کل یہاں سے بھیج دیا جائے گا۔“
”وہ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی ہے؟“ بیتو نے ڈوبتے لہجے میں پوچھا
”دوست تم جانتے ہو ہم کیسی زندگی گزار رہے ہیں اور ہمارے اگلے پل کا کچھ پتا نہیں ہوتا ہے۔ کیا تم اس مشکل زندگی میں اس معصوم لڑکی کو ساتھ رکھنا پسند کرو گے یا اس کے لیے یہاں سکون سے زندگی گزارنا پسند کرو گے؟“

بیتو کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ”آپ ٹھیک کہتا ہے شوبی بھائی۔ ہم جذباتی ہو گیا تھا۔“
میں نے میجر آیون کی طرف دیکھا۔ ”میرا ساتھی لڑکی کے لیے پریشان ہے کہ اس کے ساتھ کوئی مس بی ہیو نہ ہو؟“

”تم اس کی فکر مت کرو۔“ میجر آیون نے مخصوص کھردرے انداز میں کہا۔ ”اس کی بہت اچھی دیکھ بھال ہو گی۔ بلکہ اس کی تعلیم اور تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے گی ممکن ہے مستقبل میں تم لوگ اس لڑکی سے ملو تو اسے مکمل طور پر بدلا ہوا پاؤ۔“
”مجھے بھی یہی امید ہے۔“
میجر آیون نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا ساتھی اس لڑکی کے معاملے میں کچھ جذباتی ہو رہا ہے کیا یہ اسے پسند کرنے لگا ہے؟“
”پسند تو نہیں لیکن تم اسے ایک طرح کی وابستگی کہہ سکتے ہو جو ساتھ رہنے سے انسانوں میں آ جاتی ہے۔ اس نے میری بات سمجھ لی ہے۔“
”یہ اچھی بات ہے یہ بھی نوجوان ہے اور ابھی اس کے سامنے ایک طویل زندگی پڑی ہے۔“
”ہمیں کہاں بھیجا جا رہا ہے؟“
”جب تم اپنی منزل پر پہنچو گے تو خود پتا چل جائے گا۔ ویسے اتنا بتا دوں کہ اب تمہیں سول حکام کے حوالے کیا جا رہا ہے اور وہی تمہارا فیصلہ کریں گے۔“ اس نے کہا اور ہمیں ساتھ لانے والے سپاہیوں کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا میں نے کہا۔
”اگر اجازت ہو تو ایک سوال کر سکتا ہوں؟“
میجر آیون نے سر ہلایا۔ ”پوچھ سکتے ہو۔“

''رانا چندر باز کا کیا ہوا؟''

''اسے فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اب ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

بیتو نے مجھ سے کہا۔''شوبی اس سے پوچھو کیا بعد میں ہم کامی سے مل سکتا ہے؟''

میں نے میجر آیون سے کامی سے ملنے کے بارے میں پوچھا اس نے مجھے غور سے دیکھا۔''تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''میجر اتنے دن ساتھ رہنے کی وجہ سے ہمیں اس سے انسیت ہو گئی ہے اور اس وجہ سے ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اس کا فیصلہ اعلیٰ حکام ہی کریں گے۔'' اس نے انکار کیا اور نہ اقرار کیا۔ میں نے بیتو کو میجر کے جواب سے آگاہ کیا تو وہ مایوس نظر آنے لگا تھا۔

میجر آیون نے ہمیں رخصت کر دیا اور ہم نگران سپاہیوں کے ہمراہ باہر آئے تھے۔ ایک بڑی پک اَپ نما گاڑی میں سوار ہو کر ہم نزدیک واقع ایک ہیلی پیڈ پہنچے جہاں ایک بڑا ٹرانسپورٹر ہیلی کاپٹر کھڑا تھا اور اس کے پنکھے محوِ گردش تھے۔ ہیلی کاپٹر ابھی آیا تھا اس سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ وہ یقیناً بیس کے لیے سپلائی لائی گئی تھی۔ جب سامان اتار دیا گیا تو ہیلی کاپٹر میں ڈرم رکھے جانے لگے۔ ان میں شاید کچرا اور استعمال ہو جانے والی چیزیں تھیں۔ ان علاقوں میں کچرہ پھیلانے سے گریز کیا جاتا ہے۔ میں نے پاکستان کے شمالی علاقوں میں دیکھا ہے کہ مقامی سیاح اور ادارے بہت گندگی پھیلاتے ہیں جب کہ باہر سے آنے والے سیاح اور ٹریکرز اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کوئی گندگی یا آلودگی نہ پھیلے۔ بلکہ بہت سارے تو دوسرے کی پھیلائی ہوئی گندگی بھی سمیٹ کر واپس لے جاتے ہیں۔ ہر سال مغربی ممالک سے ایسی ٹیمیں آتی ہیں جن کا مقصد صرف شمالی علاقوں میں آلودگی کم کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے علاقے ہیں اور ہمیں ان کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔ سارے شمالی علاقے میں آرمی کے سیٹ اَپ موجود ہیں اور اگر وہ چاہے تو ان علاقوں سے آلودگی کے خاتمے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

میں نے اس چینی آرمی بیس کو بے حد صاف ستھرا پایا تھا۔ وہاں کاغذ کا ایک پرزہ یا ایک پلاسٹک شاپر نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے عمارتیں بے حد سادہ بنائی تھیں اور کوشش کی تھی کہ وہاں کوئی غیر ضروری چیز نہ ہو۔ اس فوجی بیس تک آنے کے لیے سڑک تھی لیکن سڑک سے آنا جانا بہت مشکل اور وقت و ایندھن کا ضیاع والی بات ہوتی اس لیے ٹرانسپورٹ کا سارا دارومدار ہیلی کاپٹرز پر تھا۔ یہ بھی ایک مسافر اور سامان بردار ہیلی کاپٹر تھا اور ہمیں اس کے ذریعے کہیں بھیجا جا رہا تھا۔ سامان اس کے پچھلے حصے میں بار کیا گیا تھا اور بار کرنے کے بعد اسے باندھا گیا تا کہ دورانِ پرواز یہ وزنی سامان بے قابو ہو کر لڑھکتا نہ پھرے۔ سامان کے خانے کے بعد مسافروں کے بیٹھنے کے لیے تین نشستیں تھیں۔ سب سے پیچھے کی طرف رک پر ایک نشست تھی جس کی چوڑائی کم تھی اور اس پر صرف تین افراد آ سکتے تھے۔ اس لیے اس نشست پر ہمیں بھیج دیا گیا اور ہمارے ساتھ ایک سپاہی آ گیا تھا۔ اس دوران میں ایک جیپ آ کر وہاں رکی اور اس سے ایک افسر کی وردی میں ملبوس چینی اترا اس کے پاس ایک چھوٹا

سا بریف کیس تھا اور خاص بات یہ تھی کہ بریف کیس ایک چھوٹی سی لیکن مضبوط زنجیر کی مدد سے اس کی کلائی سے بندھا تھا اور جب تک اس زنجیر کو اس کی کلائی سے الگ نہیں کیا جاتا بریف کیس بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ چار مسلح سپاہی بھی تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے آرمی افسر بریف کیس میں کوئی اہم سرکاری چیز لے جا رہا تھا جس کی حفاظت کے لیے اتنا بندوبست کیا گیا تھا۔ وہ اپنے چار محافظوں سمیت ہیلی کاپٹر کے درمیانی حصے میں آ گیا جس میں آمنے سامنے نشستوں پر سات آٹھ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس کے بعد کاک پٹ تھا۔ ہیلی کاپٹر کے دو پائلٹ تھے۔ یوں ہم دو سمیت کوئی دس افراد ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے تھے۔ جیسے ہی سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے اور کاپٹر کے دونوں طرف کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ پائلٹ نے پرواز کا اشارہ دیا اور چند لمحے بعد اس نے کسی دیو ہیکل پرندے کی طرح زمین چھوڑ دی تھی۔

اس وقت موسم صاف تھا۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے اور سورج چمک رہا تھا پرواز کے لیے یہ اچھا موسم تھا۔ جب ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم ہمالیہ سے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر ہی کسی کم بلند جگہ پر تھے کیونکہ شمال میں پھر بلند پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔ بلندی پر آنے کے بعد ہیلی کاپٹر نے شمال مغرب کا رخ کیا تھا اس کا اندازہ سورج کی پوزیشن سے ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں شمال مشرق کی طرف لے جایا جائے گا۔ جہاں تبت کے شہری علاقے ہیں لیکن چین ایک وسیع ملک ہے اور اس میں ہر مقام پر شہر آباد ہیں۔ اب تو مشرقی چین میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے بہت ترقی ہو رہی ہے۔ اگرچہ مغربی سازشی طاقتیں کوشش کر رہی ہیں کہ ان مسلمانوں اور چینی حکومت کے درمیان کشیدگی برقرار رکھی جائے لیکن چین کی حکومت اس معاملے کو دانش مندی سے حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیونکہ اس وسیع خطے پر امریکہ کی نظریں مرکوز ہیں اور یہاں پر آئل اور گیس کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ جس پر امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں کی رال ٹپک رہی ہے۔ چین بھی ان ذخائر تک رسائی چاہتا ہے۔ اور اس نے بنا کسی جنگ کے اس معاملے میں خاصی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ چین ایک طرف تو خود کو معاشی طور پر مضبوط سے مضبوط تر بنا رہا ہے۔ دوسری طرف اس نے اپنے وسائل محاذ آرائی میں ضائع نہیں کیے ہیں۔ اسی وجہ سے چین دنیا کی دوسری بڑی معاشی طاقت اور سب سے مضبوط معیشت ہے۔ حالیہ معاشی بحران نے جب ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور ہر ملک ہی کساد بازاری کا شکار ہوا۔ چین پر اس کا بہت زیادہ اثر نہیں ہوا ہے۔ چین کے فوجی اخراجات امریکہ کے کل فوجی اخراجات کا دسواں حصہ ہیں لیکن قیمتوں کے فرق کو دیکھا جائے تو چین اور امریکہ کے فوجی اخراجات میں ایک پانچ کا تناسب ہے۔ آنے والے دور میں جب چین دنیا کی سب سے بڑی معیشت بن جائے گا تو اس کے فوجی اخراجات بھی اسی تناسب سے ہوں گے۔ فی الحال امریکہ دہشت گردی کی جنگ کے نام پر اپنے شہریوں کی خون پسینے کی کمائی اسلحہ ساز اداروں پر فراخدلی سے لٹا رہا ہے لیکن امریکہ میں بڑھتی ہوئی کساد بازاری اس صورتِ حال کو زیادہ دیر برقرار رہنے نہیں دے گی اور جلد یا بدیر امریکہ کو ساری دنیا میں جاری اپنے بہت سارے فوجی آپریشن بند کرنا ہوں۔ اس فوجی انخلا کو آنے والے وقتوں میں صرف ایک طاقت بھر سکتی ہے اور وہ چین ہے۔ اسے ابھرنے اور نیا عالمی لیڈر بننے سے روکنے کے امریکہ اور مغربی ممالک ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اس کشمکش کے آثار آج کل کی سیاست میں نمایاں ہیں۔

ہم جس ہیلی کاپٹر میں سوار تھے۔ یہ بلندی پر اڑنے والا طاقتور ہیلی کاپٹر تھا۔ اس کی رفتار بھی تیز تھی دیکھتے ہی دیکھتے ہم پہاڑوں کے درمیان پہنچ گئے۔ اب ہمارے چاروں طرف بلند برف پوش پہاڑ تھے۔ ان کے درمیان ہیلی کاپٹر کسی معمولی سے کھلونے کی طرح اُڑ رہا تھا۔ یہ ہیبت زدہ کرنے والا منظر تھا۔ یہ لوگ تو عادی تھے اور آئے دن اسی طرح سفر کرتے تھے لیکن میرے اور بیتو کے لیے یہ منظر نیا تھا۔ ہم اس کے سحر میں آ گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہیلی کاپٹر ایک خاص انداز میں اُڑ رہا تھا وہ بہ ظاہر آسان نظر آنے والے درے چھوڑ کر بلند پہاڑوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ اس وقت مجھے اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

بیتو بہت اداس تھا اس نے حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا لیکن اس کے لیے کائی کو اس طرح چھوڑ کر آنا کہ وہ نہ تو اس سے الوداعی ملاقات کر سکا اور نہ ہی اسے دیکھ سکا۔ یقیناً بہت تکلیف دے تھا۔ وہ چپ چپ تھا اور جب ہیلی کاپٹر بلند ہوا تب بھی وہ باہر دیکھ رہا تھا میں نے اس سے بات کرنے سے گریز کیا مجھے یقین تھا وہ جلد خود کو سنبھال لے گا۔ نوعمری کی پسندیدگی میں جتنی شدت ہوتی ہے اتنی ہی جلدی اس کی شدت ختم بھی ہو جاتی ہے اس کی مثال سوڈے کے جھاگ جیسی ہے جو پوری شدت سے ابلتا ہے اور لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔

جیسے جیسے ہیلی کاپٹر مغرب کی طرف جا رہا تھا اس کی پرواز شمال کے بجائے مغرب کی طرف سیدھی ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے نقشہ تو نہیں دیکھا لیکن میرا اندازہ تھا کہ ہیلی کاپٹر کی پرواز بھارت کی کشمیر والی سرحد کے پاس تھی اس علاقے کو شاید لداخ کہتے ہیں اور اس پر بھی چین اور بھارت کا تنازعہ تھا۔ درحقیقت چین بھارت سرحدی تنازعہ پاکستان اور بھارت کے سرحدی تنازعات سے کہیں زیادہ گھمبیر اور پیچیدہ ہے۔ اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک ہزاروں میل لمبی سرحد میں جا بہ جا موجود ہے۔ بدقسمتی سے انگریز جاتے جاتے برصغیر میں سرحدی تنازعات کی ایسی فصل چھوڑ گیا تھا جس سے گزشتہ تریسٹھ سال سے مسلسل کشیدگی اور بدامنی کی فصل اگ رہی تھی۔ کیونکہ اس معاملے میں بھارت وہ فریق ہے جو اس خطے میں برطانیہ عظمیٰ کا جانشین تھا اس لیے فائدہ بھی سب سے زیادہ اس نے اٹھایا ہے۔ چین اور پاکستان سمیت علاقے کے دوسرے ممالک نقصان میں رہے۔ پاکستان کشمیر سے محروم ہوا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بھارت نے بنیادی کردار ادا کیا۔ چین کا اروناچل دیش پر دعویٰ ہے اس کے علاوہ بھی دونوں ملکوں کی سرحد کوئی دو ہزار مقامات سے غیر واضح ہے اور اس پر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ متنازعہ علاقہ کوئی پانچ لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ سکم اور بھوٹان کو بھارت عملاً ہضم کر چکا ہے۔ نیپال کی شہ رگ اس کے قبضے میں ہے اور سری لنکا میں خانہ جنگی کی آگ بھارت نے لگائی جس پر قابو پاتے پاتے اس چھوٹے سے ملک کی دس فی صد آبادی موت کی نیند سو گئی۔ یوں دیکھا جائے تو بھارت اس خطے میں بدامنی اور انارکی پھیلانے میں پیش پیش ہے اور وہ مغرب کے لیے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ میں ہیلی کاپٹر کی پرواز کے دوران یہی سب سوچ رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر میں سوار چینی آپس میں، مَیں چیخ چیخ کر بات کر رہے تھے۔ ویسے بھی بلند آواز میں بات کرنا چین کے لوگوں کی عادت ہے۔ جب دو جاننے والے آپس میں ملتے ہیں تو وہ زور سے بولتے ہیں۔ یہ ان کے ہاں محبت اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے لیکن یہاں اونچی آواز میں بات کرنے کی سب سے بڑی وجہ ہیلی کاپٹر کے انجن کا بے پناہ شور تھا جو کان کے پردے میں سوراخ کیے دے رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں ہمارا دماغ خراب ہو گیا

تھا۔مگر مجبوری تھی جب تک یہ پرواز جاری تھی ہمیں برداشت تو کرنا ہی تھا۔ کچھ دیر بعد ہم اس شور کے عادی ہو گئے تھے۔

کوئی دو گھنٹے تک جاری رہنے والی پرواز کے بعد پہاڑوں کی بلندی کم ہونے لگی تھی مگر اب بھی تمام پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کی بلندی کم نہیں کی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ ابھی سفر باقی تھا۔ جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے وہاں موسم صاف تھا لیکن جب ہم مغرب میں پہنچے تو یہاں بادل تھے اور حد نگاہ بہت کم تھی۔ ہوائیں بہت تیز تھیں اس کا اندازہ ہیلی کاپٹر کی کھڑکی سے ٹکرانے والے برف کے ذرات سے ہو رہا تھا۔ اچانک ہیلی کاپٹر لرز گیا اور بہت تیزی سے نیچے گیا تھا۔ سب کے دل دہل گئے تھے اور چیخ چیخ کر بات کرنے والے خاموش ہو گئے۔ باہر موجود تیز ہوا کے جھونکے تھے جو ہیلی کاپٹر کو بھی لرزہ رہے تھے۔ موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ کیا ان لوگوں کے پاس علاقے کی موسم کی رپورٹ نہیں تھی۔ ہمالیہ میں ایسے موسم میں پرواز بہت خطرناک کام ہے کیونکہ یہاں کسی ہنگامی صورت حال میں نہ تو لینڈنگ کی گنجائش ہوتی ہے اور اگر کریش ہونے والے جہاز یا ہیلی کاپٹر کا عملہ اور مسافر بچ بھی جائیں تو سردی اور بلندی ان کی جان لینے کے لیے کافی ہوتی ہے جب کہ اس علاقے میں امدادی سرگرمیاں بھی مشکل ہوتی ہیں۔

مجھے آگے والوں کا تو نہیں پتا تھا کیونکہ نشستوں کے درمیان اونچی پشت تھی جس سے دوسری طرف کا منظر نہیں آ رہا تھا لیکن ہمارے ساتھ جو چینی سپاہی تھا اس کی حالت خراب ہوگئی تھی اور وہ چینی زبان میں ڈرے ڈرے انداز میں کچھ کہنے لگا تھا۔ پہلے جھٹکے کے بعد جب کچھ دیر تک دوسرا جھٹکا نہیں لگا تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ اور وہ لوگ پھر سے آپس میں بولنے لگے تھے۔ مگر اسی وقت دوسرا جھٹکا لگا اور وہ اتنا شدید تھا کہ سب ایک دوسرے پر گر پڑے تھے۔ میرے اوپر سپاہی اور بیتو بیک وقت آن گرے تھے اور ان کا سارا زور مجھے برداشت کرنا پڑا تھا۔ سپاہی اب چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا شاید اپنے خدا کو یاد کر رہا تھا مجھے چینیوں کے مذہب کے بارے میں کچھ زیادہ پتا ہے بس اتنا معلوم ہے کہ وہ بدھ مت کو مانتے ہیں اور چین ایک کمونسٹ ملک ہے جہاں سرکاری طور پر خدا کی نفی کی جاتی ہے۔ مگر انسان کتنا بھی دہریہ کیوں نہ ہو جائے مصیبت میں اسے خدا یاد آ جاتا ہے۔ سپاہی جلد سنبھل گیا اور کاک پٹ کی طرف منہ کر کے چلانے لگا۔ آگے نشستوں پر موجود لوگ بھی چلا رہے تھے مگر پائلٹ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر ہیلی کاپٹر کو قابو کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ باہر موسم خراب ہوتا جا رہا تھا اور اب ہمارے چاروں طرف گھنے بادل تھے۔ اگر پائلٹ ہیلی کاپٹر کو اس طوفان میں سنبھالنے میں ناکام رہتے تو موت ہمارا مقدر بن جاتی۔ مجھے خود اس موقع پر خدا یاد آ گیا تھا۔

سپاہی آپس میں چلا چلا کر بات کر رہے تھے اور پائلٹ آپس میں چیخ و پکار کر رہے تھے۔ اب انجن کے شور سے زیادہ شور اس میں سوار انسانوں کا تھا۔ بیتو خود کو سنبھال رہا تھا اس کی سیٹ بیلٹ ڈھیلی پڑ گئی تھی جب کہ سپاہی کی سیٹ بیلٹ اس دھچکے سے ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے زیادہ فکر عقبی حصے میں موجود وزنی سامان کی تھی اگر اس کو باندھنے والی رسیاں کھل جاتیں تو یہ سامان لڑھک کر ہم پر ہی آ گرتا۔ اچانک ہی کاپٹر کے انجن کی آواز بند ہوگئی اور وہ کسی پتھر کی طرح نیچے گیا تھا۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئی تھیں اور میری چیخ یوں نہیں نکل سکی کہ دل اچھل کر حلق میں آن پھنسا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہیلی کاپٹر ابھی کسی پہاڑی سے ٹکرائے گا اور پاش پاش ہو جائے گا۔

پائلٹ دیوانہ وار چلا رہے تھے اور شاید انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے لیکن ان کی کوشش ناکام جا رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہیلی کاپٹر ہزار فٹ نیچے آ گیا تھا اور جب مجھے بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ اب ہیلی کاپٹر تباہی سے نہیں بچ پائے گا۔ گرنے کے دوران ہیلی کاپٹر دائرے میں گھوم رہا تھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ہمیں چکر آنے لگے تھے۔ پائلٹوں کی کوششیں رنگ لائیں اور اس کے انجن معجزانہ طور پر اسٹارٹ ہو گئے۔ انجن کی آواز آئی تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ اب ہیلی کاپٹر گرنے کے انداز میں نیچے نہیں جا رہا تھا۔ بلکہ آہستہ سے نیچے جا رہا تھا۔ میری تشویش ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ انجن کی آواز میں پہلے جیسا شور اور گرج نہیں تھی۔ یہ دوہرے انجنوں والا ہیلی کاپٹر تھا اور شاید اس کا ایک ہی انجن اب کام کر رہا تھا۔ ایک انجن کی طاقت سے اس طوفان میں اسے اڑانا مشکل کام تھا اور پائلٹس اسی مشکل سے دوچار تھے۔ ہیلی کاپٹر بار بار اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

''شوبی بھائی یہ...... کیا ہو رہا ہے۔'' بیتو نے چلا کر پوچھا۔

''وہی جو تم بھی دیکھ رہے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''شاید ہیلی کاپٹر کریش ہو جائے تم اس کے لیے تیار رہنا۔''

''تو ہم مر جائے گا۔'' بیتو نے ہراساں لہجے میں کہا۔

''جب انسان کا وقت آتا ہے تو اسے مرنا پڑتا ہے۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''لیکن اللہ سے بہتری کی امید رکھو وہ ہمیں بچا لے گا۔''

کسی نے ہماری گفتگو پر توجہ نہیں دی کیونکہ سب کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ سپاہی اور دوسرے افراد چینی زبان میں چیخ چیخ کر بات کر رہے تھے۔ کیونکہ ہم سب سے پیچھے والی نشست پر تھے اور ہیلی کاپٹر بے قابو ہو کر گھومتا تھا تو مجھے لگتا تھا جیسے معدہ الٹ کر حلق میں آ جائے گا۔ اگرچہ ہیلی کاپٹر اب بہت تیزی سے نہیں گھوم رہا تھا لیکن پھر بھی اس کی رفتار خاصی تھی۔ بیتو کا برا حال ہو گیا اور اس نے الٹی کر دی تھی۔ اس کی الٹی کی چھینٹے اُڑ کر ہم پر آئے تھے لیکن اس وقت کسی کو اس چیز کی پروا بھی نہیں تھی۔ الٹی کرنے کے بعد بیتو بے حال سا ہو گیا تھا اور اگر بیتو کی سیٹ بیلٹ نہ بندھی ہوتی تو وہ فرش پر گر جاتا وہ جھٹکوں کے ساتھ جھول رہا تھا۔

میں دروازے کے اوپر لگے شیشے سے نیچے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک دھند اور بادلوں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ پتا نہیں ہم پہاڑوں سے کتنا اوپر تھے۔ زمین کتنی نیچے تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ زمین سرے سے نظر ہی نہیں آتی اور ہیلی کاپٹر اس سے جا ٹکراتا کیونکہ یہاں دھند شدید تھی طوفانی ہوا نے اس دھند کو اڑانے کے بجائے اس کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔

اس موقع پر مجھے عجیب سا خیال آیا کہ رانا چندر باز جسے میں خاص طور سے اسی لیے لایا تھا کہ اسے چینی حکام کے حوالے کر دوں اور اسے اس کے جرائم کی سزا ملے۔ وہ تو کہیں زندہ سلامت بیٹھا تھا۔ مجھے اپنی اور اپنے ساتھیوں کے بچ نکلنے کی امید تھی اور موت نے ہمیں کہاں گھیر لیا تھا اگر ہیلی کاپٹر کریش ہو جاتا تو اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ ہم بچ سکیں۔ یہ فیصلہ تو اوپر والا ہی کرتا ہے کہ کس نے زندہ رہنا ہے اور کس نے مر جانا ہے۔ شاید ہمارا آخری وقت آ گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ سے دعا کی۔

"میرے معبود اگر میرا وقت آ گیا ہے تو میں تیری رضا میں راضی ہوں لیکن اگر میری زندگی ہے تو مجھے میرے پیاروں، میرے گھر والوں اور میرے دوستوں سے ضرور ملانا۔"

اسی لمحے ہیلی کاپٹر کو شدید ترین دھچکا لگا اور اس کے انجن کی آواز تبدیل ہو گئی۔ پھر ایک عجیب سی سنسناتی آواز آئی اور میری چھٹی حس نے بروقت اشارہ دیا اور میں نے اپنا اور بیتو کا سر نیچے کی طرف کر لیا۔ بیتو نیم غشی میں تھا الٹی اور ہیلی کاپٹر گھومنے سے اس کی حالت بری ہو گئی تھی اور اس کا سر بھی مجھے نیچے کرنا پڑا تھا۔ جیسے ہی ہم جھکے فوراً ہی کوئی چیز بائیں طرف سے ہیلی کاپٹر کا شیشہ توڑتی اندر آئی اور میں نے کسی کی لرزہ خیز چیخ سنی تھی۔ مجھے جاننے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ کیا چیز تھی کیونکہ اس کے فوراً بعد ہیلی کاپٹر زمین سے ٹکرایا تھا۔

جب ہیلی کاپٹر زمین سے ٹکرایا تو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ یہ جھٹکا ایسا تھا کہ اس نے کچھ دیر کے لیے حواس ہی گم کر دیئے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے دائرے سے ناچنے لگے تھے۔ میرے کان چیخوں کی آواز سن رہے تھے اور ساتھ میں دھات رگڑنے کی آواز آ رہی تھی لیکن ہیلی کاپٹر کو اب مزید جھٹکے نہیں لگ رہے تھے۔ کچھ دیر میں نے سر جھٹک کر اپنے حواس بحال کیے۔ میں اپنی سیٹ سے بندھا بیٹھا تھا اور میرے برابر بیتو بے ہوش پڑا تھا جس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ میں نے بے تابی سے اسے آواز دی۔ "بیتو......تم ٹھیک ہو نا؟"

لیکن اس کی طرف سے جواب نہیں آیا تھا۔ کیبن کا حشر ہو گیا تھا اور کسی چیز کا پتا نہیں چل رہا تھا میں نے بمشکل خود کو سیٹ بیلٹ سے آزاد کیا اور بیتو کو ٹٹولا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا بلکہ بہہ کر جم رہا تھا اور اس کی نبض چل رہی تھی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ سپاہی ایک طرف عجیب سے انداز میں پڑا تھا لیکن فی الحال مجھے بیتو کی فکر تھی میں نے اس کی نبض دیکھی تو وہ ذرا سست لیکن تواتر سے چل رہی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے سپاہی کا جائزہ لیا تو وہ آگے کی طرف جھکا ہوا تھا اور میں نے اس کو سیدھا کرنا چاہا تو اس کا اوپری دھڑ اس کی کمر سے الگ ہو کر فرش پر گر پڑا اور میں دنگ رہ گیا تھا۔ سپاہی کے جسم کے ٹکڑے ہو گئے تھے لیکن یہ کیسے ہوئے تھے اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا۔

ہیلی کاپٹر یقینی طور پر کریش ہو چکا تھا۔ مگر کہاں اور کس جگہ یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ دوسرے لوگوں کا کیا حال تھا مجھے علم نہیں تھا۔ اگلی نشستیں کباڑ بن گئی تھیں اور میری طرف دروازے کے اوپر لگا شیشہ تاریک تھا۔ بلکہ شیشہ ٹوٹ گیا تھا میں نے ہاتھ مار کر دیکھا تو مجھے برف محسوس ہوئی تھی۔ اس طرف سے ہیلی کاپٹر برف میں دھنس گیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے فیول ٹینک کو آگ نہیں لگی تھی ورنہ اب تک ہم جل کر مر چکے ہوتے۔ دوسری طرف سے ذرا روشنی آ رہی تھی۔ پچھلی اور اگلی نشست کے درمیان ذرا سا خلا بن گیا تھا میں نے اس خلا میں ہاتھ ڈالا تو میرا ہاتھ کسی چپچپی سی چیز سے لگا اور میں نے ہاتھ اٹھایا تو وہ خون میں بھرا ہوا تھا۔ اگلی نشستوں پر موجود لوگوں کا حال اچھا نہیں تھا۔ ان میں کوئی شدید زخمی تھا کیونکہ خون بہت زیادہ تھا۔ ان میں سے کوئی چلا رہا تھا اور اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ کوئی دوسرا بھی بول رہا تھا اور اس کی آواز ٹھیک لگ رہی تھی۔

میں نے دوسری طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ جام ہو رہا تھا۔ اس طرف کا شیشہ بھی سلامت تھا۔ شیشہ توڑنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا لیکن ہیلی کاپٹر سے نکلنا بھی ضروری تھا پتا نہیں یہ کس پوزیشن میں کھڑا تھا اور کسی پہاڑی کے کنارے تھا تو مزید نیچے لڑھک سکتا تھا۔ دروازہ کھولنے میں ناکامی پر میں

نے چل کر کہا۔ ''دروازہ کھولو..... تم لوگ کیا کر رہے ہو؟''

میرا مقصد ان کو بتانا تھا کہ ہم بھی زندہ ہیں۔ تا کہ وہ نکل گئے ہیں تو ہمیں بھی نکالنے کی کوشش کریں۔ کچھ دیر بعد کسی نے آگے سے چینی زبان میں انکوائری کی۔ میں نے انگریزی میں بات کرنے کی استدعا کی لیکن وہ انگریزی نہیں جانتا تھا۔ میں جل کر رہ گیا ٹھیک ہے قومی زبان سے محبت اپنی جگہ لیکن بندے کو انگریزی بھی کچھ نہ کچھ تو آنی چاہیے۔ ورنہ دوسری قوم کے فرد سے بات کیسے ہو؟ بہرحال میرے بولنے کا اثر ہوا تھا اور وہ آگے سے کچھ کرنے لگا چیزیں ہٹانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں پلٹ کر بیتو کے پاس آیا اور اس کے چہرے تھپتھپاتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

جب خاطر خواہ ردِعمل نہیں ہوا تو میں نے ٹوٹے شیشے سے برف نکالی اور بیتو کے چہرے اور منہ پر ملنے لگا اس کا فوری ردِعمل ہوا اور وہ ہوش میں آنے لگا تھا۔ بیتو کو ہوش آیا تو اس نے روایتی سوال کیا۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''اسی دنیا میں ہو لیکن اس ہیلی کاپٹر سے نہ نکلے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے اس لیے یہاں سے نکلنے کی سوچو۔ میں بھی یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور سامنے موجود ملبے کو ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی کوشش کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا خلا پیدا کیا اور اس کے دوسری طرف مجھے کسی کا جسم نظر آیا تھا میں نے اسے ہلایا لیکن وہ کسی لاش کی طرح بے جان پڑا تھا۔ میں اسے ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اسے ہٹاؤ تا کہ ہم نکل سکیں۔''

دوسری طرف موجود لوگ بھی کوشش کر رہے تھے لیکن لاشیں یا زخمی اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ نکل ہی نہیں پا رہے تھے۔

مجبوراً میں نے خلا میں سے پاؤں گزارا اور اس کے زور سے لاش کو دور ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس بار مجھے کامیابی ملی تھی اور سیٹ کے سامنے موجود لاش سرک گئی۔ میں اس خلا سے گزرنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ آسان کام نہیں تھا کیونکہ خلا میری جسامت کے مقابلے میں کم تھا۔ مجھے جیکٹ کی وجہ سے بھی مشکل ہو رہی تھی میں نے جیکٹ اتار دی اور پھر کوشش کی تو اس بار کسی نہ کسی طرح نکل کر ہیلی کاپٹر کے کیبن کے سامنے والے میں آ گیا۔ اگرچہ اس دوران میں، مَیں تھوڑا بہت چھل گیا تھا لیکن جان کے مقابلے میں ان زخموں کی پروا کسے ہو سکتی تھی۔ میں خون پر پھسلتا ہوا اگلے حصے میں پہنچا تھا اور یقیناً میرے کپڑے خون سے بھر گئے تھے۔ یہ تقریباً جم جانے والا خون تھا۔

اس حصے میں روشنی تھی کیونکہ یہاں دائیں طرف کے شیشوں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ جب میں نے یہاں کا منظر دیکھا تو میرے رونگٹے جو پہلے ہی سردی کی وجہ سے کھڑے تھے بالکل ہی کھڑے ہو گئے۔ جس چیز نے کریش ہوتے ہیلی کاپٹر کا شیشہ توڑا تھا اور اندر آئی تھی وہ اصل میں اس کا ایک پر تھا جو زمین سے ٹکرا کر ٹیڑھا ہو گیا تھا اور گھوم کر کیبن میں گھس آیا تھا میں نے بروقت خود کو اور بیتو کو نیچے کیا تھا۔ ہمارے اوپر سے گھوم کر یہ پر جا کر اگلی نشست پر بیٹھے سپاہیوں کو لگا تھا اور اس نے چار افراد کو کاٹ کر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

سامنے والی نشست پر کاک پٹ کے عین پیچھے بریف کیس والا آرمی افسر بیٹھا تھا اور پر نے اسے دو

حصوں میں تو تقسیم نہیں کیا تھا لیکن اس کی بھی جان لے لی تھی۔ وہ کوئی چھ سات انچ دائیں پہلو سے اس کے پیٹ اور سینے کے درمیانی حصے میں گھس گیا تھا اور وہ اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا تھا۔ کاک پٹ کا سامنے والا حصہ برف میں گھسا ہوا تھا اور مجھے ایک پائلٹ بھی اپنی نشست پر پھنسا دکھائی دیا۔ بچ جانے والا واحد فرد دوسرا پائلٹ تھا اور وہی مجھے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مرنے سے پہلے شور کرنے والا یقیناً آرمی افسر تھا۔ پائلٹ سخت دہشت زدہ تھا حالانکہ وہ سپاہی تھا اور دنیا کے دشوار ترین خطے میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا اسے مضبوط اعصاب کا ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اشارے سے اسے دروازہ کھولنے کو کہا۔ وہ اس کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے پلٹ کر بیتو سے کہا۔ ”باہر نکلو اور میری جیکٹ مجھے دے دو۔“

اتنی سی دیر میں سردی نے میرا برا حال کر دیا تھا جب بند کیبن میں یہ حال تھا تو باہر نہ جانے کیا حال ہوتا لیکن ہمارا ہیلی کاپٹر سے نکلنا بھی ضروری تھا۔ تاکہ پتا چلتا کہ ہم کہاں اور کس پوزیشن میں تھے۔ بیتو کوشش کر کے کسی طرح اپنی جیکٹ میں ہی اس خلا سے نکل آیا تھا۔ اتنی سی دیر میں لاشوں سے بہنے والا خون مکمل طور پر جم چکا تھا۔ اس لیے کامی کے کپڑے خراب ہونے سے بچ گئے تھے۔

بیتو نے جب کیبن کا یہ منظر دیکھا اور دو حصوں میں تقسیم لاشوں پر نظر پڑی تو وہ خوف زدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ بہرحال لاشیں اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھیں۔ کتنے ہی تو اس کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے اور وہ ہر طرح کی لاشیں دیکھ چکا تھا اس لیے اس نے جلد خود کو سنبھال لیا اور میری طرف دیکھا۔ ”شوبی بھائی اب کیا کرنا ہے۔“

”سب سے پہلے تو ہمیں ہیلی کاپٹر سے باہر نکلنا ہے۔“ میں نے کہا اور پائلٹ کے ساتھ دروازہ کھولنے کی کوشش میں شامل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بیتو بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا اور ہم نے مل کر زور لگایا تو دروازہ کھول ہی لیا تھا۔ یہ سرکنے والا دروازہ تھا اور حادثے کی وجہ سے جام ہو رہا تھا بڑی مشکل سے ہم اسے فٹ بھر سرکانے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد یہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا لیکن باہر نکلنے کے لیے اتنا خلا بھی کافی تھا۔ دروازہ کھلتے ہی یخ بستہ ہوا کا جھونکا آیا تھا لیکن اس زندان سے راستہ پانے کی خوشی زیادہ تھی۔ جس میں اب لاشیں زیادہ تھیں۔

پہلے میں باہر نکلا۔ تیز ہواؤں کے ساتھ برف کے ذرات برس رہے تھے۔ جو براہ راست آنکھوں میں جا رہے تھے اور میرے پاس کوئی عینک نہیں تھی جو ان ذرات سے آنکھوں کو بچاتی۔ بہرحال کسی طرح ادھ کھلی آنکھوں سے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں ہیلی کاپٹر کریش ہوا تھا۔ یہ کسی اونچے برفانی ٹیلے کی جڑ تھی اور شکر ہے کہ یہاں ڈھلان نہیں تھی ورنہ کریش ہو[illegible] کے بعد بھی ہیلی کاپٹر ٹک نہیں سکتا تھا اور جو بچ گئے تھے وہ اس طرح مارے جاتے۔ اصل میں گرتے ہوئے ہیلی کاپٹر [illegible] ٹیلے کے اوپری حصے سے ٹکرایا تھا اور شاید اس تصادم نے ہیلی کاپٹر کے گرنے کی رفتار کم کر دی تھی۔ ہیلی کاپٹر اس [illegible] میں دھنس گیا تھا اور اس کا بایاں حصہ مع کاک پٹ برف میں دھنس گیا تھا۔ ہمارے تین طرف بلند پہاڑ تھے اور ایک طرف کسی گلیشیر کی ڈھلان نظر آ رہی تھی۔ مگر یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ برف کے اڑتے ذرات کی وجہ سے سو گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کچھ [illegible] کوئی اندھی کھائی منہ کھولے موجود ہوتی۔ اس علاقے [illegible] قدم پھونک پھونک کر رکھنا لازمی تھا۔

بچنے والا پائلٹ ہیلی کاپٹر کے عقبی حصے کا معائنہ کر رہا تھا جہاں [illegible]

میں نے پائلٹ سے اشارے سے پوچھا کہ یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے۔ اس نے مجھے پاس بلا کر ہیلی کاپٹر کے عقبی حصے میں انجن کے پاس باڈی میں ایک سوراخ دکھایا۔ جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس جگہ سوراخ کیسے ہوگیا جب کہ باڈی کا باقی حصہ محفوظ تھا۔ میں نے پائلٹ سے اس سوراخ کے بارے میں پوچھا تو پہلے اس نے چینی زبان میں کچھ کہا اور جب میں نے نفی میں سر ہلایا تو وہ بولا

''میزائل......لک...... اِٹ اِز میزائل۔''

''میں دنگ رہ گیا تھا بھلا میزائل کہاں سے آ گیا۔ پائلٹ پاگل ہوگیا تھا جو اپنے ہیلی کاپٹر کی کریش لینڈنگ کی وجہ میزائل کو قرار دے رہا تھا۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ میزائل کہاں سے آیا تو اس نے جواب دیا۔

''انڈین میزائل......''

میں اب بھی اس کی بات نہیں سمجھا تھا اس علاقے میں بھلا انڈیا والے کہاں سے آ گئے۔ میں نے پھر نفی میں سر ہلایا کہ میں اس کی بات نہیں سمجھا تو وہ ہیلی کاپٹر میں گھس گیا اور کچھ دیر بعد ایک چھوٹا سا مگر تفصیلی نقشہ لے آیا جو پلاسٹک پیپر پر بنا تھا اس نے اسے ہیلی کاپٹر کی باڈی پر جما کر انگلی کے اشارے سے مجھے بتایا کہ ہم کہاں تھے اور انڈین میزائل نے ہیلی کاپٹر کو یہاں ہٹ کیا تھا۔ نقشہ چینی زبان میں تھا لیکن اہم جگہوں کے نام انگریزی میں بھی تھے اور میں دیکھا پائلٹ نے جس جگہ انگلی رکھی تھی وہ کشمیر میں چین اور بھارت کی سرحد کے پاس تھی اس جگہ کو لداخ کہتے ہیں۔ کشمیر میں لداخ وہ جگہ ہے جہاں بدھ مت کے ماننے والے اکثریت میں ہیں اور وہ پاکستان یا بھارت کے بجائے اپنا تعلق چین یا تبت سے جوڑتے ہیں۔ کارگل سے اوپر اس بلند ترین علاقوں میں لاکھوں بھارتی فوج تعینات ہے کیونکہ بھارت کو خطرہ ہے کہ چین کہیں اچانک حملہ کر کے لداخ پر قبضہ نہ کرلے۔

ہیلی کاپٹر شمال مغربی چین کے کسی شہر کی طرف جا رہا تھا اور لداخ کے پاس سے گزرتے ہوئے بھارت کی طرف سے اس پر میزائل فائر کیا گیا تھا جس نے انجن کو نقصان پہنچایا اور ہیلی کاپٹر کریش ہوگیا۔ انجن کے شور کے ساتھ طوفانی ہواؤں کا شور بھی ایسا تھا کہ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوا کہ کوئی میزائل آ کر ہیلی کاپٹر سے لگا تھا۔ اگر یہ میزائل باڈی کے اس حصے میں لگنے کے بجائے ایندھن کے ٹینک سے ٹکرا جاتا تو یقیناً اس وقت ہم ٹکڑوں کی صورت میں برف پر بکھرے ہوتے۔ پھر ہیلی کاپٹر میں سوار سات افراد مارے جا چکے تھے اور صرف تین بچے تھے۔ اب میں سمجھا کہ پائلٹ سیدھی وادیوں کو چھوڑ کر مشکل چوٹیوں کے پاس سے کیوں گزر رہا تھا۔ وہ بھارتی سرحد کے پاس جانے سے گریز کر رہا تھا۔ جب ہیلی کاپٹر کو دوسرا جھٹکا لگا تھا تو میں اسے بھی موسم کی خرابی سمجھا تھا۔ اصل میں اس وقت ہیلی کاپٹر کو میزائل نے آ کر نشانہ بنایا تھا۔

میں نے اشارے سے پوچھا کہ کہیں سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ پائلٹ نے جوابی اشارے سے بتایا کہ ہیلی کاپٹر کا ریڈیو اس حادثے میں تباہ ہوگیا تھا اور وہ کہیں سے مدد طلب نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک خوفناک انکشاف تھا۔ ہم میزائل حملے کے بعد ایک برف زار میں کریش لینڈنگ کے بعد بچ گئے تھے لیکن مدد نہ ملتی تو ہم مارے ہی جاتے۔ یہاں بے پناہ سردی تھی اور درجہ حرارت یقیناً منفی بیس پچیس ڈگری سینٹی گریڈ تھا۔ پھر یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں جس کے ساتھ برف کے باریک ذرات اُڑ رہے تھے اور وہ چہروں کی طرح جسم کے کھلے

حصوں پر آ کر لگ رہے تھے۔ ہم صرف ہیلی کاپٹر کے کیبن میں ہوا اور اڑتی برف سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ پائلٹ اب ایندھن کے ٹینک کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس میں تو کہیں رساؤ نہیں ہوا تھا جو دھماکے کا سبب بن جائے۔ میں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا اس نے اشارے سے بیتو کو کہا کہ وہ برف اٹھا اٹھا کر میزائل سے ہونے والے سوراخ میں ڈالے۔ شاید اس کا مقصد یہ تھا کہ اندر لگی آگ یا جو چیز بھی سلگ رہی تھی اور دھواں چھوڑ رہی تھی۔ بیتو سوراخ میں برف بھرنے لگا۔ ٹینک درست حالت میں تھا اور یہ بہت مضبوط اور موٹی چادر کا بنا ہوا تھا اس لیے اتنے شدید حادثے میں بھی سلامت رہا۔

میں نے کیبن کا معائنہ کیا اور محسوس کیا کہ لاشیں باہر نکالے اور اندر کی صفائی کیے بغیر ہم کیبن میں نہیں رہ سکتے تھے میں نے پائلٹ کو سمجھایا تو وہ میری بات سے متفق نظر آنے لگا۔ ہم تینوں مارے جانے والے چینیوں کی لاشیں ہیلی کاپٹر سے نکال کر برف پر رکھنے لگے۔ چار لاشیں تو دو دو حصوں میں بٹ گئی تھیں۔ عقبی طرف ہمارے ساتھ بیٹھے سپاہی کی لاش نکالنا ممکن نہیں تھا اس لیے اسے چھوڑ دیا۔ پھر آرمی افسر کی باری آئی۔ پر ابھی تک اس کے جسم میں اترا ہوا تھا اور اسے اس سے نکالنا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''تم اسے پکڑو میں پر کھینچتا ہوں۔''

بیتو نے سر ہلایا لیکن جیسے ہی اس نے آرمی افسر کا شانہ پکڑا اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں وہ زندہ تھا۔ ہم چونک گئے۔ پائلٹ بے تابی سے اس کے پاس آیا اور اس کچھ کہنے لگا لیکن آرمی افسر اس کی بات نہیں سن رہا تھا اس کی آنکھیں اپنی کلائی پر موجود بریف کیس پر مرکوز تھیں۔ وہ مجھے کچھ دیر کا مہمان لگ رہا تھا لیکن اس وقت بھی اسے اپنے فرض کا خیال تھا اور وہ بریف کیس کے لیے فکر مند تھا۔ اس نے بہت آہستہ سے پائلٹ سے کچھ کہا۔ پائلٹ نے سر ہلایا۔ دونوں گفتگو کر رہے تھے کہ آرمی افسر کے لیے وقت آ گیا اس نے ایک جھٹکا لیا اور ساکت ہو گیا۔ پائلٹ نے دکھی انداز میں اس کی کھلی رہ جانے والی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ مل کر اسے پر سے نکالا اور ہم اسے باہر لے آئے۔ برف پر لٹا کر پائلٹ نے اس کی کلائی سے بریف کیس نکالنے کی کوشش کی لیکن زنجیر بہت مضبوط تھی۔ اس نے آرمی افسر کی جیب کی تلاشی لی کہ شاید اس میں کہیں چابی ہو لیکن اس کے لباس سے کوئی چابی نہیں نکلی تھی بس ایک پرس تھا۔ پائلٹ نے اپنے ساتھیوں کے پرس اور دوسری چیزیں جمع کر لی تھیں۔ وہ اس نے سب ایک جگہ ڈال دیں شاید یہ سب ان لوگوں کے اہلِ خانہ تک پہنچانی تھیں۔

پائلٹ کو آرمی افسر نے مرنے سے پہلے یقیناً بریف کیس کے بارے میں کچھ کہا تھا اور اب وہ بریف کیس اس کی کلائی سے الگ کرنے کے لیے فکر مند تھا۔ وہ ایک عام سا پائلٹ تھا اور اس ہنگامی موقع پر اس کی عقل منتشر ہو گئی تھی اسے کچھ اور نہیں سوجھا تو اس نے آرمی افسر کا پستول نکالا اور فائر کر کے زنجیر توڑنے والا تھا کہ میں نے ایک خدشے کے تحت اسے روک دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے اسے سمجھایا کہ اگر اس نے فائر کیا تو ممکن ہے دھماکے سے یہاں سنو سلائیڈنگ شروع ہو جائے اور ہم اس میں دفن ہو جائیں۔ زیادہ بڑا خطرہ یہ تھا کہ یہاں سے بھارت کی سرحد زیادہ دور نہیں تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بھارتی ہیلی کاپٹر کا ملبہ تلاش کر رہے ہوں۔ فائر کی آواز ان کی یہاں تک رہنمائی کر سکتی تھی۔ پائلٹ میری بات ذرا مشکل سے سمجھا تھا

لیکن اس کی سمجھ میں آگیا اور اس نے فائر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

میں نے زنجیر کا جائزہ لیا۔ یہ اسٹیل کی ہلکی لیکن مضبوط زنجیر تھی اور مشکل سے ایک فٹ لمبی تھی۔ برف کیس دیکھنے میں تو لیدر لگ رہا تھا لیکن جب میں نے اسے اٹھایا تو پتا چلا کہ لیدر کور کے نیچے یہ کسی مضبوط دھات کا بنا تھا اور زنجیر اسی دھات بکس سے منسلک تھی۔ زنجیر کو اس دھاتی بکس سے الگ کرنا ممکن نہیں تھا۔ صرف فولادی کڑے کو آرمی افسر کی کلائی سے نکالا جا سکتا تھا۔ اور یہ بھی آسان کام نہیں تھا کیونکہ مرنے کے بعد ایک منٹ کے اندر وہ بالکل اکڑ گیا تھا۔ میں نے زور لگایا مگر کڑا اس کی کلائی سے نہیں اترا تھا۔ بیتو نے کہا۔

''میرا خیال ہے اسے کاٹنا پڑے گا۔''

میں سمجھا وہ زنجیر کاٹنے کی بات کر رہا ہے۔ ''ہمارے پاس لوہا کاٹنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''میں لوہے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔''

بیتو کی بات میری سمجھ میں ذرا دیر سے آئی تھی۔ وہ آرمی افسر کی کلائی کاٹنے کو کہہ رہا تھا۔ سپاہیوں کے پاس فوجی خنجر تھے جو بہت آرام سے یہ کام کر سکتے تھے۔ میں نے سوچا اور پھر پائلٹ کو اشاروں میں سمجھایا کہ بریف کیس کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اسے خطرے کا احساس تھا کہ بھارتی اگر ہیلی کاپٹر کے ملبے کی تلاش میں نکلے ہوئے تو بریف کیس ان کے ہاتھ لگ سکتا تھا اور اس میں خدا جانے چین کے کون سے فوجی یا دوسرے راز تھے۔ جو دشمن کے ہاتھ لگ جاتے تو چین کو نقصان ہو سکتا تھا۔

ہم اندر آئے اور میں نے نقشہ سامنے رکھ کر پائلٹ سے پوچھا کہ اس جگہ سے چین کی نزدیک ترین جگہ کون سی ہوگی۔ جہاں ہم جا سکتے ہوں۔ اس نے نقشے پر جو مقام بتایا وہ اس جگہ سے کوئی پچاس میل مزید شمال مغرب میں تھا اور پچاس میل کا مطلب اس علاقے میں کم سے کم دو سو میل تھا اور اگر ہم فوری طور پر روانہ ہو جاتے تب بھی یہ فاصلہ طے کرنے میں چار پانچ دن لگ سکتے تھے۔ اس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ کوئی امدادی ٹیم اس موسم میں اور اس علاقے میں ہم کو تلاش کر لے۔ اس لیے ہمیں ہی نکلنا تھا میں نے پائلٹ سے خوراک کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہیں سے ایک چھوٹا سا پیک نکالا۔ اس میں بسکٹ تھے۔ یہ شاید ہائی انرجی پروٹین بسکٹ تھے ایک بسکٹ ایک آدمی کی ایک وقت کی غذائی ضروریات پوری کر سکتا تھا اور اس پیک میں ایسے تیس بسکٹ تھے۔

میں نے پائلٹ کو سمجھایا کہ ہمیں فوری طور پر یہاں سے روانہ ہونا ہے ممکن ہے بھارتی ہیلی کاپٹر کا ملبہ تلاش کر رہے ہوں اور وہ یہاں پہنچ گئے تو ہم پکڑے جائیں گے۔ ہم نے ایسی چیزیں نکالنا شروع کر دیں جو راستے میں ہمارے کام آ سکتی تھیں ہیلی کاپٹر میں علاقے کی مناسبت سے ایمرجنسی پیک تھے۔ ان میں جیکٹیں اور کمبل تھے اس کے علاوہ ہوا بھرنے سے کھڑے ہو جانے والے خیمے تھے۔ سپاہیوں کا اسلحہ لیا۔ اس میں چینی ساختہ خودکار رائفلیں تھیں۔ اس کے علاوہ پستول اور چاقو بھی تھے۔ ہمیں برف اور اس کی چمک سے بچاؤ والی عینکیں بھی مل گئی تھیں جو آنکھوں کو مکمل طور پر کور کر لیتی ہیں۔ ہم نے اضافی جیکٹس پہن لیں کیونکہ موجودہ جیکٹیں اس قیامت خیز سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی تھیں۔

بیتو جو سامان الٹ پلٹ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی اچھا ہوا جو کاجی ہمارے ساتھ نہیں آیا

ورنہ تو اس کا وہی ہوتا تو سپاہی کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر کامی ہوتا تو وہ اس سپاہی کی جگہ بیٹھا ہوتا۔''

''بس اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اب وہ سکون سے ہوگی اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرے گی جیسے ہم ابھی دھکے کھانے کا آغاز کرنے والے ہیں۔''

اپنے اپنے کمبل اور خیموں کے پیک پشت پر باندھ کر ہم ہیلی کاپٹر سے باہر آئے۔ پائلٹ اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے سامنے افسردہ کھڑا ہو گیا اور اپنے رواج کے مطابق ان کے لیے دعا کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اس کی طرف چاقو بڑھا دیا۔ وہ چاقو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا شاید اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن میں نے اشارے سے کہا کہ اسے یہ کام کرنا ہی ہے یہ اس کا فرض ہے تو وہ بادلِ ناخواستہ حرکت میں آیا اور آرمی افسر کی لاش کے پاس بیٹھ گیا۔ میں اور بیتو وہاں سے ہٹ آئے تاکہ وہ بلا جھجک اپنا کام کر لے۔ کچھ دیر وہ آیا تو بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ دکھی لگ رہا تھا۔ اپنے ہی ساتھی افسر کا ہاتھ کاٹنا آسان کام نہیں تھا۔ اس نے چاقو پھینک دیا تھا لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میں نے ایک اور چاقو بھی لے لیا تھا۔ میں نے اسلحے میں سے تین رائفلیں منتخب کی تھیں اور سپاہیوں کے پاس موجود تمام ایمونیشن لے لیا تھا۔ اگر کہیں کسی سے مقابلہ ہو جاتا تو ہم نہتے نہیں تھے۔

پائلٹ نے ایک پیک اور نکالا تھا اس میں کمپاس، بلند پیما اور ایک چھوٹا ریڈیو تھا جس سے محدود فاصلے پر رابطہ ممکن تھا۔ اس نے ریڈیو آن کر کے چیک کیا مگر اس پر کوئی سگنل نہیں آ رہا تھا۔ فولڈ ہو جانے والی اسٹکس تھیں جو برف میں چھپے گڑھے جانچنے کے لیے تھیں اور رسیاں جن کی مدد سے ہم نے ایک دوسرے کو آپس میں باندھ لیا تھا۔ یہ بھی ہیلی کاپٹر سے مل گئی تھیں۔ بیتو نے کافی کا ٹوٹ جانے والا تھرماس بھی لے لیا تھا۔ حالانکہ اس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ یہاں پینے کے لیے پانی نہیں تھا اور اگر پیاس لگتی تو ہمیں برف منہ میں ڈال کر کام چلانا پڑتا۔

خوش قسمتی سے ہم تینوں کو معمولی نوعیت کے زخم آئے تھے۔ بیتو کے سر پر چوٹ آئی تھی اور میری کمر کسی چیز سے لگی تھی خون نہیں نکلا تھا مگر تکلیف اچھی خاصی تھی۔ پائلٹ کو بہ ظاہر کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ اگر ہیلی کاپٹر میں طبی امداد کا کوئی پیک موجود تھا تو سامان کے انبار میں غائب ہو گیا تھا اس لیے میں اور بیتو اپنی مرہم پٹی بھی نہیں کر سکے تھے۔ جب ہم روانہ ہوئے تو طوفان کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی ہوائیں بہت تند اور سرد تھیں۔ اور برف اُڑ رہی تھی۔ دستانے نہیں تھے اس لیے ہاتھ اکڑے جا رہے تھے۔ ہم شمال مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔

پائلٹ سب سے آگے چل رہا تھا وہ رک رک کر برف کی مضبوطی کا اندازہ کرتا تھا اور پھر قدم آگے بڑھاتا تھا۔ بیتو اس سے کوئی دس گز پیچھے تھا اور میں بیتو سے اتنے ہی فاصلے پر تھا۔ بیتو کچھ سوچ رہا تھا کیونکہ اس نے پلٹ کے مجھے نزدیک آنے کا اشارہ کیا میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی بھائی قدرت نے ہم کو چانس دیا ہے۔''

''کیسا چانس؟'' میں نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا یہاں ہوا بہت ہلکی تھی اور اس میں سانس لینے کے لیے باقاعدہ زور لگانا پڑ رہا تھا۔

''اب ہم ان کا قیدی نہیں ہے ہم اپنی مرضی سے جا سکتا ہے۔'' بیتو نے آگے جاتے پائلٹ کی طرف

اشارہ کیا

''ہم کہاں جا سکتے ہیں؟''

اس سوال کا جواب بیتو کے پاس بھی نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں ایک طرف تو چین تھا اور دوسری طرف بھارت کی سرحد تھی بلکہ کشمیر کی سرحد تھی جس پر بھارت نے قبضہ کر رکھا ہے اس طرف جانا خودکشی کے برابر تھا۔ ہم بھارت سے تو بھاگ کر آئے تھے۔ چین میں ہمارے ساتھ اب تک اچھا سلوک ہی ہوا تھا اور امید تھی کہ چین کے حکام ہمارے کیس کو ہمدردی سے لیں گے اس لیے بیتو کی سوچ حماقانہ تھی۔ ان حالات میں بہتر یہی تھا کہ ہم چین میں رہتے اور اپنے لیے بہتر امید رکھتے۔ اگر ہم فرار ہوتے اور بعد میں پکڑے جاتے جس کا بہت زیادہ امکان تھا تو ہم اپنے لیے ممکنہ رعایت سے محروم ہو جاتے۔ سوچتے ہوئے میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے کیونکہ ہم مشکل میں ہیں اور یہاں سے فرار ہونے کے بعد ہمارے پاس صرف ایک راستہ رہ جائے گا۔'' میں بولتے بولتے رکا کیونکہ پائلٹ ایک جگہ رک گیا تھا اور پھر وہ ہماری طرف آنے لگا۔ اس نے مجھے اشارے سے شمال کی طرف ایک پہاڑ کا بتایا اس کا مطلب تھا کہ ہم اسے عبور کر لیں تو پھر ہم اس سے آگے راستہ آسان تھا۔ وہ اس علاقے میں پرواز کرتا رہتا تھا اس لیے یہاں کی جغرافیائی ساخت سے باخبر تھا۔ اس نے بتایا کہ ہمیں شمال کی طرف جانا تھا میں نے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ وہ پلٹ کر آگے جانے لگا۔ بیتو منتظر تھا کہ میں اپنی بات مکمل کروں۔

''ہم انڈیا کی طرف نہیں جا سکتے وہاں سے تو ہم بھاگ کر آئے ہیں اور فرار ہو کر ہم چینیوں کی ممکنہ ہمدردی سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ہمارے لیے بہتر ہے کہ صبر کریں اور اچھے وقت کا انتظار کریں۔''

میں نے محسوس کیا کہ بیتو میرے جواب سے مایوس ہوا تھا لیکن اس نے بحث نہیں کی اور آگے بڑھ گیا۔ دیکھا جائے تو اس کا کہنا بھی درست تھا یہ ہمیں اچھا موقع ملا تھا لیکن حالات فی الحال فرار کے لیے سازگار نہیں تھے اور اس میں بہت زیادہ رسک تھا۔ ہم دس دس گز کے فاصلے سے ایک دوسرے کے پیچھے سفر کرنے لگے۔ پائلٹ برفانی علاقوں میں سفر کی تربیت حاصل کر چکا تھا کیونکہ وہ ماہرانہ انداز میں چل رہا تھا۔ میرے اور بیتو کے لیے بھی یہ علاقے اجنبی نہیں تھے۔ ہم اس سے پہلے بھی بہت بار برفانی علاقوں میں سفر کر چکے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس سے پہلے ہم نے اتنی بلندی پر سفر نہیں کیا تھا۔ میری گھڑی میں موجود آلٹی میٹر کے مطابق ہم اس وقت پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور پہاڑ سر کرنے کے لیے ہمیں مزید بلندی پر جانا تھا۔

ہمارے جسم اور پاؤں مناسب انداز میں ڈھکے ہوئے تھے لیکن ہاتھ کھلے ہوئے تھے اور اس سردی میں فراسٹ بائٹ ہو جانا تعجب خیز نہیں ہوتا ہے۔ مجھے اپنے اور بیتو کے ہاتھوں کی فکر تھی پائلٹ کے ہاتھوں میں پھر بھی اس کے چمڑے کے فلائنگ گلوز تھے۔ ہم جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بھی نہیں چل سکتے تھے۔ کیونکہ چھڑی تھامے ہوئے تھے۔ اس کا دستہ کسی قسم کے پلاسٹک سے بنا تھا لیکن وہ بھی برف کی طرح سرد ہو جاتا تھا۔ بار بار ہاتھ بدلنا پڑتا تھا۔

پائلٹ آگے ہونے اور برف کی جانچ کرنے کے باوجود ہم سے تیز چل رہا تھا اور ہمیں اس کا ساتھ دینے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ روانگی کے کوئی ایک گھنٹے بعد ہم اس پہاڑ کے دامن تک پہنچ گئے تھے۔ یہ پہاڑ کیا تھا

ایسا لگ رہا تھا جیسے برف کی چٹانوں کا ایک ڈھیر جمع کر دیا گیا ہو اور ذرا دور سے تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پر چڑھنے کا راستہ کہاں ہے لیکن جیسے جیسے اس کے پاس جا رہے تھے اس کے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے یہاں برف میں گڑھے نہیں تھے۔ ورنہ ہم اتنی آسانی سے پہاڑ کے پاس نہ پہنچ پاتے۔ مگر ہمارے سفر کی مشکلات کا آغاز تو یہاں سے ہونا تھا کیونکہ ہمارے پاس کوہ پیمائی کا سامان نہیں تھا اور ہمیں اپنا بل بوتے پر اوپر جانا تھا۔

کچھ دیر تو ہم ہمت جمع کرتے رہے تھے کیونکہ اس تہہ در تہہ پہاڑ پر چڑھنے کے خیال سے دل بیٹھ رہا تھا۔ ہمیں کوئی دو ہزار فٹ کی بلندی سر کرنا تھی اس کے بعد ہم دوسری طرف اتر سکتے تھے۔ چڑھنے سے پہلے سب نے ایک ایک انرجی بسکٹ کھایا اور اس کا اچھا اثر ہوا تھا ہمارے اندر توانائی آ گئی جو اوپر چڑھنے کے لیے درکار تھی۔ طوفان کا زور کیونکہ پہاڑ کے دوسری طرف سے تھا اس لیے یہاں ہواؤں کا زور نہ ہونے کے برابر تھا بلکہ ہم پہلی بار اس قابل ہوئے تھے کہ آس پاس کے ماحول کو صحیح سے دیکھ سکیں۔ سیڑھی نما گھومتے راستوں سے ہم پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ ابتدا میں تو چڑھائی اتنی مشکل نہیں تھی لیکن جیسے جیسے ہم اوپر جانے لگے چڑھائی دشوار ہوتی چلی گئی۔ کہیں کہیں تو ہمیں چاروں ہاتھ پاؤں استعمال کرنے پڑتے تھے اور یہ بہت اذیت ناک بات تھی۔ برف پر لگانے سے ہاتھ یوں ٹھنڈے پڑ جاتے جیسے ہمارے جسم کا حصہ ہی نہ ہوں۔

بلندی کی وجہ سے ہوا میں آکسیجن کا تناسب بھی کم ہو گیا اور ہمارے سانس پھولے ہی رہنے لگے تھے۔ بار بار سانس درست کرنے کے لیے رکنا پڑتا تھا۔ ابھی تک ہمیں اپنے علاوہ یہاں اور کوئی جاندار نظر نہیں آیا تھا۔ آسمان پر دبیز بادل تھے اور ان کی موجودگی میں کسی قسم کی امداد کی توقع محال تھی۔ یہاں صرف فضا سے مدد ممکن تھی اور اس موسم میں کوئی طیارہ یا ہیلی کاپٹر پرواز نہیں کر سکتا تھا۔

پائلٹ اوپر تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی عجلت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس قسم کی چڑھائی پر زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیتو اس کے پیچھے تھا اور ہم احتیاط سے چڑھ رہے تھے اس کے باوجود پائلٹ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ ہم اس سے دور ہو بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ہم سب ایک ہی رسی سے منسلک تھے۔ میں ایک چھوٹے سے گڑھے کو چھلانگ لگا کر پار کر رہا تھا کہ پائلٹ کی چیخ سنائی دی۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہ نظر نہیں آیا۔ بیتو چلایا۔ ”رسی کھنچ رہی ہے وہ کہیں گر گیا ہے۔“

”بیتو خود کو روکے رکھو۔“ میں نے چلا کر کہا اور اپنی کمر سے بندھی رسی کھول کر ایک پتھر سے باندھ دی۔ پھر میں زور پر کی طرف بڑھا جہاں پائلٹ غائب ہوا تھا۔ بیتو درمیان میں ایک چٹان کے ساتھ پاؤں ٹکا کر کھڑا تھا۔ ”میں نے رسی باندھ دی ہے لیکن تم بھی اسے پکڑے رکھو۔“

میں اس جگہ آیا جہاں پائلٹ غائب ہوا تھا۔ وہاں برف میں گڑھا تھا اور رسی اس میں جا رہی تھی۔ میں نے دور سے چلا کر کہا۔ ”تم کہاں ہو؟“

جواب میں پائلٹ کی آواز آئی تھی ظاہر ہے وہ کہہ رہا تھا کہ میں یہاں ہوں۔ میں برف پر لیٹ گیا اور ذرا ذرا سا سرک کر گڑھے کے کنارے تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف کے نیچے کہاں تک خلا تھا۔ اس پر بوجھ ڈالتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا میں تو کسی رسی سے بھی بندھا ہوا نہیں تھا۔ بیتو بھی خدشات کا شکا

تھا اس نے چلا کر کہا۔ ''شوبی بھائی آگے مت جاؤ۔ ہم اسے مل کر باہر کھینچ لیتے ہیں۔''

''ایک منٹ مجھے اس کی پوزیشن دیکھ لینے دو پھر ہم کچھ کریں گے۔'' میں نے کہا اور آگے سرکنا جاری رکھا۔ احتیاطاً میں نے بھی رسی پکڑ لی تھی اگر میرے بوجھ سے برف ٹوٹ بھی جاتی تو میں کسی اندھے غار میں گرنے سے بس سکتا تھا۔ میں کنارے سے ذرا دور تھا تو مجھے لگا جیسے برف سرک رہی ہو میں فوراً ساکت ہو گیا لیکن جب برف نے مزید حرکت نہیں کی تو میں تھوڑا اور آگے کھسکا۔ اب میں اس پوزیشن میں تھا کہ پائلٹ کو دیکھ سکوں۔ وہ ایک چھوٹی سی لیکن گہری دراڑ میں پھنسا ہوا تھا۔ اس دراڑ کی تہہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اندر تاریک خلا تھا۔ پائلٹ کوئی پندرہ فٹ نیچے اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ وہ خود سے اوپر نہیں آ سکتا تھا۔ اسے کھینچنا پڑتا۔ میں نے آواز دے کر اسے متوجہ کیا تو اس نے اوپر دیکھا۔ خوف سے اس کا چہرہ جیسے بگڑ گیا تھا۔ میں نے اشارے سے اسے بتایا کہ ہم اسے اوپر کھینچ لیں گے اور اسے خود بھی زور لگانا ہوگا۔ اسی صورت میں وہ اس دراڑ سے باہر نکل سکتا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔

میں واپس پیچھے کی طرف سرکا اور بروقت سرکا تھا کیونکہ اچانک ہی اس جگہ سے بھی برف گر گئی جہاں میں کچھ دیر پہلے تھا۔ مجھے پائلٹ کے بارے میں خدشہ ہوا کہ برف کہیں اس پر نہ گری ہو میں نے چلا کر کہا۔

''آر......یو......او کے۔''

پائلٹ سمجھ گیا اس نے جواب دیا۔ ''آئی......او کے......او کے۔''

امریکن کلچر میں کوئی خوبی ہو نہ ہو لیکن اس کے بعض الفاظ بین الاقوامی بن گئے ہیں۔ جیسے او کے......ہیلو وغیرہ۔ میں پیچھے آیا اور بیتو کی کمر سے اس کی رسی کھولی اور پھر ہم دونوں مل کر رسی پر زور لگانے لگے۔ یہ خاصا مشکل کام تھا کیونکہ رسی کنارے سے اور پھر چٹانوں سے بھی رگڑ کھا رہی تھی اور ہمیں پائلٹ کو کھینچنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ شور مچاتا کہ کہیں پھنس گیا ہے۔ ہمیں اس نے اپنی بات سمجھانے کے لیے ''ناٹ او کے'' کا لفظ بنا لیا تھا اور ٹھیک ہے کہنے کے لیے وہ او کے کہتا تھا۔ کوئی دس منٹ کی مشترکہ جدوجہد کے بعد ہم اسے دراڑ سے نکالنے میں کامیاب رہے تھے۔ مگر اس جدوجہد نے ہمارا حشر کر دیا تھا اور ہمارے سانس کسی دھکنی کی طرح چل رہے تھے۔

پائلٹ زخمی ہوا تھا اس کی دائیں کہنی دراڑ میں گرتے ہوئے رگڑ کھا کر زخمی ہوئی تھی اور کمر پر بھی چوٹ آئی تھی۔ اس کی کہنی پر اسی کے کمبل سے ایک پٹی پھاڑ کر باندھ دی اور کمر کی تکلیف کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں تھا اس لیے آگے روانہ ہو گئے۔ مشترکہ رسی نے پائلٹ کو دراڑ کے بالکل اندر جانے سے بچا لیا تھا ورنہ ہم اسے اندر سے نہیں نکال سکتے تھے۔ اب کے ہم روانہ ہوئے تو میں سب سے آگے تھا۔ پائلٹ درمیان میں اور بیتو سب سے پیچھے تھا۔ راستے کا فیصلہ مجھے کرنا ہوتا تھا اس لیے میں قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا ایک بار میں باحفاظت جس راستے سے گزر جاتا پیچھے ان دونوں کے لیے وہ راستہ محفوظ ہو جاتا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے کون سا قدم محفوظ ہے اور کون سا نہیں ہے۔ یہ رسک اب مجھے لینا تھا۔

رفتہ رفتہ ہم چوٹی کے پاس ہوتے جا رہے تھے۔ اور اسی حساب سے سردی اور ہوا کا ہلکا پن بڑھتا جا رہا تھا اوپر طوفان کا اثر بھی زیادہ تھا اور جب پہاڑ کے اس طرف یہ شدت تھی تو دوسری طرف اس کی شدت کا اندازہ لگایا

جا سکتا تھا۔ پہاڑ عبور کرنے کے بعد ہمیں طوفان کی صحیح شدت کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر ابھی پہلا مرحلہ چوٹی تک پہنچنے کا تھا۔ پائلٹ کی کمر کی تکلیف سفر کرنے کے دوران بڑھ گئی تھی اس کی چوٹ ٹھنڈی ہو کر اسے زیادہ اذیت دے رہی تھی جب اس کا درد حد سے بڑھنے لگتا تھا تو وہ رک جاتا اور اس کے ساتھ ہم بھی رک جاتے تھے اور وہ ہر دس قدم کے بعد رک جاتا۔ ایسے ہی ایک قیام کے دوران بیتو نے کہا

''اگر ہم اسی طرح رکتا رہا تو کبھی بھی اس جگہ نہیں پہنچ سکے گا جہاں یہ ہم کو لے جا رہا تھا۔''

''جب انسان وہاں نہیں پہنچ پاتا جہاں اسے جانا ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ قدرت نے اس کی منزل کہیں اور رکھی ہوتی ہے۔ اس لیے جب آدمی سفر کے لیے نکلتا ہے تو کہیں نہ کہیں پہنچتا ہی ہے۔'' میں نے ستاتے ہوئے کہا ''لیکن اگر تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم اسے چھوڑ جائیں یا کسی اور طرف سفر کریں تو یہ ممکن نہیں ہے۔''

پائلٹ ایک طرف ڈھلان سے ٹکا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا سفر کے قابل ہے اس نے سر ہلایا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ باہمت شخص تھا اس لیے تکلیف کے عالم میں بھی سفر کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے۔ چوٹی سے کچھ پہلے اس کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ وہ لیٹ گیا تھا۔ اس کا رنگ مزید زرد پڑ گیا تھا اور ماتھے پر پسینے کے قطرے جم رہے تھے۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں رکنا ہوگا اس کی حالت مزید سفر کے قابل نہیں ہے۔''

''جیسے آپ کہیں۔'' بیتو بے دلی سے بولا۔ اسے پائلٹ یا شاید کسی بھی چینی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی کیونکہ ان لوگوں نے کامی کو اس سے دور کر دیا تھا۔ میں نے ایک کسی قدر ہموار جگہ پائلٹ کے لیے خیمہ لگا اور اسے اس میں لٹا دیا۔ یہ ایک لمبا سا اور سر والے حصے سے کسی قدر گول ابھرا ہوا خیمہ تھا اس میں آدمی بس لیٹ سکتا ہے اٹھنے بیٹھنے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ گرمائش کے لیے اس کا کمبل بھی اس کے جسم سے لپیٹ دیا تھا اور ساتھ ہی اسے ایک انرجی بسکٹ بھی کھلا دیا تھا۔ اس کا خیمہ ایک پتھر کے ساتھ اس طرح لگایا تھا کہ وہ پھسل کر نیچے نہ گرے۔ ہم بہر حال ایک پہاڑ پر تھے اور یہاں اس سے زیادہ ہموار جگہ ممکن نہیں تھی۔

اس دوران میں بیتو نے اپنی چھڑی کی مدد سے برف کھود کر ایک چھوٹا سا غار بنا لیا تھا جس میں ہم دونوں بیٹھ سکتے تھے۔ یہ ہوا سے محفوظ تھا۔ ہم اس میں گھس کر بیٹھ گئے۔ بیتو نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''شوبی بھائی...... اگر اس جگہ رات ہو گیا تو صبح یہاں سے ہمارا اکڑا ہوا لاش ملے گا۔''

دو پہر کے دو بج رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ چار بجے یہاں اندھیرا چھانا شروع ہو جائے گا اور پانچ بجے تک سفر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ ان حالات میں اگر ہم چوٹی تک پہنچ کر دوسری طرف اترنا شروع بھی کر دیتے تو تاریکی ہوتے ہوتے کتنا نیچے جا سکتے تھے۔ جب کہ دوسری طرف طوفان کی شدت بھی بہت زیادہ تھی اس صورت میں ہمارے لیے بہتر یہی تھا کہ رات اسی ڈھلان پر گزاریں اور اگلی صبح چوٹی عبور کر کے دوسری طرف اتریں۔ یہ ٹھیک تھا کہ سردی رات کو زیادہ ہی ہو جاتی لیکن سردی تو دونوں طرف زیادہ ہی ہوتی۔ یہاں ہم کم سے کم طوفانی ہواؤں اور برف کے چھروں کی اڑتے ذرات سے تو محفوظ تھے۔

''میرا خیال ہے ہمیں یہیں رکنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''دوسری طرف بھی ہم زیادہ نیچے نہیں اتر سکتے

کیونکہ اس سے پہلے ہی رات ہو جائے گی اور پھر اس طرف طوفان آیا ہوا ہے یہاں ہم طوفان سے تو بچے ہوئے ہیں۔''

بیتو نے مجھ سے اتفاق کیا۔ ہم نے مل کر رات گزارنے کے برف کے اس غار کو بڑا کیا۔ اب اس میں ہم تینوں کے خیمے آ سکتے تھے اور موسم کی سختی سے کسی قدر بچت ممکن تھی۔ پانچ بجے تک ہم بھی اپنے خیمے کھول کر ان میں گھس گئے تھے اور کمبل اوڑھ لیے تھے۔ تینوں خیمے بالکل پاس پاس تھے اور ہم نے غار کے آس پاس اضافی برف جمع کر کے اس کا دہانہ مختصر کر لیا تھا اس کے باوجود تاریکی ہوتے ہی ایسی شدت کی ٹھنڈ آئی کہ ہم کانپنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد بیتو نے کہا۔

''شوبی بھائی ہم اندر سے بھی جم رہا ہے۔''

''اپنا بھی یہی حال ہے۔'' میں نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن سردی نے آواز تک منجمد کر دی تھی۔

''صبح تک پتا نہیں کیا ہوگا؟''

''ایسے وقت کے لیے ہم کہتے ہیں۔ وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا؟''

''کیا مطلب شوبی بھائی؟''

میں اسے مطلب سمجھانے لگا اور وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''شوبی بھائی...... ایک سوال کرے آپ برا تو نہیں مانے گا؟''

''نہیں میں تمہاری بات کا برا نہیں مان سکتا۔''

اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ نے کبھی محبت کیا؟''

اس کے سوال نے ایک لمحے کو میرا دل روک دیا تھا۔ میں نے محبت کی تھی لیکن اس محبت سے اس قدر منہ چھپایا کہ اسے اپنے خیالوں تک سے نکال دیا اس کے بارے میں سوچنے سے بھی گریز کرتا تھا لیکن میں جانتا تھا اس محبت کو کبھی اپنے اندر سے نہیں نکال سکوں گا۔ یہ میرے وجود میں خون کی طرح گردش کرتی تھی اور روح کی مانند رہتی تھی۔ اگر کوئی اپنے خون کی گردش روک سکتا یا اپنے جسم سے روح نکلنے پر بھی زندہ رہتا تو میں بھی اس محبت کو اپنے وجود سے نکال سکتا تھا۔

جب میں نے ساحل کی محبت کے سامنے ہار مانی تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ جسے میں اپنا سمجھ بیٹھا تھا وہ میرے سامنے ایک اور روپ میں آئے گی۔ وہ میرے عزیز از جان بھائی کی بیوی بن جائے گی۔ وہ بھائی جس نے مجھے ہمیشہ اپنی سب سے اچھی چیز دی۔ بن مانگے دی اور پوری محبت سے دی لیکن وہ بھائی مجھ سے میری جان سے بھی زیادہ پیاری ہستی لے جائے گا میں نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جو ہوا اس میں شاہد بھائی کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ تو ابا جی کا فیصلہ تھا جس نے ہمیشہ کے لیے مجھے اور ساحل کو سولی پر ٹانگ دیا تھا

''شوبی بھائی۔'' بیتو میرے بالکل پاس سے بولا تو میں چونک گیا تھا وہ اپنے خیمے سے نکل آیا تھا۔ ''ہم اتنی دیر سے آپ کو آواز دیتا ہے۔ آپ سنتا کیوں نہیں ہے۔''

میں خیالوں میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ بیتو کی آواز بھی مجھ تک نہیں آ رہی تھی۔ اسے خیمے سے باہر آنا پڑا تھا۔ ''میں نے سنا نہیں تھا۔''

''آپ نے ہمارا سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''ہاں میں نے محبت کی ہے لیکن کس سے کی ہے یہ مت پوچھنا۔''

بیتو واپس اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔''ہم پوچھے گا نہیں لیکن ہم جانتا ہے۔''

میں حیران ہوا تھا۔''تم کو کیسے پتا چلا؟''

''ایک بار وسیم بھائی دیدی کو بتا رہا تو ہم نے بھی سن لیا۔ ان کو پتا نہیں تھا کہ ہم جاگ رہا ہے اور سن رہا ہے۔''

میں چپ ہو گیا۔ سچی بات ہے میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ بیتو بھی نہ بولے لیکن یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تھی کچھ دیر بعد بیتو نے کہا۔''شوبی بھائی آپ پھر کبھی ان سے نہیں ملا؟''

''نہیں۔''

''اس بات کو کتنا سال ہو گیا ہے؟''

''پانچ چھ سال ہو گئے ہیں۔''میں نے آہستہ سے کہا۔

''اتنے عرصے سے آپ گھر نہیں گیا؟''بیتو کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''نہیں یار۔''میں نے بیزاری سے کہا تو بیتو سمجھ گیا کہ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بھی خاموش ہو گیا لیکن زیادہ دیر نہیں رہا تھا البتہ اس نے موضوع بدل دیا تھا۔

''پتا نہیں دیدی اور دوسرا لوگ کیا کر رہا ہوں گا؟''

''مزے کر رہا ہو گا۔''میں بولا۔''دبئی میں بیٹھے ہیں سارے۔''

''وسیم بھائی اور دیدی نے پاکستان جانا تھا۔''

''ہاں لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اس میں بہت ساری دشواریاں ہیں اور شاید وہ ابھی تک دبئی میں ہی ہوں گے۔''

بیتو مجھ سے سفیر اور مونا کے بارے میں پوچھتا رہا۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ دونوں مجھے کس طرح ملے تھے۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے بالآخر نیند حاوی آنے لگی تھی۔ بند رہنے کی وجہ سے خیمے کے اندر کا ماحول بھی کسی قدر گرم ہو گیا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کسی قدر کم سرد ہو گیا تھا اور ہم نے کانپنا بند کر دیا تھا۔ پائلٹ پہلے ہی سو گیا تھا۔ اب وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ اس کے بعد بیتو نے خوفناک قسم کے خراٹے لینا شروع کیے اور مجھے اس کی وجہ سے سونے میں بڑی دشواری پیش آئی تھی۔ بہر حال آنکھ لگ ہی گئی تھی۔

آس پاس کے پہاڑوں میں کوئی چھوٹا موٹا ایوالانچ ہوا۔ یعنی برف گری تھی۔ اس کے گونجنے والے دھماکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ صبح نمودار ہونے والی تھی کیونکہ باہر ہلکی سی روشنی ہو چلی تھی۔ طوفان رک گیا تھا اور اب ہوا کے ہلکے سے سرسرانے کی آواز آ رہی تھی۔ جسم جیسے برف کا بن گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ ہر چیز ہی برف ہو گئی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے جسم کو حرکت دی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ بیتو اور پائلٹ کے خراٹے رک گئے تھے اور دونوں جاگ رہے تھے۔ بیتو بھی باہر آیا اور اس کے بعد پائلٹ بھی کوشش کر کے باہر آ گیا اور اس کی حالت کل سے بہتر لگ رہی تھی۔ طوفان رکنے سے موسم بھی بہتر ہوا تھا اور کھلی فضا میں کچھ دیر چہل قدمی کر کے ہم

آگے سفر کے قابل ہو گئے تھے۔ بھوک کے مداوے کے لیے بسکٹ تھے۔ بسکٹ کھا کر ہم نے خیمے لپیٹے اور بیگ بنا کر پشت پر لاد لیے۔ اس دوران میں روشنی اتنی ہو گئی تھی کہ ہم سفر کر سکتے تھے۔ رات بھر کے آرام نے ہمیں تر و تازہ کر دیا تھا۔ پائلٹ کی تکلیف ختم نہیں ہوئی تھی لیکن اتنی کم ضرور ہو گئی تھی کہ وہ سفر کر سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد ہم چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔ اس وقت مشرق سے سورج اوپر آ چکا تھا اور اس کی کرنیں برفانی چوٹیوں کو جگمگا رہی تھیں۔ یہ سحر زدہ کر دینے والا منظر تھا۔ اگر چہ یہاں سانس لینے کے لیے ہوا بہت ہلکی تھی اور ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے دوسری طرف اترنا شروع کر دیا۔ اس طرف ڈھلان بہت وسیع اور جنوب سے شمال تک اس طرح پھیلی تھی کہ اس میں جا بہ جا ٹیلے بن گئے تھے۔ ہمیں ان ٹیلوں کے درمیان سے گزرنا تھا۔ اس کے بعد دور تک پھیلا برف زار تھا۔ ہمیں اس طرف سفر کرنا تھا۔

پائلٹ نے اشارے سے سمجھایا کہ ہمیں آج دور نظر آنے والی ایک چوٹی کے پاس پہنچنا تھا اس کے بعد امید تھی کہ ہم ریڈیو سے مدد مانگ سکیں۔ اس جگہ ریڈیو بے کار تھا۔ کوئی ایک ہزار فٹ نیچے آنے کے بعد راستہ بہتر ہو گیا تھا۔ ڈھلان کسی قدر سیدھی ہو گئی تھی اور یہاں برف بھی نرم تھی۔ گزشتہ دن آنے والے طوفان نے ہر طرف نرم برف کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ اس میں اترنا آسان تھا کیونکہ اس میں پاؤں پھسلتا نہیں تھا لیکن اس میں چھپے گڑھوں کا خطرہ زیادہ تھا۔

ہم نے اترنے کے لیے جنوبی ڈھلان منتخب کی تھی کیونکہ یہ آسان تھی شمالی ڈھلان مشکل تھی اور اس میں ٹیلے بہت زیادہ تھے۔ یہاں سے پائلٹ نے مجھے جنوب کی جانب ایک برفانی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"انڈیا......اٹ......از انڈیا۔"

اس کا مطلب تھا کہ اس طرف انڈیا تھا۔ یعنی کشمیر کا لداخ والا حصہ تھا اور یہ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اگر انڈیا والے ہیلی کاپٹر گرانے کے بعد ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو ان کو زیادہ دور نہیں آنا پڑتا۔ نیچے اترتے اترتے ہم اس برفانی دیوار کے خاصے قریب آ گئے تھے۔ اس موقع پر میں نے پائلٹ سے نقشہ لے کر دیکھا تو مجھے یہ جان کر تعجب ہوا اس جگہ سے اسلام آباد اتنا ہی دور تھا جتنا اسلام آباد سے لاہور دور پڑتا تھا۔ میں نے نقشے پر غور کیا اور پائلٹ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمیں شمال کا رخ کرنا چاہیے کیونکہ مغرب کی سمت بھی بھارت آ جائے گا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور اشارے سے کہا کہ اس طرف چین کا حصہ ہے اور ہم بھارت سے دور رہیں گے۔ اگر چہ مجھے لگ رہا تھا کہ پائلٹ اس معاملے میں کسی قدر لاپروائی سے کام لے رہا ہے لیکن میں نے اس پر زیادہ زور نہیں دیا تھا کیونکہ وہ اس علاقے کو بہتر جانتا تھا۔ وہ آئے دن اس جگہ پرواز کرتا رہتا تھا اور میں پہلی بار یہاں آیا تھا۔

اصل میں چین کے اس حصے میں لداخ والا حصہ اندر تک گھسا ہوا تھا اور اس کے تین اطراف چین آ جاتا تھا۔ اور یہاں ذرا سی بے احتیاطی یا نقشہ سمجھنے میں غلطی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آدمی کہیں کا کہیں پہنچ جاتا۔ ہیلی کاپٹر ہمیں چین کے انتہائی مغربی حصے کی طرف لے جا رہا تھا اور فاصلہ کم رکھنے کے لیے پائلٹس نے جو روٹ منتخب کیا تھا وہ لداخ کے بالکل پاس سے گزرتا تھا اور اسی وجہ سے بھارتیوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے میزائل مار کر ہیلی کاپٹر گرا دیا تھا۔ اگر چہ پائلٹ کے پاس نقشہ تھا اور وہ اسے سمجھنے کا ماہر بھی تھا لیکن ایک تو یہ برفانی علاقہ تھا جہاں سرحد

کی نشاندہی ویسے ہی بڑا مشکل کام ہوتا ہے دوسرے یہ ایک متنازعہ سرحد تھی۔ بھارت اور چین دونوں میں سے کوئی بھی اس کا احترام نہیں کرتا تھا اس کا ثبوت بھارت کی جانب سے زد میں آنے والے ہیلی کاپٹر کو مار گرانا بھی تھا۔ حالانکہ ہیلی کاپٹر چین کے زیر کنٹرول علاقے میں اُڑ رہا تھا۔ ممکن ہے جیسے چین نے نیپال کے ساتھ خفیہ چوکی بنا رکھی تھی ایسی ہی کوئی چوکی بھارتیوں نے یہاں بنا رکھی ہو جس سے چین لاعلم ہو اور ہم اس کے آس پاس سے گزریں تو مشکل میں پڑ جائیں۔ اس وجہ سے میں چاہتا تھا کہ پائلٹ ہمیں شمال کی طرف لے جائے کیونکہ اس میں خطرہ کم تھا۔ اس کے برعکس پائلٹ مطمئن تھا کہ وہ بالکل درست سمت جا رہا ہے حالانکہ اس کے ساتھ سانحہ ہو چکا تھا۔ بھارتیوں نے اس کا ہیلی کاپٹر مار گرایا تھا اور اسے مزید محتاط ہونا چاہیے تھے۔

ڈھلان سے اترتے ہوئے راستہ ہمیں برف کی دیوار کے پاس لے جا رہا تھا کیونکہ یہاں شمال کی طرف جانے والا راستہ نہیں تھا۔ نیچے اترنے کے بعد ہمیں ایک طویل چکر لگا کر اس طرف جانا تھا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ہم نیچے اترنے میں کامیاب رہے یہ بہت مشکل اور تھکا دینے والا سفر ثابت ہوا تھا۔ نیچے آتے آتے ہم تھکن سے چور ہو گئے تھے اس لیے فیصلہ کیا کہ کچھ دیر رک کر ستایا جائے اور کچھ پیٹ پوجا کی جائے۔ ایک طرف ٹیلے نظر آ رہے تھے ہم نے وہاں پہنچ کر رکنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی اس طرف دھوپ نہیں آئی تھی لیکن روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ نیچے آنے سے سردی اور ہوا کا ہلکا پن دونوں کم ہوئے تھے۔ یہاں سانس لینے میں اتنی دشواری نہیں ہو رہی تھی یا ہم اس کے عادی ہو گئے تھے۔

سب نے ایک ایک بسکٹ کھایا۔ یہ اتنا مشکل قسم کا بسکٹ تھا کہ ایک ہی بڑی مشکل سے کھایا جاتا تھا۔ بہت پھیکا سا اور سخت مٹی جیسے مادے کا تاثر دیتا تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس میں ایک وقت کے کھانے کی مکمل غذائیت موجود ہوتی ہے۔ اسے کھانے کے بعد چھ سات گھنٹے تک دوبارہ بھوک نہیں لگتی ہے۔ یہ ہائی انرجی لیٹ، پروٹین اور منرلز کے ساتھ وٹامنز کا مرکب تھا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ بیتو بہت حیران تھا۔ اس نے چلنے کے دوران مجھ سے پوچھا۔

"شوبی بھائی اتنا سا بسکٹ ایک وقت کا کھانا جیسا کیسے ہوتا ہے؟"

میں نے اسے سمجھایا۔ "ہم جو کھانا کھاتے ہیں اس میں سے بھی ہمارا جسم تقریباً اتنا ہی حاصل کرتا ہے جتنا بڑا یہ بسکٹ ہے۔ باقی سارا پانی اور فضلے کی صورت میں ہمارے جسم سے نکل جاتا ہے۔ سائنس دانوں نے جسم کو درکار ساری چیزیں خالص کر کے اس بسکٹ کی صورت میں بنا دی ہیں اسے کھا کر ہمیں وہ سب مل جاتا ہے جو پورا کھانا کھانے کی صورت میں ملتا ہے۔ تم نے غور نہیں کیا کہ کل سے ہمیں حاجت محسوس نہیں ہوئی ہے۔"

"ہم سمجھ گیا...... جیسے پستول کی گولی وہ کام کرتی ہے جو پہلے بڑی چیزوں سے لیا جاتا تھا۔"

"شاباش۔" میں نے داد دی۔ "کیا مثال تلاش کی ہے منے؟"

"منے...... یہ تو ہم کو وسیم بھائی کہتا ہے۔"

"ہاں میرے لیے بھی تو منے ہی ہو۔ ہمارے ہاں منا چھوٹے لڑکے کو کہتے ہیں۔"

"لیکن میں چھوٹا نہیں ہوں۔" اس نے اعتراض کیا۔

"ہاں معلوم ہے پچھلے ایک ہفتے میں تم خاصے بڑے ہو گئے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "لیکن ہمارے

لیے تو منے ہی ہو۔"

اس دوران میں ہم ٹیلوں تک پہنچ گئے تھے اور جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ کر ستانے لگا۔ پائلٹ بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ کل سے اب تک کے سفر میں اس نے تکلیف کے باوجود بریف کیس ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا نہیں کیا تھا ابھی بھی وہ اسے سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے آرام سے اس کی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی اور آج سفر کے دوران وہ ایک بار بھی نہیں رکا تھا۔ البتہ اس کے چہرے سے تھکن اور تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے رائفل ایک طرف رکھی تھی۔

تکنیکی لحاظ سے میں اور بیتو اس کی حکومت کے قیدی تھے اور وہ اپنی حکومت کا نمائندہ تھا اس طرح ہم اس کے قیدی ہوئے تھے لیکن اس نے حقیقت تسلیم کر لی تھی۔ اس ویرانے میں ہم ایک جیسی پوزیشن میں تھے اور وہ ہم پر حکم نہیں چلا سکتا تھا اس لیے اس نے ہمیں مساوی تسلیم کر لیا تھا اس نے ہمارے اسلحہ لینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور نہ ہی اپنے انداز سے کہیں ظاہر کیا تھا کہ اسے ہم پر کوئی شک ہے۔ ہمارے طرزِ عمل سے وہ مطمئن تھا کہ ہم اسے دھوکا دے کر نہیں ماریں گے۔ ہم نے اب تک اس کی مدد ہی کی تھی اور اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ اگر ہماری نیت خراب ہوتی تو ہم بہت آسانی سے اسے چھوڑ کر جا سکتے تھے۔

وہ خاموش بیٹھا ہوا ستا رہا تھا کہ اچانک وہ چوکنا ہونے کے انداز میں کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا اس نے اپنی رائفل اٹھا لی تھی۔ مجھے اس کے انداز نے چونکا دیا اور میں نے اشارے سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اس نے جوابی اشارے سے سمجھایا کہ آس پاس کوئی ہے۔ میں اور بیتو بھی چوکنا ہو گئے تھے اور ہم نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ ابھی ہم کھڑے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے فائر ہوا اور گولی ہمارے درمیان میں برف پر لگی۔ یہ وارننگ فائر تھا پھر کسی نے انگریزی میں کہا۔

"کوئی نہیں ہلے گا تم کو گھیر لیا گیا ہے۔"

بولنے والے کا لہجہ برصغیر کا تھا۔ یعنی جیسی انگریزی یہاں کے لوگ بولتے ہیں وہ ویسی انگریزی بول رہا تھا اور ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ پائلٹ ایک ٹیلے کی طرف لپکا۔ میں نے چیخ کر اسے روکنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی ایک برسٹ چلا اور پائلٹ زمین پر گر گیا۔ اس کی پشت سے خون پھوٹ نکلا تھا۔ اس کی پشت چھلنی ہو گئی تھی اور مجھے یقین ہے وہ گرتے ہی مر گیا تھا۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو۔" وارننگ دینے والے نے پھر کہا۔

میں نے سوچا اور رائفل پھینک دی۔ میں نے بیتو کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ بھی رائفل پھینک دے۔ بیتو کسی قدر ہچکچایا پھر اس نے رائفل پھینک دی۔ اصل میں میرے اتنی جلدی ہتھیار ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ بولنے والا کوئی اور تھا اور جس نے پائلٹ کو شوٹ کیا تھا وہ کوئی اور تھا اور اس نے بالکل درست نشانہ لیا تھا۔ ایک ہلکے سے برسٹ نے اسے گرا دیا تھا ہمیں گھیرنے والے پیشہ ور لوگ تھے۔ ان سے مقابلہ ممکن نہیں تھا۔ خاص طور سے اس صورت میں جب وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھے اور انہوں نے ہمیں مکمل طور پر نشانے پر لیا ہوا تھا۔

"ہاتھ اوپر کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔" بولنے والے نے حکم دیا۔ ہمیں تعمیل کرنا پڑے گی۔ اس کے فوراً بعد آس پاس برف کے ٹیلوں میں ہل چل مچی اور برف میں چھپے سفید لباس میں ملبوس افراد باہر نکل آئے وہ

سب مسلح تھے اور ان کی تعداد پانچ تھی۔ اور اپنے انداز سے وہ فوج کے کمانڈوز لگ رہے تھے۔ انہوں نے چہروں پر بھی ماسک لگا رکھے تھے اور ان کے خدوخال نظر نہیں آرہے تھے لیکن مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھارتی تھے۔ ان میں سے دو نے ہماری مکمل تلاشی لی اور ایک پائلٹ کے پاس گیا اس نے جھک کر پائلٹ کی گردن پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''یہ مر گیا ہے؟''

''کوئی بات نہیں یہ دونوں تو زندہ ہیں۔'' ایک شخص نے کہا تو مجھے پتا چلا وہ ہمیں حکم دینے والا شخص تھا۔ انہوں نے سوائے سیاہ عینکوں کے ہر چیز بالکل سفید پہن رکھی تھی۔ حد یہ کہ ان کے ہاتھوں میں موجود رائفلوں پر بھی سفید کور چڑھے ہوئے تھے۔ اس اطمینان کے بعد کہ انہوں نے صورتِ حال پر قابو پالیا ہے اپنے چہروں سے نقاب اور عینکیں ہٹا دی تھیں۔ برف میں چھپنے کے لیے یہ نقاب لازمی تھے ورنہ ان کے چہرے منجمد ہو جاتے۔ وہ نہ جانے کتنی دیر سے یہاں برف میں چھپے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں بالکل درست اندازہ لگایا تھا کہ ہیلی کاپٹر کے حادثے میں بچ جانے والے کس طرف کا رخ کریں گے اور وہ پہلے ہی وہاں گھات لگا کر بیٹھے تھے۔

بولنے والا ایک لمبا اور دبلا انڈین تھا اس خاصے موٹے لباس میں بھی اس کی صحت معمولی سی لگ رہی تھی لیکن اس کی آواز میں ایک خاص کھنک تھی اور اس کی سیاہ آنکھوں سے وحشت سی ٹپک رہی تھی۔ وہ میرے پاس آیا۔ اس نے میرے چہرہ پر نظریں گاڑ کر کہا۔ ''انگریزی جانتے ہو؟''

''ہاں جانتا ہوں؟'' میں نے جواب دیا۔

''اور تم جانتے ہو؟'' اس نے بیتو سے پوچھا۔

''یہ صرف ہندی جانتا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے پلٹ کر اتنی تیزی سے مجھے لات ماری کہ مجھے بچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے بوٹ کی ٹھوکر میرے سینے پر لگی اور میں الٹ کر گر پڑا تھا۔ فوراً ہی دو افراد نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اسی پوزیشن میں گھٹنوں کے بل کھڑا کر دیا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''جب تم سے پوچھوں تو جواب دینا۔''

''یہ انگریزی نہیں سمجھتا اس لیے میں نے تم کو بتا دیا میں اس کے بارے میں بس اتنا ہی جانتا ہوں ورنہ یہ میرے لیے اجنبی ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا تھا اس کا رنگ سیاہی مائل سرخ تھا یا اس وقت سردی کی شدت سے ہو رہا تھا۔ ''یہ چینیوں کا علاقہ ہے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''ہم چین کے باشندے ہیں۔'' میں نے جھوٹ بولا۔ ''یہاں اپنے ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔''

''جھوٹ تم لوگ کہیں سے بھی چین کے لوگ نہیں لگتے۔''

''کیا چین میں صرف چپٹے نقوش اور زرد رنگت والے لوگ پائے جاتے ہیں؟''

اس نے پھر مجھے نظر جما کر دیکھا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارا تعلق ہند کے شمالی علاقے سے ہے اور ممکن ہے پنجاب سے ہو۔''

اس نے درست اندازہ لگایا تھا لیکن میں نے تصدیق یا تردید کرنے کے بجائے خاموشی بہتر سمجھی۔ اس

نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”یہ کون ہے؟“

”یہ اس ہیلی کاپٹر کا پائلٹ ہے جسے تم لوگوں نے مار گرایا ہے۔“

”ہم نے کون سا ہیلی مار گرایا ہے۔“

”تم انڈین ہو اور انجان بن رہے ہو لیکن تمہاری یہ کارروائی چھپی نہیں رہے گی جلد انڈیا کو جواب دینا ہوگا اور حساب بھی دینا ہوگا۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”کسی دوسرے ملک کی حدود میں اس کے طیارے کو مار گرانا سنگین بین الاقوامی جرم ہے۔“

وہ میری بات نظر انداز کر کے پائلٹ کی طرف بڑھ گیا اور اس نے پائلٹ کی لاش سیدھی کی پھر اس کے نیچے دبا بریف کیس کھینچ لیا۔ اس نے بریف کیس الٹ پلٹ کر دیکھا اس میں کہیں کوئی کھولنے والا کھٹکا نہیں تھا اور نہ ہی کسی قسم کا سوراخ تھا۔ وہ کچھ دیر اسے الٹتا پلٹتا رہا پھر میرے پاس آیا۔ ”اس میں کیا ہے؟“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں نہیں جانتا۔“

”تم اس ہیلی کاپٹر میں تھے پھر کیسے نہیں جانتے؟“ وہ شک سے بولا۔

”یہ بریف کیس ایک اور شخص کے پاس تھا اور اس کا کڑا اس کی کلائی میں تھا وہ بھی حادثے میں مارا گیا اور اس نے اس کی کلائی کاٹ کر یہ بریف کیس نکال لیا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے میں کیا بتا سکتا ہوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔“

انہوں نے پائلٹ کی لاش کی تلاشی لے کر اس کی ہر چیز اپنے قبضے میں لے لی اور پھر اس کی لاش برف میں دبا دی۔ انہوں نے جی پی آر ایس پر اس جگہ کی پوزیشن نوٹ کر لی جہاں لاش چھپائی تھی اور اپنی آمد کے سارے نشان مٹانے لگے۔ انہوں نے خون آلود برف پر مزید برف ڈال دی اور وہاں بکھرے گولیوں کے خول تلاش کر کے اپنے ساتھ رکھ لیے۔ وہ مکمل پیشہ ور لوگ تھے اور ایک ایک چیز کا دھیان رکھ رہے تھے۔ دس منٹ کے اندر اپنی آمد کے سارے آثار مٹا کر وہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ بیتو نے عقل مندی کی تھی اور اس نے اب تک زبان نہیں کھولی تھی۔ اب وہ اپنے بارے میں کوئی کہانی سنانے کے لیے آزاد تھا اور میں اپنے بارے میں بتاتا تو ان لوگوں کو یقین کرنا پڑتا وہ ہمارے بیانات الگ الگ لے کر ہمارا جھوٹ نہیں پکڑ سکتے تھے۔

”چلو...... اب تم قیدی ہو اس لیے کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ مارے جاؤ۔“ وحشی آنکھوں والے نے کہا۔ وہ عام سے انداز میں بات کرتا تھا لیکن اس کے لہجے میں کہیں دھمکی چھپی ہوتی تھی۔ وہ ان کا سربراہ بھی تھا۔ انہوں نے آپس میں گفتگو کے دوران کسی کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ہمیں درمیان میں لے کر چلنے لگے تھے۔ تلاشی لیتے وقت انہوں نے ہمارے پاس موجود ہر چیز اپنے قبضے میں لے لی تھی۔ حد یہ کہ میری کلائی سے وہ نادر روزگار گھڑی بھی اتار لی تھی جو میں نے نیپال میں اس دکان سے خریدی تھی جہاں سے ہم نے گرم لباس اور کوہ پیمائی کا سامان لیا تھا۔ یہ گھڑی وقت کے علاوہ بلندی اور ماحول کا درجہ حرارت بھی بتاتی تھی۔

وہ ہمیں لے کر اس برفانی دیوار کی طرف بڑھے جس کے بارے میں پائلٹ نے بتایا تھا کہ اس کے پاس بھارت کا علاقہ ہے اور مجھے اس وقت بھی خطرے کا احساس ہوا تھا لیکن افسوس پائلٹ نے میری وارننگ پر توجہ نہیں دی تھی۔ اگر ہم اس طرف آنے کے بجائے دشوار راستے سے شمال کا رخ کرتے تو بھارتیوں سے مڈبھیڑ سے

سکتے تھے۔ پائلٹ خود تو مارا گیا تھا اور ہمیں بھی مروا دیا تھا۔

وہ خود بھی تیز چل رہے تھے اور ہمیں بھی تیز چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ شاید وہ جلد از جلد چین کے علاقے سے نکل جانا چاہتے تھے۔ موسم صاف ہو گیا تھا اور امکان تھا کہ چین کی جانب سے گم شدہ ہیلی کاپٹر کی تلاش کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ بلکہ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ اب تک ہیلی کاپٹر کی تلاش کا کام شروع کیوں نہیں کیا گیا تھا۔ جب کہ اس میں یہ پُر اسرار سا بریف کیس بھی تھا جو بھارتیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اگر اس میں چین کے لیے راز تھے تو اب تک ان کو اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دینا چاہیے تھا۔ میرے حساب سے تو چینی بالکل ٹھنڈے ہو کر بیٹھے تھے۔

بہر حال میرا مسئلہ یہ بریف کیس نہیں بلکہ اپنی اور بیتو کی سلامتی تھی۔ ہم جن سے بچ کر فرار ہوئے تھے اور ہمالیہ کا دشوار گزار سلسلہ عبور کیا تھا ایک بار پھر ہم ان کی ہاتھ آ چکے تھے۔ اگر بھارتیوں کو میرے بارے میں علم ہو جاتا کہ میں کون ہوں اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ ان کو علم ہو جائے گا کیونکہ جب بھارتیوں نے میری تصویریں نیپال تک پہنچا دی تھیں تو کیا اپنے آدمیوں کو میری صورت نہیں دکھائی ہو گی۔ اس لیے اس بات کا پورا امکان تھا کہ کسی جگہ پہنچتے ہی ان لوگوں کو پتا چل جاتا کہ میں بھارتی حکومت کو مطلوب ترین شخص ہوں اور اس کے بعد میری گلوخلاصی تقریباً ناممکن ہو جاتی۔

ان لوگوں کے نرغے میں چلتے ہوئے یہ سب میرے ذہن میں آ رہا تھا اور میں نے فرار کا سوچا تھا لیکن ان لوگوں نے جس طرح ہم پر نظر رکھی تھی اور وہ ایک محفوظ فاصلے سے ہمارے چاروں طرف چل رہے تھے مجھے کوئی چال مشکل لگ رہی تھی۔ ان کی سفاکی کا نمونہ میں دیکھ چکا تھا انہوں نے پائلٹ کو بلا تکلف شوٹ کر دیا تھا۔ اگر ہماری طرف سے مزاحمت ہوتی تو یہ ہمیں بھی شوٹ کر دیتے۔ شاید یہ اس علاقے میں اسی کام کے لیے موجود تھے کہ ہیلی کاپٹر کے حادثے میں بچ جانے والوں کو مار دیں یا گرفتار کر لیں تا کہ چین کی حکومت کو یہ بتانے کے لیے کوئی زندہ فرد نہ مل سکے کہ ان کے ساتھ ہوا کیا تھا اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کسی فرد کی گواہی نہ پیش کر سکے۔ کیونکہ ہیلی کاپٹر کا ملبہ مل جانے کے بعد چینی حکومت کے ماہرین تجزیہ کر کے جان سکتے تھے کہ اسے میزائل کا نشانہ بنایا گیا ہے اور میزائل بھارتی ساختہ تھا۔ کسی زندہ بچ جانے والے فرد کی گواہی سے چین کا کیس مضبوط ہو جاتا اور بھارتی اسی وجہ سے بچ جانے والوں کی تلاش میں تھے۔

میرے اور بیتو کے درمیان فاصلہ تھا اور پھر ہم اجنبی بھی بن گئے تھے اس لیے ہمارے آپس میں بات کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم اس برفانی دیوار کے پاس پہنچ گئے تھے اور اب اس پر چڑھائی کا مرحلہ تھا۔ ہم جس پہاڑ کو عبور کر کے آئے تھے اس کے مقابلے میں یہ دیوار آسان سی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد اسے عبور کر کے ہم بھارت کی حدود میں قدم رکھ چکے تھے اور میں نے دیکھا کہ اِس طرف خشک پتھریلے پہاڑ تھے۔ ان کی بہت زیادہ ڈھلان کی وجہ سے برف ان پر نہیں ٹک پاتی تھی اور اتنی بلندی پر بھی یہ ننگے تھے لیکن ان کی بلندی چین کی طرف پائے جانے والے پہاڑوں سے کم تھی۔ آگے دور نشیب میں ڈھلان دکھائی دے رہی تھی۔ ان لوگوں کا بیس یہیں کہیں ممکن تھا۔

وہ پانچوں خاموشی سے اور آس پاس پر نظر رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ چین کی حدود

ہیں اتنے محتاط ہوں گے لیکن اپنی حدود میں آنے کے بعد بھی ان کی یہ احتیاط باقی رہی تھی۔ وحشی آنکھوں والا بار بار آسمان کی طرف دیکھتا تھا اور پھر ایک بار اس نے اوپر دیکھا اور تیز لہجے میں بولا ''جہاز ہے...... لیٹ جاؤ...... جلدی۔''

انہوں دھکے دے کر ہمیں برف پر گرا دیا اور ہم میں سے ایک پر وہ دو اس طرح گر گئے کہ ہمیں مکمل طور پر چھپا لیا تھا۔ ان کے بھاری بوجھ تلے دب کر میرے لیے حرکت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وحشی آنکھوں والا میرے اوپر ہی تھا میں نے کسمسا کر کہا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''خاموش پڑے رہو۔'' وہ میرے کان میں بولا۔ ''اوپر چینی جہاز ہے اس نے دیکھ لیا تو ہمارے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

اس وقت میرے کانوں نے کسی چھوٹے طیارے کی آواز سنی جو بتدریج قریب آ رہی تھی۔ اگر یہ چینی طیارہ تھا اور ممکن ہے یہ ہمارا نجات دہندہ بن جاتا۔ ان لوگوں نے چالاکی سے کام لیا تھا وہ سرتاپا سفید ہو رہے تھے اور سفید برف پر ان کو تلاش کرنا بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے سے زیادہ مشکل کام تھا۔ میں نے اور بیتو نے سرخ رنگ کی جیکٹس پہن رکھی تھیں اور ہم آسانی سے نظر میں آ جاتے اس لیے یہ ہمیں لٹا کر خود ہمارے اوپر لیٹ گئے تھے اور ہمیں پوری طرح کور کر لیا تھا۔ میں نے ذرا سی مزاحمت کی تو وحشی آنکھوں والے نے میرے سر پر پستول رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد مجھے ساکت ہو جانا پڑا تھا۔

طیارے کی آواز کوئی دس منٹ تک آتی رہی یعنی وہ اس علاقے کا تفصیلی معائنہ کر رہا تھا اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا تھا۔ جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ طیارہ واپس چلا گیا ہے تب انہوں نے ہماری جان چھوڑی تھی اور ہم پر سے ہٹے تھے۔ کھڑے ہوتے ہی وہ روانہ ہو گئے۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنے چوکنا کیوں تھے۔ یہ جگہ چین اور بھارت کے درمیان نومینز لینڈ تھی اور یہاں دوں میں سے کوئی بھی آ سکتا تھا۔ جس طرح بھارتی دستہ اس علاقے میں موجود تھا اسی طرح چین کے آدمیوں کی یہاں موجودگی عین ممکن تھی اور اسی بنا پر بھارتی محتاط ہو کر سفر کر رہے تھے انہوں نے خود کو کیموفلاج کرنے کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اس بار ہمارا سفر تیز تھا کیونکہ ہمیں سخت جمی ہوئی برف اور ہموار رستہ ملا ہوا تھا۔ ہم ایک گھنٹے میں اس برفانی دیوار سے کئی میل دور آ گئے تھے اور شاید ایک ہزار فٹ مزید نیچے آئے تھے کیونکہ سردی اور ہوا کے ہلکے پن میں کمی آئی تھی۔ میرا تجربہ تھا کہ ہوا کی یہ کیفیت دس ہزار فٹ کی بلندی کے آس پاس ہوتی ہے۔

اب ہم چھوٹے چھوٹے پتھریلے پہاڑوں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ لوگ تو شاید اس طرح سفر کرنے کے عادی تھے اور ان کے انداز میں کہیں سے بھی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن مسلسل تین گھنٹے کے سفر نے میرا اور بیتو کا برا حال کر دیا تھا۔ میں نے وحشی آنکھوں والے سے کہا۔ ''کیا تم لوگ رک نہیں سکتے ہو اس رفتار سے تو ہم چند گھنٹے میں دہلی تک پہنچ جائیں گے۔''

اس نے مخصوص سرد نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''فکر مت کرو...... کچھ دیر بعد ہم اپنے بیس پر ہوں گے اور ممکن ہے تم اس وقت پچھتاؤ کہ اتنی جلدی کیوں یہ سفر ختم ہو گیا۔''

''اگر تم ہمارے ساتھ کوئی مس بی ہیو کرنے کا سوچ رہے ہو تو یہ جینوا کنونشن کی خلاف ورزی ہو گی۔''

''جینوا کنویشن؟'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔''یہ کیا چیز ہوتی ہے؟''

''وہ ایک عالمی طاقت کا نمائندہ تھا جو جنگ میں سب جائز سمجھتی تھی اور اس کی جنگی اخلاقیات جینوا کنویشن سے نہیں بلکہ مشہور زمانہ دانشور چانکیہ کے ''سنہری اصولوں'' سے اخذ کی گئی تھیں۔ وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ بد ترین سلوک کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے تھے۔ اس کا مجھے ذاتی طور پر بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ ویسے تو ہر ملک کے سرکاری حکام کا انسانیت سے واسطہ ذرا کم ہی ہوتا ہے لیکن بھارتی سرکار کی انسانیت تو شاید شیطان کو بھی شرما دے۔ جو ملک اپنے ہی شہریوں سے بہیمانہ سلوک کرے اور پوری پوری بستیوں کو صرف اس وجہ سے نیست و نابود کر دے کیونکہ ان میں بسنے والے کم تر ذات کے لوگ تھے۔ جہاں گجرات جیسے بڑے شہر میں لوگوں کا سرکاری سرپرستی میں قتلِ عام اور لوٹ مار ہو۔ اس ملک کے کسی ادارے سے میں کس طرح توقع کر سکتا تھا کہ وہ ہم سے اچھا سلوک کرے گا۔ میں ذہنی طور پر خود کو بدترین سلوک کے لیے تیار کرنے لگا تھا۔

یہ ہمیں چینی سمجھ رہے تھے یا کم سے کم چین کے آدمی سمجھ رہے تھے اس پر بھی وحشی آنکھوں والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ اور جب ان کو پتا چلے گا کہ میں اصل میں شہباز ملک ہوں تو ان کا سلوک کچھ اور ہی ہو جائے گا۔ میں نے ان کو جو نقصان پہنچائے تھے اس کے بعد یہ میرے ساتھ دنیا کا بدترین سلوک کر کے بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔

ابھی تک انہوں نے مجھ سے یا بیتو سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ہمارا نام تک نہیں پوچھا تھا۔ انہوں نے جو بھی پوچھنا تھا وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر ہی پوچھنا تھا اور فی الحال ان کی توجہ اس بات پر تھی وہ صحیح سلامت اس جگہ سے نکل جائیں۔ میں باہر کا آدمی تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس علاقے میں ان دونوں ملکوں کے درمیان کیا کشیدگی جاری تھی لیکن وحشی آنکھوں والے اور اس کے ساتھیوں کا انداز بتا رہا تھا کہ یہاں کشیدگی بہت زیادہ تھی اور ہمہ وقت تصادم کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔

جب میں نے وحشی آنکھوں والے سے رکنے کے بارے میں پوچھا تھا اس کے بھی کوئی ایک گھنٹے بعد ہم ایک کچے راستے تک پہنچے جہاں ایک سفید ترپال سے ڈھکی ایک جیپ کھڑی تھی۔ انہوں نے اس کی ترپال اتاری اور اسے لپیٹ کر جیپ میں رکھ دیا۔ مجھے اور بیتو کو پیچھے اس کے فرش پر بٹھایا اور دو دو ہمارے دائیں بائیں سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے۔ وحشی آنکھوں والے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ فوری طور پر روانگی اختیار کرے گا لیکن اس کے بجائے اس نے ریڈیو پر کسی سے رابطہ کیا۔

''الفا ڈاگ......ٹو......الفا ڈوگ ٹو......اوور۔''

وہ کچھ دیر یہ الفاظ دھراتا رہا پھر اسے جواب ملا۔''الفا ڈوگ ٹو......ریسیو......اوور۔''

''ہمیں تین ملے ہیں ایک مارا گیا دو پاس ہیں......ہم بیس کی طرف جا رہے ہیں......اوور۔''

''آسمان صاف ہے تم آسکتے ہو اوور۔''

''اوور اینڈ آل۔''

وحشی آنکھوں والے نے کہہ کر ریڈیو بند کر دیا۔ وہ رپورٹ دے رہا تھا اور ساتھ ہی اس نے رپورٹ لی تھی۔ دوسری طرف سے اسے بتایا گیا تھا کہ آسمان صاف تھا یعنی اس علاقے میں کوئی چینی طیارہ نہیں تھا جو جیپ

کے لیے خطرے کا باعث بنتا۔ وہ لوگ سچ مچ بہت محتاط تھے۔ اصل میں اتنی بلندی پر جنگ ہمیشہ بہت مشکل اور مہنگی ہوتی ہے اس میں جانی اور مالی نقصان برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس علاقے میں استعمال ہونے والا سامان حرب بہت مہنگا ہوتا ہے اور یہاں لڑنے والے سپاہیوں کی تربیت بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی ہونے والے نقصان ہونا برداشت نہیں کر پاتا ہے۔ مجھے سیاچین میں لڑنے والے ایک کیپٹن نے بتایا تھا کہ برفانی علاقوں اور خاص طور سے بلندی پر لڑی جانے والی جنگ عام جنگ سے دس گنا زیادہ مہنگی ہوتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہ لوگ بہت محتاط تھے اور ہر قدم دیکھ بھال کر اٹھا رہے تھے۔

وحشی آنکھوں والے نے جیپ آگے بڑھا دی۔ اتنی بلندی اور منفی دس بارہ درجہ حرارت میں یہ جیپ جتنی آسانی سے اسٹارٹ ہوگئی تھی اس سے اندازہ ہوتا کہ اس کا انجن غیر معمولی نوعیت کا تھا اور خاص طور سے بلند اور سرد علاقوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ ورنہ کسی عام گاڑی کا انجن چاہے وہ کتنی اچھی حالت میں ہو اس طرح اسٹارٹ نہیں ہوتا ہے۔ میں نے اسکردو سے اوپر بلندیوں کی طرف جانے والے راستوں پر آٹھ دس ہزار فٹ کی بلندی پر ڈرائیوروں کو اپنی گاڑیوں کے انجنوں کو اسٹارٹ کرنے کے لیے کیا کیا جتن کرتے دیکھا تھا۔ وہ اسٹوو انجن کے نیچے لگا کر اسے گرم کرتے ہیں جو بہت خطرناک کام ہے۔

ابھی جیپ مشکل سے سو گز دور گئی تھی کہ اس کا ریڈیو جاگ اٹھا اور کسی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''الفا ڈوگ ٹو...... کاشن...... ایک چینی طیارے علاقے میں موجود ہے...... کاشن...... اوور۔''

''الفا ڈوگ ٹو...... میسج ریسیو...... اوور اینڈ آل۔''

وحشی آنکھوں والی نے نہایت پھرتی سے جیپ کچے راستے سے اتار کر ایک ٹیلے کے عقب میں کر دی لیکن اسے کسی قدر تاخیر ہوگئی تھی کیونکہ اسی لمحے آسمان پر ایک چھوٹا طیارہ نمودار ہوا اور اس نے جیپ کی طرف غوطہ لگایا تھا۔ جیپ کے روانہ ہوتے ہی طیارہ جس طرح نمودار ہوا تھا اس سے مجھے شبہ ہوا کہ چینیوں نے اس علاقے میں جاسوسی کا کوئی بندوبست کر رکھا تھا۔ ورنہ ابھی چند منٹ پہلے تک یہاں کوئی چینی طیارہ نہیں تھا۔ وہ اچانک کہاں سے آ گیا۔ جیپ رکتے ہی انہوں نے کھینچ کر مجھے اور بیتو کو نیچے اتارا۔ اسی لمحے میں نے طیارے کو جیپ کی سیدھ میں آتے دیکھا اور میری چھٹی حس سے نے کہا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ وحشی آنکھوں والے اور اس کے ساتھیوں نے بھی اندازہ لگا لیا تھا اور وہ جیپ سے دور ٹیلے کی آڑ میں بھاگے۔ میں نے طیارے کو راکٹ فائر کرتے دیکھا جو سنسناتے ہوئے جیپ کی طرف لپک رہے تھے۔ ظاہر ہے ان سب نے بھی دیکھ لیا تھا ہم سب سر پر پاؤں رکھ کر ٹیلے کی آڑ کی طرف بھاگے تھے۔ وہ سب بکھر گئے تھے جب کہ میں اور بیتو ایک ساتھ تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس موقع پر بھی انہوں نے ہماری طرف سے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ وہ ہم سے دور ہو گئے تھے کہ ہم میں سے کوئی موقع سے فائدہ اٹھا کر ان سے اسلحہ نہ چھین لے۔ ہم بمشکل ٹیلے کی آڑ میں ہوئے تھے کہ راکٹ آ کر ٹھیک جیپ سے ٹکرائے اور اس کے پرخچے اُڑ گئے تھے آس پاس آگ اور دھواں پھیل گیا میں اور بیتو زمین پر گرے تھے اور شاید اسی وجہ سے بچ گئے تھے۔ ہم سے آگے موجود شخص جیپ کے اڑتے ٹکڑوں کی زد میں آ گیا تھا۔ میں نے اس کی چیخ سنی تھی لیکن اس کا انجام بعد میں دیکھا تھا۔ میں اور بیتو سر زمین میں گھسانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی لمحے طیارہ گرجتا ہوا ہمارے اوپر سے گزر گیا تھا۔

یہ کوئی مخصوص جنگی طیارہ نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹا جیٹ طیارہ تھا۔ اس قسم کے طیارے تربیت یا دیکھ بھال کی پرواز کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں راکٹ اور مشین گن جیسا چھوٹا اسلحہ لگایا جا سکتا ہے۔ چھوٹے موٹے مشن کے لیے موزوں یہ طیارے لاگت اور استعمال میں سستے پڑتے ہیں اس لیے ان کا استعمال دنیا کی ہر فضائیہ کرتی ہے۔ چین کی فضائیہ کے پاس بھی ایسے طیارے تھے اور وہ اس علاقے میں ان کو استعمال کر رہی تھی۔

جب مجھے محسوس ہوا کہ جیپ کا ملبہ اُڑنا بند ہو چکا ہے تو میں نے سر اٹھایا۔ عقب میں جہاں چند لمحے پہلے جیپ تھی اب وہاں ایک ادھورے ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں کانپ اٹھا اگر ہم جیپ میں ہوتے تو ہماری تو شاید بوٹی بھی نہ ملتی لیکن یہ آغاز تھا۔ طیارہ دوبارہ پلٹ رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر پر ہونے والے حملے چینیوں کی آتش غضب بھڑکا تھی۔ اور ان کی طرف سے یہ ردِعمل بالکل جائز تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس ردِعمل کا شکار ہم بھی ہو رہے تھے اور اس طیارے کے پائلٹ کو معلوم نہیں تھا کہ ہم انڈین نہیں تھے۔

مشاق پائلٹ نے بہت مہارت سے چھوٹی سی جگہ میں طیارے کو واپس پلٹایا اور جب تک ہم کھڑے ہوتے وہ گولیاں برساتا ہماری طرف آنے لگا تھا۔ اب ہم مخالف سمت بھاگے تھے۔ تب میں نے آگے جیپ کے اڑتے پرزوں کا شکار ہونے والے بھارتی کمانڈو کو دیکھا۔ بونٹ کا ایک ٹکڑا اس کی کمر میں گھس گیا تھا اور وہ یقیناً مر چکا تھا۔ ہم طیارے کی مشین گن سے بچنے کے لیے بھاگے تو وحشی آنکھوں والا اب ہمارے آگے تھا۔ اس کے ساتھ دو اور کمانڈو تھے۔ ایک مر چکا تھا دوسرا مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب ہمیں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور میں بیتو کا ہاتھ پکڑ کر بائیں طرف مڑ گیا اس طرف چند پتھر تھے ہم ان کے پیچھے پناہ لے سکتے تھے۔

وحشی آنکھوں والے نے محسوس کر لیا کہ ہم ان سے دور ہو رہے ہیں تو اس نے مڑ کر ہم پر فائر کرنے کی کوشش کی لیکن طیارہ اتنا قریب آ گیا تھا کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامع پہناتا تو خود مارا جاتا۔ وہ آگے بھاگا جب کہ میں اور بیتو پتھروں کی آڑ میں جا لیٹے۔ اسی وقت طیارہ گولیاں برساتا گزر گیا اور میں نے اس کے انجن کی گرج اور مشین گن کی تڑتڑاہٹ میں کچھ چیخیں بھی سنی تھیں۔ طیارے نے ہمارے بجائے سفید لباس والے بھارتی کمانڈوز کو نشانہ بنایا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تین تھے اور ہم دو، اس لیے پائلٹ نے زیادہ افراد کو نشانے بنانے کی کوشش کی تھی۔ جنگ اسکور کرنے کا نام بھی ہے جو زیادہ اسکور کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔

نجانے محسوس کرتے ہی میں پتھروں کی اوٹ سے نکل کر اس طرف بھاگا جہاں میں نے کمانڈو کی لاش دیکھی تھی۔ اس سے پہلے وحشی آنکھوں والا یا اس کے ساتھی سنبھلتے میں کوئی ہتھیار حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ یہ مرو یا مر جاؤ والا مرحلہ تھا۔ اگر وحشی آنکھوں والا اور ہم طیارے کے حملے سے بچ جاتے تو وہ لازمی ہمیں مار دیتا۔ کم سے کم اس کا بہت زیادہ امکان تھا۔ میں خود کو اور بیتو کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بھارتی کمانڈو اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کی رائفل اس کے نیچے دبی تھی۔ میں اسے اٹھانے کے بجائے اس کے برابر میں گر گیا اور اس حرکت نے مجھے بچا لیا تھا عقب سے کسی نے برسٹ مارا جو میرے اوپر سے گزر گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے کمانڈو کی لاش کھینچ کر اپنے اوپر کر لی۔ دوسرا برسٹ اسے لگا تھا۔ مجھ پر وحشی آنکھوں والے نے فائرنگ کی تھی۔ مجھے اس کے دو ساتھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکیلا کھڑا تھا اور جب طیارہ اس کے اوپر سے گزر

گیا تو اس نے مجھ پر فائر کھول دیا تھا۔

طیارہ آگے جا کر ایک بار پھر پلٹ رہا تھا ابھی اس کے پاس ایمونیشن اور ایندھن تھا اس لیے وہ شکار ادھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وحشی آنکھوں والے نے بھی محسوس کر لیا کہ طیارہ پلٹ کر آ رہا ہے اور وہ ایک طرف آڑ کی سمت بھاگا۔ میں نے کمانڈو کی لاش دھکیل کر اس کی رائفل اٹھائی اور اسے لے کر دوسری سمت بھاگا جہاں بیتو بھی چھپا ہوا تھا۔ جب تک میں اور وحشی آنکھوں والا اپنی اپنی آڑ تک پہنچے طیارہ آ گیا تھا اور وہ ہمارے اوپر سے گولیاں برساتا ہوا نکل گیا لیکن ہم دونوں ہی بچ گئے تھے۔

بیتو رینگتا ہوا میرے پاس آیا اور بولا۔ ''باقی دو بھی مارے گئے صرف یہی حرامی بچا ہے۔''

''ایک اور بھی تھا۔'' میں نے کہا۔

''اس کی لاش بھی ادھر پڑی ہے میں نے دیکھی ہے۔'' بیتو مسرت سے بولا۔ ''اللہ نے ہم کو بچا لیا ورنہ یہ ہمارا بہت برا حشر کرتا۔''

''یہ باقی ہے ابھی۔'' میں نے وحشی آنکھوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم بھی کوئی گن لائے؟'' بیتو اٹھنے لگا

میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''تمہارا دماغ درست ہے وہ گھات لگائے بیٹھا ہے ہم میں سے جو سامنے آیا اسے شوٹ کر دے گا۔''

وحشی آنکھوں والا دوسری طرف موجود تھا کیونکہ ایک بار اس نے فائر بھی کیا تھا۔ بیتو رک گیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم طیارے پر نظر رکھو۔''

میری نظریں اس چٹان پر مرکوز تھیں جس کے پیچھے دشمن تھا۔ طیارے کی آواز پہلے دور گئی اور پھر معدوم ہو گئی۔ بیتو نے مطلع کیا۔ ''طیارہ چلا گیا جناب۔''

شاید طیارے کا ایندھن یا ایمونیشن ختم ہو گیا تھا اس لیے اس نے واپسی کی راہ اختیار کی۔ اب اس ویرانے میں صرف ہم تین بچے تھے۔ دشمن اکیلا تھا لیکن اسے یہ فائدہ تھا کہ وہ اپنی سرزمین پر تھا اور یہاں جو مدد آتی اس کے لیے آتی اور ہم مارے جاتے یا پکڑ لیے جاتے اور اس صورت میں بھی مارے جاتے۔ اس سے پہلے کہ یہاں مزید بھارتی سپاہ آتی ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''بس بھی یہی کہنے والا تھا۔''

میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں ہم تھے۔ یہ ایک چھوٹے ٹیلے کے ساتھ چند چٹانیں تھیں اور ہم ان کی آڑ سے نکلتے تو فوراً دشمن کی زد میں آ جاتے۔ چاہے دائیں طرف سے نکلتے یا بائیں طرف سے۔ محفوظ طریقے سے نکلنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم ٹیلے پر بھی نہیں چڑھ سکتے تھے کہ اس طرح بھی اس کی نظر میں آ جاتے۔ جب کہ وہ بڑی چٹان کی آڑ میں محفوظ بھی تھا اور اسے وہاں سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر اس کے ساتھی آ جائیں گے اور ہم پکڑے جائیں گے۔ ہمارے خلاف کچھ کرنے کے لیے اسے اپنی پناہ گاہ سے نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مورچہ اور رائفل کی نال اس طرف جمائے بیٹھا تھا۔ میں نے

اس کا ردِعمل جاننے کے لیے ایک پتھر جو سر کے سائز کا تھا اٹھا کر ذرا سا اوپر کیا اور فوراً ایک گولی آ کر اس سے ٹکرائی اور جھٹکے سے پتھر میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ میں نے ہاتھ جھٹک کر ایک کلاسیکل پنجابی گالی دی۔

''حرامی کا نشانہ بہت اچھا ہے۔''

بیتو تشویش زدہ ہو گیا تھا اس نے کہا۔''شوبی بھائی اگر ہم اسی طرح بیٹھا رہا تو اس کا بھائی لوگ آ جائے گا اور ہم مارا جائے گا۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تم نے اس کا نشانہ دیکھ لیا ہے ادھر ہم آڑ سے نکلے اور ادھر مارے جائیں گے۔''

بیتو نے وہ پتھر اٹھایا جس پر گولی لگی تھی اور سر ہلایا۔''اگر آڑ سے نکلا تو واقعی مارا جائے گا۔''

''اس لیے صبر سے بیٹھو اور انتظار کرو۔'' میں نے کہا اور چٹان سے ٹیک لگا لی۔ اس کی جھریوں سے وہ بڑی چٹان نظر آ رہی تھی جس کے پیچھے وحشی آنکھوں والا چھپا تھا۔ شام ہونے والی تھی لیکن ابھی مکمل اندھیرا ہونے میں کم سے کم دو گھنٹے کا وقت تھا اور میرا اندازہ تھا کہ بھارتی امدادی دستہ رات ہونے سے پہلے آ جاتا یعنی ہمارے پھنسنے کا امکان بہت زیادہ تھا۔ اگر ہم اس سے پہلے کچھ نہیں کر پاتے تو مارے جاتے۔ میں نے اس سے بات کرنے کا سوچا اور بولا۔

''تم میری آواز سن رہے ہو؟'' میں نے احتیاطاً انگریزی زبان میں ہی کہا تھا۔ اب تک میری اور بیتو کی جتنی گفتگو ہوئی تھی وہ سب تقریباً سرگوشیوں میں تھی اور اس کا امکان نہیں تھا کہ سو فٹ دور بیٹھا دشمن ہماری بات سن سکے گا۔

''ہاں سن رہا ہوں۔'' اس نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنی اپنی راہ لیں اور ایک دوسرے کی جان لینے کی کوشش ترک کر دیں۔''

''مجھے یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔''کچھ دیر میں میرے لوگ آ جائیں گے۔''

''لیکن فرض کرو وہ اندھیرا ہونے تک نہ آ سکے تو کیا تم ہمیں روک سکو گے۔''

''اس خیال میں مت رہنا کہ تم اندھیرا ہونے پر فرار ہو جاؤ گے میرے پاس نائٹ ویژن گاگلز ہیں اور میں گھپ اندھیرے میں بھی تم کو اسی طرح شکار کر سکتا ہوں جیسے دن کی روشنی میں۔''

''لعنت ہو اس پر۔'' میں نے زیرِ لب کہا۔

وہ کچھ دیر بعد بولا۔''اگر تم ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ تو تمہارے ساتھ رعایت ہو سکتی ہے۔''

''کیسی رعایت؟''

''میں تمہیں شوٹ نہیں کروں گا حالانکہ اس حملے میں میرے چار ساتھی مارے گئے ہیں۔''

''میں کسی انڈین کی بات پر اعتبار نہیں کر سکتا ہوں۔'' میں نے انکار کر دیا۔

''مت کرو لیکن کچھ دیر بعد تم ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور اگر اس وقت انکار کیا تو کتے کی موت مرو گے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کا ہاتھ اوپر ہے اور وہ ہماری بات ماننے کے لیے

مجبور نہیں ہے۔ جب کہ ہم اس جگہ پھنس گئے تھے۔ ہم واقعی پھنس گئے تھے میں نے آہستہ سے بیتو سے کہا۔
''ہم رات ہونے پر یہاں سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ اس کے پاس رات میں دیکھنے والی عینک ہے۔''
بیتو کے لیے اس قسم کی چیزیں عجوبہ نہیں رہی تھیں ہمارے ساتھ رہ کر اس نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی آپ ہم کو ایک کوشش کرنے دو۔'' اگر ہم ادھر سے نکل گیا تو اس کا توجہ بٹ جائے گا۔''
''نہیں ایسی کوئی کوشش بہت خطرناک ہو سکتی ہے اس میں جان جانے کا امکان زیادہ ہے۔ کچھ اور سوچو۔''
''بس تو ہمارے لیے یہ پتھر رہ جاتا ہے جب بھارتی فوج آئے گا تو ہم ان سے لڑے گا۔''
اس نے آس پاس بکھرے پتھروں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی بات نے مجھے چونکا دیا۔ یہ پتھر بھی ہمارے کام آ سکتے تھے۔ میں نے ایک درمیانے آلو کے سائز کا پتھر اٹھایا اس کا وزن کوئی آدھ کلوگرام تو تھا اور میں نے اسے تول کر پھینکا۔ بیتو نے دریافت کیا۔ ''شوبی بھائی یہ کیا کرتا ہے کیا وقت گزاری کرتا ہے۔''
''اس وقت زندگی اور موت کا مسئلہ ہے میں وقت گزاری کیسے کر سکتا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے جلدی سے معذرت کی۔
''سوری شوبی بھائی ہم مذاق کر رہا ہے۔''
''کوئی بات نہیں تمہاری بات سے مجھے خیال آیا کہ ہم ان پتھروں سے کام لے سکتے ہیں۔''
''وہ کیسے؟'' اس نے پوچھا۔
''بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایک پتھر اٹھا کر اسے دشمن کے مورچے کی طرف اچھال دیا۔ پتھر کہیں دور گرا تھا لیکن بیتو میرا مقصد سمجھ گیا اس نے پُر جوش لہجے میں کہا۔
''واہ شوبی بھائی کیا ترکیب سوچی ہے۔''
''یہ ترکیب تمہاری بات سے ذہن میں آئی ہے۔'' میں نے پتھر اٹھایا۔ ''ہم بیک وقت اس کے مورچے پر پتھر پھینکیں گے۔ اگر اسے پتھر لگے تو وہ بدحواس ہو کر شاید باہر نکلنے کی کرے یا ہمیں موقع مل جائے۔''
''ٹھیک ہے لیکن پہلے ہم پتھر جمع کرے گا۔'' بیتو نے کہا اور آس پاس سے اس سائز کے پتھر جمع کرنے لگا جنہیں ہم آسانی سے سو فٹ دور تک پھینک سکیں جو کام گولی نہیں کر سکتی تھی یہ پتھر آسانی سے کر سکتے تھے۔ ذرا سی دیر میں بیتو نے درجنوں پتھر جمع کر لیے اور میں چٹان کی طرف رائفل کیے بیٹھا رہا مجھے خطرہ تھا کہ بیتو کہیں سے نظر آ گیا تو وہ اس پر گولی چلا دے گا لیکن بیتو نے خود بھی اس بات کا خیال رکھا تھا۔ وہ آڑ میں رہتے ہوئے پتھر جمع کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔
''ہمیں تیزی سے یکے بعد دیگرے پتھر پھینکنے ہیں تاکہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔'' میں نے کچھ پتھر اپنے پاس کر لیے اور کچھ بیتو کے پاس رہنے دیئے ہم الگ الگ زاویے سے پتھر پھینکتے تو اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ پتھر اسے جا لگے۔ نصف سیر وزنی پتھر سو فٹ کی دوری تک خاصا رفتار سے جا سکتا تھا اور کسی کو اس سے اچھی خاصی چوٹ آنے کا امکان تھا میں نے ایک دو تین کہہ کر پہلا پتھر پھینکا اور پھر بیتو نے پھینکا۔ اس کے بعد ہم

مشین کی طرف پتھر پھینکنے لگے اور ہر ایک سیکنڈ میں ایک پتھر دشمن کے مورچے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے غالباً ہماری طرف سے کسی ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ بے فکری سے بیٹھا ہوا تھا۔ اسی بے فکری میں وہ نشانہ بن گیا کوئی چوتھا یا پانچواں پتھر جا کر اسے لگا تھا۔ اس نے چیخ کر گالی دی۔ اس سے ہمیں زیادہ بہتر طور پر اندازہ ہو گیا کہ وہ کہاں ہے۔ کوئی نصف درجن پتھر فی کس پھینکنے کے بعد ہم نے یہ سلسلہ روک دیا۔ وحشی آنکھوں والا چیخ کر بولا۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟''

''تمہیں سنگسار کر رہے ہیں۔'' میں نے لطف لینے کے انداز میں کہا۔ ''تم چاہو تو اسے ایکسرسائز بھی سمجھ سکتے ہو۔''

اس نے طیش میں آ کر ہماری طرف ایک برسٹ مارا لیکن ہم آڑ میں محفوظ تھے۔ وہ کچھ دیر تک گالیاں دیتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔ دس منٹ تک ستانے کے بعد ہم نے دوبارہ سنگ باری شروع کی۔ بیتو نے اس دوران میں مزید پتھر جمع کر لیے تھے۔ اس بار ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ اس کی چیخ نہیں سنائی دی تھی۔ اس نے یا تو جگہ بدل لی تھی یا پھر پتھر کھا کر ہمیں دل ہی دل میں سنانے اکتفا کیا تھا۔ وہ جس چٹان کی آڑ میں اس کے پیچھے خاصی گنجائش تھی لیکن وہ اس کے بالکل پیچھے چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں وہ ہماری نگرانی کیسے کرتا اور پتھروں سے بچنے کے لیے اسے مکمل آڑ میں جانا پڑتا ہو گا۔ میرے ذہن میں ایک پلان تشکیل پانے لگا۔

''سنو میرا اندازہ ہے کہ یہ سنگ باری شروع ہوتے ہی چٹان کے بالکل پیچھے چلا جاتا ہو گا اور اس وقت ہم میں سے کوئی اس ٹیلے کے پیچھے جا سکتا ہے۔'' میں نے اپنے عقب میں موجود ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔

''اور اگر وہ اس کے باوجود آڑ میں نہیں جاتا تو؟''

بیتو کے اس خدشے کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا میں چاہتا تھا کہ ٹیلے کے عقب میں جا کر اس کے اوپر چڑھ کر وحشی آنکھوں والے کو نشانہ بنانے کی کوشش کروں وہاں سے مجھے بہتر زاویہ مل سکتا تھا اور بلندی پر ہونے کی وجہ سے میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ ''یہ خطرہ تو مول لینا ہو گا۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم جائے گا۔'' اس نے سر ہلایا۔

''تم نہیں جاؤ گے میں جاؤں گا اور ٹیلے کے پیچھے سے چڑھ کر اسے نشانہ بنانے کی کوشش کروں گا۔''

''یہ کام تو ہم بھی کر سکتا ہے۔''

''نہیں تمہارا نشانہ اتنا اچھا نہیں ہے اس لیے مجھے ہی جانا ہو گا۔'' میں نے کہا اور اپنی جیکٹ اتارنے لگا۔ یہاں اگرچہ سردی کم نہیں تھی لیکن اوپر کے مقابلے میں خاصی کم ہو گئی تھی اس لیے میں کچھ دیر کے لیے اس کے بغیر بھی گزارا کر سکتا تھا لیکن پتھروں کی آڑ سے نکل کر ٹیلے کے پیچھے جانے سے پہلے میں نے وحشی آنکھوں والے پر کئی بار سنگ زنی کا فیصلہ کیا تاکہ اس کا ذہن کسی اور طرف نہ جائے اور اسے ایک دو پتھر اور لگ جائیں تو وہ مزید بدحواس ہو کر قوت فیصلہ کھو دے۔

اب ہم پانچ پانچ منٹ کے وقفے سے اس پر پتھر برسا رہے تھے ایک بار مجھے اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی۔ اب میں نے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلی بار صرف بیتو نے پتھر برسانے تھے اور اسے یہ کام اتنی تیزی سے کرنا تھا

کہ دشمن محسوس نہ کر سکے کہ پتھر برسانے والا ایک ہی ہے۔ میں نے کسی اسپرنٹر کی طرف شست لی اور جیسے ہی بیتو نے پتھر برسانا شروع کیے میں چند لمحے کے وقفے سے اٹھ کر بھاگا۔ ابھی میں چند قدم دور گیا تھا کہ ایک فائر ہوا۔ گولی میرے اوپر سے گزر گئی۔ میں اب بھاگتے ہوئے لہرا بھی رہا تھا۔ ٹیلے کے پاس پہنچتے ہوئے میں زمین پر گرا اور لڑھکتے ہوئے اس کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ اس وقت دشمن نے برسٹ مارا اسے رائفل کو برسٹ موڈ پر لانے میں چند لمحے کی دیر لگی تھی اور یہی تاخیر میری زندگی کی وجہ بن گئی۔ اگر اس کی رائفل شروع سے برسٹ موڈ پر ہوتی تو میرا بچنا محال تھا۔

''شوبی بھائی......'' بیتو چلایا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اپنی جگہ سے مت نکلنا۔''

مجھے ڈر تھا کہ بیتو یہ سوچ کر مجھے گولی لگ گئی ہے کہیں پتھروں کی آڑ سے نہ نکل آئے۔ میں نے اٹھ کر ٹیلے کی آڑ سے وحشی آنکھوں والے کے مورچے پر لگاتار کئی گولیاں چلائیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ وہاں سے نکل کر پتھروں کی طرف آنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اسے معلوم تھا ہمارے پاس ایک رائفل ہے اور دوسرا آدمی نہتا ہے لیکن وہ اتنا بہادر نہیں تھا کہ اپنی جان کی بازی لگا کر مورچے سے باہر آتا۔ اس نے نزلے زدہ آواز میں کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو اس ٹیلے کے پیچھے جانے سے تم بچ جاؤ گے۔''

میں نے جواب دینے کے بجائے ٹیلے کی بلندی کا جائزہ لیا وہ کوئی پچاس فٹ اونچا تھا اور اس طرف سے اس پر چڑھنا خاصا دشوار کام تھا۔ اس میں وقت لگتا اور اگر اسے کسی طرح اندازہ ہو جاتا کہ میں ٹیلے پر چڑھ رہا ہوں تو وہ اپنے مورچے سے نکل کر بیتو کو شوٹ کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ٹیلے پر چڑھنے کے دوران میں، میں بیتو کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجھے جو کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ میں نے ذرا پیچھے ہٹ کر جائزہ لیا۔ راستہ ایسا تھا کہ مجھے اوپر تک پہنچنے میں کم سے کم دو سے تین منٹ لگ جاتے اور یہ وقت خاصا تھا۔ میں نے آڑ کے پاس آ کر بیتو کو آہستہ سے آواز دی۔

''جی شوبی بھائی۔'' اس نے بھی آہستہ سے کہا۔

''سنو تم اس پر نظر رکھو اور اگر وہ ٹیلے کی آڑ سے نکلے تو مجھے فوراً خبردار کرنا میں اس کے اوپر جا رہا ہوں۔''

''آپ فکر مت کرو ہم آپ کو بتا دے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور اگر وہ مورچے سے نکلے تو مجھے خبردار کرنے کے ساتھ تم اس پر پتھر بھی پھینکنا اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔''

''آپ فکر مت کرو۔'' اس نے پھر کہا۔

لیکن میری تسلی نہیں ہو رہی تھی اور مجھے اس وقت لگا تھا کہ میں بہت بڑا رسک لے رہا ہوں۔ بیتو کی جان کے رسک پر اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر رہا تھا اور اگر اس کوشش میں بیتو کو کچھ ہو جاتا تو میں یہ بازی جیت کر بھی ہار جاتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ یہ خطرہ مول لوں یا نہ لوں۔ میں نے ٹیلے کی اوٹ سے وحشی آنکھوں والے کے مورچے کی طرف دیکھا۔ اس وقت میں اس کے ذہن سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ صرف ایک نہتے دشمن کو ختم کرنے کے لیے اپنے مورچے سے نکلنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

ایک طرف میرا ذہن کہہ رہا تھا کہ وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا جب کہ اسے کچھ دیر میں اپنے ساتھیوں کے آنے کا یقین تھا تو اس صورت میں اسے جان کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کا مسلح دشمن موجود ہوگا اور اس کا بات کا پورا امکان ہوگا کہ وہ اسے شوٹ کر دے لیکن دوسری طرف دل کہہ رہا تھا کہ اس کا چھوٹا سا بہت معمولی سا امکان موجود ہے کہ وہ میرے ٹیلے پر چڑھنے کے دوران اپنے مورچے سے باہر نکل کر بیتو کو مارنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس میں بیتو کے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ وہ نہ تو چھپ سکتا تھا اور نہ بھاگ سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا اور سوچے جا رہا تھا لیکن کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اور مجھے فیصلہ کرنا ہی تھا۔

آخر میں نے فیصلہ کر لیا مجھے اوپر جانا تھا۔ ٹیلے پر پتھر تھے اور میں چڑھتا تو یہ لازمی گرتے ان کی آواز سے وحشی آنکھوں والا جان جاتا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور اس وقت وہ اپنے مورچے سے نکل آتا اور ایسا ہی ہوا جیسے ہی پتھر گرنے کی آواز آئی وہ اپنے مورچے سے نکل کر ان پتھروں کی طرف لپکا جہاں بیتو چھپا ہوا تھا۔ میں بہت تیزی سے حرکت میں آیا تھا۔ پھر فضا میں ایک فائر کی آواز گونجی جو ایک چیخ کے ساتھ مدغم ہوگئی۔



فائر کی آواز کے ساتھ ہی وحشی آنکھوں والا رک گیا تھا۔ وہ اپنے ٹیلے اوران پتھروں کے بالکل درمیان میں تھا جن کے پیچھے بیتو چھپا تھا۔ پتھر گرنے کی آواز سنتے ہی وہ ٹیلے کے عقب سے نکل کر لپکا تھا اور میں نے جب فائر کیا تو وہ منجمد ہو گیا اس نے بے ساختہ چٹان کے اوپر دیکھا لیکن میں رائفل تانے چٹان کے کنارے موجود تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں یہاں ملوں گا۔ اس کی رائفل کا رخ نیچے تھا اور وہ جتنی دیر میں رائفل اوپر کرتا میں اسے شوٹ کر چکا ہوتا۔

''بیتو اپنی جگہ رہو۔'' میں نے پلک جھپکائے بنا کہا۔ ''اور تم رائفل پھینک دو۔''

اس نے ہاتھ نیچے کرلیا تھا۔ ''تا کہ تم مجھے شوٹ کر دو۔''

''اگر مجھے شوٹ کرنا ہوتا تو میں پہلی گولی میں تمہارا سر اڑا دیتا۔'' میں نے کہا۔ ''وہ وارننگ شاٹ تھا۔''

وہ وقت گزاری کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''تم نے مجھے دھوکا دیا میں سمجھا تم چٹان پر چڑھ رہے ہو۔''

''جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں تین تک گنوں گا اور اس کے بعد تمہیں شوٹ کر دوں گا......ایک......دو۔''

اس نے تین کہنے سے پہلے رائفل پھینک دی اور ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''لو پھینک دی۔''

''اسی طرح سر پر ہاتھ رکھے اوندھے منہ لیٹ جاؤ۔''

اس نے میرے اس حکم کی تعمیل بھی کی تھی۔ اب میں نے بیتو کو باہر آنے اور اس کی تلاشی لینے کو کہا۔ بیتو نے اس کی جامہ تلاشی لے کر ایک پستول اور ایک خنجر برآمد کر لیا۔ بیتو نے پستول اور رائفل اپنے قبضے میں لے لی تھی اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''اسلحے کا اتنا عادت ہو گیا ہے کہ اب کچھ نہ ہو تو لگتا ہے کپڑا نہیں پہنا ہے۔''

''اب تمہاری ستر پوشی ہو گئی۔''

وحشی آنکھوں والا نیچے لیٹا تھا۔ اس نے سر گھما کر کہا۔ ''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''تم مجھے رنجیت کہہ سکتے ہو۔''

''او کے راجا رنجیت سنگھ اب تم پیدائشی حالت میں آجاؤ۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''میں کہہ رہا ہوں کھڑے ہو کر اپنے سارے کپڑے اتار دو۔''

وہ کھڑا ہو گیا لیکن کپڑے نہیں اتارے۔''اس موسم میں......''

''صرف دو منٹ کے لیے اور اتنی دیر میں تم مرو گے۔''میں نے اس کی بات کاٹی۔ وہ اتنی آسانی سے کپڑے اتارنے پر تیار نہیں ہوا تھا۔ بیتو نے اسے راضی کرنے کے لیے آزمودہ نسخہ آزمایا اور ایک پتھر اٹھا کر اسے دے مارا۔ وہ بلبلا گیا تھا۔ یہ کام ہم پہلے بھی کر چکے تھے اور اسی وجہ سے وہ قابو میں آیا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''جینوا کنونیشن کی خلاف ورزی جس کے بارے میں تم جانتے ہی نہیں ہو۔''میں نے ہنس کر کہا اور بیتو نے دوسرا پتھر مارا۔ وہ بچنے کی کوشش میں نیچے گرا تھا۔''اگر تم نے کپڑے نہیں اتارے تو اسی طرح پتھر کھاتے رہو گے۔''

''او کے......او کے۔''اس نے ہاتھ اٹھایا اور پھر کپڑے اتارنے لگا اس نے جیکٹ اور گرم پتلون اتاری اس کے نیچے اس نے گرم اونی جرسی اور لیکن پہن رکھا تھا وہ بھی اتارا تو اس کے نیچے سوتی لیکن اور سوتی ٹی شرٹ تھی۔ مجھے اس کے پیٹ پر ابھار نظر آ گیا اور یہ ایک چپٹا سا خنجر ثابت ہوا تھا۔ مجھے کسی ایسے ہتھیار کی تلاش تھی۔ ایک تربیت کمانڈو کے پاس ایسے ہتھیار لازمی ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ وہ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں بہ نسبت آتشیں ہتھیاروں کے۔ میں نے اشارہ کیا۔

''لاؤ یہ مجھے دے دو۔''

اس نے بادلِ ناخواستہ یہ خنجر بھی نکال کر مجھے دیا۔ یہ سرامک کے مضبوط گرفت والے دستے کا اور کوئی چھ انچ کے پھل کا بہت ہی مہلک خنجر تھا اور اس نے پیٹ پر اسے ایک باقاعدہ نیام میں رکھا تھا میں نے اس سے وہ نیام بھی اتروالی۔ خنجر مجھے پسند آ گیا تھا میں نے اس کی نیام اپنے پیٹ پر باندھ کر خنجر اس میں رکھ لیا۔ بیتو نے اس کے کپڑوں کی تلاشی لے کر اسے کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ اب اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''اب اس کا کیا کرنا ہے؟''

بیتو کے اس سوال پر میں نے کہا۔''یہ اس پر منحصر ہے اگر اس نے تعاون کیا تو ٹھیک ہے ورنہ اسے بھی پرلوک بھیج دیتے ہیں۔''

رنجیت ساکت کھڑا تھا اس نے کہا۔''میں اپنے دیش کے خلاف تم سے کوئی کوآپریٹ نہیں کروں گا۔''

''ہمیں تمہارے دیش سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ ہمیں اس جگہ سے جانا ہے۔''

اس نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔''سرحد زیادہ دور نہیں ہے بس تمہیں پیدل دو تین گھنٹے تک چلنا پڑے گا۔''

''ہمیں اس طرف نہیں بلکہ کشمیر کی طرف جانا ہے۔''میں نے نفی میں سر ہلایا تو اس کا منہ کھل گیا۔

''اس طرف......لیکن کیوں؟''

''تم سوال نہیں کر سکتے۔'' میں نے کھردرے انداز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کشمیر تک پہنچانے کے لیے کیا کر سکتے ہو۔''

''میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔'' اس نے انکار کر دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بیتو سے پستول لیا۔ ''تب تم بے کار ہو۔''

میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا تھا کہ اس نے ہاتھ اٹھایا۔ ''میری بات سنو...... یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ ہے یہاں سے کشمیر تک کتنی سخت چیکنگ سے گزرنا پڑے گا۔''

''اس صورت میں تو تم مزید بے کار ہو ہمیں خود کچھ کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا اور پستول کو لوڈ کیا۔

رنجیت کو موت سامنے نظر آئی تو اس کا سارا کمانڈو پن ہوا ہو گیا تھا اور وہ جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''ایک کام ہو سکتا ہے۔ یہاں سے کچھ دور ایک ہیلی پیڈ ہے۔ وہاں ہر وقت ایک ہیلی کاپٹر موجود ہوتا ہے۔''

''اسے اُڑائے گا کون ہم میں سے کسی کو کاپٹر اُڑانا نہیں آتا ہے۔''

''وہ تو مجھے بھی نہیں آتا ہے لیکن وہاں پر پائلٹ ہوتا ہے۔''

اس معرکے کے دوران میں سوچتا رہا تھا اور مجھے خیال آیا کہ ہمیں چین کی طرف واپس جانے کے بجائے یہاں سے پاکستان جانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ چین میں کوئی یقینی صورتِ حال نہیں تھی اور ہمیں وہاں سزا بھی ہو سکتی تھی۔ یہاں سے کشمیر کی سرحد یعنی نام نہاد کنٹرول لائن تک کا سفر بہت زیادہ دشوار اور خطروں سے بھرا ہوا تھا لیکن خطرات ہمارے لیے کوئی نئے نہیں تھے۔ اس پورے سفر کے دوران میں اور میرے ساتھی خطروں سے ہی کھیلتے رہے تھے۔ یہ خدائے بزرگ و برتر کی ہم پر مہربانی تھی کہ اس نے ہمیں محفوظ رکھا اور سوائے میرے اور بیتو کے باقی سب یہاں سے نکل جانے میں کامیاب رہے تھے۔ اگر ہم کوشش کرتے اور ہماری قسمت میں وطن کی سرزمین تک پہنچ جانا لکھا ہوتا تو ہمیں پوری بھارتی فوج مل کر بھی نہیں روک سکتی تھی۔ چین نہ جانے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ چینی حکام اگر ہمیں معاف کر بھی دیتے تو بھی وہ ہمیں پاکستان کے حوالے ہی کرتے اور ہم سیدھا پولیس کی تحویل میں پہنچ جاتے جو مرشد جیسے لوگوں کی مرید تھی۔ میں نے اپنے اس تبدیل شدہ منصوبے کے بارے میں بیتو سے بھی نہیں پوچھا ایک تو اس کا موقع نہیں تھا دوسرے مجھے پورا بھروسہ تھا کہ اگر میں دہکتے آتش فشاں میں چھلانگ لگانے کا فیصلہ کروں تو بیتو بلا جھجک میرا ساتھ دے گا۔

سوچتے ہوئے میں چونکا اور میں نے رنجیت سے کہا۔ ''بریف کیس کہاں ہے؟''

اس نے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے پیچھے پڑا ہے۔''

بیتو جا کر بریف کیس اٹھا لایا۔ اس مارا ماری میں اسے نقصان نہیں ہوا تھا بس گرنے کی وجہ سے اس پر خراشیں آ گئی تھیں۔ وہ اہم چیز تھا اور اس کا سائز زیادہ نہیں تھا مشکل سے بارہ بائی آٹھ انچ لمبا چوڑا اور دو انچ موٹا بریف کیس تھا میں نے اس کی زنجیر فائر کر کے توڑ دی اور اسے جیکٹ کھول کر سینے پر رکھ کر زپ بند کر لی۔ اب یہ محفوظ تھا اور نقل و حرکت میں بھی کسی دشواری کا باعث نہیں بنتا۔ میں رنجیت کی طرف متوجہ ہوا۔ ''ہیلی پیڈ یہاں سے کتنا دور ہے؟''

''اس نے سوچا اور بولا۔ ''دو گھنٹے تک چلنا پڑے گا۔''

''وہاں کتنے لوگ ہوتے ہیں؟''

''ایک وقت میں چھ ہوتے ہیں وہی ہمارا بیس ہے۔ ہماری ٹیم بھی وہیں ہوتی ہے۔ جب کسی بھی مشن پر وہیں سے نکلتے ہیں اور وہیں واپس جاتے ہیں۔''

میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں اس طرح رنگ برنگ کپڑوں کے بجائے بھارتی فوج کی سفید وردی میں سفر کرنا چاہیے ایک تو ہم اس میں نظر نہیں آتے اور دوسرے موقع پڑنے پر ہم انڈین ہونے کا تاثر دے سکتے تھے۔ مارے جانے والے دو بھارتی کمانڈوز کی لاشوں کے ساتھ ان کے کپڑوں کا بھی حشر ہو گیا تھا لیکن دو جو گولیوں کا نشانہ بنے تھے ان کے لباس کسی قدر قابل استعمال تھے۔ سخت سردی کی وجہ سے خون بہت کم نکلا تھا اور فوری موت ہونے کی وجہ سے بھی خون باہر کے لباس تک نہیں آ پایا تھا۔

بیتو کو رنجیت کے سر پر کھڑا کر کے میں نے مرنے والے کمانڈوز کا لباس اتارا۔ ایک کی جیکٹ پر خون لگا تھا اسے برف پر رگڑ رگڑ کر کسی قدر صاف کر دیا۔ دوسرے کے لباس پر معمولی سا خون تھا کیونکہ گولی نے اس کا سر کھول دیا تھا اور خون کے چھینٹے اُڑ کر لباس پر آئے تھے۔ مجھے ان کے سامنے والے لباس، جوتوں، گلوز اور ٹوپے کی ضرورت تھی۔ جس کا سر اُڑ گیا تھا اس کا ٹوپا بھی بے کار ہو گیا تھا۔ البتہ ایک اور کمانڈو کا ٹوپا استعمال کے قابل تھا۔

سائز میں فرق تھا لیکن مجبوری تھی میں نے اور بیتو نے جیسے تیسے یہ لباس پہن لیا جو مجھے کچھ چھوٹا اور بیتو کو کچھ بڑا تھا۔ ٹوپے، گلوز اور جوتے پہن کر ہم مکمل طور پر بھارتی کمانڈو لگنے لگے تھے اور ہماری صورتیں تو اس خطے والی تھیں۔ سن گلاس تھے لیکن ان کے پاس کوئی نائٹ ویژن نہیں تھا وہ صرف رنجیت کے پاس تھا جو میں نے اپنے قبضے لے لیا تھا۔ سورج تقریباً غروب ہو گیا تھا اور کچھ دیر میں اندھیرا ہونے والا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ اب تک امدادی بھارتی دستہ نہیں آیا تھا لیکن اس کا آنا یقینی تھا۔ ہمارے پاس دو راستے تھے ایک تو یہ کہ آنے والوں سے بچ کر نکل جائیں لیکن یہ کام بہت مشکل تھا اس طرف آنے کا راستہ ایک ہی تھا اور وہ راستے میں ہمیں لازمی ٹکراتے۔ دوسرا طریقہ یہ ہوتا کہ ہم ان کا سامنا کرتے اور پھر جو ہوتا دیکھا جاتا۔ میں نے دوسرا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور بیتو کو ایک طرف لے جا کر اس سے اس بارے میں پوچھا۔ وہ پُر جوش ہو گیا۔

''شوبی بھائی اب مزہ آئے گا۔''

''بس تو شکار کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اور واپس رنجیت کے پاس آیا۔ وہ گھٹنوں کے بل ہاتھ سر پر رکھ کر بیٹھا تھا اور میں نے بے خبری میں اس کے سر پر وار کیا۔ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ لڑھک گیا تھا اس کے سر پر ٹوپی کی وجہ سے میں نے زیادہ طاقت سے وار کیا تھا۔ اس کی نبض ہلکی لیکن مستقل رفتار سے چل رہی تھی وہ کم سے کم دو گھنٹے کے لیے دنیا سے غافل ہو گیا تھا۔ میں نے اسے لاشوں کے درمیان اسے اس طرح لٹا دیا کہ وہ خود بھی لاش نظر آنے لگا تھا۔ اس دوران میں بیتو ٹیلے پر چڑھ کر جنوب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے اوپر سے دبی آواز میں کہا۔

''ایک چھوٹا سا ٹرک اس طرف آ رہا ہے۔''

میں واپس بھاگا اور دوسری رائفل اور اس کا ایمونیشن لے کر اس چٹان پر چڑھ گیا پہلے جس پر چڑھنے کا

میں نے رنجیت کو دھوکا دیا تھا۔ یہ کوئی پچیس تیس گز بلند تھی اور اس کے اوپر سے آس پاس کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ بیتو کے پاس تین رائفلیں اور ان کا فالتو ایمونیشن تھا۔ ان کمانڈوز کے پاس کوئی گرینیڈ نہیں تھا لیکن یہاں گرینیڈ کا کام بھی نہیں تھا۔ جب میں اوپر چڑھا اور لیٹ کر دیکھا تو ٹرک مجھے ایک موڑ سے آگے آتا نظر آیا۔ یہ چھوٹا فوجی ٹرک تھا جس کا پچھلا حصہ ترپال سے بند کیا گیا تھا۔ آگے دو افراد بیٹھے تھے۔ ٹرک تباہ شدہ جیپ سے کوئی پچاس گز دور رک گیا اور آگے بیٹھے دونوں افراد میں سے ایک اتر آیا اور اس نے چلا کر گالی دی۔

''اترو...... ماں کے......'

ماں کے...... سارے اتر آئے اور ان کی تعداد ایک درجن تھی۔ یہ کمانڈوز نہیں تھے بلکہ عام سپاہی تھے البتہ وردی انہوں نے بھی گرم ہی پہنی تھی جس کا رنگ سرمئی تھا اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹی خود کار رائفلیں تھیں۔ افسر نے ان کو چاروں طرف پھیل کر دیکھنے کو کہا۔ وہ خود جیپ کی طرف آیا تھا۔ اس نے تباہ شدہ جیپ کا معائنہ کیا اور پھر وہاں بکھری لاشوں کو دیکھا۔ اس نے فوراً نوٹ کر لیا کہ ان میں ''قیدیوں'' کی لاشیں نہیں تھیں اور دو کمانڈوز بنا وردی کے تھے۔ اس نے چلا کر کہا۔

''ہوشیار یہاں دشمن موجود ہے۔''

اس دوران میں، مَیں رائفل کو سنگل موڈ پر لا کر ٹرک میں بیٹھے ڈرائیور کا نشانہ لے رہا تھا اس کی بات سنتے ہی میں نے گولی چلا دی۔ کوئی ستر گز کی دوری پر بھی نشانہ ٹھیک بیٹھا تھا اور میں نے ڈرائیور کو سیٹ سے اچھل کر ڈھیر ہوتے دیکھا۔ ونڈ اسکرین میں سوراخ ہو گیا تھا۔ فائر کی آواز گونجی تو آس پاس پھیلے سپاہیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ میں نے دوسرا نشانہ افسر کو بنایا جو جنگ سے زیادہ گالیاں دینے کا ماہر لگ رہا تھا اور اس وقت بھی گالیاں دینے میں مصروف تھا۔ گولی اس کی گردن میں اتر گئی اور اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔ مرنے سے پہلے وہ اپنی گردن سے نکلتے خون کے فوارے کو بند کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فائرنگ کی آواز سنتے ہی بیتو نے بھی فائر کھول دیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف سے چیخیں سنائی دی تھیں۔ بیتو کا نشانہ بھی خالی نہیں گیا تھا۔ ٹیلے اور چٹان کے درمیان میں تین سپاہی آ گئے تھے۔ انہیں میں اور بیتو نظر نہیں آئے تھے اور ویسے بھی تاریکی چھا رہی تھی۔ پھر افسر کی موت نے ان کی دنیا ویسے ہی اندھیر کر دی تھی۔ جب انہیں کوئی نظر نہ آیا تو انہوں نے چاروں طرف اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور یہ برفانی ویرانہ شور قیامت سے گونج اٹھا تھا۔ میں نے رائفل کو خود کار موڈ پر کیا اور تینوں کو ایک برسٹ میں لٹا دیا۔ ان میں سے ایک بے ہوش رنجیت کے پاس کھڑا تھا اور اسے بچانے کے لیے مجھے خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔

اس دوران میں چند سپاہی بھاگ کر ٹرک کی طرف جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کو اس علاقے میں رہنے اور لڑنے کے لیے خاص تربیت دی گئی تھی لیکن یہ تو عام سپاہیوں سے بھی گئے گزرے تھے ان کا انداز نہایت ان پروفیشنل اور کسی طرح بھی دنیا کی ایک بڑی فوج کے شایانِ شان نہیں تھا۔ انہوں نے نہ مرنے والے کمانڈوز کو چیک کیا تھا اور لازمی بات ہے رنجیت کو دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ پھر وہ غیر محتاط انداز میں اس جگہ کی تلاشی لے رہے تھے۔ جب ہم نے فائرنگ کی تو انہوں نے صورتِ حال کو سمجھنے کے بجائے بدحواس ہو کر اندھا دھند فائرنگ کی ورنہ وہ آڑ لے کر اور صورتِ حال سمجھنے کے بعد کارروائی کرتے تو ہم خاصی مشکل میں پڑ

جاتے۔

مجھے انسانوں کے قتلِ عام سے ہمیشہ کوفت ہوتی رہی ہے۔ چاہے وہ میرے جانی دشمن کیوں نہ ہوں اور اس وقت بھی مجھے دکھ ہو رہا تھا لیکن ساتھ ہی مجھے معلوم تھا اگر ان میں سے کوئی بچ گیا تو ہماری کشمیر کی طرف جانے کی کوشش کا راز فاش ہو جائے گا اور میں چاہتا تھا کہ یہ راز اس وقت تک نہ کھلے جب تک ہم کشمیر کی سرحد نہ عبور کر جائیں۔ جب میں نے تین سپاہیوں کو شوٹ کیا تو اسی دوران میں دو سپاہی اور وہاں آ گئے تھے اور انہوں نے بیک وقت چٹان کی طرف فائرنگ کی تھی لیکن میں اوپر ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ میری جوابی کارروائی میں ایک مارا گیا اور دوسرا بھاگ کر چھوٹے پتھروں کی آڑ میں آیا جہاں بیتو بھی چھپا تھا اور بیتو نے ٹیلے کے اوپر سے اسے گولی مار دی۔ اس نے بھیانک سی چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ گولی اسے نہ جانے کہاں لگی تھی۔ وہ نہایت دردناک انداز میں چیخ و پکار کر رہا تھا۔ میں نے ایک ہلکا سا برسٹ مار کر اس کی مشکل آسان کر دی۔ یہ میرا ساتواں شکار تھا۔ یعنی نصف تو میں نے شکار کر لیے تھے اور باقی کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ ان میں سے کئی بیتو کے ہاتھ مارے جا چکے ہوں گے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ ٹرک کی طرف جانے کی کوشش کر رہے تھے ان میں سے ایک اور کو میں نے مار دیا۔ بیتو بولا۔ ''ادھر کوئی نہیں رہا ہے۔''

''ہوشیار رہو اور جس پر شبہ ہو رہا ہے اسے پھر شوٹ کر دو کوئی بچنے نہ پائے۔'' میں نے بلند آواز سے کہا اور اس دوران میں زمین پر پڑے سپاہیوں کا معائنہ کر رہا تھا میری بات پر دو کے جسموں میں حرکت ہوئی تھی یعنی وہ زندہ تھے اور پھر ان میں سے ایک اٹھ کر لنگڑاتا ہوا بھاگا تھا۔ میں نے اس پر لگاتار فائر کیے اور وہ اس بار لٹو کی طرح گھوم کر گرا تھا دوسرے کو بھی میں نے سر پر گولی ماری اور وہ ساکت ہو گیا۔ بیتو بھی فائر کر رہا تھا۔ میں نے بیتو کو آواز دی۔

''تم اس طرف آؤ میں نیچے آ کر ان لوگوں کو چیک کرتا ہوں۔''

بیتو میری طرف آ گیا اور میں چٹان سے اتر کر نیچے آیا تھا۔ آج کا دن یہاں بھارتیوں کے لیے بہت برا تھا ان کے انیس افراد موت کے گھاٹ اتر گئے تھے ان میں سے پانچ اعلیٰ درجے کے تربیت یافتہ کمانڈو تھے۔ اگر چہ انہوں نے ایک چینی ہیلی کاپٹر مار گرایا تھا لیکن آدمیوں کے لحاظ سے ان کا نقصان زیادہ ہو گیا تھا۔ میری طرف موجود افراد میں اب کوئی زندہ نہیں تھا۔ میں ٹیلے کے دوسری طرف آیا جہاں باقی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں ان میں سے بس ایک زندہ تھا اور وہ بھی کچھ دیر کا مہمان تھا۔ ٹرک ڈرائیور کی لاش اس کی سیٹ پر تھی۔ میں نے عقبی حصے کا معائنہ کیا۔ وہاں ایک بھاری مشین گن اس طرح لگی تھی کہ ضرورت پڑنے پر اسے ترپال ہٹا کر طیارہ شکن گن کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مدد کے لیے آنے والے تمام بھارتی مارے جا چکے تھے اور اب خود اٹھائے جانے کے منتظر تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کی مدد کے لیے کوئی اور دستہ آتا ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا لیکن جانے سے پہلے کچھ اور کام ضروری تھے۔

میں نے بیتو کے ساتھ مل کر ان سب کی لاشیں چٹانوں اور ٹیلے کے درمیان میں ڈال دیں جہاں سے یہ فوری طور پر کسی کو نظر نہیں آتیں۔ اس کے بعد میں نے بے ہوش رنجیت کو ٹرک کے پچھلے حصے میں ڈالا۔ وہ ابھی مزید ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے والا نہیں تھا۔ ڈرائیور کی لاش بھی ہٹا دی تھی اور اب ٹرک مجھے ڈرائیو

کرنا تھا۔ میرا پہلا مقصد اس علاقے سے نکلنا تھا۔ رنجیت نے بتایا تھا کہ ان کا بیس یہاں سے دو گھنٹے کی مسافت پر ہے اور چینی طیارے کے حملے کے بعد مدد دو گھنٹے بعد آئی تھی لیکن میرا دو گھنٹے تک ڈرائیو کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ یہ بھارتی فوجی علاقہ تھا اور یہاں کہیں بھی ہماری کسی اور بھارتی گشتی پارٹی سے مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔ اس لیے جیسے ہی مجھے ایک طرف چند ایسے ٹیلے نظر آئے جن کے پیچھے ٹرک چھپایا جا سکتا تھا میں نے ٹرک اس طرف موڑ دیا اور اسے دو ٹیلوں کے درمیان اس طرح روک دیا کہ وہ سڑک سے نظر نہیں آ سکتا تھا اس دوران میں رات مکمل ہو چکی تھی لیکن آسمان صاف تھا اور چاند طلوع ہونے والا تھا اس کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ میں اتر کر پیچھے آیا جہاں بیتو عیاشی کر رہا تھا یعنی بسکٹ کھاتے ہوئے کافی پی رہا تھا میں نے اس سے مگ چھین لیا۔

''بیٹے تو پیٹھ پیچھے یہ مزے ہو رہے ہیں۔''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''ادھر اور بھی بہت کچھ ہے پر آپ نہیں کھائے گا۔''

اس کی مراد گوشت سے بے سینڈوچز سے تھے۔ چاکلیٹس کے علاوہ کوکیز بھی تھے۔ کافی کے لیے ایک بڑا ساتھرماس تھا۔ لگتا تھا کہ مدد کے لیے نہیں پکنک منانے کے لیے نکلے تھے۔ رنجیت ابھی تک بے ہوش تھا میں نے اس کی نبض دیکھی تو وہ مجھے نارمل لگی تھی۔ شاید وہ ہوش میں آنے والا تھا لیکن میں نے فرض کر لیا کہ وہ ہوش میں آ گیا ہے اور میں نے گرم کافی کا ایک قطرہ اس کی ناک پر ٹپکا دیا اور اس کے بے ساختہ ردِعمل نے بتایا کہ میرا اندازہ درست تھا میں ہنسا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اردگرد دیکھا۔

''ہم کہاں ہیں؟''

''جہاں ہمیں ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

ٹک دیکھ کر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی بے ہوشی کے دوران بہت کچھ ہو چکا تھا۔ ٹرک کے عقبی حصے میں ایک چھوٹا سا بلب روشن تھا اور مجھے امید تھی کہ اس کی روشنی ترپال سے باہر نہیں جا رہی ہو گی۔ رنجیت میرے اشارے پر اٹھ کر سامنے نشست پر بیٹھ گیا۔ یہاں دونوں طرف لکڑی کی نشستیں تھیں۔ رنجیت نے کچھ دیر بعد کہا۔

''تم نے مجھے بے ہوش کیوں کیا تھا؟''

''تا کہ ہم آنے والوں سے آرام سے نمٹ سکیں۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے تم نے مدد کے لیے آنے والوں کو مار دیا؟''

''نہیں تو کیا ان کی دعوت کرتا۔'' بیتو نے اسے گھرکا۔ ''شکر کرو تم کو چھوڑ دیا۔''

''رنجیت سنگھ ان چکروں میں مت پڑو۔ اپنی جان کے بارے میں سوچو جو صرف ہم سے تعاون کر کے ہی بچ سکتی ہے۔''

رنجیت ایک ہوشیار کمانڈو تھا اور اسے معلوم تھا کہ اس ٹرک میں کتنے آدمی آ سکتے تھے اور ہم نہ صرف ان کی چیزوں بلکہ ٹرک پر بھی قابض ہو گئے تھے اس میں آنے والوں کا انجام سوچا جا سکتا تھا اور جب ہم اتنے لوگوں کو مار سکتے تھے تو اس اکیلے اور نہتے شخص کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''میں تم سے کیا تعاون کر سکتا ہوں؟''

''ہمیں ہیلی کاپٹر درکار ہے۔''

''وہ بیس پر ہے۔''

''تو ہمیں بیس لے چلو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''بیس کی کیمروں اور دوسرے آلات سے نگرانی ہوتی ہے تم دور سے دیکھ لیے جاؤ گے اور پھر لڑے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ اس دوران میں اندر والوں کو موقع مل جائے گا اور وہ آگے خبر دار کر دیں گے۔''

''اگر ہم ٹرک میں ہوں تب بھی دیکھ لیے جائیں گے؟''

''ہاں وہاں کیمرے بہت طاقتور ہیں۔''

''تم نے یہ بات مجھے کچھ زیادہ ہی شرافت سے نہیں بتا دی ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں نے اس لیے بتا دیا کہ ایک بار تصادم ہوا تو تم مجھے سب سے پہلے مار دو گے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''اور میں ابھی مرنا نہیں چاہتا ہوں۔''

''یہ تو ہے اور اس کا مطلب ہے تم عقل مند آدمی ہو۔'' میں نے اس کی تائید کی۔''اس لیے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ ہم بنا خون وکشت بیس پر قابض ہو جائیں۔''

''اور کیا ورنہ تمہارا فائدہ کیا ہے؟'' بیتو نے کہا۔ اب وہ کوکیز کا صفایا کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ایک سینڈوچ بھی تھام رکھا تھا کیونکہ اس کے لیے حلال حرام کا مسئلہ نہیں تھا اس لیے وہ پوری بے فکری سے کھا رہا تھا۔ رنجیت سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''کیمرے اور دوسرے آلات بجلی سے چلتے ہیں؟''

''ہاں۔''

''بجلی کہاں سے آتی ہے؟''

''یہاں تک بجلی کی لائن آ رہی ہے۔'' رنجیت نے بتایا۔

''اگر لائن بند ہو جائے تو پھر کیا ہوتا ہے؟''

''کچھ نہیں کیونکہ ہمارے پاس بجلی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ بیٹری سے بس لائٹس جلتی ہیں۔''

''اس صورت میں کام بن سکتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔''لیکن جب یہ اتنا اہم بیس ہے کہ یہاں خاص طور سے جاسوسی کے آلات لگائے گئے ہیں تو اس میں جنریٹر بھی ہونا چاہیے جو لائن ٹرپ کرتے ہی خود بہ خود سپلائی شروع کر دے۔''

''جنریٹر ہے لیکن خراب ہے اور اس کا مکینک ابھی تک تو نہیں آیا تھا۔''

میں نے سوچا کہ مکینک آ گیا ہوا تو مسئلہ ہو جائے گا۔ لائٹ نہیں جائے گی اور ہمارا منصوبہ فلاپ ہو جائے گا۔ باہر چاند نکل آیا تھا یہ شاید سات یا آٹھ کا چاند تھا اور نصف ہونے کے باوجود روشنی اچھی خاصی تھی۔ پھر رنجیت پر بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا وہ دشمن تھا اور اس کا بس چلتا تو ہمارے ٹکڑے کر دیتا۔ وہ ہمارے لیے کتنا کارآمد تھا ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ٹرک میں رسی موجود تھی میں نے چاقو سے اس کے ٹکڑے کر کے رنجیت کے ہاتھ اور پیر باندھ دیئے اس نے مزاحمت نہیں کی تھی اور خاموشی سے خود کو بندھوا لیا۔ وہ تختے پر

ہیلا تھا۔

''بیس یہاں سے کتنا دور ہے؟''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' اس نے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں اسے ٹرک کے اگلے حصے میں لے آیا اس کے ہاتھ پیر بندھے تھے۔ میں نے اسے اپنے ساتھ والی نشست پر بٹھایا ٹرک اسٹارٹ کیا اور گھما کر اسے سڑک پر لے آیا۔ رنجیت نے غور سے اس جگہ کو دیکھا اور بولا۔

''ابھی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر باقی ہے۔ ہمیں راستے میں ایک چیک پوسٹ بھی ملے گی۔''

''وہاں سے کیسے نکلیں گے؟''

''ان کا پاس ورڈ ہوتا ہے۔''

''پاس ورڈ کیا ہے؟''

''آج رات کا اس ٹرک کے ڈرائیور کے پاس ہوگا۔''

میں نے ٹرک روک دیا۔ ''تم اب بتا رہے ہو اس کا مطلب ہے تمہارے ذہن میں شرارت ہے۔''

''میں بے ہوش تھا اور مجھے کیا معلوم تھا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔'' اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''اب کیا ہوگا؟''

''پاس ورڈ لازمی ہے اس کے بغیر چیک پوسٹ سے نہیں گزر سکتے ہیں۔'' اس نے خبردار کیا۔

''کیا ہوا رک کیوں گئے؟'' عقب سے بیتو نے پکارا۔

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا تو بیتو اتر کر نیچے آ گیا تھا۔ میں نے اسے مسئلہ بتایا۔ اس نے رنجیت سے پوچھا۔

''چیک پوسٹ پر کتنے آدمی ہوتے ہیں؟''

''تین ہوتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''ان کی ڈیوٹی کب بدلتی ہے؟''

''مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن صبح اور رات کو بدلتی ہے۔''

بیتو نے میری طرف دیکھا۔ ''پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ ''ہاں واقعی پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

رنجیت چونکا۔ ''تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟''

''تم ابھی دیکھ لوگے۔'' میں نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔ ''چیک پوسٹ کتنی دیر کے بعد آئے گی؟''

''ابھی شاید دس کلومیٹر دور ہے آدھا گھنٹہ لگے گا۔''

سڑک بڑی تیزی سے نیچے جا رہی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ ہم دس ہزار فٹ سے نیچے آ گئے تھے کیونکہ اب سانس لینا آسان لگ رہا تھا۔ رنجیت نے تصدیق کی۔ ''ہمارا بیس آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔''

پچیس منٹ بعد میں نے ٹرک روک دیا اور بیتو کو آواز دی۔ اس نے پیچھے سے جھانکا۔ ''تیار رہنا...... میں

پہلے ٹرک استعمال کروں گا اور اس کے بعد رائفل سمجھ گئے؟''

بیتو ہنسا۔''کیوں نہیں......ہم بالکل تیار ہے۔''

میں نے دوبارہ ٹرک چلا دیا۔ ایک جگہ بلندی پر پہنچ کر سڑک نیچے گئی تھی اور چیک پوسٹ میری نظر میں آ گئی۔ یہ سڑک کے کنارے لکڑی اور ٹین سے بنا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس کے ساتھ سڑک پر بیریئر لگا تھا جس کے ساتھ ایک سپاہی کھڑا تھا۔ نیچے آتے ہوئے میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ جب میں نے ٹرک کا رخ خفیف سا چیک پوسٹ کی طرف کیا تب ہی رنجیت سمجھ گیا اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

جواب میں، مَیں نے الٹا ہاتھ گھما کر اس کے منہ پر مارا۔ ضرب غیر متوقع تھی اس لیے اسے چکر آ گیا تھا میرا مقصد اس کی کسی متوقع مزاحمت کو روکنا تھا کیونکہ وہ مزاحمت کرتا تو بندھے ہاتھ پیروں کے باوجود میرے لیے مشکلات پیدا کرسکتا تھا ٹرک کو حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ اس دوران میں چیک پوسٹ کوئی پچاس گز دور رہ گئی تھی۔ میں بتدریج رفتار بڑھاتے ہوئے ٹرک کا رخ چیک پوسٹ کی طرف کر رہا تھا۔ سپاہی جواب تک سکون سے کھڑا تھا۔ ٹرک کی رفتار دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرنا شروع کیا۔ اب چیک پوسٹ تیس گز دور تھی۔ میں نے ایکسلریٹر دبایا اور ٹرک کسی درندے کی طرف غرا کر آگے لپکا میں نے اسٹیرنگ گھمایا اور ٹرک کا رخ چیک پوسٹ کی طرف کر دیا اور چلا کر بیتو سے کہا۔

''ہوشیار ہو جاؤ میں ٹرک چیک پوسٹ پر چڑھا رہا ہوں۔''

سپاہی اب شاید چلا رہا تھا اور شاید اپنے ساتھیوں کو خبردار کر رہا تھا کہ ایک شرابی ٹرک والا ان پر اپنا ٹرک چڑھانے والا تھا۔ مگر چیک پوسٹ کے اندر موجود سپاہی جب تک ہوشیار ہوتے ٹرک اس پر چڑھ گیا تھا۔ ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ ٹرک چیک پوسٹ کو روندتا ہوا گزر گیا۔ اندر موجود افراد نے مرتے ہوئے چیخ و پکار کی ہو گی لیکن انجن اور تصادم کے شور میں سنائی نہیں دی تھیں۔ چیک پوسٹ کو روندتے ہی میں نے ٹرک کا رخ دوبارہ سڑک کی طرف کر دیا تھا۔ سپاہی کا حال مجھے نہیں معلوم لیکن وہ ٹرک کے پیچھے دوڑا تھا۔ اچانک عقب سے ایک برسٹ چلا اور میں نے سائیڈ مرر میں سپاہی کو قلابازی کھا کر گرتے دیکھا۔ اسے یقیناً بیتو نے نشانہ بنایا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرا سر بھاری ہو رہا تھا اور مجھے متلی کا احساس ہونے لگا۔ میں نے کوشش کر کے بریک لگایا اور ٹرک کو وسط سڑک میں روک لیا۔ میں نے دروازہ کھول کر سر نیچے کیا اور مجھے قے آ گئی تھی۔ میرا سارا کھایا پیا نکل گیا تھا۔ بیتو نیچے اتر آیا تھا اس نے تشویش سے کہا۔

''شوبی بھائی کیا ہوا؟''

میں گہری سانسیں لے رہا تھا۔''بس یار متلی آ گئی تھی۔''

بیتو میرے لیے پانی لے آیا۔ پانی پی کر میری حالت بہتر ہوئی یہ کیفیت یقیناً اس قتل و غارت گری کا ردِعمل تھی جو گزشتہ چند گھنٹوں میں، مَیں نے کی تھی اور میرے اعصاب بوجھ تلے آ گئے تھے۔ وہ دشمن سہی لیکن انسان تھے۔ میں کوئی عادی مجرم یا قتل سے لطف اندوز ہونے والا نفسیاتی مریض نہیں تھا۔ اپنے دفاع میں کیے جانے والے قتل بھی میرے اعصاب کو ہلا رہے تھے۔ جب میری طبیعت سنبھل گئی تو میں نے رنجیت کی طرف

دیکھا۔ وہ خاموش بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے تین آدمی اور مار دیئے۔''

''وہ میرے دشمن تھے اگر میں ان کو نہیں مارتا تو وہ مجھے مار دیتے۔''

''اس طرح تو میں بھی تمہارا دشمن ہوں اور تم مجھے بھی نہیں چھوڑ دگے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اگر تم میرے لیے خطرہ بنے تو میں تمہیں بھی مار دوں گا۔'' میں نے کہا اور ٹرک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ سڑک ڈھلان کی طرف مائل تھی۔ ''بیس یہاں سے کتنا دور ہے؟''

''ابھی ایک گھنٹے کا راستہ اور ہے۔''

میں نے ٹرک کی رفتار بڑھا دی۔ ''مجھے بیس کے سامنے پہنچنے سے پہلے خبردار کر دینا۔ ایسا نہ ہو میں بے خبری میں اس کے سامنے جا نکلوں۔''

''وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر ہے اور اسے کیموفلاج رکھا گیا ہے لیکن تم فکر مت کرو میں تمہیں اس کی حد میں داخل ہونے سے پہلے خبردار کر دوں گا۔''

''اسی بات کی تو فکر ہے کہیں تم ہی نہ مروا دو۔''

''میں مرنا نہیں چاہتا۔'' وہ بولا۔ ''میری پتنی ہے تین بچے ہیں۔ ان کا میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں زندہ رہوں گا تو وہ سکھی رہیں گے۔ میں مر گیا تو میری پتنی کو انہیں پالنا ہوگا۔ وہ پڑھی لکھی نہیں ہے لیکن بہت خوب صورت ہے۔''

میں اس کے خدشات سمجھ رہا تھا۔ ''جب تمہیں بیوی بچوں کا اتنا ہی خیال تھا تو فوج میں کیوں آئے؟''

''فوج میں پہلے آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''شادی تو میری چار سال پہلے ہوئی ہے۔''

میں نے غور کیا۔ ''اس پر بھی تین بچے ہیں۔ پندرہ سال میں تم درجن تک پہنچا دو گے۔''

وہ ہنسا۔ ''بس جی ہمیں ہوش ہی نہیں رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے تین بچے ہو گئے۔''

''ٹھیک ہے تم ان کے لیے جینا چاہتے ہو اور میں بھی بہت سارے پیاروں کی وجہ سے مرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ مجھے مرنا پڑے اور اس سے پہلے میں تمہارے کریا کرم کا بندوبست کر جاؤں۔''

''میں تم سے مکمل تعاون کر رہا ہوں۔'' اس نے میری طرف دیکھا اور اچانک پوچھ لیا۔ ''کیا تم مسلمان ہو؟''

میں چونکا۔ ''تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟''

''تمہاری زبان سے...... ایسی ہندی مسلمان بولتے ہیں۔''

''ایسی ہندی تو امیتابھ بچن بھی بولتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کیا وہ مسلمان ہے؟''

''وہ اس کی فلموں والی زبان ہے۔''

''غلط...... یہ اس کی گھر کی زبان ہے اس کا باپ اسی زبان میں شاعری کرتا تھا۔''

وہ کسی قدر حیران ہوا۔ ''تم چین میں رہ کر ہندی فلموں کے اداکاروں کے بارے میں اتنا جانتے ہو۔''

''میرا تعلق بنیادی طور پر برصغیر سے ہے اور چینی فوج میں ،مَیں نے ملازمت کی ہے۔''
اس نے غالباً یقین نہیں کیا تھا لیکن میں اس کے یقین کا محتاج نہیں تھا۔ میری سے وہ کچھ بھی سوچتا رہتا۔ جھوٹ بولنے کا مقصد اسے اپنے بارے میں کنفیوز رکھنا تھا۔ کیونکہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ میں پاکستانی ہوں تو اس کے جذبات بدل جاتے اور وہ اپنی جان پر کھیل کر مجھے مروانے یا پکڑوانے کی کوشش کرتا۔ دونوں ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں سخت جذباتی ہیں۔ وہ خاموش ہو گیا تھا اور میں دھیان سے ٹرک چلانے لگا کیونکہ جس جگہ سے ہم گزر رہے تھے یہاں ایک طرف دریا بہہ رہا تھا اور اس کے اوپر پہاڑ سے تنگ سڑک گزر رہی تھی۔ ذرا سی بے دھیانی سے ٹرک سڑک سے اتر کر دریا میں جا سکتا تھا۔
''تم کشمیر کیوں جانا چاہتے ہو؟''
''اس بات سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔
''جہاں سے ہم آ رہے ہیں چین صرف دو گھنٹے کی مسافت پر تھا لیکن تم اس طرف جانے کے بجائے کشمیر جا رہے ہو جہاں تمہارے لیے صرف خطرہ ہے۔''
''میں نے کہا نا اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس بار میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''ول یو شٹ اپ۔''
وہ شٹ اَپ ہو گیا تھا لیکن اس کے ذہن میں کیا تھا مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک موڑ کی طرف اشارہ کیا۔
''اس کے بعد بیس کی حد شروع ہو جاتی ہے اور اس موڑ سے آگے جو گاڑی جاتی ہے وہ کیمروں کی زد میں آ جاتی ہے۔'' میں نے موڑ سے پہلے ہی گاڑی روک لی تھی۔ یہاں دریا کنارے سے دور چلا گیا تھا۔ اور سڑک کے ایک طرف پہاڑ تھا اور دوسری طرف ہموار زمین تھی۔
''بیس کس طرف ہے؟''
رنجیت نے ہموار زمین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس طرف ہے۔''
''اور بجلی کی لائن کہاں سے آ رہی ہے؟''
''پہاڑ کی طرف سے...... لیکن اس تک پہنچنے کے لیے ہمیں پہاڑ کے اوپر کی طرف سے جانا ہوگا۔ سڑک کی طرف سے گئے تو نظر میں آ جائیں گے۔''
یہ خطرہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ ''بیس کیموفلاج ہے تو ہیلی کاپٹر کہاں چھپایا ہوا ہے؟''
''وہ بیس کے پیچھے ایک چھوٹے سے پیڈ پر ہے۔ پیڈ آدھا ڈھکا ہوا اور فضا سے بھی قریب آئے بغیر نظر نہیں آتا ہے۔''
''کیا چینی اس علاقے میں آتے ہیں؟''
''ہاں ان کے طیارے یہاں دراندازی کرتے ہیں لیکن پیدل پارٹیاں سرحد کے پاس ہی رہتی ہیں۔'' اس نے جواب دیا
میں نے پہلے اسے اترنے کو کہا اور پھر خود بھی نیچے اتر آیا۔ بیتو پہلے ہی نیچے تھا میں نے اسے رنجیت کی نگرانی کرنے کو کہا اور خود موڑ کی طرف بڑھا۔ یہاں ہم کسی کی نگاہ سے محفوظ تھے لیکن موڑ کے بعد نہیں کہا جا سکتا

تھا۔ موڑ کے پاس پہنچ کر میں سرد ترین زمین پر لیٹ گیا اور رینگ کر آگے جانے لگا۔ موڑ سے سر نکال کر میں نے میدان کی طرف دیکھا اور مجھے بیس نظر آ گیا۔ یہ مصنوعی بنایا ہوا ابھار تھا جو بہ ظاہر قدرتی ٹیلا لگ رہا تھا لیکن اس کے نیچے یقیناً فوجی بنکر تھا۔ میں نے یہاں سے پہاڑ کا معائنہ کیا۔ اس طرف ڈھلان کم تھی اور آسانی سے اوپر تک جا سکتے تھے جہاں لکڑی کے کھمبوں پر سے تار ہوتی بیس تک جا رہی تھی۔ مگر یہ جگہ بیس کے بالکل سامنے تھی اور اگر میں آگے جاتا تو یقیناً کیمروں کی زد میں آ جاتا۔ میں اسی طرح رینگ کر واپس آ گیا۔ رنجیت ٹھیک کہہ رہا تھا ہمیں اس پہاڑ کے اوپر چڑھ کر جانا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''تم یہیں رکو میں اوپر جا کر بجلی کی تار کاٹ کر آتا ہوں۔''

''ٹرک ادھر سے ہٹا دو۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔ ''ادھر کبھی بھی کوئی آ سکتا ہے۔''

اس کی بات معقول تھی میں نے اسے اور رنجیت کو وہیں چھوڑا اور ٹرک کو واپس لے گیا اور کوئی دو سو گز پیچھے سڑک سے اتار کر کھڑا کر دیا اور اس کے ٹول بکس سے کٹر پلاس نکال لیا۔ میں واپس آیا تو بیتو رنجیت کو پہاڑ تلے لے آیا تھا وہ ایک دراڑ میں تھے۔ میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ بیتو نے ہلکے سے آواز دی۔ ''ادھر......''

میں دراڑ میں آ گیا۔ ''یہ اچھی جگہ ہے۔''

بیتو نے تار کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کس سے کاٹے گا۔''

''اس سے۔'' میں نے اسے کٹر پلاس دکھایا۔ اور روانہ ہو گیا۔ یہاں پہاڑ کی ڈھلان زیادہ ترچھی تھی اور پیروں کے ساتھ ہاتھوں کا استعمال بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی کوئی دو سو گز اوپر تھی اور مجھے وہاں تک پہنچنے میں نصف گھنٹہ لگا تھا۔ اوپر سطح ہموار تھی۔ بجلی کے کھمبے ذرا دور تھے۔ یہاں سے نیچے بیس صاف نظر آ رہا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیمرے کس حد تک کام کر رہے تھے لیکن احتیاطاً میں کنارے سے دور رہا تھا اور جہاں مجھے خدشہ تھا کہ نیچے سے دیکھ لیا جاؤں گا وہاں میں بیٹھ کر اور رینگ کر سفر کرتا تھا۔ بالآخر میں ایک کھمبے تک پہنچا۔ یہ دس فٹ اونچا موٹے بانس کا کھمبا تھا جسے زمین میں گاڑھ دیا گیا تھا۔ میں نے اسے ہلا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر پاؤں جماتا اوپر چڑھ گیا۔ کٹر پلاس پر موٹا ربر چڑھا ہوا تھا اس کے باوجود میرا دل تار کاٹتے ہوئے ایک لمحے کو دھڑکا تھا۔ دوسرے لمحے میں موٹی وائر کاٹ دی۔ پلاس سے ہلکی سی چنگاری اٹھی تھی اور کٹی وائر لہرا کر نیچے گر گئی تھی۔ میں نیچے اترا آیا لیکن واپس جانے کے بجائے میں پہاڑ کے کنارے رک کر بیس والوں کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا تھا۔ روشنی بہتر تھی لیکن جب میں نے نائٹ ویژن گاگلز لگائے تو منظر بالکل واضح نظر آنے لگا تھا۔

کچھ دیر بعد بیس کے ایک طرف ہلکی سی حرکت ہوئی اور زمین کا ایک حصہ اوپر اٹھ گیا انہوں نے بیس کو بہت مہارت سے کیموفلاج کیا ہوا تھا۔ والے حصے سے دو افراد باہر آئے انہوں نے سپاہیوں والی وردی پہن رکھی تھی لیکن ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے ایک نے ایک چھوٹا سا بکس اٹھا رکھا تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ وہ یقیناً بجلی منقطع ہونے کا سبب جاننا چاہتے تھے۔ وہ پہاڑ کی طرف آنے لگے۔

میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے پتا چلے گا کہ بیس میں بجلی بند ہو چکی ہے کیونکہ اوپر کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ قدرت نے مدد کی اور ان دونوں کو بھیج دیا تھا۔ وہ سیدھی ڈھلان والی طرف سے آ رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا

کہ وہ کس طرف سے اوپر آئیں گے اور پھر ایک مناسب جگہ مورچہ بنا کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ میرے پاس رائفل کے علاوہ پسٹل بھی تھا۔ خنجر میرے پیٹ سے بندھا تھا اور میں نے اسے بھی نکال لیا کیونکہ یہ واحد خاموش ہتھیار تھا۔ اس طرف راستہ اتنا آسان تھا کہ وہ دس منٹ میں اوپر پہنچ گئے، ان کے پاس بڑی طاقتور ٹارچ تھی۔ وہ کھمبوں پر بندھی تار کا معائنہ کر رہے تھے میں نے ان کو ذرا آگے نکل جانے دیا۔ اور جب وہ مجھ سے کوئی دس قدم دور چلے گئے تو میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''رک جاؤ حرکت مت کرنا تم میرے نشانے پر ہو۔''

وہ یک دم ساکت ہو گئے تھے۔ میں نے رائفل لوڈ کی۔ ان کے پاس بہ ظاہر ہتھیار نہیں تھے لیکن ممکن ہے ان کے پاس چھوٹے ہتھیار ہوتے۔ میں نے کہا۔ ''دونوں ہاتھ سروں پر رکھ کر اس طرف گھوم جاؤ۔''

اس بار بھی انہوں نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی۔ وہ عام سے سپاہی تھے اور ان کی شکلوں پر مظلومیت کا تاثر تھا وہ خاموش نگاہوں سے اپیل کر رہے تھے کہ میں ان کو مارنے سے گریز کروں۔ ویسے ان کو امید نہیں تھی کہ ان کو کوئی مسلح فرد مل جائے گا ورنہ وہ مسلح ہو کر آتے۔ انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔ جس نے ٹول بکس تھام رکھا تھا اس نے ٹول بکس نیچے رکھ دیا تھا۔ میں آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ میں نے بلا تمہید سوال کیا۔

''بیس میں مزید کتنے آدمی ہیں؟''

ٹول کٹ والے نے کہا۔ ''پانچ اور ہیں سرکار۔''

''ہمرا کوئی قصور ناہی ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

میں نے محسوس کی کہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے بلکہ شاید سروسز سے تعلق رکھتے تھے۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب ان میں سے ایک الیکٹریشن اور دوسرا باورچی ثابت ہوا تھا اور ان کا تعلق نچلے طبقے سے تھا۔ انہوں نے میرے سوالوں کے فرفر جواب دیئے تھے۔ چند منٹ میں میرے سامنے جو تصویر آئی تھی اس کے مطابق بیس میں تین افسر اور دس سپاہی تھے۔ افسروں میں ایک رنجیت بھی تھا۔ باقی دو میں بیس کمانڈر موہن سنگھ اور احسن خان تھا۔ احسن خان پائلٹ تھا۔ ہیلی کاپٹر وہی اُڑاتا تھا۔ امدادی پارٹی یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھاؤنی سے آئی تھی۔ البتہ رنجیت سنگھ کے ساتھی کمانڈز یہیں موجود ہوتے تھے اور وہ خاص مواقعوں پر یہاں سے نکلتے تھے۔ جیسا کہ چینی ہیلی کاپٹر مار گرانے کے بعد بھارتیوں نے ان کو بھیجا تھا۔

الیکٹریشن کرم چند نے تصدیق کی کہ بیس کی بجلی منقطع ہو گئی تھی اور وہاں موجود جنریٹر کی درستگی کے لیے ابھی تک مکینک نہیں آیا تھا اور اس سردی کے عالم میں ان کو باہر بھیج دیا گیا تھا کہ وہ جا کر دیکھیں بجلی کی تار میں کا کیا مسئلہ آیا ہے۔ مجھے خیال آیا اور میں نے پوچھا۔ ''یہ تار کہاں تک طویل ہے؟''

''بارہ کلومیٹر دور چھاؤنی سے آ رہی ہے۔''

''یعنی اگر تمہیں فالٹ نہ ملے تو تم بارہ کلومیٹرز دور تک جاتے۔''

''جانا پڑتا...... حکم حکم ہے۔'' کرم چند نے کہا۔ وہ دلی کا رہنے والا تھا جب کہ باورچی سندر داس لکھنو کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا جیسا کہ اس کی بولی سے ظاہر تھا۔ کرم چند کے جواب سے واضح کہ وہ صبح تک بھی واپس نہ جاتے تو کوئی فکرمند نہ ہوتا کیونکہ بارہ کلومیٹر طویل تار چیک کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں ان کا کیا کرتا تو میں نے ان کا یہ کیا کہ گر جانے والی تار کو دوسرے کھمبے سے کٹوایا اور اس سے ان دونوں کو باندھ دیا۔

انہوں نے اس سلسلے میں بھی پورا تعاون کیا تھا۔ آخر میں، مَیں نے ان کے منہ پر مضبوط ٹیپ چپکا دیا یہ ٹیپ مجھے ٹول سے ملا تھا۔ ان کی تلاشی لے کر میں نے ساری چیزیں نکال لیں اور پھر تار کے بچ جانے والے ٹکڑے سے ان کو پیٹھ سے پیٹھ ملا کر بھی باندھ دیا۔ ان کا سامان اور ٹول کٹ میں نے ایک گڑھے میں اچھال دیئے۔ مجھے امید تھی کہ گرم کپڑوں کی وجہ سے وہ صبح تک مرنے سے بچ جائیں گے اور صبح تک کوئی نہ کوئی مدد آ جائے گی۔

اس بار میں سیدھی ڈھلان والی سمت سے نیچے آیا تھا۔ اور سڑک کی طرف سے ہوتا موڑ پر پہنچا یہاں سے وہ جگہ تھوڑی سی دور تھی جہاں میں نے بیتو اور رنجیت کو چھوڑا تھا۔ دراڑ کے پاس آ کر میں نے بیتو کو آہستہ سے آواز دی۔ کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے زور سے آواز دی اور اس بار بھی جواب نہیں آیا تو میرا دل دھڑک اٹھا ہوا تھا۔ کوئی بات تھی میں رائفل سنبھالتا ہوا دراڑ کی طرف لپکا اور جب میں نے نیچے دیکھا تو مجھے بیتو اوندھے منہ پڑا نظر آیا تھا۔ رنجیت غائب تھا اور شاید آس پاس کہیں میرا منتظر تھا لیکن بیتو کو اس پڑے دیکھ کر میں تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی طرف لپکا۔ میں نے بے تابی سے اسے سیدھا کیا اور اس کی نبض اور دل کی دھڑکن ٹٹولنے لگا۔ پھر اس کا دل دھڑکتا پا کر مجھے بے اندازخوشی ہوئی تھی ورنہ اسے یوں پڑے دیکھ کر میں نے خود کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ میں اسے دراڑ سے باہر لایا۔ میں ٹارچ لے آیا تھا اور اس کی روشنی میں معائنہ کرنے پر مجھے بیتو کی دائیں کنپٹی پر زخم کا نشان نظر آیا۔ وہ بے ہوش تھا لیکن اس کی نبض ٹھیک تھی۔ میں اسے جھنجھوڑنے اور اس کا منہ تھپتھپانے لگا۔ وہ شاید چند منٹ پہلے ہی بے ہوش ہوا تھا کیونکہ اس کی کنپٹی سے نکلنے والا ہلکا سا خون جما بھی نہیں تھا اور شاید چوٹ بھی اتنی شدید نہیں تھی۔ میری کوشش جلد رنگ لائی اور بیتو ہوش میں آنے لگا میں نے وہاں پڑی برف اٹھا کے اس کے زخم پر ملی تو اسے تیزی سے ہوش آ گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور بوکھلائی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

''وہ کہاں ہے؟''

''یہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ اب تم کیسے ہو؟''

اس نے کنپٹی دبائی۔ ''ہم ٹھیک ہے حرامی نے اچانک ہی وار کیا۔''

بیتو کی رائفل غائب تھی اور یہ خطرناک بات تھی۔ ''اس نے کس چیز سے وار کیا؟''

''پتا نہیں کیسے ہاتھ کھول لیا اور پتھر ہاتھ میں دبا کر اچانک دے مارا، ہم کو لگا جیسے ہماری کھوپڑی میں روشنی کا آبشار کھل گیا ہو۔ حرامی نے ہمارا داؤ ہم پر لگا دیا۔''

میں نے آس پاس دیکھا۔ ''بیتو ہمیں جلدی بیس تک پہنچنا ہوگا اگر اس نے ایک بار وہاں پہنچ کر ان لوگوں کو خبردار کر دیا تو ہم نہیں گھس سکیں گے۔''

''میرا رائفل؟'' بیتو نے آس پاس دیکھا۔

''وہ لے گیا اور شکر کرو تمہاری رائفل سے تم کو گولی نہیں مار گیا۔''

ہم تیزی سے بیس کی طرف روانہ ہو گئے لیکن جیسے ہی ہم موڑ سے ذرا آگے نکلے بیس کی طرف سے کسی نے فائر کیا اور عجلت میں کیا یہ فائر ہمارے اوپر سے گزر گیا اور ہم تیزی سے واپس آئے۔ اگر ہم کچھ آگے نکل جاتے اور فائر کرنے والا ذرا صبر سے کام لیتا تو ہمیں آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس فائر سے ثابت ہو گیا کہ

رنجیت بیس تک پہنچ گیا تھا اور اس نے وہاں موجود افراد کو خبردار کر دیا تھا۔ ہم فائر کرنے والے کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ یقیناً بیکر میں ایسی جگہیں تھیں جہاں سے کسی آنے والے کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ بیتو پریشان تھا اس کی لمحاتی غفلت کی وجہ سے رنجیت ہاتھ سے نکل گیا تھا اور ہم پھنس گئے تھے۔

''اب کیا ہوگا شوبی بھائی۔'' اس نے پشیمانی سے کہا۔ ''یہ سب ہماری وجہ سے ہوا ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو، کچھ نہ کچھ ہوگا یار۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا اور اسی لمحے مجھے ٹرک کا خیال آیا۔ اس کے عقبی حصے میں بھاری مشین گن نصب تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم یہاں رکو میں ٹرک لے کر آتا ہوں۔''

بیتو اچھل پڑا۔ ''اس کا تو خیال ہی نہیں آیا۔''

میں نے رائفل اسے دی۔ پستول میرے پاس تھا اور میں ٹرک لینے روانہ ہوگیا۔ ٹرک اپنی جگہ موجود تھا سب سے پہلے میں نے اندر گھس کر اس کی مشین گن کا جائزہ لیا۔ یہ بیلٹ بکس والی مشین گن تھی جو فکس اسٹینڈ پر نصب تھے اور اسٹینڈ کو بہ وقت ضرورت کھسکا کر ٹرک کے کنارے تک لایا جا سکتا تھا۔ میں نے مزید تلاشی لی تو ایک چھوٹا بکس نظر آیا۔ اسے کھولا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ اس میں دستی بم تھے اور بنکر جیسی کسی جگہ کی تباہی کے لیے ان سے زیادہ موزوں ہتھیار اور کوئی نہیں تھا۔ مشین گن اور دستی بموں کو کنارے پر رکھ کر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ٹرک کو موڑ تک لایا۔ اس دوران میں ایک منصوبہ میرے دماغ میں تشکیل پا چکا تھا میں نے اتر کر بیتو سے پوچھا۔ ''اس ٹرک کو الٹا چلا سکتے ہو؟''

اس نے سوچا اور سر ہلا دیا۔ ''چلا سکتا ہے۔''

''بس تو اسے الٹا چلا کر بیس کے پاس لے جانا ہے۔''

''اور آپ کیا کرے گا؟''

''میں عقب میں موجود مشین گن چلاؤں گا اور دستی بم استعمال کروں گا۔''

''گرینیڈ بھی ہے؟'' بیتو خوش ہو گیا تھا۔

''ہاں ہم نے دیکھے نہیں تھے ایک بکس میں موجود تھے۔''

بیتو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں عقبی حصے میں سوار ہو گیا میں اوندھے منہ لیٹ گیا کیونکہ ٹرک کا کھلنے والا تختہ صرف ایک فٹ اونچا تھا یہ فولاد کی موٹی چادر سے بنا تھا اور فائرنگ سے یہی کسی قدر تحفظ دے سکتا تھا۔ بیتو ٹرک کو ریورس میں لے جانے لگا۔ یہ خاصا مشکل کام تھا۔ میں چلا چلا کر اسے بتا رہا تھا کہ ٹرک کو دائیں یا بائیں کرے۔ جیسے ہی ٹرک موڑ سے آگے آیا۔ بیس کی جانب سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ وہ بھی ہمارے منتظر تھے۔

میں نے سر نیچے کر لیا تھا۔ بیتو مہارت سے ٹرک کو ریورس میں لے جا رہا تھا اور یہ یقیناً آسان کام نہیں تھا۔ جیسے جیسے ٹرک بیس کے پاس جا رہا تھا فائرنگ تیز ہوتی جا رہی تھی اور شاید وہ لوگ بھی میرا مقصد بھانپ گئے تھے تب ہی ٹرک کو بیس کے پاس آنے سے روکنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ کوئی گولی عقبی ٹائر میں لگی اور دھماکے سے ٹائر برسٹ ہو گیا لیکن کیونکہ پیچھے ڈبل ٹائرز کی جوڑی تھی اس لیے ٹرک پھر بھی چلتا رہا میں نے چلا کر

بیتو سے کہا۔ "رفتار تیز کرو۔"

اسی لمحے ٹرک کا دوسرا دایاں ٹائر بھی برسٹ ہو گیا اور وہ ایک طرف جھکنے لگا۔ ساتھ ہی اس کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی۔ بیتو کو اسے سنبھالنے میں دشواری پیش آ رہی تھی یہاں زمین ہموار نہیں تھی اور ذرا سی بے احتیاطی سے ٹرک الٹ سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب حرکت میں آنے کا وقت آ گیا تھا میں نے لیٹے لیٹے مشین گن کا دستہ تھاما اور اسے اوپر کرتے ہوئے ایک برسٹ مارا۔ دوسری طرف اس کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا اور ایک لمحے کو فائر رکے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ذرا اوپر ہو کر ایک طویل راؤنڈ چلایا۔ بنکر اب ٹرک سے کوئی تیس گز کے فاصلے پر تھا اور اتنے قریب سے بھاری مشین گن بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ سامنے وہ حصہ تھا جہاں سے میں نے ان دونوں کو نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ جواب اوپر بندھے پڑے تھے۔ میں نے اس جگہ کو نشانہ بنایا۔ پھر ایک دستی بم اس طرف اچھال دیا۔ اس دوران میں ایک طرف سے مجھ پر فائر ہوا میں بال بال بچا تھا۔ بم اچھال کر میں نیچے ہو گیا اور جب دھماکا ہوا تو ملبہ اُڑ کر ٹرک تک آیا تھا۔

"شوبی۔" بیتو چلایا۔

"میں ٹھیک ہوں تم وہیں رہو۔" میں نے بلند آواز سے کہا اور دوسرا بم اس طرف اچھال دیا جہاں سے مجھ پر فائر کیا گیا تھا۔ اس بار دھماکے کے ساتھ کسی کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں نے جھانک کر دیکھا جہاں پہلا بم مارا تھا وہاں خلا نمودار ہو گیا تھا جس کے اندر سے آگ کی روشنی جھلک رہی تھی بم نے اندر کہیں آگ لگا دی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہیلی کاپٹر کہیں عقب میں تھا اور محفوظ تھا اس لیے میں نے بلا تکلف دوسرا بم اس خلا میں پھینک دیا اور دھماکے نے بنکر کا سامنے والا حصہ اُڑا دیا تھا اور اب وہاں شدید آگ بھڑک رہی تھی۔ بنکر کی جانب سے فائرنگ بند ہو چکی تھی میں نے مشین گن سے ایک اور طویل برسٹ مارا اور پھر دستی بموں والا بکس اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ میرے پاس صرف پستول تھا۔ اس کی اتنی اہمیت نہیں تھی اصل جنگ گرینیڈ نے لڑی تھی۔ بیتو بھی نیچے اتر آیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"میرا خیال ہے اس طرف جانا ہو گا۔" میں نے بنکر کی عقبی سمت اشارہ کیا تھا۔

ہم اس طرف بڑھے تھے کہ مجھے بنکر میں ایک سوراخ نظر آیا اور میں نے اللہ کا نام لے کر ایک گرینیڈ اس میں بھی ڈال دیا۔ میں اور بیتو دھماکہ ہونے سے پہلے آگے کی طرف بھاگے۔ دھماکے نے زمین کو لرزا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ آوازیں اس چھاؤنی تک ضرور گئی ہوں گی جو یہاں سے بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور وہاں سے جلد اس کا کوئی ردِعمل سامنے آنے والا تھا اس سے پہلے ہمارا یہاں سے نکل جانا لازمی تھا۔ بنکر میرے اندازے سے بڑا تھا اور ہمیں گھوم کر اس کے عقب تک جاتے جاتے کچھ وقت لگا تھا۔ جیسے ہی ہم گھوم کر دریا کے پاس والے حصے تک پہنچے۔ ایک ہیلی کاپٹر ایک نیم پوشیدہ چھجے تلے کھڑا نظر آیا تھا۔ یہ شیشے کے کاک پٹ والا چھوٹا ہیلی کاپٹر تھا جس میں شاید چار افراد کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ اس طرف بنکر کی تعمیرات نمایاں تھیں۔ انہوں نے صرف سامنے کی طرف سے بنکر کو کیموفلاج کیا تھا۔ ہم ایک دیوار کی آڑ لے کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھے۔ بیتو نے آہستہ سے کہا۔

"اسے اُڑائے گا کون؟"

''کاش میں جیمس بونڈ ہوتا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''یا کم سے کم اس کی طرف ہرفن مولا ہوتا تو اسے یوں چٹکی میں اُڑا لے جاتا۔''

ہیلی کاپٹر کے شیڈ تلے کوئی نہیں تھا اور اس طرف سے بنکر کے اندر جانے کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں ابھی سوچ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اچانک ہی ایک طرف سے روشنی نمودار ہوئی۔ میں اور بیتو دیوار کے ساتھ لگ گئے تھے۔ کوئی کراہ رہا تھا اور ساتھ ہی گالیاں بھی دے رہا تھا۔ روشنی اس خلا سے آرہی تھی جو دیوار میں نمودار ہوا تھا۔ میں نے بیتو کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہم ذرا پیچھے سرک آئے کیونکہ ہم خلا سے خاصے قریب تھے۔ خلا سے تین افراد باہر آئے ان میں سے دو نے ایک کو سہارا دے رکھا تھا وہ یقیناً زخمی تھا۔ سہارا دینے والوں میں ایک رنجیت تھا اور وہ ہیلی کاپٹر کی طرف جا رہے تھے ان میں صرف رنجیت کے پاس رائفل نظر آرہی تھی۔ میں نے بیتو سے رائفل لے لی اور ان کے پیروں کی طرف ہلکا سا برسٹ مارا اور بلند آواز سے کہا۔

''بس اب کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔''

میرے اس اعلان پر وہ تینوں ہی ساکت ہو گئے تھے۔ رنجیت نے آہستہ سے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور بڑے صدمے سے کہا۔ ''تم؟''

''ہاں..... تم کیا سمجھتے تھے میں تمہیں جانے دوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''سب اپنے ہاتھ اوپر کر لو۔''

انہوں نے ہاتھ اوپر کر لیے زخمی کا ایک پاؤں متاثر تھا اور اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ رنجیت نے اپنی رائفل گرا دی اور تلخی سے کہا۔ ''اور کیا حکم ہے؟''

''تم میں سے پائلٹ کون ہے؟'' میں نے احسن خان کا نام لیے بغیر لیے کہا۔ کیونکہ ممکن ہے بعد میں اس کے لیے یہ بات مصیبت بن جاتی کہ ایک مبینہ دہشت گرد اس کا نام جانتا ہے لیکن اصل مشکل اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوتی۔ اس ملک میں مسلمان ہونا ہی اصل جرم ہے اور باقی باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

''میں ہوں۔'' زخمی کو سہارا دینے والے دوسرے کسی قدر لمبے اور دبلے لیکن خوب صورت جوان نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم ہمیں یہاں سے لے جاؤ گے۔'' میں نے کہا۔ ''کاپٹر میں بیٹھو اور اسے اسٹارٹ کرو۔''

احسن خان کچھ دیر ہمیں دیکھتا رہا پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں میں تمہیں لے جا سکتا۔''

''بکومت۔'' بیتو آگے آیا۔ ''کیا تمہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے۔''

''پیاری ہے لیکن میں اپنے ملک کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اگر تم راضی نہیں ہوئے تو ہم تمہیں مار دیں گے۔'' بیتو اس کے انداز پر مشتعل ہو گیا

''میں مرنے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' احسن خان نے انکار کر دیا۔ وہ واقعی بے خوف نوجوان تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ رنجیت اور اس کا زخمی افسر اپنی ساتھی کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے انہیں احسن خان سے اس بات کی توقع نہ ہو۔ بھارت میں اگر مسلمان اپنے ملک سے وفاداری ثابت بھی کر دیں تو اسے بڑے تعجب کی بات سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھارت کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنے کے ہندو یا دوسرے لوگ ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھارت میں اب مسلمانوں کی تیسری اور چوتھی نسل رہ رہی ہے اس کے باوجود ان کی ملک سے وفاداری پر شک کو سوائے تعصب کے اور کیا کہا جا سکتا ہے اور آج بھی

ان کو ان کے بزرگوں کے کیے کی سزا دی جا رہی ہے۔ ہمارے نام نہاد دانشور جو بھارت کے سیکولرازم کے گن گاتے نہیں تھکتے ہیں۔ اگر وہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں خود بھارتی حکومت کی رپورٹس پڑھ لیں تو شاید ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ ان رپورٹس میں مسلمانوں کی حالت کو بھارت میں رہنے والے شودروں یعنی نچلی ذات کے ہندوؤں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔

میں نے کہا۔ ''تمہارا فیصلہ قابل تحسین ہے۔ ہر شخص کو اپنے ملک کا اتنا ہی وفادار ہونا چاہیے لیکن بات یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے بہر صورت نکلنا ہے۔ اگر تم لوگوں نے تعاون نہیں کیا تو ہمیں مجبوراً تم سب کو مارنا پڑے گا۔'' میں نے بیتو سے رائفل لے لی۔ ''تمہارے پاس فیصلہ کرنے کے لیے صرف ایک منٹ ہے۔''

رنجیت اور اس کے افسر نے گھبرا کر احسن کی طرف دیکھا۔ ''خان یہ کیا کر رہے ہو یہ بہت ظالم ہے ہم سب کو مار دے۔''

میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔ ''خان......؟ کیا یہ مسلمان ہے؟''

''ہاں میں مسلمان ہوں۔'' احسن خان نے فخر سے کہا۔

میں نے رنجیت کی طرف دیکھا۔ ''حیرت ہے میں تو سنا ہے بھارت کے مسلمان بھارت کے وفادار نہیں ہیں۔ یہ تو اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہے۔''

ان کے چہرے ان کی دلی کھسیاہٹ کے آئینہ دار بن گئے تھے۔ ''سب مسلمان ایسے نہیں ہوتے ہیں۔'' موہن سنگھ نے کہا۔

''اچھا اور دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے ان میں سب بھارت سے سو فی صد وفادار ہوتے اور جب وفاداری دکھانے کا موقع آتا ہے تو اپنی جان کی پروا بھی نہیں کرتے۔''

میرے اس طنز اور سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ اپنے رویے سے وہ خود ثابت کر چکے تھے کہ ان کو ملک کے مفاد سے زیادہ اپنی جان پیاری ہے۔ میں نے احسن خان کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہتے ہو ایک منٹ پورا ہونے والا ہے۔''

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''خان یہ ہمیں مار دیں گے۔'' رنجیت نے گھبرا کر کہا۔

''بے شک مار دیں ملک سے غداری کے مقابلے میں موت قبول ہے۔''

میں نے رائفل کو خود کار موڈ پر کیا تو رنجیت اور موہن بدحواس ہو گئے تھے۔ موہن سنگھ نے کہا۔ ''میں تمہارا سی او ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ان کی بات مانو۔''

احسن خان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''کیپٹن سر آپ مجھے دیس سے غداری کا حکم دے رہے ہیں۔''

''ہاں اور اس کی جواب دہی میں کروں گا۔'' موہن سنگھ بولا۔

احسن خان سوچ میں پڑ گیا تھا۔ فوج میں حکم ماننا سکھایا جاتا ہے اور یہ بنیادی تربیت ہوتی ہے۔ حکم پر سوچنے والے سپاہی کی فوج میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یہ بنیادی تربیت احسن خان نے بھی حاصل کی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے کیپٹن سر۔''

وہ ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا لیکن بیتو نے اسے روک لیا۔ پہلے اس نے خود اندر جا کر دیکھا کہ وہاں کوئی اسلحہ تو نہیں تھا۔ یہ چار نشستوں والا ہیلی کاپٹر تھا۔ اس میں پیچھے دو افراد کے بیٹھنے کے لیے دو سیٹیں تھیں۔ میں نے موہن سنگھ کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ احسن خان ایک سر پھرا جوان تھا اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ مارے جوش کے ہیلی کاپٹر کہیں گرا دے اور ہمارے ساتھ خود بھی مارا جائے۔ اسے موہن سنگھ ہی قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن میں رنجیت کو ایسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا اور صرف رازداری کے نکتہ نظر سے مار دینا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے رنجیت سے کہا۔

''کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟''

''کیوں نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم ہم تمہیں یہاں باندھ کر ڈال جائیں گے صبح تک کوئی نہ کوئی آ جائے گا تم لوگوں کو آزاد کرانے کے لیے۔''

''ہم لوگوں کو......؟'' رنجیت چونکا۔

''ہاں دو اوپر پہاڑی پر بھی بندھے پڑے ہیں۔'' میں نے کہا اور بیتو کو ہیلی کاپٹر میں رسی تلاش کرنے کو کہا۔ وہاں سے ایک چھوٹا سا لچھا مل گیا اور اس سے بیتو نے رنجیت کو مضبوطی سے باندھ دیا تھا اب وہ نہ خود کو آزاد کرا سکتا تھا اور نہ کہیں جا سکتا تھا۔ بیتو نے اسے باندھ کر پوچھا۔ جانے سے پہلے میں نے رنجیت سے سوال کیا۔

''میرے ساتھی بے ہوش کر کے تم نے مارا کیوں نہیں تھا؟''

رنجیت خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''میں ڈرتا تھا کہ گولی آواز سن کو تم آ جاؤ گے اور میں بھی مارا جاؤں گا۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''میں نے بھاگ جانا بہتر سمجھا۔''

''اس وجہ سے تم بچ گئے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر میرے ساتھی کو کچھ ہوتا تو آج تم میں سے کوئی زندہ نہ ہوتا۔''

موہن سنگھ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے زخمی ہونے کی وجہ سے نہیں باندھ رہا ہوں۔ اس لیے جب میں نے اسے بھی ہیلی کاپٹر میں بیٹھنے کو کہا تو وہ گڑبڑا گیا تھا۔ ''میں...... میں کیوں؟''

''تم مجھے اچھے لگے ہو اس لیے میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہیلی کاپٹر کی طرف دھکیل دیا۔

احسن خان ہیلی کاپٹر کے کل پرزے چیک کر رہا تھا جو پرواز سے پہلے معمول کا چیک اَپ تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔ ''ایندھن کتنا ہے؟''

''ٹینک آدھا ہے۔''

''اسے فل کر دو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

شیڈ تلے ایک طرف تیل کے چالیس چالیس لیٹرز کے کین رکھے تھے۔ احسن خان ان کو اٹھا کر ہیلی کاپٹر کے ٹینک میں ڈالنے لگا۔ کوئی آٹھ کین ڈالنے کے بعد ٹینک فل ہو گیا یعنی ہیلی کاپٹر کے ٹینک میں ایک وقت میں کوئی ساڑھے چھ سو لیٹرز تیل آ سکتا تھا۔ احسن خان نے میرے سوال پر بتایا کہ اب ہیلی کاپٹر ایک بار میں چار سو

کلومیٹرز کا فاصلہ طے کر سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ کنٹرول لائن یہاں سے اتنے ہی فاصلے پر ہوگی۔ ہم ہیلی کاپٹر میں آ گئے اور احسن خان نے بسم اللہ پڑھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور فوراً ہیلی کاپٹر کے پنکھے گردش میں آ گئے تھے۔ ایک منٹ میں انجن پوری رفتار سے چلنے لگا تھا میں احسن خان کے ساتھ بیٹھا تھا جب کہ بیتو موہن سنگھ کے ساتھ پیچھے تھا۔

''ہیلی کاپٹر کی بلندی کم رکھنا اور پہاڑوں کے ساتھ ساتھ سفر کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ ہم ریڈار پر آئیں۔''

''ریڈار سے بچنا مشکل ہے۔'' احسن خان نے کہا اور ہیلی کاپٹر اوپر اٹھا لیا۔ میں نے بھی ہیڈ فون لگا لیا تھا اس لیے ہمیں باتیں کرنے میں آسانی ہو رہی تھی ورنہ تو انجن کا شور کان میں سوراخ کرے والا تھا۔ پیچھے بیتو اور موہن سنگھ کو یہ عذاب بھگتنا پڑ رہا تھا۔ میں نے تکلیف دہ سواریوں میں رکشے کے بعد ہیلی کاپٹر کو دوسرے نمبر پایا ہے۔ یہ شور زیادہ کرتا ہے اور رکشہ آپ کے تمام جوڑ ہلا دیتا ہے۔ میں نے احسن خان سے کہا۔

''اگر کنٹرول سے سوال کیا جائے تو تم بتاؤ گے کہ بیس کمانڈر ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گیا ہے اور اسے سری نگر کے ملٹری اسپتال لے جا رہے ہو۔''

''اس صورت میں مجھے پیشگی اطلاع دینی ہوگی۔'' اس نے کہا۔ ''ورنہ شک کی بنا پر مجھے اترنے کا حکم دیا جائے گا اور نہ ماننے کی صورت میں دس منٹ کے اندر کوئی جیٹ فائیٹر میرے چوپر کو مار گرائے گا۔''

میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ ''او کے تم اپنا ریڈیو بند کر دو۔''

''ریڈیو بند ہے۔'' اس نے پینل کی طرف اشارہ کیا۔

''گڈ اسے بند رہنے دینا اور ریڈار سے بچ کر سری نگر کی طرف پرواز کرو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب مغرب کی طرف کر لیا تھا اور پہاڑوں کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔

''کارگل میں چوپر ریڈار پر آ جائے گا۔''

''پروا نہیں لیکن جہاں تک ممکن ہو اسے ریڈار سے بچاؤ ورنہ ہمارے ساتھ تم لوگ بھی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

احسن خان نے سر ہلایا اور ہیلی کاپٹر کو نیچی پرواز پر لے آیا۔ میں کنٹرول پینل پر نظر رکھے ہوئے تھا اور کمپاس بتا رہا تھا کہ احسن خان درست سمت میں پرواز کر رہا ہے۔ کبھی کبھی پہاڑوں کی وجہ سے پرواز کا رخ کچھ دیر کے لیے بدل جاتا تھا لیکن مجموعی طور پر رخ جنوب مغرب کی طرف ہی رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے کہا۔ ''اس بات کا انکشاف ہونے میں کتنا وقت لگے کہ ہیلی کاپٹر غائب ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اتنی جلدی انکشاف ممکن نہیں ہے کیونکہ ابھی تو چھاؤنی سے مدد بھی نہیں آئی ہو گی۔''

''چھاؤنی صرف بارہ کلومیٹر دور ہے۔''

''ہاں لیکن چھاؤنی کی طرف اس وقت تک کوئی حرکت نہیں ہو سکتی یہ جب تک ہائی کمان کی طرف سے حکم آ جائے۔ یہ جنگ کا علاقہ ہے اور یہاں عام فوجی قوانین نہیں چلتے۔ مجھے بھی لداخ سے نکلنے تک مارک نہیں کیا

جائے گا کیونکہ یہاں خفیہ نوعیت کے فوجی آپریشن ہوتے رہتے ہیں اور ہر کو ان کے بارے میں نہیں معلوم ہوتا ہے۔''

''یعنی جیسے ہی ہیلی کاپٹر جنگی زون سے باہر آئے گا اسے ٹریس کر لیا جائے گا۔''

''بالکل اور اس کے بعد ممکن ہے ہمیں جیٹ فائیٹر انٹرسیپٹ کر لیں۔''

احسن خان درست تجزیہ پیش کر رہا تھا۔ وار زون سے نکلنے کے بعد ہم خطرے کی حد میں آ جائیں گے اور کنٹرول لائن کے دونوں طرف ہمیں مار گرائے جانے کا خطرہ ہوگا۔ ''سری نگر تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟''

''کم سے کم دو گھنٹے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ممکن ہے زیادہ وقت لگ جائے کیونکہ ہم سیدھے نہیں جا رہے ہیں۔''

آدھے گھنٹے بعد ہم لداخ سے نکل آئے تھے اور کارگل کا مشہور زمانہ پہاڑی سلسلہ عبور کرنے کے قریب تھے۔ یہاں احسن خان کو ہیلی کاپٹر اوپر اٹھانا پڑا تھا اور چند منٹ بعد ہم دس ہزار فٹ کی بلندی پر دروں سے گزر رہے تھے یہاں نیچے گھنے جنگل تھے اور ان پر برف پڑی تھی۔ یہاں چند سال پہلے وہ جنگ لڑی گئی تھی جس نے دونوں ملکوں کو ایٹمی جنگ کے پاس پہنچا دیا تھا اور اگر دونوں ملکوں کے حکام اپنے حواس سلامت نہ رکھتے تو بہت بڑی بربادی ممکن تھی۔ اس جنگ میں دونوں ملکوں نے بہت نقصان اٹھایا تھا لیکن مجموعی طور پر بہتر ڈپلومیسی کی وجہ سے میدان بھارت کے ہاتھ رہا تھا اس نے کارگل اپنے قبضے میں رکھا اور ساری دنیا میں مظلوم بن گیا جب کہ پاکستان کا تاثر خراب ہوا تھا۔

کارگل کا پہاڑی سلسلہ پہلے پاکستان کے پاس تھا لیکن اکہتر کی جنگ میں جہاں ہم سے مشرقی پاکستان الگ ہو گیا وہیں کشمیر کے بہت سارے علاقے بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ ان میں ایک کارگل بھی ہے۔ کارگل اصل میں سیاچن گلیشیر کی کنجی ہے اور سیاچن شاہراہ قراقرم کے ساتھ ہے۔ دوسری طرف بھارت کا لداخ سے رابطہ بھی اسی پہاڑی سلسلے سے ممکن ہے کیونکہ سڑک یہاں سے جاتی ہے۔ اس سے کارگل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ احسن خان ہیلی کاپٹر کو ممکنہ حد تک پہاڑوں کے قریب رکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں احسن خان سے پوچھا۔

''کنٹرول لائن یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''تقریباً پچاس کلومیٹرز۔'' اس نے جواب دیا۔ اور میں نے فوری فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس سے کہا۔

''کاپٹر کا رخ کنٹرول لائن کی طرف کر لو۔''

احسن خان نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہمیں وہاں فوراً مار گرایا جائے گا۔''

''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ بولا لیکن وہ الجھن کا شکار تھا۔

''سنو ہمیں کنٹرول کے پار جانا ہے اور تم ہمیں اتار کر فوراً واپس آ سکتے ہو۔''

''اس علاقے میں کہیں اتنی ہموار جگہ نہیں ہے جہاں ہیلی کاپٹر اتر سکے۔''

''تب تم کاپٹر کو اتنا نیچے لے جانا کہ ہم نیچے کود سکیں۔''

''اس میں بہت رسک ہے۔''

''یہ ہمارا رسک ہے۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو ورنہ ہم سب یہیں مارے جائیں گے۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ کنٹرول لائن کی طرف موڑ دیا۔ ''مجھے نہیں لگ رہا کہ ہم بچ سکتے ہیں۔ یہاں کنٹرول لائن کے دونوں طرف جگہ جگہ بنکر ہیں اور فوجوں کے پاس سام میزائل بھی ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے اب تم منہ بند کر کے اپنے کام پر توجہ دو کاپٹر کو زیادہ سے زیادہ نیچے رکھو۔''

احسن خان ہیلی کاپٹر کو مزید نیچے لے آیا تھا۔ ہم پہاڑوں سے لگ کر پرواز کر رہے تھے۔ اچانک کہیں سے ایک ٹریسر چھوٹا اور بلندی پر جا کر پھٹ گیا۔ ٹریسر ایک روشنی کرنے والا گرینیڈ ہوتا ہے اور یہ بہت تیز روشنی کے ساتھ جلتا ہے جس سے آس پاس کا ماحول روشن ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھی پہاڑوں میں روشنی ہو گئی تھی۔

احسن خان نے تشویش سے کہا۔ ''چوپر کو دیکھ لیا گیا ہے۔''

''اگر نیچے سے میزائل حملہ ہو جائے تو کاپٹر میں بچاؤ کے لیے کیا چیز ہے؟''

''اس میں درجن بھر فائر گرینیڈ ہیں جو تیز حرارت پیدا کر کے میزائل کو بھٹکانے کا کام کرتے ہیں لیکن جدید میزائل ان سے کم متاثر ہوتے ہیں۔''

''ہم کنٹرول لائن سے کتنا دور ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی کوئی تیس کلومیٹرز دور ہیں۔''

ہیلی کاپٹر کی رفتار سو کلومیٹرز فی گھنٹہ سے زیادہ تھی اور اس رفتار سے یہ فاصلہ طے کرنے میں مشکل سے بیس منٹ لگتے لیکن یہ بیس منٹ بھی بہت زیادہ تھا۔ ہم دنیا کے خطرناک ترین علاقے میں داخل ہوئے تھے۔ پرواز کے لحاظ سے یہ پہاڑ بہت مشکل تھے اور یہاں فضا سے حملے کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کارگل جنگ کے آغاز میں یہاں لڑنے والے مجاہدین نے دو جدید مگ طیارے مار گرائے تھے اس کے بعد انڈین ائیر فضائیہ کو پیچھے لے گئے تھے اور پیدل سپاہ کو لڑائی میں جھونک دیا تھا جس نے بے پناہ نقصان اٹھانے کے بعد وہ بنکرز خالی کرائے تھے جن پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا تھا۔ جب بھارت نے یہاں دوبارہ قبضہ کیا تو انہوں نے نئے سرے سے بنکرز بنائے تھے اور دوسری طرف پاکستان نے بھی کنٹرول لائن پر بہت زیادہ سیکورٹی کر دی تھی۔ یہاں جگہ جگہ بنکر اور چیک پوسٹیں تھیں۔ ہیلی کاپٹر کی آواز نے یہاں موجود بھارتی سپاہ کو چوکنا کر دیا تھا اور وہ ٹریسر پھینک کر ہیلی کاپٹر کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کنٹرول پینل پر ایک چھوٹا سا بلب جلنے بجھنے لگا۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی ریڈیو سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''اسے کرنے دو...... اب لائن آف کنٹرول کتنی دور ہے؟''

''بیس کلومیٹرز۔'' اس نے جواب دیا اور اسی لمحے کنٹرول پینل پر ایک اور سرخ لائٹ جلنے بجھنے لگی تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آنے لگی تھی۔ احسن خان بدحواس نظر آنے لگا۔ اس نے چلا کر کہا۔ ''سام...... چوپر پر سام میزائل فائر کیا ہے۔''

احسن خان دائیں بائیں جھک کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم دائیں طرف دیکھو میں اس طرف دیکھتا ہوں۔''

میں نے ذرا جھک کر دیکھا تو مجھے دور ایک شعلہ سا لپکتا دکھائی دیا۔ میں نے احسن خان کو بتایا۔ ''میزائل ا میں طرف سے آ رہا ہے۔''

اس نے فائر گرینیڈ کا سسٹم آن کیا اور ایک گرینیڈ اس طرف فائر کر دیا جس طرف سے میزائل آ رہا تھا۔ چند لمحے بعد اس نے ایک گرینیڈ اور فائر اور اس کے کچھ دیر بعد تیسرا گرینیڈ بھی فائر کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے ہیلی کی رفتار بھی تیز کر دی تھی۔ میں مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ میزائل اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک آسمان روشن ہو گیا۔ احسن خان چلایا۔ ''وہ مارا گیا سالا۔''

میزائل کسی گرینیڈ سے ٹکرا گیا تھا۔ کنٹرول پینل پر جلنے بجھنے والی لائٹ بجھ گئی۔ یعنی اب کوئی میزائل فضا میں نہیں تھا۔ میں نے اور احسن خان نے اطمینان کا سانس لیا تھا لیکن یہ سانس زیادہ دیر برقرار نہیں رہا تھا کیونکہ ایک منٹ بعد ہی پینل پر وہی لائٹ پھر جلنے بجھنے لگی تھی۔

''پھر میزائل۔'' احسن خان نے کہا۔ ''لگتا ہے ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ چوپر ٹریپ ہو گیا ہے۔''

ہم پھر میزائل تلاش کرنے لگے اور اس بار یہ دائیں طرف سے آیا تھا۔ احسن خان نے گرینیڈ پوڈ کا رخ اس طرف کر کے یکے بعد دیگرے کئی گرینیڈ فائر کیے۔ اب ہم کنٹرول لائن سے دس کلومیٹرز دور رہ گئے تھے۔ اس بار بھی گرینیڈ نے ہمیں بچا لیا۔ میزائل کسی گرینیڈ سے جا ٹکرایا۔ احسن خان نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور بولا۔ ''لگتا ہے یہ لوگ پرانے روسی ساختہ سام استعمال کر رہے ہیں وہی اتنی آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔''

شاید بھارتی بنئے ہم پر جدید اور مہنگے میزائل استعمال کرنے سے ہچکچا رہے تھے اس کے بعد کوئی میزائل فائر نہیں ہوا تھا شاید ہم اس کی بنکر کی حد سے نکل گئے تھے جہاں سے میزائل فائر کیے جا رہے تھے۔ سام میزائل ہوشولڈر فائرڈ ہوتے ہیں ان کی حد دس کلومیٹرز سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ احسن خان نے میری طرف دیکھا۔

''آگے زیادہ خطرہ ہے پاکستانیوں نے پاس زیادہ جدید میزائل ہیں جن سے جدید جنگی طیارے بھی نہیں بچ سکتے۔ کارگل جنگ میں ہمیں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

''تمہیں کنٹرول لائن کراس کر کے زیادہ دور نہیں جانا ہوگا پہلی مناسب جگہ دیکھتے ہی ہمیں اتار دینا۔''

وہ ہنسا۔ ''مناسب جگہ نام کی کوئی چیز یہاں نہیں ہے۔ اگر تم خودکشی کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں کیسے روک سکتا ہوں۔''

احسن خان ہیلی کاپٹر کو مزید نیچے لے آیا۔ اس کا مقصد شاید پاکستان کی طرف موجود ریڈار سے بچنا تھا۔ میرا خیال تھا ہم کنٹرول لائن کے پاس تھے اور احسن خان نے اس کی تصدیق کر دی۔ ''ہم شاید کنٹرول لائن کراس کر چکے ہیں کیونکہ میرا ریڈیو آن نہیں ہے اس لیے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے پاکستان کی جانب سے مجھے وارننگ دی جا رہی ہو اور میں نے جواب نہیں دیا تو مجھے مار گرایا جائے گا۔''

میں نے سوچا اور اسے ریڈیو آن کرنے کی اجازت دے دی اور کہا۔ ''اگر تمہیں وارننگ دی جا رہی ہو تو تم آلات کی خرابی کا بہانہ کر کے واپس جانے کو کہنا۔ اس دوران میں تمہیں ہم کو ڈراپ کرنے کا موقع مل جائے

گا۔''

احسن خان نے ریڈیو آن کیا اور فوراً ہی وارننگ سنائی دی۔'' کاش تم کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔فوراً واپس جاؤ......اوور۔''

''میں آلات کی خرابی کی وجہ سے بھٹک کر اس طرف آ گیا ہوں۔'' احسن خان نے میری ہدایت کے مطابق کہا۔'' مجھے بتایا جائے کہ میں کس طرف کا رخ کروں۔''

لیکن فوجی جذبہ خدمت سے سرشار نہیں بیٹھے ہوتے جو احسن خان کی پریشانی سن کر اسے گائیڈ کرنا شروع کر دیتے۔ دوسری طرف سے بنا کسی جذبے کے وارننگ دھرائی گئی اور کہا۔''اگر تم دومنٹ کے اندر کنٹرول لائن کے دوسری طرف نہیں گئے تو تمہارا چوپر مار گرایا جائے گا۔ میں دھراتا ہوں دومنٹ کے اندر کنٹرول لائن کے دوسری طرف چلے جاؤ ورنہ چوپر مار گرایا جائے گا۔''

احسن خان نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کا بٹن بند کر دیا۔''سالا بات ہی نہیں سن رہا ہے۔ یہ سچ مچ دومنٹ میں مجھے مار گرائیں گے۔ تمہیں یہیں اترنا ہوگا۔''

میں نے نیچے دیکھا جہاں تاریکی میں کہیں کہیں برف کی سفیدی چمک رہی تھی۔''ہم کنٹرول لائن کے کتنے اندر ہیں اور زمین تو نظر ہی نہیں آ رہی۔''

''میرا خیال ہے پانچ چھ کلومیٹرز اندر آ چکے ہیں۔'' احسن خان نے ہیلی کاپٹر نیچے لاتے ہوئے کہا۔''میں ممکنہ حد تک کوشش کرتا ہوں آگے تمہاری قسمت۔''

میں نے سیٹ بیلٹ کھولی اور سر سے ہیڈفون اتارتے ہوئے چلا کر بیتو کو آواز دی۔''تیار ہو جاؤ ہمیں نیچے جانا ہے۔''

بیتو نے بھی اپنی سیٹ بیلٹ کھول دی اور آگے آیا۔''کیا کہہ رہا ہے؟'' اس نے میرے کان میں چلا کر پوچھا۔

''یہاں سے کودنا ہے کوئی رسی ہے؟''

بیتو نے پیچھے دیکھا اور اسے ایک عدد رسی کا لچھا اور مل گیا تھا میں نے اسے سیٹ کے ساتھ ایک کلپ سے باندھا اور سلائیڈنگ گلاس ڈور سرکاتے ہوئے رسی نیچے پھینک دی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی یخ بستہ ہواؤں کے طوفانی جھکڑ اندر آنے لگے تھے۔ میں نے احسن خان سے کہا۔''کاپٹر کی سرچ لائٹ آن کرو۔''

اس نے سرچ لائٹ آن کی تو نیچے کا منظر کسی قدر بہتر اور خوفناک طور پر سامنے آ گیا تھا ہیلی کاپٹر ایک برفانی کھائی کے اوپر معلق تھا۔ زمین یہاں سے کم سے کم سو فٹ نیچے تھے اور میرے انداز کے مطابق رسی اتنی ہرگز نہیں تھی۔ پتا کتنی بلندی سے ہمیں نیچے گرنا پڑتا اور نیچے ہمارے نصیب میں نرم برف آتی یا برف سے ڈھکے پتھر ملتے۔ میں نے چلا کر اور اشارے سے بھی احسن خان کو ہیلی کاپٹر مزید نیچے لانے کو کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا کہ ہیلی کاپٹر مزید نیچے نہیں جا سکتا تھا اس نے ایک طرف برف سے ڈھکے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ جو کھائی سے خطرناک حد تک قریب تھے اور ہیلی کاپٹر کے پر ان سے ٹکرا سکتے تھے۔ میں نے نیچے کا جائزہ لیا اور پھر احسن خان کو ہیلی کاپٹر دائیں طرف کرنے کو کہا۔ اس بار وہ سمجھ گیا تھا۔

احسن خان نے پرتعاون رویے کے باوجود میرے ذہن نے اسے دوست تسلیم نہیں کیا تھا وہ صرف اپنی اور موہن سنگھ کی جان بچانے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اسے یہاں سے بحفاظت نکلنے کی فکر تھی۔ اس لیے اس نے میرے حکم کو مان لیا۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹر دائیں طرف ڈھلان پر آیا میں نے بیتو کو نیچے جانے کا اشارہ کیا اور وہ بے جھجک کر رسی تھام کر نیچے اتر گیا تھا میں اسے نیچے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اچانک رسی ختم ہوئی اور بیتو لہراتا ہوا برف میں جا گرا۔ میرا دل ایک لمحے کو رک گیا تھا لیکن جب بیتو نے اٹھ کر اشارہ کیا تو میری جان میں جان آئی۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں نے احسن خان کی طرف دیکھا اور چلا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور رسی تھام کر نیچے کود گیا۔ رسی پتلی تھی اور میں تقریباً گرنے کی رفتار سے نیچے گیا تھا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر نے اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں احسن خان کی بدنیتی کا عمل دخل تھا یا وہ اب یہاں سے نکل جانے کے لیے بے چین تھا اور اس نے میرے نیچے جانے کا انتظار کیے بغیر ہیلی کاپٹر کو اوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ اس موقع پر میں نے اپنا سفر جاری رکھا اور ڈر کر رسی پر گرفت مضبوط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کوئی تیس فٹ کی بلندی سے رسی میرے ہاتھ سے نکل گئی اور میں تیر کی طرح برف کی طرف لپکا۔ تصادم کے زور کو کم کرنے کے لیے میں نے جسم سکیڑ لیا تھا۔ میں برف پر گرا اور اس میں دھنستا چلا گیا۔ چند لمحے ساکن پڑے رہنے کے بعد میں اٹھا اور اپنے جسم کا معائنہ کیا۔ خوش قسمتی سے اس جگہ نرم برف کا ڈھیر تھا جس نے میرے لیے فوم کا کام کیا تھا اور میں تیس فٹ کی بلندی سے گرنے کے باوجود کسی چوٹ سے محفوظ رہا تھا حتیٰ کہ خراش تک نہیں آئی تھی۔ بیتو میرے پاس بھاگا آیا تھا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا۔

''شوبی بھائی آپ ٹھیک ہے؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تم ٹھیک ہو؟''

''ہم بھی بالکل فٹ فاٹ ہے۔'' اس نے چہک کر کہا اور میں نے برف پر ہی سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ نے ہمیں بحفاظت زمین تک پہنچا دیا ورنہ اس ویرانے میں تو کہیں طبی امداد کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ بیتو چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے؟''

یہ تو مجھے خود نہیں معلوم تھا لیکن ایک بات یقینی تھی کہ ہم کنٹرول لائن پار کر کے پاکستانی کشمیر میں تھے۔ میرے پاس ٹارچ اور رائفل تھی لیکن دونوں چیزیں مجھ سے الگ ہو کر برف میں گر گئی تھیں۔ بیتو کا پستول اس کے پاس تھا۔ میں نے کہا۔ ''رائفل اور ٹارچ تلاش کرو۔''

''ٹارچ یہ رہی۔'' اس نے مجھے ٹارچ دی۔ ''رائفل دیکھنا پڑے گا۔''

ہم نے مل کر تلاش کی تو کچھ دیر میں رائفل مل گئی۔ میں نے اسے چیک کیا وہ ٹھیک حالت میں تھی۔ سردی یہاں بھی بلا کی تھی اور درجہ حرارت یقیناً صفر سے دس پندرہ درجے سینٹی گریڈ نیچے تھا لیکن ہم مستقل کچھ عرصے سے اتنی یا اس سے بھی زیادہ سردی کا سامنا کرتے آئے تھے۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ احسن خان اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جا چکا تھا میں نے سوچا کہ وہ کنٹرول لائن پار کر چکا ہوگا اور اسی لمحے مجھے کہیں دور ہونے والے دھماکے کی ہلکی سی آواز آئی تھی۔ بے ساختہ مجھے خدشہ ہوا کہ شاید احسن خان کے ہیلی کاپٹر کو کنٹرول لائن کے ادھر

یا دوسری طرف مار گرایا گیا تھا لیکن دھما کہ کسی اور چیز کا بھی ہوسکتا تھا۔

''شاید اسے مار گرایا۔'' بیتو بھی وہی سوچ رہا تھا۔

''اگر ایسا ہو ہے تو مجھے افسوس ہے۔''

بیتو نے تعجب سے مجھے دیکھا۔''اس نے آپ کو دھوکا دیا اور آپ کے اترنے سے پہلے ہیلی کا پٹر اوپر اٹھالیا اور آپ افسوس کر رہے ہو۔''

''ہاں وہ اتنی بڑی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ اگر ادھر گرا ہے تب بھی اور اگر اسے انڈیا والے حصے میں مار گرایا ہے تب بھی۔''

بیتو نے سر ہلایا اور اس موضوع پر بات کرنے کے بجائے بولا۔''ادھر سے نکلیں...... ابھی پاکستان کا فوجی ہمیں تلاش کر رہا ہوگا۔''

اس نے درست کہا تھا۔ اس موسم کے باوجود یہاں والے اتنے چوکس تھے کہ انہوں نے ہیلی کا پٹر کی مداخلت فوراً نوٹ کر لی تھی اور اسے وارننگ دینے لگے تھے اس کے بعد یقیناً کنٹرول لائن کے پاس ریکی کی جاتی۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔ اگر ہمیں گرفتار کر لیا جاتا تو بلا تکلف ہمیں بھارتی جاسوس قرار دیا جاتا کیونکہ ہم بھارتی کمانڈوز کی وردیوں میں تھے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے بیتو سے کہا۔''وردی پر سے تمام نشانات ہٹا دو، جلدی کرو۔''

میں نے چاقو کی مدد سے اپنی اور بیتو کی وردی پر سے تمام نشانات ہٹا دیئے تھے۔ ٹوپی پر نشان کڑھے ہوئے تھے اور ان کو اتارنا ممکن نہیں تھا اس لیے ہم نے یہ کیا کہ ٹوپی الٹ کر پہن لی۔ اسلحہ بھی خطرناک ہوسکتا تھا کیونکہ یہ بھارتی ساختہ تھا لیکن ابھی ہم اسے نہیں پھینک سکتے تھے۔ ہم جس جگہ گرے تھے یہ ایک گڑھا تھا اور اس میں برف بھری تھی اسی وجہ سے ہماری بچت ہوئی ورنہ ایک آدھ ہڈی تو لازمی ٹوٹ جاتی۔ بڑی مشکل سے اس گڑھے سے باہر آئے۔ سمتوں کا درست اندازہ کرنے کے لیے چاند کی مدد لی جواب مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور میرے خیال میں تین چار گھنٹے بعد صبح ہو جاتی۔ اس کے بعد ہمارے لیے چھپنا مسئلہ ہو جاتا اور ہمیں تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہیے تھا۔

میں نے رخ مغرب کی طرف رکھا تھا کیونکہ اس صورت میں ہم یقینی طور پر کنٹرول لائن سے دور ہوتے جاتے جب کہ دائیں بائیں جانے کی صورت میں یہ کہنا مشکل ہوتا کہ ہم بھارت کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں کیونکہ یہ لائن بہت پیچیدہ اور غیر واضح ہے۔ بہت سارے مقامات ایسے ہیں جہاں بھارت اور پاکستان دونوں طرف کے لوگ آتے جاتے ہیں اور کئی چشموں سے دونوں کے فوجی پانی لیتے ہیں۔ ہمارے لیے بہتر یہی تھا کہ یہاں سے ممکنہ حد تک دور نکل جائیں۔ میں نے بیتو سے کہا۔''ہم نے چاند کی سمت میں سفر کرنا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پر کھانے کا کیا ہوگا؟'' اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔''ہمارے پیٹ میں چوہا دوڑتا ہے۔''

''چوہا نہیں کئی چوہے۔'' میں نے تصحیح کی۔''تمہاری بات سن کر مجھے یاد آیا کہ میں بھی بھوکا ہوں۔''

''کہیں سے کھانے کو کچھ ملنا کا امید ہے۔''

''اگر یہاں پکڑے گئے تو لات مکے ملنے کا تو بہت امکان ہے لیکن سچ مچ کھانے والی کوئی چیز ملنے کا فی الحال کوئی امکان نہیں ہے۔'' میں نے حقیقت بیان کی تو بیتو کا منہ اتر گیا تھا۔ گرم لباس نے ہمیں سردی سے تو بچا لیا تھا لیکن بھوک ایک مسئلہ تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم نو دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور اس بلندی پر کسی آبادی کا ملنا محال تھا۔ شاید ہمیں خاصا سفر کرنا پڑے تب کہیں جا کر کوئی آبادی ملتی اور اس موسم میں یہاں صرف کسی آبادی میں ہی کھانے کو کچھ مل سکتا تھا۔ بیتو خاموشی سے چل رہا تھا اچانک اس نے سوال کیا۔ ''شوبی بھائی آپ کا گھر یہاں سے کتنا دور ہے؟''

اس کے سوال نے اچانک ہی مجھے اس گھر میں پہنچا دیا جس کے بڑے سے صحن میں میرا بچپن اور جوانی کے دن گزرے تھے۔ جو میرے لیے اس دنیا میں سب سے بڑی پناہ گاہ تھا۔ اس گھر میں آج بھی میری ماں رہتی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ آج بھی میری راہ تکتی ہو گی۔ وہاں میرا باپ تھا پتھر کی طرح سخت، جس کے اندر میرے لیے محبت کا چشمہ تھا لیکن اس چشمے تک کبھی میری رسائی نہیں ہوئی تھی میری بہن اور بھائی تھے اور۔

''کیا سوچ رہا ہے شوبی بھائی کدھر ہے آپ کا گھر۔''

''یہ پاس ہے۔'' میں نے بے ساختہ ہاتھ آگے کیا اور پھر چونک گیا اب وہاں کچھ نہیں تھا ایک ویرانہ تھا اور ویرانوں میں گھر نہیں ہوتے۔ جیسے میرے اندر ایک ویرانہ بن گیا تھا اور اس میں گھر نہیں رہا تھا۔ بیتو نے میری کیفیت محسوس کر لی اور پھر اس نے دوبارہ سوال نہیں کیا تھا۔ ہم ایک درے سے گزر رہے تھے جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ تھے اور ان پر گھنے درخت تھے۔ گرمیوں میں یہ علاقہ جنت نظیر بن جاتا ہوگا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ ہم آڑ میں رہیں اور کسی کی نظر میں نہ آئیں۔ یہ ممکن ہے اس علاقے میں ایسے کیمرے لگے ہوں جو رات میں دیکھتے ہوں اور ہم آسانی سے ان انفرا ریڈ کیمروں کا شکار بن سکتے تھے۔ اس طرح نائٹ ویژن سے بھی ہمیں با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

یہاں آرمی کے بنکرز کی موجودگی لازمی تھی اور یہ بنکرز عام طور سے پوشیدہ رکھے جاتے تھے۔ جیسے لداخ میں بھارتی فوج کا بیس تھا۔ ہم بے خبری میں ایسے کسی بنکر سامنے جا نکلتے تو پکڑے جاتے۔ اس لیے درختوں کے نیچے سے گزر رہے تھے ٹارچ روشن کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا یہ تو اپنی موجودگی کی اطلاع آپ دینے والی بات ہوتی۔ بلندی کی وجہ سے ہلکی ہوا، سردی اور بھوک نے ہمیں نڈھال کر دیا تھا اور ہر آدھے گھنٹے بعد ہمیں آرام کے لیے رکنا پڑتا تھا۔ ہم ان پہاڑوں میں چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ کئی دن تک اسی جگہ رینگتے رہیں گے۔ کیونکہ منظر بدل نہیں رہا تھا۔ بیتو نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''ہم چل بھی رہا ہے یا بس ایسے ہی قدم اٹھا رہا ہے۔''

''ہم چل رہے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم پہاڑی علاقے کے رہنے والے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ پہاڑی راستے کیسے دھوکا دیتے ہیں۔''

بیتو تھک گیا تھا وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اسے شاید پیاس لگ رہی تھی اس نے کچھ برف اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ تھکن سے میرا بھی برا حال تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے سے ہم مسلسل حرکت میں تھے۔ آسمان پر روشنی نمودار ہو رہی تھی اور کچھ دیر میں صبح ہو جاتی اس سے پہلے میں اس درے سے نکل جانا چاہتا تھا اس کے اوپر پہاڑوں میں بنکرز

ہوئے تو ہم نظر میں آسکتے تھے۔ اس لیے چند منٹ بعد میں کھڑا ہو گیا۔ بیتو منمنایا۔ ''شوبی بھائی ہم مر جائے گا۔''

''نہیں مرے گا۔'' میں نے اسے کھڑا کر دیا۔ ''ہم خطرے کی حد میں ہیں اور یہاں سے نکل جانا لازمی ہے۔''

ہم پھر چلنے لگے کچھ دیر بعد مجھے لگا جیسے رائفل بھی میرے لیے بوجھ ہو رہی ہے۔ میں نے سوچا اب اس کی خاص ضرورت نہیں رہی تھی بلکہ اس کی وجہ سے ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے میں نے رائفل پھینک دی۔ بیتو خوش ہو کر بولا۔ ''آپ نے اچھا کیا بلا وجہ کا بوجھ تھا۔''

''نہیں اچھا نہیں کیا۔'' میں نے رک کر رائفل اٹھائی اور اسے ایک چھوٹے سے گڑھے میں معہ اس کے اضافی میگزین ڈال کر اوپر سے برف ڈال دی اب یہ آنے والے گرما تک کے لیے یہاں چھپ گئی تھی۔ بیتو کے پاس پستول تھا اور کوئی خطرہ سامنے آتا تو ہم اس سے نمٹ سکتے تھے۔ ہم کچھ دیر کا آرام کر کر کے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ صبح نمودار ہو گئی تھی۔ ہم درے کے آخری حصے میں تھے سامنے کچھ اونچی نیچی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں جو برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ پتا نہیں ہم کشمیر کے کس حصے میں تھے۔

اب تک نہ تو ہمیں کوئی بنکر یا فوجی چیک پوسٹ نظر آئی تھی اور نہ ہی کسی قسم کی نقل و حرکت دکھائی دی تھی۔ آبادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے سنا تھا کہ ان پہاڑوں پر صدیوں سے گوجر لوگ گرمیوں میں اپنے مویشی چرانے آتے تھے اور سرما میں نیچے چلے جاتے تھے انہوں نے پہاڑوں پر اپنے عارضی مکانات بنا رکھے ہوتے تھے۔ وہ خانہ بدوشی کے عادی تھے۔ نیچے بھی ان کے مکان عارضی ہوتے تھے اور وہ صدیوں سے اس طرح کی زندگی گزارتے آئے تھے لیکن مجھے یہاں ان کا کوئی عارضی ٹھکانہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے لائن آف کنٹرول ہونے کی وجہ سے وہ اب یہاں نہ آتے ہوں۔ اگر ہمیں ان کی کوئی ایسی عارضی رہائش گاہ جسے یہ بہک بھی کہتے ہیں مل جاتی تو ہم آرام کر سکتے تھے اور ممکن ہے وہاں ہمیں کھانے کو کچھ مل جاتا۔

درے سے نکل کر ہم پہاڑوں کی طرف بڑھے۔ یہ اصل میں جنگل تھے اور یہاں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یعنی ایسے کچے راستے جو انسانوں کی آمد و رفت سے بن جاتے ہیں۔ روشنی ہونے کے بعد سردی کا احساس ذرا کم ہوا تھا حالانکہ سردی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ہم پہلی پہاڑی کے پاس پہنچے تھے تو بیتو نے اس کی ڈھلان کی طرف اشارہ کیا۔ ''شوبی بھائی ایسا لگ رہا ہے درختوں کے درمیان جھونپڑیاں ہیں۔''

میں نے غور سے دیکھا تو مجھے بھی ایسا ہی شبہ ہوا تھا۔ ''ہاں لگ تو رہا ہے آؤ اوپر چل کر دیکھتے ہیں۔''

ہم اوپر چڑھنے لگے اور ذرا دیر بعد ہم کوئی درجن گھروں پر مشتمل گوجروں کی ایک عارضی بستی میں کھڑے تھے۔ یہ سارے گھر کچی مٹی سے اور پتھر کی مدد سے بنائے گئے تھے۔ ان کی چھتیں لکڑی اور مٹی سے تیار کی گئی تھیں اور دروازے بس گزارے لائق تھے۔ برف باری سے بچانے کے لیے ان کی چھتیں ترچھی رکھی گئی تھیں۔ ہم پہلے گھر میں داخل ہوئے۔ یہ اندر سے خالی تھا۔ ان گھروں میں ویسے بھی کوئی فرنیچر نہیں ہوتا ہے۔ جب گوجر آتے ہیں تو وہ زمین پر خشک گھاس اور اس پر جانوروں کی کھالوں سے بنے نمدے بچھا کر رہتے ہیں۔ ضرورت کی ہر شے وہ ساتھ لاتے ہیں اور ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ گھر مکمل طور پر خالی تھے۔ البتہ وہاں زمین پر خشک گھاس بچھی تھی۔ میں اس پر ڈھیر ہو گیا۔

''ہم دیکھ کر آتا ہے شاید ادھر کھانے کو کچھ مل جائے۔''

''لیکن دور مت جانا اور ہوشیار رہنا ان پہاڑوں میں شیر اور چیتے پائے جاتے ہیں جو سردی سے بچنے کے لیے ان گھروں میں گھس آتے ہیں۔''

بیتو نے دانت نکالے۔''ہم کو مت ڈراؤ، ہم کو معلوم ہے وہ سردی میں نیچے چلا جاتا ہے۔''

بیتو چلا گیا۔ یہاں باہر کے مقابلے میں سردی کم تھی اور اگر ہم یہاں لکڑیاں جلا لیتے تو مزہ آجاتا لیکن ہم یہاں مزے کے لیے نہیں آئے تھے ہمیں کچھ دیر آرام کے بعد یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔ اب تک کوئی روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے میں مطمئن ہو گیا تھا کہ ہم نے کنٹرول لائن کے علاقے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

لیکن اس جگہ سکون سے کچھ وقت گزارنا ہمارے نصیب میں نہیں تھا۔ جب میں بیتو کو شیر یا چیتے سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے رہا تھا تو میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں سچ مچ ایسی کوئی چیز پائی جا سکتی ہو گی۔ کیونکہ بیتو ٹھیک کہہ رہا تھا سردیوں میں شیر چیتے اتر کر نیچے پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں۔ لوگوں نے اسلام آباد میں مارگلہ اور دامن کوہ تک میں چیتوں کو دیکھا ہے۔ مری اور اس کے گردونواح میں شیر اور چیتے تو میں نے خود بھی دیکھے ہیں۔

اچانک ہی کسی چیتے کی زبردست غراہٹ اور پھر پے در پے فائرز نے مجھے بوکھلا دیا تھا میں اٹھ کر باہر کی طرف بھاگا۔ بیتو میری طرف دوڑا آرہا تھا اور اس کے پیچھے ایک جوان اور قد آور چیتا دوڑ رہا تھا۔ وہ بیتو سے چند قدم ہی دور تھا اور لگ رہا تھا کہ ابھی بیتو کو پکڑ لے گا لیکن وہ بھاگتے بھاگتے گرا اور لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کے حلق سے دردناک سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ بیتو کی چلائی گولیاں اسے گھائل کر چکی تھیں۔ بیتو رک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ اس کی سانس چڑھی ہوئی تھی اور خوف سے اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''یہ کم...... بخت اندر...... چھپا بیٹھا تھا۔ جیسے...... ہی ہم...... اندر داخل ہونے لگا...... اس نے دھاڑ...... کر حملہ کر دیا...... ہم نے گولیاں چلائیں اور پھر...... بھاگا۔''

اس نے گولیاں شاید اضطراری طور پر چلائیں تھیں جو چیتے کو لگ بھی گئیں اور کارگر ثابت ہوئیں ورنہ اصل کام اس نے بھاگ کر کیا تھا۔ اس قسم کی صورتِ حال میں فرار ہی سب سے بہتر حل ہوتا ہے کیونکہ آپ جانور کو ہینڈز اَپ نہیں کرا سکتے اور نہ ہی وہ گولیاں کھا کر فوری طور پر مرتا ہے۔ وہ مرنے سے پہلے آپ کو مارنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس لیے جب آپ کا سامنا کسی درندے سے ہو تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا ہی بہترین حکمت عملی ہوتی ہے۔ میں نے ذرا فاصلے سے چیتے کو دیکھا۔''کیا یہ مر گیا ہے؟''

''ہمارا خیال مر گیا ہے۔'' بیتو اب ذرا بہادر ہو رہا تھا اور اس نے جوتے سے چیتے کو ہلایا اسی لمحے چیتے نے ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی اور ہم دونوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ میں پہلے کمرے میں گھسا اور میرے پیچھے بیتو نے گھس کر لکڑی کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ چیتے کی آخری ہچکی تھی اس کے باوجود اس کی دہشت ہم پر سوار تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے جھانکا۔ اس بار چیتا چاروں ہاتھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے پڑا تھا اور یقیناً انتقال کر گیا تھا۔ میں نے بیتو کو بتایا لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"یہ مکر کرتا ہے۔" اس نے سہمے لہجے میں کہا۔ "ابھی باہر جائے گا تو اٹھ جائے گا۔"

"ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے کہا اور دیوار سے ایک خاصے بڑے سائز کا پتھر نکال کر دروازہ ذرا سا کھولا اور چیتے پر دے مارا۔ اگر اس میں ذرا بھی جان ہوتی تو وہ یقیناً احتجاج کرتا۔ مگر وہ اسی طرح پڑا رہا تھا۔ میں نے بیتو کو بتایا کہ وہ مر گیا ہے لیکن بیتو ماننے کے لیے تیار نہیں بڑی مشکل سے میں نے اسے کمرے سے نکلنے پر آمادہ کیا۔ "اب ساری عمر یہاں تو نہیں رہنا ہے اور ویسے بھی ہمیں جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"ہاں یہاں ایسے اور بھی ہوں گے۔" بیتو نے میری تائید کی۔

"اس وجہ سے نہیں برخوردار...... یہ جو تم نے فائرنگ کی ہے اس کی بازگشت یقیناً یہاں موجود چوکیوں تک گئی ہوگی اور جلد کوئی ہماری تلاش میں اس طرف آئے گا۔ اس سے پہلے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

بیتو شرمسار ہو گیا۔ "یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں بس خود بہ خود فائر کر دیا۔"

"یہ تمہارا فطری ردِعمل تھا۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "لیکن جانے سے پہلے ہمیں ایک کام کرنا ہوگا۔"

"وہ کیا؟"

میں نے اسے کام بتایا تو وہ بدک گیا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی تلاش کرتا یہاں آ جائے تب بھی اسے ہمارا سراغ نہ ملے اس لیے میں چیتے کی لاش چھپا کر جانا چاہتا تھا۔ بیتو اسے ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے چیتے کی لاش ٹھکانے لگانے کا مجھے سرانجام دینا پڑا اور یہ کوئی مشکل بھی نہیں تھا۔ وہ جس کمرے کے سامنے مرا پڑا تھا میں نے اسے گھسیٹ کر اسی کمرے میں گھاس تلے چھپا دیا اس کا وزن شاید ساٹھ ستر کلوگرام سے زیادہ نہیں تھا۔ یہ ایک عام سا پہاڑی چیتا تھا جو کسی زمانے میں ہمالیہ کے تمام سلسلوں میں عام ملتا تھا لیکن مسلسل شکار سے اس کی تعداد خاصی کم ہو گئی ہے اور ہم نے بچ جانے والوں میں ایک چیتا مزید کم کر دیا تھا۔ مجھے ایک خیال آیا کہ ہمیں رقم کی ضرورت تھی اور چیتے کی کھال اچھی قیمت میں بک جاتی ہے۔ اس کے عوض ہمیں دس پندرہ ہزار روپے ضرور مل جاتے لیکن ابھی اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم کھال اتارتے۔ اس لیے میں نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

اس دوران میں بیتو نے گولیوں کے خول جمع کر لیے اور خون کے نشانات مٹا دیئے۔ اب بہ ظاہر وہاں کچھ نہیں ہوا تھا۔ ہاں کوئی کھوجی آ جاتا تو وہ بتا سکتا تھا ورنہ عام آدمی نہیں جان سکتا تھا کہ یہاں کوئی آیا بھی تھا یا نہیں۔ اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سورج کی روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ اس لیے ہم گھنے درختوں کے درمیان سے گزرنے لگے تھے۔ تاکہ دور سے نظر نہ آئیں۔ اگرچہ سورج نکلنے سے سردی کسی قدر کم ہوئی تھی لیکن میرے نکتہ نظر سے یہ بہتر نہیں تھا کیونکہ ابر آلود موسم حدِنظر کم ہو جاتی ہے۔ سورج چمک رہا ہو تو دور کی چیزیں بھی صاف نظر آتی ہیں۔ میں اس چیتے کو کوس رہا تھا جس نے کچھ دیر ستانے کا موقع بھی چھین لیا تھا اور اپنی جان سے بھی گیا تھا۔

ایک پہاڑ سے اتر کر ہم آگے آئے تو ایک چھوٹا سا دریا راہ میں حائل تھا اس موسم میں اس میں پانی تو نہ ہونے کے برابر تھا لیکن جتنا بھی تھا وہ جان لیوا حد تک سرد تھا۔ اس میں اترنے کا مطلب سوائے نمونیے کے اور کچھ نہیں تھا۔ ہم دوسری طرف جانے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرتے ہوئے دریا کے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔ کوئی ایک کلومیٹر نیچے آنے کے بعد ایک جگہ دریا پتھروں کے درمیان سے گزر رہا تھا اور ہم کوشش کرتے تو ان

پتھروں پر پاؤں رکھتے دوسری طرف جا سکتے تھے۔ مجھے ہائی کنگ کا تجربہ تھا اس لیے میں آرام سے جا سکتا تھا مجھے بیتو کی فکر تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا خیال ہے برخوردار...... دریا عبور کر سکتے ہو۔''

بیتو نے جائزہ لیا اور سر ہلایا۔ ''کر سکتا ہے۔''

''تو آجاؤ لیکن ہر پتھر پر دیکھ بھال کر قدم رکھنا۔'' میں نے کہا اور ایک پتھر پر چڑھ گیا۔ پھر دوسرے پر چھلانگ لگائی۔ پانی کے درمیان ہونے کی وجہ سے پتھروں پر پھسلن تھی اور میرے قدم مشکل سے جمے تھے۔ دو پتھروں سے چھلانگ لگانے کے بعد میں دریا کے وسط میں پہنچ گیا میں نے مڑ کر دیکھا۔ بیتو اب پہلے پتھر پر کھڑا تھا اور اس کے چہرے سے خوف جھلک رہا تھا۔ پھر اس نے ہمت کر کے دوسرے پتھر پر چھلانگ لگائی اور پھسل کر گرتے گرتے بچا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ میں واپس آیا اور تیسرے پتھر پر کھڑے ہو کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''آجاؤ میں تمہیں پکڑ لوں گا۔''

اس نے چھلانگ لگائی اور میں نے اسے سنبھال لیا۔ پھر اگلے پتھر پر جا کر اسے بلایا۔ ایک ایک کر کے سارے پتھر پھلانگ کر ہم دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ بیتو نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور بولا۔ ''شکر ہے آپ ساتھ ہے ورنہ ہم اکیلا کبھی اس طرف نہیں آ سکتا تھا۔''

میں نے دریا کا یخ بستہ پانی پیا اور بیتو کی طرف دیکھا۔ ''یہ بات مت کہو جب کوئی نہیں ہوتا تو انسان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے اور وہی سب سے بڑا سہارا ہے۔''

بیتو نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''آپ لوگ اللہ پر بہت بھروسہ کرتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں شاید تم کو ایک بار پہلے بھی کہہ چکا ہوں ہمارا اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔''

ہم آگے روانہ ہوئے۔ ''ہم نے دیکھا ہے جب آپ اس سے مانگتے ہوئے تو وہ دیتا ہے آپ کی مرضی پوری ہو جاتی ہے۔''

''یہ اس کی مہربانی ہے۔ ورنہ ہم اس سے مانگنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔''

بیتو کو تعجب ہوا۔ ''کیوں قابل نہیں ہے؟''

''کیونکہ ہم اسے مانتے ہیں لیکن اس کی نہیں مانتے۔'' میں نے ایک سرد آہ بھری جو اپنی ذاتی زندگی پر تھی اور ہم مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر بھی تھی۔ بیتو میری بات نہیں سمجھا تھا۔ یہ بات تو جانتے ہوئے خود ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو وہ بے چارہ جانتا ہی نہیں تھا اس کی سمجھ میں کہاں سے آتی۔ دریا ذرا آگے جا کر پہاڑی کے پیچھے غائب ہو رہا تھا اور جب ہم پہاڑی سے دوسری طرف اترے تو یہ دیکھ کر سر پیٹ لیا کہ دریا پھر راہ میں حائل تھا۔ وہ گھوم کر ہمارے سامنے آ گیا تھا اور ہم اسے عبور کرنے کے بجائے اس کے ساتھ چلتے رہتے تو راستہ خود مل جاتا۔ اب پھر اسے عبور کرنا تھا اور یہاں دریا کسی قدر شوریدہ سر ہو گیا تھا اس کا پانی زیادہ تندی سے بہہ رہا تھا۔ دریا میں پتھر بھی کم تھے۔ واپس جانے کے لیے ہم میں سے کوئی تیار نہیں تھا۔ بیتو نے کہا۔

''اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ممکن ہے آگے سے یہ پھر گھوم جائے۔''

اس کی بات بھی قابل غور تھی اب ہم دریا عبور کرنے کی مشق تو نہیں کر سکتے تھے اور وہ بھی اس موسم میں۔ اس لیے میں نے بیتو سے اتفاق کیا اور ہم دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ اب بھوک اس مرحلے میں داخل ہوگئی تھی کہ انسان کھانے کی چیز کے بارے میں صرف دانتوں سے سوچتا ہے۔ یعنی بلا تکلف اسے کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بیتو دریا میں جھانکتا ہوا چل رہا تھا۔ میں نے پوچھا تو بولا۔

''ہم دیکھ رہا ہے شاید کوئی مچھلی مل جائے۔''

''اس موسم میں یہاں مچھلی کہاں ملے گی۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

مسلسل چلنے سے سردی کا احساس تو کم ہوا تھا لیکن بھوک کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی تھکن سے برا حال تھا۔ ایک جگہ تھک کر ہم ستانے کے لیے ایک چٹان پر لیٹ گئے جو دھوپ سے کسی قدر گرم ہوگئی تھی۔ بیتو نے وقت گزاری کے لیے کھانوں کی باتیں شروع کر دیں۔ ''شوبی بھائی آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟''

''پلاؤ اور تندور سے لگی روٹی کے ساتھ چنے کا سالن۔'' میں نے کہا۔ یہ دونوں کھانے بچپن سے میرے پسندیدہ تھے۔ گھر میں مرغ بھی پکا ہوتا تھا تب بھی میں ماں جی سے فرمائش کر کے چنوں کا سالن بنواتا تھا۔ ہمارے علاقے میں چاول کم کھائے جاتے ہیں اور جو کھائے جاتے ہیں وہ بھی بس ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن ماں جی کے ہاتھ کا بنا پلاؤ بھی لاجواب ہوتا ہے۔ بابا کے جو دوست شہروں سے آتے تھے وہ بھی ماں جی کا بنایا ہوا پلاؤ کھا کر حیران رہ جاتے تھے۔

''ادھر بنگال میں جو بریانی کھایا تھا۔'' بیتو نے پانی نگلتے ہوئے کہا جو کھانوں کے نام پر منہ میں آ رہا تھا۔ ''پھر تکہ......''

''بس کر یار پہلے ہی پیٹ میں کچھ ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

بیتو اوندھے منہ لیٹ گیا۔ ''کھانا تو ملتا نہیں ہے آپ کھانے کا بات بھی نہیں کرنے دیتا ہے۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ سورج ہمارے اوپر سے گزر کر مغرب کی طرف جا رہا تھا میرے اندازے کے مطابق چار بج رہے تھے اور یہاں ساڑھے پانچ بجے تک سورج غروب ہو جاتا اور چھ بجے اندھیرا چھا جاتا۔ اس لیے میں کھڑا ہو گیا۔ ''بس اب چلو۔''

بیتو ایسے ہی لیٹا رہا وہ دریا کے پار دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی بھائی وہ دیکھنا......ادھر ایک گاؤں نظر آ رہا ہے پتا نہیں ہے یا ہمارا نظر کا دھوکا ہے۔''

میں نے اس کی بتائی سمت غور سے دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ بیتو کی نظر تیز تھی۔ اس نے کہا۔ ''ہم کو وہاں گھر جیسے نظر آ رہے ہیں۔''

''ممکن ہے وہاں کوئی گاؤں ہو۔'' میں نے چٹان سے اتر کر کہا اور آگے چل پڑا۔ بیتو اتر کر میرے پیچھے آیا۔ دریا اب سیدھا تھا اور حیرت انگیز طور پر شمال کی طرف بہہ رہا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد بیتو کی نظر درست ثابت ہوئی اور مجھے بہت چھوٹے سے گھر نظر آنے لگے۔ بیتو کو وہاں کچھ لوگ بھی چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔

اس موسم میں شمال کے لوگ گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور سوائے اشد ضرورت کے باہر نہیں نکلتے ہیں۔ سرما کے پانچ چھ مہینے وہ ایسے گھروں میں گزارتے ہیں جن میں ہوا کی آمد و رفت کا کوئی انتظام نہیں

ہوتا ہے اور اندر ہمہ وقت چولہے سے اٹھنے والا زہریلا دھواں بھرا رہتا ہے لیکن وہ اس میں خوش ہوتے ہیں کیونکہ ایک تو اس دھویں میں ذرا حرارت ہوتی ہے اور دوسرے دھویں کی وجہ سے ہوا ذرا بھاری ہو جاتی ہے۔ ان کو اس کی کوئی پروانہیں ہوتی ہے کہ یہ زہریلا دھواں ان کی صحت کو کتنا نقصان پہنچا رہا ہے میں نے شمال میں بہت کم لوگوں کو صحت یاب دیکھا ہے حالانکہ قدرت نے ان کو دنیا کی صاف ترین ہوا سانس لینے کے لیے فراہم کر رکھی ہے۔ مگر وہ اپنے گھر کے دھویں میں خوش رہتے ہیں۔

مزید ایک گھنٹے بعد ہم گاؤں کے قریب پہنچ چکے تھے اور یہ دریا کی دوسری سمت میں ایک چھوٹی سی ڈھلان پر آباد تھا اور اس کے اوپر بہت اونچا برف اور جنگل سے ڈھکا پہاڑ تھا۔ دریا یہاں بھی شوریدہ سر تھا اور اسے عبور کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ لوگوں نے دریا عبور کرنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا ہوا ہے۔ شمالی علاقے میں جہاں پل نہیں ہیں وہاں مقامی لوگوں نے چھوٹے دریاؤں اور نالوں پر رسی کے جھولنے والے پل بنا رکھے ہی اور جہاں پل بنانے کی گنجائش نہیں ہے وہاں رسی اور چرخی کی مدد سے چیئر لفٹ بنا رکھی ہے لیکن یہ چیئر لفٹ ایسی ہوتی ہے کہ اس پر بیٹھ کر دریا عبور کرنے کے مقابلے میں پل صراط عبور کرنا زیادہ آسان لگتا ہے۔ ایک دو بار مجھے اتفاق ہوا ہے اور ہر بار چیئر لفٹ سے اترنے کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ اب اس پر نہیں بیٹھوں گا۔ ایک بار یہ تجربہ دریائے ہنزہ پر ہوا تھا اور نیچے دریا کی لہریں دیکھ کر لگتا تھا ابھی لپک کر لے جائیں گی۔

لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ شاید گاؤں کے لوگوں کو دریا کے اس طرف کوئی کام نہیں تھا اس لیے انہوں نے دریا عبور کرنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ دریا کیسے عبور کیا جائے۔ یہاں تو پتھر بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ جو اکا دکا تھے ان پر سے دریا عبور کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ہاں کوئی ایک کلومیٹر پیچھے ایک جگہ تھی جہاں پتھر تھے اور شاید وہاں سے دریا عبور کرنا زیادہ آسان تھا۔ میں نے بیتو سے مشورہ کیا اور ہم واپس آئے۔ پندرہ منٹ بعد ہم اس مقام پر تھے جہاں دریا میں پتھر نظر آ رہے تھے اور ان پر چڑھ کر دریا عبور کرنا ممکن نظر آ رہا تھا لیکن ایک تو یہ پتھر چھوٹے تھے اور دوسرے ان کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ”پہلے میں جاتا ہوں اگر میں دوسری طرف پہنچ گیا تو تم بھی آنا۔“

اس نے سر ہلایا لیکن وہ خوف زدہ لگ رہا تھا۔ میں نے پتھروں کو دیکھا اور ایک راستہ سوچ لیا۔ بیتو کو بھی سمجھا دیا کہ وہ پتھر ذہن میں رکھے جن سے میں چھلانگ لگا کر جاؤں گا۔ مگر شروع کے دو پتھر پھلانگنے کے بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ بہت مشکل تھا اور بیتو کے لیے تو بہت ہی مشکل تھا۔ بڑی مشکل سے میں دوسرے کنارے پہنچا اور راستے میں کوئی نصف درجن بار دریا میں گرتے گرتے بچا تھا۔ دوسرے کنارے پہنچ کر میں نے بیتو کو ہاتھ سے اشارہ کیا دریا کے شور میں کچھ کہنا ناممکن تھا۔ البتہ میں نے باچھیں پھیلا کر اور جسمانی تاثرات سے بیتو کو بتایا کہ دریا عبور کرنا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بھی ہنستے کھیلتے یہاں تک آ سکتا ہے لیکن ایک تو بیتو نے مجھے دریا عبور کرتے دیکھا تھا اور پھر دریا بھی اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس کا خوف زدہ ہونا برحق تھا۔ اگرچہ دریا مشکل سے کوئی بیس گز چوڑا تھا اور کہیں بھی پانی اتنا نہیں تھا کہ آدمی ڈوب سکے لیکن اس پانی کا درجہ حرارت منفی میں تھا اور اس میں بھیگنے کے بعد نمونیے سے لے کر فراسٹ بائٹ تک کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

بیتو خاصی دیر اس طرف کھڑا ہمت کرتا رہا میں نے اسے کوئی اشارہ نہیں کیا اور سکون سے انتظار کرتا رہا کہ

وہ خود کو تیار کر لے۔ بالآخر اس نے ہمت کی اور پہلے پتھر پر پاؤں رکھا اور پانی میں گرتے گرتے بچا۔ حالانکہ اسے چھلانگ بھی نہیں لگانی پڑی تھی اور یہ بہت برا آغاز تھا۔ دوسرے پتھر پر تو بیتو تقریباً دریا برد ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیسے دریا میں گرنے سے بچ گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ وہ گیا تھا۔ بہر حال اس بار بچنے کا بیتو پر اچھا اثر ہوا اور اس میں اعتماد آ گیا۔ اس کے بعد اس نے کنارے تک کے پتھر کسی دشواری کے بغیر عبور کر لیے تھے اور دوسرے کنارے کے پاس آ گیا۔

''شاباش بیتو۔'' میں نے کہا اور یہ میری غلطی تھی اس وقت وہ کنارے سے پہلے آخری پتھر پر چھلانگ لگا رہا تھا۔ اس کی توجہ ایک لمحے کے لیے میری طرف گئی اور پتھر پر اس کا پاؤں صحیح انداز میں نہیں جما تھا۔ وہ لڑکھڑایا اور اگلے ہی لمحے پانی میں گر گیا۔ میں نے تیزی سے پتھر پر چھلانگ لگائی اور جھک کر بیتو کا ہاتھ پکڑ لیا وہ سر تک پانی میں گیا تھا اور یخ بستہ پانی نے اسے بدحواس کر دیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں چلائے اور اگر میں نے خود کو مضبوطی سے پتھر پر نہیں جما رکھا ہوتا تو وہ مجھے بھی کھینچ لیتا۔ میں نے اسے اوپر کھینچنے کی کوشش کی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ پتھر پر گنجائش ہی نہیں تھی۔

''بیتو میری بات سنو۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''میں تمہیں کنارے کی طرف دھکیل رہا ہوں اس طرف جاؤ۔''

کئی بار دہرانے کے بعد بیتو کی سمجھ میں میری بات آئی تھی اور وہ کنارے کی طرف جانے کی کوشش کرنے لگا کنارہ یہاں سے چند گز دور تھا۔ میں نے اسے عقب سے دھکیلا اور پھر چھلانگ لگا کر کنارے پر پہنچا اور ہاتھ بڑھا کر بیتو کو کنارے پر کھینچ لیا۔ وہ مشکل سے ایک منٹ پانی میں رہا ہوگا لیکن اتنی سی دیر میں اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ آوازیں نکل رہی تھی۔ جیکٹ اور پینٹ واٹر پروف تھی لیکن بیتو نے جو اندر پہن رکھا تھا وہ تو واٹر پروف نہیں تھا اور وہ پانی میں بھیگ گیا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے برف پر گر گیا تھا۔

میں نے جیکٹ اور پتلون اتارنے میں اس کی مدد کی اور فوراً ہی اس کے بھیگے کپڑے اتار دیئے تھے۔ میں نے منہ پھیرا تو بیتو نے انڈرویئر بھی اتار دیا اور اس کے بعد اس نے صرف جیکٹ اور پتلون پہن لی جو میں نے اچھی طرح جھاڑ دی تھی۔ اس کا میٹریل ایسا نہیں تھا جو پانی جذب کرتا۔ ان کو پہن کر بیتو کی حالت کسی قدر بہتر ہوئی تھی لیکن مجھے خدشہ تھا کہ سرد ترین پانی کا اس پر اثر نہ ہو جائے۔ اسے فوری طور پر گرمائش کی ضرورت تھی اور گرمائش صرف کسی گھر میں مل سکتی تھی۔ بیتو نے جوتوں میں موزے پہن رکھے تھے ان کو بھی اتار دیا۔ خالی جوتے پانی جھاڑ کر پہن لیے۔ میں نے اس کے کپڑے اور باقی چیزیں ایک گٹھری کی صورت میں باندھ لیں اور اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ لرزتے ہوئے بولا۔

''اوف......شو......بی......ہم مر......جا......ئے......گا......بہت سردی......لگ رہا......ہے۔''

''مردبن یار گاؤں کچھ دور ہے۔'' میں نے کہا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ ''جسم کو زیادہ حرکت دو اس طرح جسم میں گرمی آئے گی۔''

بیتو جسم کو حرکت دے رہا تھا لیکن کسی مفلوج ہو جانے والے شخص کی طرح۔ اس کی کپکپی ہر گزرتے لمحے

بڑھ رہی تھی اور یوں لگا جیسے اسے ہائپوتھرمیا ہو رہا ہے۔ اگر کوئی آدمی شدید سردی کا شکار ہو جائے تو اس کا جسم درجہ حرارت برقرار رکھنے میں ناکام ہو جاتا ہے اس کی ایک نشانی بے ساختہ کپکپانا ہے آدمی اپنی اس کپکپی پر قابو نہیں پا سکتا ہے۔ یہ کپکپی اصل میں جسم کا درجہ حرارت بڑھانے کی ایک کوشش ہوتی ہے۔ اس کے باوجود جسم کا درجہ حرارت نہ بڑھے اور گرتا جائے تو نوے درجے فارن ہائیٹ پر انسان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور ستاسی فارن ہائیٹ ہونے پر دل کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

اس تشویش ناک خیال نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں بیتو کو حوصلہ دیتا اور عملاً اسے کھینچتا ہوا چلنے لگا کیونکہ اس سے اب چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ میں چاہتا تو اسے شانے پر بھی اٹھا سکتا تھا لیکن میں نے اسے چلنے دیا کہ اس کا جسم کچھ تو حرکت کر رہا تھا۔ یہ بھی سردی کے خلاف اس کی مزاحمت ہوتی کوئی دس منٹ بعد بیتو بے ہوش ہونے لگا۔ میں اسے جھنجھوڑ کر بیدار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کبھی کبھی میں اسے تھپڑ مارتا تو وہ چونک جاتا اور منمنا کر کہتا۔ ''شوبی...... کیوں...... مارتا ہے۔''

جھنجھوڑنے اور مارنے کے ساتھ میں اس سے بلند آواز سے باتیں کر رہا تھا تاکہ اس کا ذہن سونے نہ پائے۔ اب تک میں بے سروپا باتیں کر رہا تھا۔ اچانک مجھے کامی کا خیال آیا اور میں نے بیتو سے کہا۔ ''یار کامی کیا کر رہی ہوگی...... تمہیں یاد کرتی ہوگی۔''

کامی کے نام پر وہ چونکا تھا۔ ''کامی...... وہ...... مجھے یاد...... کرتی ہے۔''

''ہاں یار جب تم اسے یاد کرتے ہو تو وہ بھی تمہیں یاد کرتی ہوگی۔ اب ہم اسے یہاں بلا سکتے ہیں۔''

بیتو کا لہجہ ذرا جاندار ہوا۔ ''کیا چین والے اسے یہاں بھیج دیں گے؟''

''کیوں نہیں وہ ضرور کامی کو ہمارے حوالے کریں گے۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''اسلام آباد پہنچتے ہی سب سے پہلے میں یہی کام کروں گا اور پھر ہم کامی کو بھی اپنے پاس رکھ لیں گے۔''

''سچ۔'' بیتو نے خوش ہو کر کہا اور اچانک ہی ڈھیلا ہو گیا۔ میں نے اسے سنبھالا اور آواز دی لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ گاؤں ابھی کچھ فاصلے پر تھا اور بیتو کے لیے زندگی اور موت کا مرحلہ شروع ہو گیا تھا میں نے اسے شانے پر اٹھایا اور ہر ممکن تیزی سے گاؤں کی طرف بڑھنے لگا۔

دریا کے کنارے پتھروں کے ڈھیر تھے جن پر سے گزرنا آسان کام نہیں تھا۔ کئی جگہ برف کی وجہ سے پھسلن تھی اور کہیں برف کے ڈھیر اس طرح جمع تھے کہ ان میں پاؤں دھنس رہے تھے۔ بیتو بالکل بے جان انداز میں جھول رہا تھا۔ میں دوڑنے کے دوران اسے آواز دے رہا تھا لیکن اس کی طرف سے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ ہر ممکن تیزی کے باوجود مجھے گاؤں تک پہنچنے میں مزید دس منٹ لگ گئے اور میں نے سامنے آنے والے پہلے گھر پر زور سے دستک دی۔ اور پھر اس وقت تک دستک دیتا رہا جب تک کسی نے زور سے نہیں پکارا۔ چند لمحے بعد ایک باریش بوڑھے نے دروازہ کھولا اور مقامی زبان میں کچھ کہا۔ اس کی زبان نامانوس تھی۔ میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

''میرا ساتھی دریا میں گر گیا...... اسے سردی لگ گئی ہے۔''

بوڑھا الفاظ سے سمجھا یا نہیں لیکن بیتو کی حالت دیکھ کر ضرور سمجھ گیا اور اس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

میں بلا تکلف اندر داخل ہوگیا۔ بوڑھے نے دروازہ بند کر دیا اور مجھے ایک چھوٹے سے دروازے میں جانے کو کہا۔ میں بیتو سمیت اس میں داخل ہوا۔ اس کے لیے مجھے کبڑا ہونا پڑا تھا۔ یہ ایک چھوٹا ہوا گھٹا ہوا کمرہ تھا لیکن اس میں ایک انگیٹھی جل رہی تھی اور اس سے حرارت اٹھ رہی تھی جو اس وقت ہماری اور خاص طور سے بیتو کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے بیتو کو انگیٹھی کے بالکل پاس لٹا دیا اور اس کے ہاتھ سہلانے لگا۔ اتنی سی دیر میں وہ بالکل نیلا پڑ گیا تھا اور اس کی سانس بھی رک رک کر آ رہی تھی۔ ایک منٹ بعد بوڑھا آیا اور اس نے ایک بوتل اٹھا رکھی تھی جس میں کوئی تیل جیسی چیز تھی۔ اس نے خستہ حال اردو میں کہا۔

''اس......کا کپڑا اتار دو۔''

''اس نے بس یہی پہنا ہے۔''

''اتار دو۔'' اس نے شدت سے اپنا مطالبہ دہرایا۔ مجبوراً میں نے بیتو کے کپڑے اتار دیئے۔ پھر جوتے بھی اتار دیئے اس کی برہنگی ڈھانپنے کے لیے بوڑھے نے ایک چھوٹا سا کپڑا ڈال دیا۔ پھر اس نے تیل کی شیشی سے تھوڑا سا تیل ہاتھ میں لے کر پہلے اسے بیتو کے سینے پر ملا اور اس وقت تک ملتا رہا جب تک اس کا سینہ سرخ رنگ کا نہیں ہوگیا۔ یہ کوئی حیرت انگیز تیل تھا جس نے بیتو کی کھال کو بالکل سرخ کر دیا تھا میں نے تشویش سے بوڑھے سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

لیکن وہ مجھ پر توجہ دیئے بغیر اپنے کام میں لگا رہا۔ سینے کے بعد اس نے بیتو کو الٹا کر کے پیٹھ اور کمر پر مالش کی اور یہاں سے بھی اس کا جسم سرخ ہوگیا تھا۔ پھر پیٹ، بازوؤں اور پیروں کی باری آئی۔ بوڑھا بہت احتیاط سے اور بہت تھوڑا سا تیل استعمال کر رہا تھا۔ مشکل سے اس نے بیتو کے پورے جسم پر ایک چھوٹا چمچ تیل لگایا ہوگا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا پورا جسم سرخ ہوگیا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی سانس بھی بہتر چلنے لگی ہے۔ اس سے پہلے وہ رک کر اور کھینچ کر سانس لے رہا تھا۔ مالش مکمل کرنے کے بعد بوڑھے نے بیتو کو ایسے ہی رہنے دیا اور بوتل سینے سے لگائے واپس کہیں اندر چلا گیا۔ اس کے انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے بوتل میں بہت قیمتی چیز ہو۔

انگیٹھی میں شاید لکڑی کا کوئلہ دہک رہا تھا کیونکہ اس سے دھواں نہیں اٹھ رہا تھا اور اس کے بجائے ہلکی سی خوشبو آ رہی تھی۔ کمرے میں فرش پر بھیڑ کی کھال سے بنے نمدے بچھے تھے اور ان میں ایک خاص بو بس گئی تھی لیکن یہ بو ناگوار نہیں تھی اور کمرہ بھی صاف تھا۔ میں بیتو کے پاس لیٹ گیا۔ میری اپنی حالت بھی اچھی نہیں ہو رہی تھی۔ تھکن اور بھوک سے برا حال تھا لیکن امید تھی کہ اس بوڑھے کے گھر سے کھانے کو کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اس بار بوڑھا دس منٹ بعد آیا اور انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر وہ اس میں تھیلیوں سے نکال کر کچھ چیزیں انگاروں پر ڈالنے لگا اور اس کی وجہ سے انگیٹھی سے دھواں اور خوشبوئیں اٹھنے لگی تھیں۔ یہ دھواں سانس کے راستے اندر گیا تو ایسا لگا جیسے کوئی حرارت بھری چیز جسم میں جا رہی ہو۔ یہ بھی شاید بیتو کے لیے تھا کیونکہ وہ انگیٹھی کھینچ کر بیتو کے قریب لے آیا۔ جس کی حالت ہر گزرتے لمحے بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ بوڑھا اب کھسک کر میرے پاس آیا اور اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''حاسیب خان۔''

''شہباز۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا نام یقیناً حسیب تھا لیکن وہ اس طرح ادا کر رہا تھا کہ حاسیب سنائی دے رہا تھا۔

''ہم......حاکیم ہے۔''

پہلے تو میں سمجھا کہ وہ یہاں کا حاکم ہے لیکن جب اس نے بیتو کی طرف اشارہ کر کے پھر بتایا تو میں سمجھ گیا کہ وہ حکیم تھا اور تبھی اس نے اتنی تیزی سے بیتو کا مسئلہ سمجھ کر اس کا علاج بھی شروع کر دیا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی کہ میں نے جس دروازے پر دستک دی وہ مقامی حکیم کا نکل آیا۔ میں نے اس سے زبان اور کچھ اشاروں کی مدد سے پوچھا کہ اس نے جس تیل سے میرے ساتھی کا علاج کیا ہے وہ اصل میں کیا چیز ہے۔ اس نے جو بتایا اس کے مطابق یہ ایک مقامی بوٹی کا تیل ہے اور اس میں شیر کی چربی ملی ہے پھر اس نے چند جناتی قسم کی چیزوں کے نام بتائے جن کو اس تیل میں حل کیا گیا تھا اور ان سب سے مل کر یہ معجزہ اثر تیل بنا تھا۔ ہر حکیم کی طرح وہ لفاظی کا ماہر تھا اور ایسا ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے یہ تیل بنی نوح انسانی کے تمام امراض جسمانی اور شاید روحانی کا بھی شافی اور تسلی بخش علاج ہے۔ وہ اس تیل کے اثرات پر ایک طویل مقالہ پیش کر رہا تھا۔ بمشکل اس کی تقریر ختم ہوئی تو میں مطلب کی بات پر آیا اور میں نے اس سے کہا۔

''ہم نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے کیا کھانے کو کچھ ملے گا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ملے گا......کیوں نہیں ملے گا......اپنی بی بی سے بول کر آیا ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ اس نے اپنی بیوی کو کھانا تیار کرنے کا کہہ دیا ہے اور جلد کھانا ہمارے سامنے ہوگا۔ بیتو کی سانس اب بالکل ہموار ہو گئی تھی۔ حسیب نے بتایا کہ بیتو کا سرخ رنگ تیل میں شامل ایک بوٹی کی وجہ سے ہے اور جب وہ ہوش میں آ جائے گا۔ تو کپڑے سے یہ رنگ صاف کر دیا جائے گا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم نے اسے کپڑے کیوں نہیں پہنانے دیئے؟''

''تا کہ اس کے اندر جانے والا سارا سردی نکل جائے۔'' اس نے وضاحت کی۔ مجھے اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس موسم میں تو سردی جسم میں گھستی ہے۔ ٹھیک ہے یہاں باہر کے مقابلے میں کم سردی تھی اور پاس ہی ایک انگیٹھی بھی جل رہی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اندر کا درجہ حرارت کوئی بیس پچیس درجے سینٹی گریڈ تھا۔ اندر بھی سردی کا اتنا اثر ضرور تھا کہ درجہ حرارت دس سے نیچے ہی تھا اور اس میں بیتو بنا کسی کپڑے کے پڑا تھا۔ حکیم حسیب کہہ رہا تھا کہ اس کے اندر سے سردی نکل جائے تب اسے کپڑے پہنانے ہوں گے۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''ابھی......تم دیکھے......گا۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ اردو اسے درست نہیں آتی تھی اور وہ ایسے اردو بول رہا تھا جیسے آج کل کے گریجویٹ انگریزی بولتے ہیں۔ حسیب خان اٹھ کر اندر چلا گیا اور میں نے بیتو کی کلائی پکڑ کر اس کی نبض دیکھی۔ اس کی نبض ٹھیک چل رہی تھی اور مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ اب اسے کم سے کم ہائپو تھرمیا نہیں ہوگا۔ بلکہ میں نے محسوس کیا کہ اس کا ہاتھ یوں گرم ہو رہا تھا جیسے اسے تیز بخار ہو۔ میں نے اس کے پورے جسم کو چھو کر دیکھا۔ وہ ہر جگہ سے گرم ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی جسمانی گرمی بڑھ رہی ہے۔ اس دوران میں حکیم آ گیا اور اس کے پاس ایک جگ میں کوئی محلول تھا۔ بعد میں وہ چینی اور نمک کا

محلول ثابت ہوا۔ اس نے جگ میرے پاس رکھ دیا اور پھر بیتو کا منہ کھول کر اس میں لکڑی کا ٹکڑا یوں پھنسا دیا کہ اس کا منہ کھلا رہا۔ حسیب نے مجھ سے کہا۔

''یہ شربت اسے تھوڑا تھوڑا پلانا ہے۔''

''یہ بہت گرم ہو رہا ہے۔'' میں نے اس کی توجہ بیتو کی حالت کی طرف دلائی۔

''ٹھیک ہے...... ابھی شربت پلاؤ۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور مجھے لکڑی کا ایک چمچ پکڑا دیا۔ مجبوراً میں نے محلول بیتو کے منہ میں ڈالنا شروع کر دیا۔ منہ کھلا ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ محلول آرام سے اس کے منہ میں جا رہا تھا۔ ابھی میں نے چند چمچ ڈالے ہوں گے کہ بیتو کا جسم یک دم پسینہ اگلنے لگا۔ اور پسینہ بھی ایسا جیسے اس کے جسم سے پانی نکل رہا ہوں۔ میں اس کے منہ میں محلول ڈال رہا تھا اور اس کا جسم پسینے کی صورت میں پانی کا اخراج کر رہا تھا۔ بیس منٹ میں، مَیں نے پورا جگ اسے پلا دیا اور اس دوران میں اس کے جسم نے کوئی دو جگ کے مساوی پسینہ اگل دیا ہوگا۔

حسیب خان آیا اور جگ لے گیا۔ اس کا انداز ایسا نپا تلا تھا کہ اسے معلوم تھا کس وقت کیا کرنا ہے اور کون سا کام کتنی دیر میں ہوگا۔ دو منٹ بعد وہ جگ بھر کر لایا اور ساتھ میں لکڑی کا ایک بڑا سا پیالہ لایا جس میں مختلف سبزیاں اور گوشت کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اس نے پیالہ میرے سامنے رکھ دیا اور خود جگ اور چمچ لے کر بیتو کو محلول پلانے کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ میں اس شوربے یا سوپ پر ٹوٹ پڑا تھا اس میں آلو، شلجم اور پیاز کی شناخت میں نے کر لی تھی۔ گوشت شاید بھیڑ کا تھا لیکن ساتھ ہی چند مقامی سبزیاں بھی پڑی تھی اور اس میں مکئی کا آٹا ڈال کر اسے گاڑھا کیا گیا تھا۔ یہ خوش ذائقہ اور طاقتور سوپ تھا جسے کھا اور پی کر میرے حواس بحال ہو گئے تھے۔ اس دوران میں حسیب خان نے بیتو کو پھر پورا جگ پلا دیا تھا اور اب اس کے جسم سے پسینہ نکلنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ میں نے [illegible] کا ہاتھ چھوا تو وہ سرد ہو رہا تھا۔ اس کا درجہ حرارت معمول پر آ گیا تھا۔ حسیب خان جگ اور پیالہ واپس لے گیا۔ دس منٹ بعد وہ پیالہ اور ایک دوسرے پیالے میں گرم پانی اور ایک کپڑا لے آیا۔ اس نے سوپ کا پیالہ میرے سامنے رکھا اور بیتو کا جسم گرم پانی اور کپڑے کی مدد سے صاف کرنے لگا۔ اس نے بہت لگن اور محنت سے یہ کام کیا تھا۔ اس دوران میں جب تک میں نے سوپ کا یہ پیالہ بھی خالی کیا تو اس نے بیتو کا جسم مکمل طور پر صاف کر دیا تھا۔ میں جو بیتو کے اندر والے کپڑے لایا تھا وہ میں نے انگیٹھی کے پاس رکھ دیئے تھے اور وہ خاصی حد تک خشک ہو گئے تھے۔ میں نے پہلے بیتو کو وہی کپڑے پہنائے۔ پھر حسیب خان سے پوچھا۔

''کیا یہ گرم لباس بھی اسے پہنا دوں؟''

''نہیں...... اس کا ضرورت یہاں نہیں ہے۔''

بیتو اب تک بے ہوش تھا اور اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کی بے ہوشی گہری تھی۔ ''یہ ہوش میں کیوں نہیں آ رہا ہے؟''

''ابھی...... یہ سوتا ہے...... اسے سونے دو۔'' حسیب خان بولا۔ ''خود اٹھے گا...... تو ٹھیک ہوگا۔''

اس کا مطلب تھا کہ بیتو سو رہا تھا اور اس وقت اس کے لیے سونا ہی بہتر تھا جب وہ خود سے جاگ جاتا تو ٹھیک ہو جاتا۔ اب مجھے فکر لاحق ہو گئی تھی کہ حسیب خان ایک حکیم تھا اور ظاہر ہے یہ اس کا پیشہ تھا تو میں اس کی

علاج کی ادائیگی کیسے کرتا۔ میری جیب بالکل خالی تھی۔ صرف ایک پستول تھا اور میں پستول سے اس نیک دل شخص کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتا تھا۔ ابھی تک مجھے اس کے گھر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی اس لیے میں نے پوچھ لیا۔ ''کیا تم میاں بیوی اکیلے رہتے ہو؟''

''نہیں ہمارا بارہ بچہ بھی ہے۔'' اس نے باقاعدہ حساب لگا کر بتایا۔

''بارہ بچے۔'' میں دنگ رہ گیا۔ ''لیکن یہاں تو بالکل خاموشی ہے۔''

وہ مسکرایا۔ ''بچہ اپنا کام کر رہا ہے۔''

''کیا کام کر رہا ہے۔''

''ہمارا کام۔'' اس نے کہا اور پھر سمجھایا کہ وہ حکیم ہے جو جڑی بوٹیاں جمع کر کے لاتا ہے۔ ان کو کوٹنا چھاننا اور پیسنا ہوتا ہے۔ بعض کا سفوف بنتا ہے اور بعض کا مربہ اور بعض کا کشتہ نکالا جاتا ہے۔ یہ سارے کام اس کے بچے کرتے تھے۔ اس نے فخر سے بتایا کہ وہ اس پورے علاقے میں واحد اور سب سے کامیاب حکیم ہے۔ اس کی حکمت کا میں مشاہدہ تو کر چکا تھا۔ اگر میں بیتو کو کسی جدید ترین سہولتوں سے آراستہ اسپتال بھی لے جاتا تب بھی وہ اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہوسکتا تھا لیکن عام حکیموں کی طرح اس کا زور بھی سدا بہار جوانی کے لیے مخصوص کشتوں پر تھا۔ اس نے مجھے رازدارانہ انداز میں بتایا کہ اس علاقے کے تمام دولت مند اور پر ہوس بڈھے اس کے مستقل گاہک تھے۔ ان گاہکوں کی وجہ سے اس نے تین شادیاں کی تھیں اور اس کے ذاتی ایک درجن بچے تھے۔ یعنی اس نے ٹھیک ٹھاک کمایا تھا۔ تین شادیاں کرنا اور درجن بھر بچے پالنا آسان کام نہیں ہوتا ہے۔

''ان کے کتنے بچے ہیں جن کے لیے تم کشتے بناتے ہو؟''

حسیب خان مسکرایا۔ ''وہ...... بچے کے لیے...... کشتہ نہیں لیتا ہے۔ جوانی کے لیے لیتا ہے۔''

باتوں کے دوران میں نے اس کے پہلے بچے کو دیکھا جو ایک چھوٹی سی تانبے کی ٹرے میں چائے لایا تھا۔ یہ بغیر دودھ اور چینی کی سبز چائے تھی۔ حسیب خان اب ہمارے بارے میں متجسس تھا اور مجھے اتنی مہلت مل گئی تھی کہ میں ایک اسٹوری بنا سکوں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میں جنگلات کا ٹھیکیدار ہوں اور اس علاقے میں جنگل کا ٹھیکہ لینا چاہتا ہوں۔''

حسیب خان خوش ہوگیا۔ ''یہ تو اچھا بات ہے...... ادھر کام نہیں ہے...... لوگوں کو کام ملے گا۔''

مجھے افسوس ہوا کیونکہ یہاں غربت اتنی شدید تھی کہ وہ اپنی قیمتی ترین چیز جنگل بھی اس کے لیے قربان کرنے کو تیار تھے۔ یہی جنگل تھے جو ان کے مویشیوں کی چراہ گاہ تھے اور یہیں سے وہ اپنے مکانات بنانے کے لیے لکڑی حاصل کرتے تھے۔ ان جنگلوں کی وجہ سے ان کے چشموں اور دریاؤں میں پانی آتا تھا۔ ان کی زمینیں زرخیز رہتی تھیں اور ان کے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہتے تھے۔ جن علاقوں میں جنگل کٹ گئے تھے وہاں لینڈ سلائیڈنگ عام ہے اور پانی کے ذرائع تباہ ہو چکے ہیں۔ یہ بات مقامی باشندے بھی جانتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے جنگلوں اور زمینوں کا خیال بھی رکھتے ہیں لیکن باہر سے آنے والے ٹھیکیدار اور سیاحت کی صنعت سے وابستہ افراد مقامی ذرائع کو تباہ کر دیتے ہیں کیونکہ ان کو صرف نفع کمانے سے دلچسپی ہوتی ہے۔ لکڑی کی کٹائی کا ٹھیکا جسے ملتا ہے وہ قانون کے برعکس جنگل کو مکمل طور کاٹ ڈالتا ہے جب کہ درختوں کو چھوڑ چھوڑ کا ٹا جا

تا ہے تاکہ زمین بالکل خالی نہ ہو جائے۔ مگر محکمہ جنگلات کی ملی بھگت سے ٹھیکیدار پورا جنگل کاٹ دیتے ہیں اور خالی زمین پر شجر کاری بھی نہیں کی جاتی ہے۔ پنجاب اور سرحد میں تو نچلے پہاڑی جنگلات تقریباً تباہ ہو چکے ہیں البتہ بلندی پر موجود جنگلات کسی حد تک محفوظ ہیں۔

میں نے حکیم حبیب کو بتایا کہ میں اور میرا ساتھ یہاں آرہے تھے کہ راستے میں جیپ خراب ہو گئی اور پھر برف باری کی وجہ سے ہمیں راستہ سمجھ میں نہیں آیا اس لیے ہم یہاں تین دن سے بھوکے پیاسے بھٹک رہے ہیں۔ حکیم نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''تم اس موسم میں کیوں آیا......ادھر بہت حادثات ہوتا۔''

اس کا مطلب تھا کہ اس موسم میں یہاں بہت حادثات ہوتے تھے۔ میں نے جواب دیا۔ ''ہم اس موسم میں اس لیے آئے ہیں کہ دوسرے ٹھیکیداروں سے چھپ کر کام حاصل کر لیں۔''

''اچھا اچھا......تم کدھر آیا ہے۔''

میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ کارگل کے بعد پاکستان والے کشمیر میں سب سے اہم قصبہ گل تری ہے۔ اس لیے میں نے بے دھڑک اس کا نام لے دیا۔ ''ہم گل تری تک آئے تھے اس سے آگے نکلے تو راستہ بھٹک گئے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''گل تری......ادھر سے......دو دن دور ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ دو دن کی مسافت پر تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''گاڑی پر یا پیدل؟''

اس نے تعجب سے کہا۔ ''اس موسم میں گاڑی کہاں ملے گا......پیدل جاتا ہے۔''

گویا ہم یہاں سے نکلتے تو گل تری پہنچنے میں دو دن لگ جاتے۔ میں نے اس قصبے کے بارے میں سنا تھا کیونکہ یہاں سے ایک درے کے ذریعے گلگت اور بلتستان تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی۔ ایک زمانے میں یہ دونوں علاقے کشمیر کا حصہ شمار ہوتے تھے۔ اب بھی ان دونوں علاقوں کا رابطہ پاکستان سے ہی ممکن ہے۔ ہسپینڈ درے سے جب ینگ ہسپینڈ نے گلگت کی طرف سفر کیا تو اس نے ہی سب سے پہلے کنکورڈیا میں اترنے کے بعد کے ٹو کی چوٹی کی زیارت کی تھی اور وہ کے ٹو دیکھنے والا پہلا یورپی باشندہ تھا۔ اس نے جس درے میں سفر کیا وہ درہ میں اس کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

گل تری سے مظفر آباد تک ایک طویل سفر تھا اور ہم اسی راستے سے اسلام آباد جا سکتے تھے لیکن پہلا مرحلہ تو گل تری تک رسائی کا تھا۔ حکیم حبیب اب ہمارے ساتھ ذرا اسپیشل پروٹوکول کے ساتھ پیش آرہا تھا۔ شاید اس لیے کہ آنے والے دنوں میں علاقے کی معیشت ہمارے اردگرد گھومتی۔ (یعنی میرے دعوے کی روشنی میں)۔ اس نے کہا۔ ''ہم گھوڑا لا سکتا ہے......اس پر آرام سے سفر کرو۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''چل چل کر ہماری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں۔''

''گھوڑا آرام سے جائے گا۔'' اس نے مجھے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ اس کا مطلب تھا کہ گھوڑا آرام سے لے جائے گا۔ فوراً ہی مجھے یاد آیا کہ میرے پاس تو حکیم کو ادا کرنے کے لیے رقم نہیں تھی میں اسے کیسے افورڈ کرتا۔ ظاہر ہے گھوڑے کوئی مفت میں تو نہیں دیتا۔ میں نے کسی قدر تامل کے ساتھ پوچھا۔

''اس پر خرچا کتنا آئے گا؟''

''تم اس کا فکر مت کرو۔'' حکیم نے فراخدلی سے کہا۔ ''بس جب تم ادھر آئے تو میرا خیال رکھنا۔''

''میں تمہارا خیال ضرور رکھوں گا۔'' میں نے پوری فراخدلی سے جھوٹا وعدہ کیا اور دل میں اس پر کسی قدر نادم بھی ہوا کیونکہ میرا اب اس طرف آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن مجبوری تھی اور اللہ بندے کی مجبوری معاف کرتا ہے۔ کچھ دیر بعد بیتو نے ہلنا شروع کر دیا تھا اور دس منٹ بعد وہ جاگ اٹھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''شوبی بھائی۔''

میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ''ہاں میری جان اب طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے نحیف لہجے میں کہا۔ ''ابھی کا می میرے پاس تھا۔''

وہ شاید خواب میں کا می کو دیکھ رہا تھا۔ ''تم نے خواب دیکھا ہے۔''

''نہیں کا می سچ مچ تھا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''وہ بولا کہ ہم ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تم واقعی ٹھیک ہو گئے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''بھوک لگی ہے؟''

''بہت زیادہ۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔

میں نے حکیم کی طرف دیکھا لیکن وہ جا چکا تھا۔ چند منٹ بعد وہ اسی سوپ کے ساتھ واپس آ گیا اور اس نے پیالہ بیتو کے سامنے رکھ دیا اور وہ بے تابی سے سوپ پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دو پیالے ختم کر کے اسے ذرا سکون ملا تھا۔ اس کے بعد حکیم حبیب خان نے اسے ایک سفوف پانی میں گھول کر دیا اور وہ پیتے ہی لیٹ کر ایک منٹ کے اندر اندر سو گیا۔ حبیب خان نے میری طرف دیکھا۔ ''ابھی اس کا......سونا ٹھیک ہے۔''

میں نے جماہی لی اور اسے اشارہ کیا کہ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا اور اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں تم کو ابھی اوڑھنے کو دیتا ہوں۔''

وہ بھیڑ کی اون سے بنے دو بھاری کمبل لے آیا میں نے ایک کمبل بیتو پر ڈال دیا اور خود اس کے برابر میں لیٹ گیا۔ ذرا سی دیر میں نیند کی دیوی نے مجھے اپنے قبضے میں لے لیا اور میں چھتیس گھنٹے بعد موقع ملنے پر ایسا ٹوٹ کر سویا کہ پھر صبح مجھے حکیم نے ہلا کر جگایا تب میری آنکھ کھلی تھی۔ اس نے کہا۔ ''ابھی باہر روشنی کم ہے...... چلو۔''

میں سمجھ گیا وہ رفع حاجت کی بات کر رہا تھا۔ بیتو مجھ سے پہلے اٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنا گرم لباس پہن لیا تھا اور میں نے پہلے ہی پہن رکھا تھا۔ ہم باہر آئے اور سردی نے ایسا حملہ کیا کہ بمشکل ایک چٹان کی آڑ میں فارغ ہوئے اور فوراً گھر میں واپس آ گئے۔ جہاں کچن سے اٹھنے والا دھواں بسا ہوا تھا۔ ناشتے کی تیاری ہو رہی تھی اور پہلی بار میں نے حبیب خان کے گھر میں بچوں کی آوازیں سنیں۔ البتہ اس کی تین عدد بیویاں اب بھی خاموش تھیں اور یہ خاصی حیرت انگیز بات تھی۔ یقیناً حبیب خان ایک منتظم شوہر تھا جس نے تین بیویوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

حبیب خان ہمیں ناشتہ مہیا کر کے خود کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ناشتہ مکئی کی موٹی سی روٹی اور اس پر پگھلتے ہوئے مکھن پر مشتمل تھا اور ساتھ میں سبز چائے کا بڑا سا پیالہ تھا۔ یہ سارے دن سفر کے لحاظ سے اچھا اور بھاری ناشتہ تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بیتو کو سمجھا دیا کہ میں نے حکیم کو کیا کیا بتایا ہے وہ بھی اس کا خیال رکھے اور پھر اس کے اصرار پر اسے کل کی رُوداد سنائی تھی کہ میں اسے کیسے لے کر یہاں تک پہنچا اور یہ ہماری خوش قسمتی

کہ ہمیں اس ویرانے میں ایک حکیم بھی دستیاب ہو گیا تھا۔ جس کے پاس سردی کے شکار افراد کے لیے حیرت انگیز تیل تھا۔ بیتو کو اس تیل کے بارے میں تجسس ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''کل جب مجھے ہوش نہیں رہا تو اس سے پہلے مجھے لگ رہا تھا کہ دنیا سے بس گزرنے والا ہے۔''

''تمہاری حالت سچ مچ خراب ہو گئی تھی۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تم جس طرح بے ہوش ہوئے تھے اس سے میں بھی پریشان ہو گیا تھا لیکن اللہ نے کرم کیا اور ہمیں حبیب خان مل گیا۔''

''یہ کہاں گیا ہے؟''

''میرا خیال ہے ہمارے لیے گھوڑوں کا بندوبست کرنے گیا ہے۔'' میں نے ناشتے کا خاتمہ کرتے ہوئے کہا۔

''شوبی بھائی ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں آگے کیسے سفر کرے گا؟''

''اب تک کیسے کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے ہی کرے گا۔''

میں نے بیتو کو تو جواب دے دیا تھا لیکن میں خود فکر مند تھا۔ یہ میرا اپنا ملک تھا اور یہاں میں کھل کر ویسے غیر قانونی حرکات نہیں فرما سکتا تھا جیسے بیرون ملک کرتا آیا تھا۔ اگر گلگت میں فون مل جاتا تو میں ندیم سے رابطہ کر سکتا تھا اور وہ میرے لیے کچھ نہ کچھ کرتا۔ بشرطیکہ رابطے کا کوئی ذریعہ مل جاتا۔ حکیم کچھ دیر میں آ گیا تھا اور اس نے آتے ہی خوش خبری سنائی۔

''گھوڑا مل گیا ہے۔''

''کیوں کیا گھوڑا کہیں غائب ہو گیا تھا؟'' بیتو نے پوچھا۔

''نہیں سفر کے لیے مل گیا ہے دو گھوڑا لوگ۔'' حکیم نے کہا اور دو انگلیوں سے اشارہ کر کے بھی بتایا۔

''گھوڑے کہاں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ اب میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ان علاقوں میں کوئی اپنے آپ کو زیادہ دیر چھپا نہیں سکتا ہے اور اس سے پہلے کہ پولیس یا انتظامیہ تک بات پہنچتی میں یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ورنہ خاصی مشکل میں پڑ جاتے میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی جس سے ہماری شناخت ہوتی۔ پھر میں تو اس سرزمین کا باشندہ تھا۔ بیتو غیر ملکی تھا اور وہ پکڑا جاتا تو سیدھا جیل جاتا۔ پھر ہم بہت حساس علاقے میں سب سے اہم بات تھی کہ بھارتی فوج کی وردیوں میں تھے۔ حبیب خان ایک عام آدمی تھا لیکن اگر اس کی جگہ کوئی سرکاری آدمی ہمیں دیکھتا تو وہ وردیوں کو شناخت کر سکتا تھا اور ہم مشکل میں پڑ جاتے اور پکڑے جاتے تو جاسوس قرار پاتے۔ ان دنوں سرحدوں پر دونوں ملکوں کی جانب سے فوج کا اجتماع تھا اور حالات سخت کشیدہ تھے۔ وردیوں پر مجھے یاد آیا اور میں نے حبیب خان سے کہا۔

''کیا ہمیں دوسرے کپڑے مل سکتے ہیں۔''

وہ حیران ہوا۔ ''تمہارے پاس کپڑا ہے تو۔''

''ہاں وہ تو ہے لیکن اگر ہمیں ان گرم کپڑوں کے عوض دوسرے مل جائیں...... دیکھو یہ بہت قیمتی ہے۔''

یہ چیز حبیب خان کو بھی نظر آ رہی تھی کہ یہ بہت خاص قسم کا گرم لباس تھا اور اگر وہ اسے کسی ضرورت مند کو بیچتا تو اسے اچھی قیمت مل سکتی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ہم دیکھتا ہے۔''

وہ کچھ دیر بعد آیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا تھا لیکن وہ واپس آیا تو اس کے پاس ایک گٹھر تھا اور اس میں کئی طرح کے مقامی گرم لباس تھے۔ میں نے اپنے سائز کے لحاظ سے ایک گرم اونی پاجامہ اور ایک صدری منتخب کی تھی۔ بیتو کے حصے میں ایک سوئیٹر اور کسی سیاح کی گھسی ہوئی پتلون آئی تھی یہ کپڑے فوجی وردیوں جتنے گرم تو نہیں تھے لیکن ان سے کام چل سکتا تھا۔ حکیم حبیب کو تعجب ہو رہا تھا کہ ہم اتنے اچھے کپڑوں کے عوض کتنے معمولی سے کپڑے لے رہے تھے۔ میں نے ایک کہانی اور گڑھی اور اسے کہا۔

''حکیم تمہارا کوئی دشمن ہے؟''

اس نے سوچ کر جواب دیا۔''ادھر برابر والے گاؤں میں ایک حکیم دشمن ہے۔''

''بالکل ایسے ہی کچھ ٹھیکیدار ہمارے دشمن ہیں اور ممکن ہے وہ ادھر گل تری میں موجود ہوں اور ہمیں ان سے بچنے کے لیے لباس بدلنا ہے وہ ہمیں لباس سے پہچان لیں گے۔''

بات حبیب خان کی سمجھ میں آ گئی۔ اس سردی میں انسان منہ تو چھپا سکتا تھا لیکن وہ اپنا لباس تو نہیں چھپا سکتا تھا۔ اس نے ہمارے اتارے اوپری لباس گٹھر میں باندھے اور وہاں سے رخصت ہو گیا شاید وہ وہ کسی اور سے یہ لباس لے کر آیا تھا۔ لباس بدل کر ہم نے بہت فرق محسوس کیا تھا اب ہمارے سروں پر بھارتی فوج کے اونی ٹوپے بھی غیر اہم ہو گئے تھے اور ہم لباس سے مقامی لگ رہے تھے۔ ان خطرناک وردیوں سے جان چھوٹنے پر مجھے اطمینان ہوا تھا۔

بیتو نے کپڑے پہن کر کہا۔''شوبی بھائی ان کپڑوں میں تو ادھر سردی لگ رہا ہے باہر کیا حال ہو گا۔''

''بس یار ہمت سے کام لینا ایک دن میں ہم مزید نیچے جائیں گے تو سردی خود بہ خود کم ہو جائے گی۔''

اتنے میں حکیم حبیب آیا۔''تم چلنے کے لیے تیار ہے...... ایک آدمی تمہارے ساتھ جائے گا۔''

''یہ تو اچھی بات ہے کیونکہ ہم یہاں کے راستوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' میں نے کہا۔

حکیم حبیب نے سر ہلایا۔''تم ایسے نہیں جا سکتا...... ادھر راستہ بہت خراب ہے۔ وہ ماہر...... آدمی ہے۔''

ہم باہر آئے جہاں اب سورج کی روشنی نمودار ہو چکی تھی اور دو عدد گھوڑوں کے ساتھ ایک مقامی شخص ایک خچر پر سوار ہمارا منتظر تھا۔ حکیم حبیب نے اس کا تعارف کرایا۔''حشمت خان...... پر بالکل جاہل ہے...... اردو نہیں سمجھتا۔''

اردو تو صحیح سے حکیم حبیب کو بھی نہیں آتی تھی لیکن وہ کام چلا لیتا تھا۔ حشمت صرف مقامی زبان سمجھتا تھا یا اشاروں کی بین الاقوامی زبان جانتا تھا لیکن روانہ ہونے سے پہلے میں نے بیتو کو ایک طرف لے جا کر سمجھا دیا تھا کہ وہ احتیاطاً کوئی ایسی بات کہنے سے گریز کرے جو ہمارا بھانڈا پھوڑ دے خاص طور سے ماضی کا تو بالکل ذکر نہیں کرنا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ حشمت خان اردو سے کس حد تک نابلد تھا۔

''میں سمجھ گیا۔'' بیتو بولا۔

حکیم حبیب سے گلے مل کر اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی جنگلات کے ٹھیکیدار کی اتنی اہمیت بھی ہو سکتی ہے۔ حکیم حبیب نے صرف اس وجہ سے ہمارے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا تھا۔ ورنہ کم سے کم گھوڑوں اور گائیڈ کا بلا معاوضہ بندوبست ناممکن تھا۔

ہم روانہ ہوئے تو حشمت اپنے خچر پر سوار آگے آگے تھا اور ہم اس کے پیچھے ہلکی رفتار سے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ یہ مقامی نسل کے چھوٹے اور کسی قدر کمزور گھوڑے تھے لیکن چلنے میں ٹھیک ٹھاک تھے اور جب ہم نے گاؤں سے نکل کر ایک راستہ پکڑا تو حشمت نے اپنے خچر کو دوڑانا شروع کر دیا اور ہمیں بھی اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

یہاں راستے بھول بھلیوں کی طرح تھے اور کبھی ہم کسی پہاڑ پر چڑھ جاتے تھے اور کبھی کسی کھائی میں اتر جاتے۔ اچھے بھلے ایک سیدھے راستے پر چلتے چلتے اچانک کسی گھنے جنگل میں گھس جاتے جہاں درختوں کے نیچے برف تک نہیں ہوتی تھی۔ بہ ظاہر راستے نظر نہیں آرہے تھے لیکن جب ہم کہیں قریب پہنچتے تو راستہ جیسے خود بہ خود نمودار ہو جاتا تھا۔ حشمت ایک ہوشیار قسم کا دبلا اور تیز نظر آنے والا شخص تھا جو کسی چالاک اور سبک رفتار گلہری کی چابک دستی سے اپنے جانے پہچانے راستے پر تیزی سے سفر کر رہا تھا۔ ہم جس رفتار سے چل رہے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ دو دن کا پیدل سفر ہم ایک دن میں طے کر لیں گے لیکن روانگی کے کوئی چار گھنٹے بعد جب حشمت نے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”گل تری...... گل تری۔“

میں پریشان ہو گیا تھا۔ یہ صرف ایک پہاڑ تھا اور ہمیں قصبے گل تری تک پہنچنا تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا اور اسے بتانے کی کوشش کی کہ ہمیں کہاں پہنچنا تھا۔ اس نے جواب میں زور و شور سے سر ہلایا اور اشارے سے ہی بتایا کہ گل تری اصل میں اس پہاڑ کے دوسری طرف ہے اور جب ہم اسے سر کر لیں گے تو گل تری میں داخل ہو جائیں گے۔

”تو پھر چلو۔“ میں نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ پہاڑ کسی قدر دشوار تھا ورنہ اب تک ہم نے بہت موزوں اور آسان راستوں پر سفر کیا تھا اور اس کا سارا کریڈٹ گائیڈ حشمت کو جاتا تھا۔ وہ بلا شبہ ان پہاڑوں کا کیڑا تھا اور اسے ایک ایک راستہ زبانی یاد تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کن راستوں سے ہم آسانی سے اور کم وقت میں گل تری تک پہنچ سکتے تھے۔ ایک گھنٹے بعد ہم پہاڑ کے اوپر تھے اور یہاں سے دوسری طرف دور تک پھیلا گل تری کا قصبہ دکھائی دے رہا تھا۔ بازار کھلا تھا اور قصبے میں سرد موسم کے باوجود چہل پہل تھی۔ مجھے ایک دو گاڑیاں بھی نظر آئی تھیں۔ حشمت نے کہا۔

”گل تری۔“

ہم صبح آٹھ بجے روانہ ہوئے تھے اور ایک بجے یہاں پہنچ گئے تھے۔ حشمت نے اشارے سے مجھے بتایا کہ اس نے ہمیں گل تری تک پہنچا دیا تھا اور اب وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ رات سے پہلے گاؤں واپس پہنچ جاتا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اور وہ گھوڑے لے کر رخصت ہو گیا۔ افسوس کہ میرے پاس کچھ تھا نہیں ورنہ میں حشمت کی اس کی خدمت کا صلہ ضرور دیتا۔ اس نے بھی کچھ نہیں مانگا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ”سامنے ایک آبادی ہے اور یقیناً تمہیں بھوک لگی ہو گی لیکن افسوس کہ ہماری جیب میں کچھ نہیں ہے۔“

بیتو نے کہا۔ ”بھوک سے تو برا حال ہے لگتا ہے صبح ناشتہ کیا ہی نہیں تھا۔“

ہم نیچے اترنے لگے۔ گل تری ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور ایک زمانے میں اس کی اہمیت تھی لیکن اب اس کی اہمیت ختم ہو چکی تھی۔ سرکاری اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے یہاں اب زیادہ تر مقامی لوگ بستے ہیں۔ بازار میں

زیادہ چہل پہل نہیں تھی اور اس کی وجہ سردی تھی۔ یہاں شاید ایک دو دن پہلے ہی برف باری ہوئی تھی اور سرد ہواؤں کا ہلکا سا اثر ابھی محسوس ہو رہا تھا۔ شمال میں جب برف باری کے بعد ہوا چلتی ہے تو سردی قیامت کی ہو جاتی ہے۔ ایسے میں کوئی باہر نہیں نکلتا ہے اور بیرونی سرگرمیاں اگلی برف باری تک کے وقفے میں ہوتی ہیں۔

ہم مقامی حلئے میں تھے اور چہرے سے بھی مقامی لگ رہے تھے اس لیے کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ بازار میں میری توجہ خان ہوٹل کے بورڈ نے اپنی طرف مبذول کرائی۔ میں نے بیتو کا ہاتھ تھاما اور اس ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ بیتو نے بوکھلا کر مجھے روکنا چاہا۔ ''شوبی بھائی کیا کرتا ہے ہمارے پاس ادائیگی کا پیسہ کدھر ہے۔''

''یار آؤ میرے ساتھ۔'' میں نے کہا اور لکڑی کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ ایک طرف چھوٹے سے کاؤنٹر پر ایک پستہ قد آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے ہماری طرف دیکھا لیکن توجہ اس وقت دی جب ہم کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔

''کھانے کے لیے ادھر بیٹھو۔'' اس نے پشتو زدہ لہجے میں کہا۔

''یارا ہم ادھر کھانا بھی کھائے گا۔'' میں نے بھی پشتو میں جواب دیا۔ ''لیکن پہلے ایک کام کرنا ہے۔''

وہ اپنی زبان سن کر خوش ہو گیا تھا۔ ''تم بھی خان ہے۔''

اس کی بات پر مجھے فتح خان یاد آ گیا جو اکثر مجھے شہباز خان کہتا تھا۔ میں نے گول مول انداز میں کہا۔

''ایسا ہی سمجھ لو خان...... میرا نام شہباز ہے۔''

''ہم گل خان ہے۔'' اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر گلے لگ گیا۔ اس نے بیتو سے بھی ہاتھ ملایا اور ہم کو ایک الگ چھوٹے سے کمرے میں لے آیا۔ اس کے لیے خان ہونا بہت اہم بات تھی اور ہمارے ساتھ اس کے اچھے رویے کی وجہ یہی تھی۔ خیر یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں ہے ہر شخص کو اپنا ہم قوم اچھا لگتا ہے۔ جس میں تقریباً کمرے کی سائز کی چارپائی بچھی تھی اور اس پر دبیز غالیچہ تھا۔ اس نے ہمیں یہاں بٹھایا اور کسی کو مقامی زبان میں کچھ کہا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوا۔ ''کہو یارا کیا بات ہے۔ تم ہمارا ہم وطن ہے۔''

کیونکہ وہ مجھے پٹھان اور ہم وطن سمجھ کر دل و جان سے تعاون پر آمادہ تھا اس لیے میں نے تردید کی حماقت نہیں کی کہ میں نہ تو اس کا ہم وطن تھا اور نہ پٹھان تھا۔ کچھ عجب نہیں تھا کہ اسے معلوم ہو جاتا کہ فتح خان نامی ایک خالص پٹھان میرا دشمن تھا تو وہ بھی دشمن بن جاتا۔ میں نے اسے بھی وہی کہانی سنا دی جو حکیم حبیب کو سنائی تھی۔

''بات یہ ہے کہ ہم ادھر آئے تھے۔ جنگل کا ٹھیکہ لینے لیکن راستے میں ڈاکو مل گئے۔ انہوں نے جیپ اور روپیہ پیسہ سب چھین لیا۔''

گل خان نے حیرت سے دیکھا۔ ''ادھر ڈاکو...... پر یہاں تو سب بہت شریف لوگ ہیں۔''

''ڈاکو باہر سے آئے تھے بلکہ ہمارے دشمن ہیں ہمیں ٹھیکہ لینے سے روکنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہمارا پیچھا کرتے آئے تھے اور لوٹ کر چلے گئے۔''

''ان کے باپ کا......'' گل خان جوش میں آ گیا۔ ''ہم دیکھے گا وہ کیسے روکتا ہے۔''

''ابھی تو وہ واپس چلے گئے ہیں ان کا خیال تھا کہ ہم سردی اور بھوک سے فوت ہو جائیں گے۔'' میں نے

اس کا جوش ٹھنڈا کیا۔ ''بعد میں جب آئیں تو بے شک مت چھوڑنا۔''

''غلطی تمہارا بھی ہے دشمن رکھتا ہے اور اسلحہ نہیں رکھتا۔''

''نہیں پستول تھا۔'' میں نے اسے پستول نکال کر دکھایا۔ ''شکر ہے اس پر ان کا نظر نہیں پڑا ورنہ یہ بھی لے جاتے۔''

اس لطیفے پر گل خان نے مسکرانے کے بجائے عجیب سی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کیسا احمق آدمی ہے پستول ہوتے ہوئے بھی لٹ گیا۔ میں نے مذاق ختم کر کے وضاحت کی کہ دشمن کلاشنکوف سے مسلح تھے اور تین تھے ان کے سامنے یہ ننھا سا پستول کیا کرتا۔ ہاں اسے استعمال کرنے کی کوشش میں ہم مارے جاتے۔ ویسے انہوں نے اتنی تیزی سے کام کیا تھا کہ ہم کچھ بھی نہ کر سکے ایک منٹ کے اندر وہ گاڑی اور رقم چھین کر جا چکے تھے۔ اب گل خان نے افسوس کیا۔

''ان پر خدا کا لعنت ہو۔''

''آمین...... لیکن خان صرف لعنت کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کہا اب وہ ادھر آیا تو ہم تمہارے ساتھ اس سے لڑے گا اور اسے جہنم رسید کر دے گا۔''

''ایک بار پھر آمین...... پر خان مسئلہ فوری ہے ہمیں واپس جانا ہے۔''

''تم واپس جا سکتا ہے ابھی راستہ کھلا ہے۔''

''لیکن واپس جانے کے لیے رقم ضروری ہے اور ہماری ساری رقم ڈاکو لے گئے ہیں اب ہم بالکل خالی ہیں۔''

یہ سن کر گل خان کا جوش خاصی حد تک ٹھنڈا پڑ گیا کیونکہ کسی کے شانہ بشانہ جان دینا الگ بات ہے لیکن رقم دینا ایک الگ چیز ہے۔ اس نے جلدی سے کہا۔ ''وہ ٹھیک ہے پر یارا آج کل حالات بہت ٹائٹ ہیں۔''

''کوئی بات گل خان ہمیں بھی بس اتنی رقم کی ضرورت ہے کہ اپنے گھر پہنچ جائیں۔''

گل خان کی ہم وطنی بھی اب ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''خو یارا ہم کیسے بتائے ادھر ابھی کام بہت کم ہے۔''

''خان میں تم سے قرض نہیں مانگ رہا ہوں۔'' میں نے اس کا انداز محسوس کر کے اپنا لہجہ بدل لیا۔ ''تم یہ پستول خرید لو۔''

''اچھا'' اس کے لہجے میں اشتیاق آ گیا تھا۔ ''کتنے کا دے گا؟''

''دیکھ لو اصل امریکن پستول ہے...... مارکیٹ میں ڈیڑھ لاکھ سے اوپر کا ہے۔''

اس کا منہ لٹک گیا تھا۔ ''ڈیڑھ لاکھ...... اتنا تو ہم نہیں دے سکتا۔''

''تو یہاں کوئی اور خرید سکتا ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''اصل چیز ہے لوگ تو اس کے پیچھے مرتا ہے۔''

گل خان کو جب میں نے پستول دکھایا تھا تب ہی اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی اسے پستول پسند آیا تھا۔ میں نے اسی وجہ سے اسے پستول فروخت کرنے کی پیش کش کی تھی۔ میں نے انداز ایسا رکھا تھا کہ میں اپنے

قیمتی پستول کو کم قیمت پر فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کسی اور خریدار کے نام پر گل خان کے چہرے پر مایوسی آ گئی تھی۔

''ادھر کوئی اور خریدار کہاں ملے گا۔''

''کیوں نہیں ملے گا جیسے تم مل گیا اس طرح اور بھی مل جائے گا۔'' میں نے کہا اور پستول واپس بیلٹ میں لگا لیا۔ اس دوران میں ایک لڑکا تھال میں قہوے کی پیالیاں لے آیا تھا۔ گل خان نے ہمیں قہوہ دیا جب کہ ہمیں بھوک لگ رہی تھی۔ ہم وطن سے محبت اپنی جگہ لیکن کاروبار اپنی جگہ تھا اس لیے اس نے کھانے کے وقت قہوہ منگوایا تھا۔ گل خان سوچ میں پڑا ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پستول حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ قہوہ ختم کر کے اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

''ہم اسے لینا چاہتا ہے لیکن ہم اتنی قیمت نہیں دے سکتا۔''

''تم کتنی قیمت دے سکتا ہے؟''

''ہم اس کے پچاس ہزار دے سکتا ہے۔''

میں اچھل پڑا تھا۔ ''گل خان اپنی عقل کو ہاتھ مارو یارا...... ڈیڑھ لاکھ کا چیز تم پچاس ہزار میں مانگ رہا ہے۔''

''میرے پاس سے زیادہ رقم نہیں ہے۔''

میں نے اس سے بحث کی اور معاملہ بالآخر ستر ہزار پر طے پا گیا۔ میرے لیے تو پچاس بھی کافی تھے لیکن میں اسے یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں ہر قیمت پر پستول بیچنا چاہ رہا ہوں۔ معاملہ طے ہونے کے بعد میں نے اس کے ہوٹل کی سب سے بہترین ڈش کا آرڈر دیا۔ یہ بھنا ہوا مرغ تھا اس کے ساتھ تندوری نان تھے۔ کھانا آیا تو ہم نے ڈٹ کر کھایا۔ اور گل خان سے کہا کہ وہ بل رقم سے کاٹ لے۔ ساتھ ہی اسے اگلے دن کسی گاڑی کا بندوبست کرنے کو کہا۔ گل خان پستول ابھی لینے کے چکر میں تھا۔ اس نے مطالبہ کیا۔

''ٹھیک ہے سودا طے ہو گیا ہے اب تم پستول میرے کو دے دو۔''

لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ''گل خان اصول کی بات ہے اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے۔''

''تم کو ہم پر اعتبار نہیں ہے؟'' اس نے کسی قدر خفگی سے پوچھا۔

''بات اعتبار کی نہیں اصول کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم کاروبار کرتا ہے اور تم کو اچھی طرح پتا ہے اصول کیا ہوتا ہے۔''

بادلِ ناخواستہ گل خان نے میری بات مانی۔ اس کے جاتے ہی بیتو نے مجھ سے سرگوشی میں کہا۔ ''شوبی بھائی اس پر اعتبار مت کرنا اس کی آنکھوں میں شرارت ہے۔''

''تم فکر مت کرو، میں ایسے شرارتی لوگوں سے نمٹنا جانتا ہوں۔'' میں نے بیتو کو تسلی دی۔ ویسے یہ بات میں نے بھی محسوس کی تھی۔ وہ ایسا شخص تھا جو دولت کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس کے پاس چند ہزار نہیں تھے اور اب وہ ستر ہزار کا پستول خریدنے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ یہ ستر ہزار بچانے کے لیے کوئی شرارت بھی کر سکتا تھا۔ بیتو صحیح کہہ رہا تھا ہمیں بہت ہوشیار رہنا تھا۔ کھانے کے بعد بیتو نے سرہانے رکھا کمبل لیا اور وہیں

چارپائی پر دراز ہو گیا اور خراٹے لینے لگا تھا۔ میں جاگ رہا تھا۔ میں نے اپنے اوپر کمبل ڈال لیا اور اپنے آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگا۔

گزشتہ کئی مہینے سے ایک مسلسل بھاگ دوڑ والی زندگی گزر رہی تھی۔ جب فتح خان سے بچنے کے لیے میں نے ایک خشک نہر کا راستہ اختیار کیا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں انڈیا پہنچ جاؤں گا اور وہاں اتنے طویل عرصے تک رہوں گا۔ صرف رہوا گا نہیں بلکہ میری ذات ہنگاموں کا مرکز بن جائے گی۔ بے شمار کردار ملیں گے اور پھر بچھڑ جائیں گے۔ ان میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو اب میرے ساتھ تھا۔ اس نے زندگی اور موت کے ہر مرحلے میں پوری استقامت اور خلوص سے میرا ساتھ دیا تھا۔ وہ نہ میرا ہم وطن تھا اور نہ ہم مذہب تھا لیکن اب جیسے میرے وجود کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ یہ بیتو تھا۔ یوں تو سادھنا بھی تھی لیکن وہ لڑکی تھی اور اس نے میرا ساتھ نہیں چنا تھا بلکہ وسیم کو چن لیا تھا اور اب یقیناً اس کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ وسیم اس سے شادی کر کے پُرسکون ازدواجی زندگی بسر کرے۔

میری ذات سے وابستہ جھگڑے صرف میرے لیے تھے اور ان لوگوں کا ان جھگڑوں سے براہِ راست تعلق نہیں تھا۔ اگر یہ لوگ صرف میری حوصلہ افزائی بھی کرتے تو میں اکیلا بہت ساری چیزوں کا سامنا کر سکتا۔ میں نے محسوس کیا کہ وطن واپسی کے بعد بھی میرے لیے کوئی آسانی نہیں ہوگی۔ میرے خلاف مقدمات بدستور قائم تھے اور ان میں مزید کیا اضافہ ہوا تھا۔ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ عدالتوں نے میری عدم موجودگی میں میرے خلاف کوئی فیصلہ دے دیا تو میں بہت مشکل میں پڑ جاتا۔ گرفتاری میں دے نہیں سکتا تھا۔ ورنہ مرشد کے پالتو پولیس افسران مجھے ان کاؤنٹر بھی کر سکتے تھے۔ مرشد ان دنوں اس وقت کے حکمران کی پارٹی میں شامل ہو گیا تھا اور اب وہ سرکاری بیل تھا جو ہر قانون اور قاعدے سے ماورا تھا۔ اس کا سامنا کرنا پہلے سے زیادہ مشکل تھا اور میں اپنے ساتھیوں کو اس مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

میرے ساتھ جتنے کم لوگ ہوتے میں اتنی ہی آسانی سے مرشد کا سامنا کر سکتا تھا۔ میرے دوست مجھ سے الگ نہیں ہو سکتے تھے لیکن اگر وہ پس پردہ رہ کر میری مدد کرتے تو یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔ بہ نسبت اس کے وہ میدان عمل میں میرے ساتھ آتے اور ان پر بھی میرے دشمنوں کو کیس بنانے کا موقع ملتا۔ مجھے سوچوں میں کھوئے ہوئے اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔ بیتو نیند پوری کر کے اٹھ گیا اور اس نے مجھے ہلایا۔ ''شوبی بھائی کیا سوچتا ہے۔''

''کچھ نہیں یار تمہاری نیند پوری ہو گئی؟''

''ہاں اب آپ سو جاؤ ہم جاگتا ہے ہم میں سے ایک کا جاگنا بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور لیٹ گیا۔ ذرا دیر بعد میں سو گیا تھا۔ مجھے بیتو نے کوئی دس بجے اٹھایا۔ وہ کھانا کھا چکا تھا۔ اس نے مجھے بتایا۔ ''ہم نے کھانا آٹھ بجے کھا لیا تھا۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''تو مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟''

''ہم نے سوچا پہلے ہم کھانا کھائے گا اور آپ کا بول دیا کہ آپ گیارہ بجے کھاتا ہے۔''

میں سمجھ گیا کہ بیتو کا مقصد کیا تھا۔ وہ گل خان پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ کھانے میں کچھ ملا سکتا تھا

اس لیے بیتو نے الگ الگ کھانے کی حکمت عملی اپنائی تا کہ وہ کوئی شرارت نہ کر سکے۔ میں نے بیتو کی پیٹھ تھپکی۔
''منے تم سیانے ہوتے جا رہے ہو۔''
وہ ہنسا۔''سب آپ لوگوں سے سیکھا ہے۔''
اب میں نے کھانے کا کہا۔ کھانا بنانے والا ملازم کب کا سو چکا تھا۔ یہاں تو لوگ گرمیوں میں بھی شام ڈھلے سو جانے کے عادی تھے۔ یہ تو سردی کا موسم تھا۔ گل خان نے اسے اٹھایا تو وہ جز جز ہوا تھا اس نے بادلِ ناخواستہ میرے لیے کھانا گرم کیا اور سامنے پٹخ کر پھر سونے کے لیے چلا گیا۔ جب تک میں کھانا کھاتا رہا بیتو مجھے اس دوران کی رُوداد سناتا رہا جب میں سو رہا تھا۔ وہ باہر بھی گیا۔ اس نے کہا۔
''یہ گل خان کسی چکر میں ہے کئی بار ہوٹل کے باہر گیا اور یوں گیا کہ ہمیں اس کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہو۔ میں نے کاؤنٹر خالی دیکھ کر پوچھا تو معلوم ہوا وہ کسی کام سے گیا۔''
''ممکن ہے سچ مچ کسی کام سے گیا ہو۔'' میں نے پانی پیا۔
''لیکن میرا چھٹا حس کہتا ہے وہ کسی چکر میں ہے۔''
''ہو گا یار اب سو جاؤ میں تمہیں چار گھنٹے بعد جگا دوں گا۔ ہم صبح سویرے یہاں سے نکل جائیں گے۔''
بیتو لیٹ گیا اور پھر سو گیا۔ میں جاگ رہا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانے کا خمار چڑھ رہا تھا لیکن میں جاگتا رہا۔ اگر نیند کا غلبہ زیادہ ہونے لگتا تو میں باہر نکل کر ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ٹہلنے لگتا تھا اور اس دوران میں مجھے اپنے گوڈے گٹے کرسیوں اور میزوں سے بچانے پڑتے تھے کیونکہ وہاں گنجائش بالکل نہیں تھی۔ وقت بہت سُستی سے رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ ہوٹل میں روشنی مٹی کے تیل کے لیمپ سے ہوتی تھی اور اس وقت ایک چھوٹا سا لیمپ روشن تھا۔ ایک ایسا ہی لیمپ ہمارے کمرے میں تھا۔ ڈائننگ ہال میں ایک سستی سی وال کلاک لگی تھی جس سے وقت کا پتا چل رہا تھا۔ چار بجے کے قریب میں کمرے میں آیا تا کہ بیتو کو جگا دوں اور خود سو جاؤں لیکن اسی وقت مجھے ہوٹل کے باہر سے کسی طاقتور انجن والی گاڑی کی آواز آئی اور پھر کوئی دروازہ بند کر کے گاڑی سے اتر آیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے دو آدمی آپس میں بات کر رہے ہوں۔ میں دبے قدموں ہال میں نکل آیا اور داخلی دروازے کے پاس آ کر کان لگائے۔ گل خان کسی سے بات کر رہا تھا پھر میں نے ایک آواز سنی۔
''تم کو یقین ہے یہ وہی ہے۔''
اس آواز کو سن کر میری رگوں میں کون سنسنا اٹھا تھا۔ یہ آواز میں لاکھوں میں الگ سے شناخت کر سکتا تھا۔



میں نے بے ساختہ پستول نکال لیا اور آنے والے کے استقبال کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ گل خان کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اور اس نے اندر قدم رکھا میں نے پستول اس کے سر پر رکھ دیا۔ وہ یک دم ساکت ہو گیا تھا پھر اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا اور لیمپ کی ہلکی روشنی میں بھی فوراً پہچان گیا تھا۔ ''شہباز خان۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں فتح خان...... میں شہباز ملک۔'' میں نے تلخ لہجہ میں کہا۔

''ہم نے ٹھیک کہا تھا نا۔'' گل خان خوش ہو کر بولا۔ ''یہ وہی ہے۔''

''تم مجھے کیسے جانتے ہو۔'' میں نے گل خان کو بھی گریبان سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

گل خان سہم گیا اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''فتح خان نے بتایا تھا۔ اس نے تمہارا تصویر بھی دکھایا۔''

''تم اس کے جاننے والے ہو؟'' میں نے گل خان کو گھورا۔

''یہ کل تمہارے آنے سے پہلے ادھر آیا تھا۔'' گل خان نے وضاحت کی۔ ''ہم پہلی بار اس سے ملا ہے۔''

''اب تم دوں میں قربت ہو جائے گی جب تم دونوں کی قبریں ایک ساتھ بنیں گی۔'' میں نے کہا۔

''شہباز خان...... خود کو ٹھنڈا کرو میں لڑنے کا واسطے نہیں تمہاری مدد کا واسطے آیا ہے۔''

''میں اور تم سے مدد لوں۔'' میں نے بھڑک کر فتح خان کی کنپٹی پر پستول کا دستہ رسید کیا۔ وہ کراہ کر جھکا تھا۔ میں نے اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا۔ پھر میں نے گل خان کی طرف دیکھا۔ ''تم سے میں بعد میں نمٹوں گا ابھی تو تم شرافت سے ہاتھ اوپر کر کے ادھر دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے حکم دیا اور گل خان نے سعادت مندی سے اس کی تعمیل کی تھی۔ میں نے ایک جگ میں بچا پانی فتح خان کے منہ پر پھینکا اور وہ بلبلا گیا تھا۔ پانی بہت ہی ٹھنڈا تھا۔

''یہ کیا کرتا ہے؟''

''تمہارا باقاعدہ غسل میت تو شاید ہی ہو اس لیے اسے ہی اپنا آخری غسل سمجھو۔'' میں نے کہا اور اس کی جیکٹ کا کالر پکڑ کر پوچھا۔ ''فتح خان تمہیں میرے بارے میں کس نے بتایا ہے اور تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں کیسے آئے؟''

''اس نے بتایا ہے۔'' اس نے گل خان کی طرف اشارہ کیا۔

''بکومت...... ہم پندرہ گھنٹے پہلے یہاں آئے ہیں اور تمہیں اطلاع ملی تو تم اتنی جلدی دوڑے آئے۔ نہیں تم پہلے سے یہاں تھے اور ہماری خاطر تھے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا سوال یہ ہے کہ تم کو کس نے بتایا کہ میں یہاں ہو سکتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں مانتا ہے کہ میں تمہاری تلاش میں ادھر آیا...... لیکن میرا کوئی برا ارادہ نہیں ہے۔''

میں طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ''کوئی بھیڑیا کہے کہ میرا کسی بھیڑ کے بارے میں برا ارادہ نہیں ہے تو میں مان جاؤں گا لیکن تمہاری بات کا میں مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا فتح خان میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''نہیں میری بات کا یقین کرو۔ میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں اس سے پہلے کہ مرشد علی کے آدمی تم تک پہنچ جائیں۔''

میں چونکا۔ ''مرشد...... اس کے آدمی میری تلاش میں ہیں؟''

فتح خان نے سر ہلایا۔ ''ہاں اس کو پتا چل گیا ہے کہ تم ادھر کہیں ہے۔''

''لیکن کیسے؟''

''یہ ہم نہیں جانتا...... لیکن یہ بات ہمیں کل رات معلوم ہوئی اور ہم مظفر آباد کے راستے ادھر روانہ ہو گیا۔''

فتح خان بہت شریفانہ انداز میں بات کر رہا تھا اور اس نے اب تک کسی قسم کی مزاحمت بھی نہیں کی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے رام کرنے کا تہیہ کر کے آیا ہو۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''کیوں کیا میں تمہارے چاچے کا پتر لگتا ہوں؟ جو تم میری فکر میں یہاں دوڑے آئے؟''

فتح خان خاموش رہا۔ وہ عیار آدمی بول کر پھنسنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ خاموش رہ کر اپنا کام نکالنا جانتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اب بھی ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہا تھا۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی جب میں نے اسے نیپال اور بھارت کی سرحد پر آزاد کیا تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ میں نے اسے وعدہ یاد دلایا۔ ''تم نے کہا تھا کہ اب تم میرا پیچھا نہیں کرو گے۔''

''وہ نیپال کی حد تک تھا۔'' فتح خان بولا۔ ''اب ادھر دوسرا جگہ ہے اور پھر میں تمہاری مدد کے لیے آیا ہے۔''

''اچھا تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''سب سے پہلے میں تم کو یہاں سے نکال کر لے جاتا تاکہ مرشد علی کے آدمی تم تک نہ پہنچ سکیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں خود بھی ان سے بچ سکتا ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں بچ سکتے...... ان کو پولیس کی مدد بھی حاصل ہے وہ بھی تمہیں تلاش کر رہا ہے اور جب تم ملے گا تم کو مرشد کے آدمیوں کے حوالے کر دے گا۔''

''اگر میں پکڑا جاتا ہوں اور مجھے مرشد کے آدمیوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے تب بھی تمہارا کیا نقصان

ہے؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تم مرشد کے ہاتھ لگے وہ تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں نے مان لیا تم مجھے مرشد سے بچانے کا عظیم مشن لے کر یہاں آئے ہو لیکن میرا سوال اب بھی وہی ہے۔ تم یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو جب کہ میں تمہارا دشمن ہوں۔"

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا تھا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا اور مجھے کسی حد تک اس کا جواب معلوم تھا۔ باقاعدہ تفتیش کا نہ وقت تھا اور نہ موقع اس لیے میں نے موضوع بدل دیا۔ "مرشد کو کیسے پتا چلا کہ میں اس علاقے میں ہوں؟"

"مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن سنا ہے کہ اسے انڈیا سے اطلاع ملا ہے۔"

میں چونک گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ انڈیا والے جان گئے تھے کہ ہیلی کاپٹر میں نے اغوا کیا تھا اور اس میں سرحد پار کر گیا تھا مجھے ان کی پھرتی پر حیرت تھی انہوں نے اتنی تیزی سے یہ بات جان لی تھی لیکن مرشد کے علم یہ بات کہاں سے آئی۔ وہ ان دنوں حکومت میں شامل تھا اور اگر انڈیا کی طرف سے میرے بارے میں کوئی باضابطہ شکایت کی گئی تھی تو وہ اس کے علم میں آ سکتی تھی۔

"مرشد کو یہ بات سرکاری ذرائع سے معلوم ہو گئی۔" میں نے کہا۔ "لیکن فتح خان تمہارے علم میں یہ بات کہاں سے آئی؟"

"میرے اپنے ذرائع ہیں۔" اس نے گول مول انداز میں کہا۔ "میں تم کو ادھر سے لے جا سکتا ہے اور مرشد سے چھپا کر رکھ سکتا ہے۔"

"یہ کام تو میں خود بھی کر سکتا ہوں اس کے لیے مجھے تمہارا احسان لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ "تم نہیں بچ سکتا...... ابھی یہاں سے اسلام آباد تک ہر جگہ پولیس اور مرشد کا آدمی تم کو تلاش کرتا ہے۔ تم ہر جگہ نہیں بچ سکتا ہے۔"

"فتح خان کیا یہ تلاش اس سے بھی بڑی ہے جو انڈیا میں جاری تھی؟" میں نے پوچھا تو فتح خان جھینپ گیا تھا۔

"وہ اور بات تھا۔"

"بات ایک ہی ہے مارنے والے سے بچانے والے کی ذات بڑی ہے اور میں نے اس ذات پر بھروسہ کیا ہے۔ مجھے تمہاری یا تم جیسے کسی شیطان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم مرشد سے نہیں بچ سکے گا۔" اس نے مجھے ڈرانے کی کوشش کی۔ "تم اس کے ہاتھ آ گیا تو اس بار وہ تمہیں نہیں بخشے گا۔"

"اگر ایسا ہے تو بھی تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے رکھائی سے کہا۔ "باہر جو گاڑی رکی ہے اس پر کیا تم آئے ہو؟"

"ہاں وہ ہمارا پجیرو ہے۔" اس نے کہا۔

"بس تو ہم تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔" میں نے کہا پھر مجھے خیال آیا۔ "ہمارے بارے میں تمہیں گل

خان نے اطلاع کی تھی؟''

''ہاں اس نے بتایا تھا۔'' فتح خان بولا۔

''کیسے...... میرا مطلب ہے اس نے رابطہ کیسے کیا؟''

''میں زیادہ دور نہیں تھا اس نے آدمی بھیج کر اطلاع کر دیا۔''

''اب یہ میری تلاش میں سرگرداں مرشد کے آدمیوں کو بھی اطلاع دے سکتا ہے۔''

''یہ نہیں دے گا۔'' فتح خان نے یقین سے کہا۔ ''یہ میرے بارے میں جانتا ہے۔''

''پھر بھی اسے اپنی زبان میں سمجھا دو کہ یہ ہمارے جانے کے بعد آرام سے بیٹھے اور بلا وجہ کسی سے رابطہ کرنے سے گریز کرے۔''

فتح خان نے گل خان کو سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا تھا اور کیا نہ کرنا اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے میں نے گل خان سے کہا کہ وہ اپنے باورچی کو بیدار کرے اور اسے ناشتہ بنانے کا حکم دے کیونکہ ہم روشنی ہوتے ہی روانہ ہو جاتے۔ گل خان نے اپنے تنک مزاج باورچی کو اٹھایا اور وہ بھنبھناتا ہوا چولہے اور برتنوں کے ساتھ لگ گیا۔ میں نے فتح خان کی تلاشی لے کر اس کے پاس سے ایک عدد ماؤزر برآمد کر لیا تھا۔ اس نے اس پر بھی کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ مسلح تھا اور اس کے باوجود اتنی شرافت سے پیش آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''شہباز خان میں قسم کھاتا ہے ابھی میں تمہارا دشمن نہیں ہے۔ ایک بار میں تیرے کو محفوظ جگہ پہنچا دے پھر اپنا حساب کتاب ہوگا۔''

''میرا خیال ہے تم نے میری قبر کے لیے جگہ منتخب کر لی ہے اور مجھے وہیں لے جانے آئے ہو۔'' میں نے ماؤزر جیب میں رکھ لیا اور بلند آواز سے بیتو کو پکارا۔ ''اٹھ جاؤ برخوردار دیکھو کتنے بڑے لوگ ہمیں خود لینے آئے ہیں۔''

چند لمحے بعد بیتو آنکھیں ملتا ہوا نمودار ہوا اور فتح خان کو دیکھ کر ساکت ہو گیا پھر اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''شوبی بھائی ہم جاگ گیا ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ ہم کو فتح خان کا منحوس صورت نظر آ رہا ہے۔''

''یہ خواب نہیں عزت مآب فتح خان خود ہیں۔''

''یہ کیسے یہاں تک آ گیا؟''

''وہ کہتے ہیں نا جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے آج کل گیدڑ جنگل کا رخ کرتے ہیں۔''

فتح خان کی صورت بتا رہی تھی کہ وہ خون کے گھونٹ پی رہا ہے۔ اس نے کہا۔ ''دیکھو شہباز خان تم بے شک میرے کو قتل کر دو پر ایسا بے عزت مت کرو۔''

میں سنجیدہ ہو گیا۔ ''اوہ ہاں میں بھول گیا تھا کہ تم ملک کی چند قابل احترام شخصیات میں سے ہو۔ خیر اس موضوع کو چھوڑ دو یہ بتاؤ کہ ہم تمہارے ساتھ سفر کریں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''میں خود تمہیں لینے آیا تھا۔ یہاں سے کچھ دور میرے ساتھی موجود ہیں ان کے ساتھ ہم بحفاظت اسلام

آباد پہنچ جائیں گے۔"

میں چونکا۔ "اسلام آباد کیوں؟"

"تمہارے لیے وہیں ایک جگہ منتخب کی ہے جہاں نہ تو مرشد علی کی رسائی ہے اور نہ پولیس کی۔"

"لیکن تمہاری رسائی تو ہوگی اور یہ بھی کم خطرناک بات نہیں ہے۔"

"میں نے کہا نا میں ابھی تمہارا دوست ہوں اور......"

"فتح خان کیا تم مجھے بے وقوف یا مجبور سمجھ رہے ہو جو میں تمہاری بات پر اعتبار کرلوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میرے لیے تم دشمن ہو اور میں تم سے ہمیشہ ہوشیار رہوں گا اس لیے بھول جاؤ کہ میں تم پر اعتبار کروں گا یا تمہارے پلان کے مطابق چلوں گا۔"

"تمہارا مرضی۔" اس نے بھنا کر کہا اور خاموش ہوگیا۔ اس دوران میں گل خان کے نک چڑھے باورچی نے بک بک پر گل خان کے ہاتھوں ایک زبردست تھپڑ کھانے کے بعد خاموشی سے ناشتہ تیار کردیا تھا اور میز پر لگا رہا تھا۔ ہم سب ایک ہی میز پر آگئے اور ناشتہ کیا۔ گل خان ایک طرف بیٹھا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہم اس قدر خطرناک لوگ نکلیں گے۔ اس نے ہمیں پکڑوانے کے لیے فتح خان کو بلایا تھا اور ہم نے اسے پکڑ لیا تھا اور زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ ہمارے سامنے منمنا رہا تھا۔ ناشتے کے بعد میں نے گل خان سے کہا۔ "ستر ہزار روپے لاؤ۔"

فتح خان چونکا۔ "ستر ہزار کس لیے؟"

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔" میں نے کہا اور گل خان کی طرف دیکھا۔ "تم نے سنا نہیں۔"

وہ بے یقینی میں تھا۔ "تم پستول بیچ رہا ہے۔"

"ہاں اب مجھے یہ بھی مل گیا ہے۔" میں نے اسے فتح خان کا ماؤزر دکھایا۔ "دو دو پستول کیا کریں گے۔"

گل خان پریشان ہوگیا تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہمارے سامنے فتح خان بھی مجبور تھا اور اس کی تو کوئی اوقات نہیں تھی اگر ہم ستر ہزار لے کر بھی اسے پستول نہ دیتے تو وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر وہ انکار کرتے ہوئے بھی ڈر اس صورت میں ممکن تھا ہم اس کی تمام جمع پونجی نکلوانے پر تل جاتے۔ یقیناً اس کے پاس اس سے زیادہ رقم تھی۔ بادلِ ناخواستہ وہ اندر کہیں گیا اور چند منٹ بعد آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ہزار کے نوٹوں کی ایک چھوٹی سے گڈی تھی وہ اس نے میری طرف بڑھادی۔

"اب لاؤ پستول دو۔"

"اتنی جلدی کیا ہے گل خانا۔" میں نے کہا اور گڈی فتح خان کی طرف بڑھادی۔ "ذرا اسے گننا...... رقم پوری ہے۔"

فتح خان رقم گننے لگا اور میں نے ماؤزر بینو کو تھمادیا۔ فتح خان نے سر ہلایا۔ "پورے ستر ہزار ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پستول ان لوڈ کیا اور اس کا میگزین نکال دیا۔ پھر میگزین سے گولیاں بھی نکال دیں اور پستول گل خان کو تھمادیا۔ وہ خوش ہوگیا کیونکہ شاید اسے بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ میں اسے پستول دوں گا۔ میں نے فتح خان سے چلنے کو کہا۔ ہم باہر آئے۔ جہاں فتح خان کی پجیرو کھڑی تھی۔ میں نے پہلے اس کی تلاشی

لی اور حسبِ توقع مجھے ڈیش بورڈ کے خانے میں ایک پستول مل گیا تھا اور عقبی نشست کے نیچے ایک چھوٹی سی شاٹ گن بھی ملی تھی۔ فتح خان ایسا آدمی تھا جو باتھ روم جاتے ہوئے بھی پوری طرح مسلح ہونے کا قائل تھا۔

فتح خان یہ سب دیکھ رہا تھا اور غصے سے ہونٹ چبا رہا تھا۔ بیتو عقبی نشست پر آ گیا جب کہ میں فتح خان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ اسے کرنی تھی۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور دھیمے لہجے میں بولا۔ "یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو شہباز خان۔"

"خدا کے لیے۔" میں نے بے زاری سے کہا۔ "یہ شہباز خان کی تکرار بند کرو اور جہاں تک میرے اچھا کرنے کا تعلق ہے تو میرا کیا میرے دشمنوں کو کبھی پسند نہیں آیا اور ظاہر ہے تم کو بھی پسند نہیں آئے گا۔"

اس نے جیپ آگے بڑھا۔ یہ مٹسوبشی کی شاندار گاڑی ہے جو پہاڑی راستوں پر سفر کرنے کے لیے بہترین ہے لیکن یہ گاڑی کچھ عرصے پہلے تک ہمارے ہاں دولت کا اسٹیٹ سمبل بنی ہوئی تھی۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے اور گل تری سے نکلتے ہی خراب راستہ شروع ہو گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس موسم کے باوجود یہ جیپ ہمیں پندرہ گھنٹے میں مظفر آباد کے راستے اسلام آباد پہنچا دے گی۔ فتح خان سمجھ گیا تھا کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا اس لیے اب وہ خاموش تھا۔ ویسے بھی اس نے خود پنگا لیا تھا۔ میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔ کوئی ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ایک سڑک آ گئی اور اس کے بعد سفر ذرا تیز رفتار ہو گیا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔

"تم بھارت اور نیپال میں ہمارا پیچھا کرتے رہے تھے، کس کے لیے؟"

"تم جانتے ہو؟"

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"ڈیوڈ شا کے لیے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اب بھی اس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"میں اس کے لیے مستقل کام کرتا ہوں لیکن تمہیں بچانے کی کوشش میں از خود کر رہا ہوں۔"

"اچھا۔" میرا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "فتح خان ہمدردی کا یہ بیج تمہارے اندر کہاں سے آیا۔"

"میرے اندر تمہارے لیے ہمدردی نہیں ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم مرشد علی سے محفوظ رہو۔"

"کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔" اس نے گیئر بدلا۔

میں ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ فتح خان ان لوگوں میں سے تھا جو بنا مطلب کے اپنی مرتی ماں کے منہ میں پانی بھی نہیں ٹپکاتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ بلا وجہ ہمدردی نہیں کر رہا تھا اس کے پس پشت کوئی اور چکر تھا۔ مجھے راجا عمر دراز کا خیال آیا۔ وہ رانا دیاس کے محل سے نکلنے کے بعد غائب ہو گیا تھا اور پھر اس کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔

"تمہیں راجا عمر دراز کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"نہیں...... آخری بار بس اتنا پتا چلا تھا کہ وہ رانا دیاس کے محل سے نکلا ہے اور اس کے بعد اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔"

''میں نہیں مان سکتا۔ راجا عمر دراز خود غائب نہیں ہوا بلکہ اس کی گاڑی خالی ملی تھی اور وہ اپنے ڈرائیور اور محافظ سمیت غائب تھا۔ اس کا اور کون دشمن ہوسکتا ہے سوائے ڈیوڈ شا کے۔''

''ممکن ہے راجا کو ڈیوڈ شا نے ہی غائب کیا ہو لیکن اس بارے میں میرے کو کچھ نہیں معلوم ہے۔''

''تم بھی انڈیا میں تھے۔''

''ہاں لیکن میرے کو اس نے صرف تمہاری تلاش کے لیے بلایا تھا اور جب میں نے اسے جا کر بتایا کہ تم نیپال جا چکے ہو تو اس نے فوراً مجھے واپس بھیج دیا تھا۔''

''مرشد سے تمہارا تعلق کیسا ہے؟''

''ظاہر ہے وہ میرا دشمن نہیں ہے لیکن اب میں اس کے لیے کام نہیں کرتا ہے۔''

''یعنی اس سے تمہارا تعلق ضرور ہے اور اس کے مقابلے میں، مَیں تمہارا دشمن ہوں اور تم میرا ساتھ دے رہے ہو۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے؟''

میری بات پر اس نے پہلو بدلا اور کسی قدر ایکسلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ ''ابھی یہ بات تم کو نہیں سمجھا سکتا۔''

میں مسکرایا۔ ''فتح خان یہ بات تم کبھی سمجھا نہیں سکتا ہے کیونکہ اس میں تمہارا کوئی مفاد ہے۔''

''اس میں ہمارا کیا مفاد ہوسکتا ہے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا لیکن مفاد ہے ضرور ہے۔'' میں نے کہا۔ فتح خان اس وقت میرے قابو میں تھا اور میں اس سے ہر بات تو نہیں اگلوا سکتا تھا لیکن بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تم نے برٹ شا کا کیا کیا...... وہ ابھی تک تمہاری قید میں ہے؟''

''ہاں وہ میرا قیدی ہے۔''

''اس نے ہیروں کا پتا بتایا؟''

ہیروں کے ذکر پر فتح خان بل کھا گیا تھا۔ یہ ہیرے اس کی کمزوری بن گئے تھے اور صرف ان کی خاطر وہ برسوں سے ایک گورے اپنی قید میں رکھے ہوئے تھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ اسی کے بھائی کے لیے کام کر رہا تھا۔ فتح خان نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میں نے ذرا شریر لہجے میں اگلا سوال کیا۔ ''کیا ڈیوڈ شا کو معلوم ہے کہ اس کا بھائی تمہاری قید میں ہے؟''

''اسے معلوم ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ میں نے برٹ شا کو کہاں رکھا ہے۔''

''اس نے تم سے کبھی ہیروں کے بارے میں نہیں پوچھا؟''

''ڈیوڈ شا کو ہیروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''بکواس...... وہ کوئی سادھو سنت ہے جسے دولت سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''یہ سچ ہے اس نے کبھی ہیروں کے بارے میں نہیں پوچھا۔''

مجھے اس کے انداز سے اب الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ بہت مربیانہ انداز میں میری ہر بات برداشت کر رہا تھا اور مجھ سے الجھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کے پس پشت کیا بات تھی۔ میں نے کہا۔ ''جب تمہیں مرشد کے بارے میں اس حد تک معلوم ہے کہ وہ مجھے تلاش کر رہا ہے تو یہ بھی علم ہوگا کہ ان دنوں وہ میرے خلاف کیا کر رہا

ہے؟''

''میں اس کے ذہن میں نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔''ویسے وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن سے آدمی کو ہر بات کی توقع رکھنی چاہیے۔''

''دشمن تو تم بھی ہو۔''

''ہاں لیکن ہمارا تمہارا ویسا دشمنی نہیں ہے جیسا تمہارا اور مرشد کا ہے۔ سچی بات ہے کبھی کبھی میرے کو لگتا ہے کہ میرے دل میں اب تمہارے لیے پہلے جیسا دشمنی نہیں ہے۔''

''اس کی وجہ؟......تم کسی کو اللہ واسطے معاف کرنے والے تو نہیں ہو۔''

''میں نے کہا ہم خود نہیں جانتا۔''

اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ ہم سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے اور اچانک مجھے خیال آیا۔''تم نے اپنے کچھ آدمیوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟''

''وہ آگے ایک ہوٹل میں رکے ہیں۔''

''ان کو پتا کیسے چلے گا کہ تم اس طرف آرہے ہو؟''

''وہ راستے کی نگرانی کررہے ہیں۔'' فتح خان نے کہا۔''یہ جیپ ان کی نظروں میں آئے بغیر نہیں رہے گی۔''

''یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جب تم ان سے کہو گے کہ وہ ہمیں جانے دیں تو وہ یقیناً انکار نہیں کریں گے۔ آخر تم ان کے باس ہو۔''

''وہ میرے ساتھ ہے پر میں ان کا باس نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔''وہ اصل میں کسی اور کا آدمی ہے اور صرف ایک حد تک میرا بات مانتا ہے۔''

''کسی اور کا آدمی۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔''یعنی تم جس کے لیے کام کررہے ہو اس کے آدمی ہیں۔''

''میں کسی کے لیے کام نہیں کررہا ہے۔'' وہ جھنجھلا گیا۔''مرشد کے آدمیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے میرے کو بندوں کی ضرورت تھی تو میں نے ایک شخص سے اس کے بندے لے لیے۔''

''تب وہ تمہارے بجائے اپنے باس کی کیوں مان رہے ہیں؟''

فتح خان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔''تم سمجھنے کا کوشش کرو، جب میں نے اس آدمی کو تمہارے بارے میں بتایا تو اس نے بولا کہ تم کو اس کے پاس لائے اب میں اس کو انکار نہیں کرسکتا۔''

''لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے اور ویسے یہ ہے کون؟''

''تم اسے نہیں جانتے اس لیے بتانا بے کار ہے کبھی سامنے آیا تو تم خود دیکھ لے گا لیکن میں خدا کا قسم کھا کر کہتا ہے میں نے ایسا عجیب آدمی نہیں دیکھا وہ میرے کو راجا عمر دراز اور ڈیوڈ شا سے بھی زیادہ عجیب لگا۔ جب تم دیکھے گا تو خود جان لے گا۔''

''فتح خان۔'' میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کیا۔''مجھے اس شخص سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس

لیے تم کوئی اور راستہ پکڑلو۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔"ادھر سے اور کوئی راستہ نہیں جاتا ہے۔"

"مجھے بے وقوف مت بناؤ...... میں برسوں سے ان علاقوں میں کام کر رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ راستے کہاں کہاں سے نکلتے ہیں۔"

فتح خان پریشان نظر آنے لگا۔"اگر میں نے کوئی اور راستہ پکڑا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔"

"تم مشکل میں پڑو گے نہیں، تم اس وقت مشکل میں ہو۔"میں نے کہا۔"اگر میں تم کو یہاں اتار دوں اور خود جیپ لے جاؤں تو تم کیا کرو گے؟"

فتح خان مزید پریشان ہو گیا۔"تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"ٹھیک ہے میں ایسا نہیں کروں گا لیکن اس کے لیے ضروری ہے میں تم سے جو کہوں ویسا ہی کرو۔"

فتح خان سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔"ایک راستہ ہے تو لیکن اس موسم میں بہت خراب ہو جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں راستہ بے شک کے ٹو سے گزرتا ہو لیکن ہم نے اسی طرف سے جانا ہے۔"میں نے کہا۔

"دو گھنٹے بعد ہمیں راستہ بدل دینا ہوگا۔"اس نے جیپ کی رفتار بڑھائی۔"لیکن اس راستے پر کوئی مسئلہ ہو گیا تو ہم کسی سے مدد بھی نہیں لے سکتے۔"

"اس کی فکر بھی مت کرو۔"میں نے کہا۔"اگر جیپ خراب ہو بھی گئی تو ہماری ٹانگیں بھی ہیں۔"

فتح خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔"تم ایک بار اس سے مل کر تو دیکھو وہ تمہارا دشمن نہیں ہے لیکن اگر ہم تمہیں لے کر اس کے پاس نہ پہنچا تو ہو سکتا ہے وہ تمہارا دشمن بن جائے اور اس جیسے شخص کو دشمن بنانا عقل مندی نہیں ہوگا۔"

"فتح خان وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے میں یہ جانے بغیر اس سے ملاقات نہیں کر سکتا اور تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ میرا دشمن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ دل میں میرے خلاف کوئی بات دبائے بیٹھا ہو اور جب میں اس کے ہاتھ آؤں تو وہ اپنی دشمنی کا غبار نکالے۔ میں تو اسے جانتا تک نہیں ہوں، تم خود سوچو ایسے شخص کے پاس جانا عقل مندی ہوگی۔"

"میں اسے جانتا ہوں۔"فتح خان نے کہا۔

"اور میں تمہیں جانتا ہوں اس لیے میں کسی صورت اس شخص کے پاس نہیں جا سکتا۔"میں نے صاف انکار کر دیا۔"اب تم اپنی توجہ ڈرائیونگ پر رکھو اور یہ بھی یاد رکھنا میں تمہیں مارنا تو نہیں چاہتا لیکن تمہاری طرف سے کسی دھوکے کی صورت میں، مَیں بلا تکلف تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

"اور اگر شوبی نے معاف کر دیا تو ہم شوٹ کر دے گا۔"عقب سے بیتو نے کہا۔"جب سے ہم نے تمہارے بارے میں سنا ہے تمہیں گولی مارنے کو دل چاہتا ہے۔"

"اپنے قد سے بڑی بات مت کرو۔"فتح خان نے بھنا کر کہا۔"ابھی تم بچے ہو۔"

"یہ بچہ میرے ساتھ اس دوران میں کسی تجربے کار سپاہی کی طرح لڑتا رہا ہے۔"میں نے فتح خان سے کہا۔"اور یہ بھی مت بھولو آدمی کتنا بڑا ہو جائے مرتا ایک گولی سے ہے جسے ایک بچہ بھی آسانی سے چلا سکتا

ہے۔"

اس نے رشک سے میری طرف دیکھا۔" شہباز خان تمہیں ساتھی بہت اچھا ملتا ہے جو تم پر جان بھی دیتا ہے۔"

"اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں بھی ان کے لیے جان دے سکتا ہوں۔ فتح خان اگر کوئی تمہارے لیے جان دینے کو تیار ہو جائے تو سمجھ لو تم بھی اس کے لیے جان دے سکتے ہو۔ اس دنیا میں ایسا کوئی فرد ہے جو تمہارے لیے جان دے سکے؟"

فتح خان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا اور جواب اس کی صورت پر تحریر تھا۔ اس دنیا میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو اس کے لیے جان دیتا۔ ایسی شخصیت صرف شینا کی تھی جسے فتح خان نے خود مار دیا تھا کیونکہ وہ فطرتاً ہرجائی عورت تھی جو دوسرے مردوں سے تعلقات قائم کرنے کی شوقین تھی لیکن محبت اس نے صرف فتح خان سے کی تھی۔ شاید اسے بھی شینا یاد آ گئی تھی۔ شینا کے بعد اسے ایسی کوئی شخصیت نہیں ملی تھی۔ مجھے اس غریب آدمی کی بیٹی یاد آئی جو فتح خان کے قبضے میں تھی اور اس نے اس سے زبردستی ایک نام نہاد نکاح پڑھوا لیا تھا جب وہ مجھے فتح خان کے ایک ٹھکانے سے ملی تو کئی مہینے کے حمل سے تھی اور اب تک تو اس کا بچہ بھی ہو گیا ہوگا۔ بعد میں اسے اور اس کے باپ کو راجا عمر دراز نے اپنے محل بھیج دیا تھا۔ وہ لڑکی کئی مہینے فتح خان کے قبضے میں رہنے کے بعد بھی اس سے شدید نفرت کرتی تھی اور فتح خان کا نام سن کر اس کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔ فتح خان کو شاید معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کے بچے کی ماں بن چکی تھی یا اب اسے اس کی پروا نہیں تھی اس نے اپنا کام تو نکال لیا تھا۔

فتح خان کی بات سن کر مجھے اس شخص کے بارے میں تجسس ہو گیا تھا جس نے میری خاطر اتنا کیا تھا کہ فتح خان کو اپنے آدمی دے دیئے تھے اور وہ مجھے اپنے پاس بلوانا چاہتا تھا۔ ایک خیال تھا تو یہ تھا وہ شخص مرشد علی کا ہی کوئی چمچہ ہوگا اور میرے لیے خاص طور سے اسے سامنے کیا جا رہا تھا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کی کوئی چال تھی اور ان کی کوشش تھی کہ میں اس جال میں پھنس جاؤں لیکن میں اب کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے میری مشکلات میں اضافہ ہو اور میرے دشمنوں کو میرے خلاف مزید مقدمات بنانے کا موقع ملے۔ وہ یقیناً چاہتے تھے کہ میں اس دلدل میں اتنا دھنس جاؤں کہ ان کے سامنے ہتھیار ڈال کر رحم کی بھیک مانگوں یا یہ ملک ہی چھوڑ کر چلا جاؤں۔ ان کی فرعونیت کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ ایک عام شخص ان کے سامنے کھڑا ہو اور ان کی آنکھیں ڈال کر ان کو چیلنج کرے۔ ان کو قدم قدم پر شکست دے۔

مرشد علی کی انا پر سب سے بڑا زخم اس کا مفلوج بڑا بھائی تھا جو جوانی کے زعم میں کسی سانڈ کی طرح دندناتا پھر رہا تھا اور صرف ایک گولی نے اسے بستر پر پڑا ایک حقیر سا کیچوا بنا دیا تھا۔ مرشد علی نے اس کے لیے دنیا بھر سے ڈاکٹر بلوا لیے تھے لیکن وہ اسے اپنے پیروں پر نہیں کھڑا کرا سکا تھا۔ میری تمام مشکلات کا آغاز اسی شخص کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے مونا کے بارے میں غلیظ دعویٰ کیا تھا اور ہماری غیرت کو للکارا تھا۔

"مرشد کا بھائی زندہ ہے یا مر گیا؟"

فتح خان نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔" وہ بے غیرت ہے اتنی آسانی سے نہیں مرے گا۔ ابھی تو دونوں بھائیوں میں جھگڑا چل رہا ہے۔"

''کس بات پر؟''

''یہ کہ تم ابھی تک زندہ کیوں ہے۔''

''ہاں یہ فرعون سمجھتے ہیں کہ جینے کے حق صرف ان کو ہے اور باقی لوگوں کو ایسا کوئی حق نہیں ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''میں نے سنا تھا کہ مرشد نے اسے علاج کے لیے کہیں باہر بھیجا تھا؟''

''ہاں اصل میں مرشد نے اس سے جان چھڑایا تھا۔ اس نے حویلی کو عیاشی کا اڈہ بنا دیا تھا اور گھر والوں کی پروا بھی نہیں کرتا تھا۔''

''اس حالت میں عیاشی؟'' میں حیران رہ گیا تھا۔

''ہاں اس نے شہر بھر سے رنڈیاں جمع کر لیں اور وہ سارا دن اس کا دل بہلاتی تھیں۔''

میں بے ساختہ ہنسا۔ ''نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی۔''

فتح خان نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ظاہر ہے شعرو شاعری اس کے بس کی چیز نہیں تھی۔ میں نے کہا۔ ''ممکن ہے جلد اس کی مشکل آسان ہو جائے۔''

''شاید...... لیکن ابھی اس کا سب سے بڑا خواہش ہے کہ تم اور تمہارا ساتھی اس کے ہاتھ آ جائے اور وہ تم سب کو تڑپا تڑپا کر مارے۔''

''مجھے اندازہ ہے کہ اس نے کیا کیا پلان بنائے ہوں گے لیکن وہ اس ہستی کو بھول جاتا ہے جو اصل پلانر ہے اور اس کا کوئی پلان کبھی ناکام نہیں ہوتا ہے۔''

''وہ لوگ ایسی باتیں سوچتا ہی نہیں ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''وہ دوسروں کو انسان سمجھنے کے قائل ہی نہیں ہے۔''

''تم پھر بھی ایسے لوگوں کے لیے کام کرتے ہو؟'' میں نے طنز کیا۔ ''کیونکہ تم بھی ان کی طرح دوسروں کو انسان نہیں سمجھتے ہو۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے پر مجبوری انسان سے سب کراتا ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری اور بولا۔ ''کیا ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟''

''ہاں پوچھو کیونکہ تم نے بھی مجھے بہت بتایا ہے۔''

''کیا تم اس جنگ کو اب بھی جاری رکھنا چاہو گے؟''

''میں جنگ جاری رکھنا چاہتا ہوں؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''یہ میں تم سے سن رہا ہوں کہ میں جنگ جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ اول تو میں جنگ نہیں لڑ رہا ہوں صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں کیونکہ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا اور دوسرے یہ فیصلہ مرشد اینڈ کمپنی کا ہے۔ وہ میری جان چھوڑ دیں تو ابھی یہ جنگ بند ہو جائے گی۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''وہ لوگ تمہیں اپنے سامنے جھکائے بغیر نہیں مانے گا۔''

''اور میں کسی کے سامنے جھک نہیں سکتا ہوں۔''

''تب تمہارے لیے سب سے بہتر ہے کہ یہ ملک چھوڑ کر چلے جاؤ اور پھر پلٹ کر مت آنا۔'' فتح خان نے سپاٹ سے لہجے میں مشورہ دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے...... یہ میرا ملک ہے اور یہاں میرے پیارے ہیں میں ان کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟''

''تب یہ جنگ جاری رہے گی۔''

میں نے اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا۔''اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ یہ بتاؤ کہ ہوٹل کتنی دور ہے جہاں تمہارے ساتھی موجود ہیں؟''

''ابھی ایک گھنٹے کا سفر ہے۔''

سورج نکل آیا تھا اور برف سے ڈھکے پہاڑوں پر اس کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سڑک مجموعی طور پر اچھی تھی اور کہیں کہیں اس پر زیادہ برف تھی ورنہ سڑک تقریباً صاف ہی تھی۔ کسی بھی برف باری کے بعد مقامی لوگ سڑکوں اور راستوں سے برف صاف کرتے ہیں تا کہ راستے کھلے رہیں اور سردیوں میں بھی ان تک رسد آتی رہے۔ ہم مسلسل نیچے آ رہے تھے اور اسی مناسبت سے موسم بہتر ہو رہا تھا۔ اب پہاڑوں پر سفیدی کی نسبت سبزہ زیادہ تھا اور یہاں درخت بھی بڑے تھے۔ جیسے جیسے ہم آگے جا رہے تھے مجھے لگ رہا تھا میں اپنے پیاروں کے پاس ہوتا جا رہا تھا۔ حالانکہ اسلام آباد میں صرف ندیم تھا اور گھر والے گاؤں میں تھے بھائیوں کی پوسٹنگ نہ جانے کہاں کہاں تھی اور جو لوگ ان دنوں میرے وجود کا حصہ رہے تھے وہ دبئی میں تھے اس کے باوجود یہ احساس بہت قوی تھا کہ میں اپنے پیاروں کے پاس جا رہا تھا شاید یہ اتنے دن وطن سے دور رہنے کا نتیجہ تھا۔

یہ نومبر کا آخری ہفتہ یا شاید دسمبر کا شروع تھا اور اس لیے بھی برف باری اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ مری اور اس جیسی بلندی والے علاقوں میں تو برف باری کا ابھی آغاز تھا۔ کچھ دیر بعد فتح خان نے کہا۔''ہوٹل والا جگہ آنے والا ہے۔''

''تم نے ابھی تک دوسرا راستہ کیوں نہیں اختیار کیا؟'' میں نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''وہ اس قصبہ سے پہلے آتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وادی نیلم سے گزرنے والا راستہ ان دنوں کھلا ہوتا ہے۔''

''ہاں لیکن وہاں گڑبڑ ہے بھارتی فوج فائرنگ کر رہی ہے اس لیے سڑک ٹریفک کا واسطے بند ہے۔''

میں مایوس ہوا تھا کیونکہ متبادل راستوں میں سب سے بہتر وہی تھا۔ سڑک اب ایک بلند پہاڑ کی طرف جا رہی تھی اور یہاں سے کچھ گھر نظر آنے لگے تھے۔ شاید اسی قصبے میں فتح خان کے آدمی مقیم تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔''فتح خان یہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہیں اور تمہیں اکیلے کیسے جانے دیا؟''

''انہوں نے جانے نہیں دیا تھا بلکہ میں ان کو یہاں رکنے کا کہہ کر خاموشی سے نکل گیا تھا۔ میں تم تک پہلے پہنچنا چاہتا تھا۔''

''وہ کیوں؟''

''مجھے معلوم تھا کہ تم ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دو اور وہ تمہیں زبردستی لے جانے کی کوشش کریں گے اور اس کے نتیجے میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان ہو۔''

''تم نہیں چاہتے یا تمہارا گروڈ یوڈ شا نہیں چاہتا ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اس نے شانے اچکائے۔ ''چلو تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔''

قصبہ اب نظر آنے لگا تھا اور ایک بلند جگہ پر ایک ہوٹل نما عمارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے پستول نکال لیا۔ ''فتح خان یہ کیا...... ہم تو قصبے میں جا رہے ہیں؟''

''نہیں راستہ آ گیا ہے۔'' اس نے کہا اور جیپ کو ایک چھوٹے اور تنگ کچے راستے پر اتار دیا جو نشیب کی طرف جا رہا تھا۔ سڑک کے مقابلے میں یہ راستہ بہت ہی خراب تھا اور ابتدائی دھچکوں سے پتا چل گیا تھا کہ آگے سفر کیسا گزرے گا۔ سب نے سیٹ بیلٹس باندھ لی تھیں۔ فتح خان مشاق ڈرائیور تھا لیکن اس کے لیے بھی اس راستے پر جیپ سنبھالنا مسئلہ ہو رہا تھا اس نے سڑک سے اتارنے سے پہلے فور وہیل گیئر لگا لیا تھا اس پر بھی جیپ بار بار قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ فتح خان کو جیپ قابو میں کرنے کے لیے پاور اسٹیرنگ سے بھی کشتی لڑنا پڑ رہی تھی۔

''یہ تھوڑا راستہ بہت مشکل ہے۔'' فتح خان نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''پھر ٹھیک ہو جائے گا۔''

لیکن ٹھیک راستہ آتے آتے ہمارے تمام جوڑ ہل چکے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ سب اپنی اپنی جگہیں چھوڑ چکے ہوں۔ گھٹنے ٹکرا ٹکرا کر دکھ گئے تھے۔ بیتو بھنا کر بولا۔ ''یہ تم کہاں لے جا رہے ہو؟''

فتح خان استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''جہنم میں نہیں لے جا رہا تمہارے کو۔''

''وہاں تم جاؤ گے اپنے اعمال کی وجہ سے۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ سڑک سے اترنے کے بعد اس کے انداز میں کوئی تبدیلی آئی تھی اگرچہ اس کے ظاہری رویے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا اس میں تبدیلی آئی ہے۔ جیپ مشکل راستے سے گزر کر ایک کسی قدر بہتر لیکن کچے راستے پر ہی آئی تھی۔ راستہ اب ایک بار پھر بلندی کی طرف جا رہا تھا اور اس کا جو رخ تھا وہ اسی سڑک کی طرف تھا جس سے ہم اتر کر آئے تھے۔ میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''ہم اسی سڑک کی طرف جا رہے ہیں جہاں سے ابھی اتر کر آئے ہیں؟''

اس نے جواب دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا جیسے سوچ رہا ہو کہ انکار کرے یا اقرار کرلے اور اس کی اسی ہچکچاہٹ نے مجھے چوکنا کر دیا تھا اور میں نے پستول نکال کر فتح خان کے سر سے لگا دیا۔ ''جیپ روک دو۔''

''کیوں؟'' اس نے جیپ نہیں روکی بلکہ اس کی رفتار ہلکی سی بڑھا دی تھی۔

''سوال نہیں کرو جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' میرا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔

''ورنہ تم مجھے گولی مار دو گے؟'' وہ ہنسا۔

''تم شاید اسے مذاق سمجھ رہے ہو۔ میں سچ مچ تمہیں گولی مار دوں گا۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''مار دو۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''میں ویسے بھی مرنا چاہتا ہوں۔''

بہ ظاہر تو ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان پاگل ہو گیا ہو لیکن میری چھٹی حس نے بتایا کہ وہ شاطر کوئی چال چل گیا تھا۔ میں نے ماؤزر کا رخ کھڑکی کی طرف کر کے ٹریگر دبایا لیکن پستول سے کوئی گولی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ بس ٹریگر دب کر رہ گیا۔ ماؤزر میں خرابی تھی۔ میں نے پلٹ کر بیتو سے پستول لیا اور اسے بھی فائر کر کے چیک کیا نتیجہ وہی نکلا تھا۔ میں سن رہ گیا تھا۔ فتح خان نے اتنے اطمینان سے جو اسلحہ ہمارے حوالے کر دیا تھا وہ ناکارہ تھا۔ فتح خان نے اس کا تصدیق بھی کر دی۔

''ابھی تمہارا دل نہیں بھرا ہے تو شاٹ گن بھی دیکھ لو۔''
''فتح خان یہ سب کیا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔''
وہ پھر ہنسا۔ ''اور دشمن سے تم کیا توقع کرتا ہے پاگل کا بچہ۔''
فتح خان کی بات سن کر میں نے اس وقت جو حرکت کی تھی اس کی توقع کسی پاگل سے ہی کی جاسکتی تھی۔ میں نے اچانک گھما کر ماؤزر فتح خان کے سر پر رسید کیا اور اسے یقیناً دن میں تارے نظر آ گئے ہوں گے۔ جیپ ایک تنگ سے راستے پر چل رہی تھی اور ذرا سا گھومنے والا اسٹیرنگ اسے نشیب میں اتار دیتا۔ اس بات کا امکان تھا کہ ضرب کھا کر فتح خان کا ہاتھ بہک جائے اور ایک ضرب ہم سب کے خاتمے کا سبب بن جائے۔ اس کے باوجود میں نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔ کیونکہ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ فتح خان مجھے دشمنوں کی جھولی میں ڈالنے کے لیے لے جا رہا تھا۔ دشمن اوپر ہوٹل میں نہیں بلکہ اس راستے پر کہیں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اس لیے میں نے فوری فیصلہ کیا اور اس کے سر پر وار کر دیا۔ فتح خان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں چلتی جیپ میں ایسی حرکت کر سکتا تھا۔ وار کرتے ہی میں نے جیپ کا اسٹیرنگ راستے پر دائیں طرف موڑ دیا جہاں ایک ڈھلان نما دیوار تھی۔ دیوار سے رگڑ کھا کر جیپ کی رفتار سست ہوئی تو میں نے ذرا سرک کر اس کے بریک پر پاؤں رکھ دیا اور ساتھ ہی چابی گھما کر انجن بند کر دیا۔
اس دوران میں فتح خان خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے ماتھے پر زبردست چوٹ آئی تھی لیکن ماتھے کی چوٹ عام طور سے آدمی کو بے ہوش نہیں کرتی ہے۔ فتح خان آگے کی طرف جھکا ہوا تھا اس بار ماؤزر میں نے اس کی گدی پر رسید کیا اور وہ اسٹیرنگ پر ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسی لمحے مجھے سامنے ذرا دور درختوں میں ہلچل محسوس ہوئی اور کم سے کم تین افراد وہاں سے بھاگتے ہوئے برآمد ہوئے ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور وہ جیپ کی طرف آ رہے تھے۔
یہ تھے فتح خان کے اصل ساتھی جو یہاں جال بچھائے ہمارا انتظار کر رہے تھے اور فتح خان کسی ہوشیار شکاری کی طرح ہمیں ہانکا کر کے یہاں لے آیا تھا۔ اس نے جھوٹ بولا تھا کہ اس کے ساتھی ہوٹل میں تھے اور ان کا تعلق کسی اور شخص تھا جسے مجھ سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ فتح خان کی اس مکر آمیز چال سے واضح تھا کہ وہ ابھی تک اپنے پرانے آقاؤں کے لیے ہی کام کر رہا تھا اور وہ مجھے ان کے لیے ہی لے جا رہا تھا۔ اب یہ ڈیوڈ شا بھی ہو سکتا تھا اور مرشد بھی۔ فتح خان کے ساتھیوں کو دیکھتے ہی میں اس کی سیٹ بیلٹ کھول دی اور چلایا۔
''بیتو اس سور کے بچے کو پیچھے کھینچ۔''
بیتو نے بے دردی سے اسے پیچھے کھینچ لیا اور میں نے فتح خان کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سیلف گھما کر انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ محض غرا کر رہ گیا۔ میں نے دوسری کوشش کی، اس بار انجن کچھ دیر کے لیے گھر گھرایا تھا اور تیسری کوشش میں وہ اسٹارٹ ہو گیا تھا۔ بھاگ کر آنے والے اب کوئی سو قدم دور تھے۔ مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھ کر انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر جیپ کو ریورس گیئر لگایا اور جیپ کو پیچھے لے جانے لگا۔ فور وہیل ڈرائیو کی وجہ سے دشواری ہو رہی تھی اس لیے میں نے جیپ کو سادہ گیئر لگایا اور کسی قدر تیزی سے پیچھے لے جانے لگا تھا۔ ان لوگوں کی فائرنگ کارگر نہیں ہوئی تھی سوائے ایک گولی

کے جو بونٹ پر لگی۔ اصل میں وہ بھاگ رہے تھے اور بھاگتے ہوئے اتنی دور نشانہ لینا یقیناً مشکل کام ہے۔

یہ راستہ ایسا تھا کہ یہاں جیپ کو گھمانے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے مجھے مسلسل ریورس میں ڈرائیونگ کرنا پڑ رہی تھی اور یہ بہت مشکل کام تھا۔ پھر راستہ جیپ کے لیے بہت دشوار تھا دوسری طرف وہ پیدل تھے اور ان کے لیے راستہ بہتر تھا۔ وہ دوڑے آ رہے تھے۔ ایک گولی ونڈ اسکرین پر لگی اور اس میں سوراخ کرتی نکل گئی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس طرح ان سے چھٹکارا دشوار تھا۔ اب تک جیپ کو گھمانے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ تیزی سے قریب آ رہے تھے اب خطرہ تھا کہ گولی ہم میں سے کسی کو لگ سکتی تھی۔ بیتو خطرہ بھانپ کر نیچے ہو گیا تھا اور میں ہی سامنے تھا۔ اس لیے مجھے ہی زیادہ خطرہ تھا۔ بچت کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

ان سے بچنے کے لیے ہمیں خطرہ مول لینا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''نیچے لیٹ جاؤ۔''

بیتو چلایا۔ ''آپ کیا کرتا ہے؟''

''نیچے لیٹو۔'' میں نے دھاڑ کر کہا اور اچانک جیپ روک دی۔ اس کے بعد گیئر بدلا اور جیپ کو آگے بڑھایا۔ میں راستہ دیکھ چکا تھا اس لیے سر نیچے کرتے ہوئے میں نے جیپ کو دوڑایا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ قابو کرتے ہوئے میں گیئر بدل رہا تھا اور میرا پاؤں ایکسلریٹر پر تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا کیا ردِعمل تھا کیونکہ گولیوں سے بچنے کے لیے میرا سر نیچے تھا۔ ایک گولی پھر ونڈ اسکرین میں سوراخ کرتی گزر گئی۔ اسکرین کا حشر ہو گیا تھا اور اب میں سر اٹھا بھی لیتا تو مجھے مشکل سے ہی کچھ نظر آتا۔ میرے کان فائرنگ کی آواز پر مرکوز تھے۔ جیسے ہی میں نے محسوس کیا کہ فائرنگ رک گئی ہے میں نے سر اوپر کیا۔ گولی کے سوراخ سے مجھے وہ تینوں اب آگے بھاگتے نظر آئے تھے۔ جیپ ان کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

میں نے جیپ کی رفتار تیز کی اور ان میں جو سب سے پیچھے تھا اسے ٹکر ماری۔ ایک دردناک ہائے کے ساتھ وہ اچھلا اور کنارے سے نیچے گر گیا۔ آگے بھاگنے والوں نے بوکھلا کر فائرنگ کی لیکن جیپ قضا بن کر ان کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ جان بچانے کی اس ریس میں دوسرے نمبر پر موجود آدمی نے ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن ڈھلان ایسی تھی کہ وہ لڑھک کر واپس آ گیا اور جیپ کا پہیہ اس پر سے گزر گیا اس کی دل خراش چیخ نے کان جھنجھوڑ دیئے تھے۔ سب سے آگے والا اب اپنی رائفل پھینک کر جان بچانے کے لیے جان توڑ کر بھاگ رہا تھا۔

فتح خان کے ان ساتھیوں نے ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی اور اس لیے وہ خود بھی کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے۔ میں نے اس پر بھی جیپ چڑھا دی۔ ٹکر کھا کر وہ ہوا میں اچھلا اور ڈھلان پر جا گرا وہ دوبارہ راستے پر آیا تھا اور اس نے جیپ کو اپنے اوپر آتے دیکھ کر دونوں ہاتھ آگے کر لیے تھے لیکن میں نے بروقت جیپ روک لی۔ اگر میں بریک لگانے میں سیکنڈ کے دسویں حصے کی دیر کرتا تو جیپ کا ٹائر اس پر چڑھ جاتا۔ میں اترتے ہوئے بولا۔ ''بیتو پیچھے والوں کو دیکھو اور کوئی اسلحہ تلاش کرو۔''

بیتو میری بات مکمل ہونے سے پہلے جیپ سے اتر گیا تھا۔ میں آگے پڑے شخص کے پاس آیا۔ اس کی کمر پر شدید چوٹ آئی تھی اور فی الحال وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے ان درختوں کی طرف دیکھا جہاں سے یہ تینوں برآمد ہوئے تھے اور اس شخص سے پوچھا۔ ''تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں؟''

''ہائے......بس ہم تین ہے۔'' اس نے کراہ کر کہا۔

میں نے اس کی تلاشی لی اس کے پاس مزید کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ پھر میں ذرا پیچھے آیا۔ اس کی رائفل بیتو نے اٹھالی تھی اور دوسرے سے اس کا ہتھیار لے رہا تھا۔ ایک منٹ کے اندر کایا پلٹ گئی تھی۔ تین میں سے دو زخمی تھے۔ ان کے مرنے کا امکان نہیں تھا البتہ تیسرا کہیں بہت گہرائی میں جا چکا تھا اور اس کے بارے میں کہنا مشکل تھا کہ وہ مر گیا تھا یا بچ گیا تھا۔ دوسرے کے پاس سے ایک ریوالور ملا تھا۔ میں نے جیپ کا معائنہ کیا۔ ونڈ شیلڈ تو بے کار ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی باڈی میں گولیوں کے سوراخ تھے لیکن انجن کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ جیپ چلنے کے قابل تھی۔ بیتو دوسرے کو کھینچ کر لے آیا۔ اس کا دایاں پاؤں پنڈلی سے جیپ چڑھنے سے ٹوٹ گیا تھا اور وہ کسی کتے کی طرح شور کر رہا تھا۔ بیتو نے اس کے شور سے متاثر ہوئے بغیر اسے لا کر اس کے ساتھی کے پاس پٹخا اور مجھ سے کہا۔

''دونوں حرامیوں پر ایک ساتھ گاڑی چڑھا دو۔''

''نہیں۔'' وہ دونوں بیک وقت چلائے تھے۔

میں نے سر ہلایا۔''ان کے ساتھ یہی کرنا چاہیے لیکن اگر یہ ہم سے تعاون کریں تو ان کو معافی دینے کا سوچا جا سکتا ہے۔''

''ہم تعاون کرے گا۔'' کمر پر چوٹ کھانے والا جلدی سے بولا۔ وہ خوب صورت نوجوان تھا جب کہ پنڈلی تڑوانے والا ادھیڑ عمر تھا۔

''تم کو کس نے اس کام کے لیے کہا تھا؟''

''کون سا کام؟'' نوجوان بولا۔

''ہمیں مارنے کا کام۔'' میں نے اس کی مضروب کمر پر ایک لات رسید کی تو وہ بلبلا گیا۔

''اس سے پوچھو جو جیپ میں ہے ہم اس کا نام نہیں جانتا۔''

''اس نے کیا کہا تھا؟''

''اس نے بولا کچھ لوگوں کو پکڑنا یا مارنا ہے۔''

اسی وجہ سے ان لوگوں نے ہم پر براہِ راست فائرنگ کی تھی۔ گویا میرا اندازہ درست تھا فتح خان میرے دشمنوں کے لیے ہی کام کر رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں سے مزید سوالات کیے ان کا تعلق پشاور سے تھا اور فتح خان ان کو وہیں سے لایا تھا۔ اس نے سب کو دس دس ہزار دیئے تھے اور کامیابی کی صورت میں مزید بیس ہزار فی کس دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی جانوں کا سودا بہت سستے میں کر دیا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''ان لوگوں کو بھی اس حرامزادے کے ساتھ ڈال و راستے میں کسی آبادی میں پھینک جائیں گے۔''

بیتو کو ہدایت دے کر میں ونڈ شیلڈ کا معائنہ کرنے لگا اس کے ہوتے ہوئے ڈرائیونگ ناممکن تھی اور اسے اتار دیتے تو سرد ہوا سامنے سے براہِ راست لگتی لیکن ہوا برداشت کی جا سکتی تھی۔ بیتو نے نوجوان کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا اور جیپ کا پچھلا دروازہ کھولا اور پھر میں نے اس کی بوکھلائی آواز سنی۔''وہ غائب ہے۔''

میں نے جلدی سے عقبی حصے میں جھانکا جہاں کچھ دیر پہلے فتح خان پڑا ہوا تھا اور اب خالی نشست منہ چڑا رہی تھی۔ وہ نہ جانے کس وقت ہوش میں آ گیا اور ہماری مصروفیات کا فائدہ اٹھا کر خاموشی سے جیپ سے اتر کر

نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ بیتو نشیب میں جھانک رہا تھا لیکن فتح خان کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ یہاں چھپنے کے لیے بہت جگہیں تھیں۔ فتح خان کے لیے سب سے آسان کام یہ تھا کہ وہ کہیں چھپ جاتا اور ہمارے جانے کے بعد وہاں سے نکلتا۔ بیتو کا غصے سے برا حال تھا اس نے فتح خان کا غصہ ان لوگوں پر اتارا اور ان کو مارتے ہوئے کہا۔

''ان کو ادھر چھوڑ کر جائے گا یہ ادھر ہی مر جائے۔''

وہ دونوں بلبلا رہے تھے اور معافیاں مانگ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''نہیں یار یہ ادھر مر جائیں گے ان کو اوپر سڑک پر چھوڑ دیں گے۔''

میں نے ونڈ شیلڈ اندر سے لات مار کر گرا دی اور اس کی کرچیاں صاف کیں اس دوران میں بیتو نے ان دونوں کو کسی نہ کسی طرح عقبی حصے میں ڈال دیا تھا دونوں نے بہت چیخ و پکار کی تھی۔ بیتو نے سارا ناکارہ اسلحہ بھی نشیب میں پھینک دیا اور اپنے پاس ان دونوں سے ملنے والے ہتھیار رکھے تھے۔ رائفل چھوٹی اور سنگل شاٹ کی تھی۔ اس کا ایک اضافی میگزین بھی نوجوان کے پاس سے ملا تھا۔ ریوالور کے اضافی شاٹس دوسرے کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔

چالاک فتح خان نے ہوش میں آنے کے بعد دیکھ لیا تھا کہ ہم اصل ہتھیاروں سے مسلح ہو گئے ہیں اس لیے اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ خاموشی سے وہاں سے نکل جائے۔ جیپ چلی تو سامنے سے بلا روک ٹوک آنے والی سرد ہوا نے چہرہ جما دیا تھا لیکن مجبوری تھی۔ بیتو کا بھی برا حال تھا وہ حال ہی میں ہائپوتھرمیا کا شکار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس نے کہا۔

''ایسے تو سفر نہیں ہو سکتا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اوپر پہنچ کر ہم کوئی اور ذریعہ اختیار کرتے ہیں۔''

اس طرف راستہ اتنا دشوار تھا کہ ہمیں اوپر پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا تھا ہمارا تو جوڑ جوڑ ہل گیا تھا زیادہ برا حال زخمیوں کا تھا۔ جھٹکوں سے ان کے زخم مزید تکلیف دے رہے تھے۔ ان کی چیخ و پکار سے تنگ آ کر بیتو نے ان کو جیپ سے اتار پھینکنے کی دھمکی دی تو وہ ذرا خاموش ہوئے تھے۔ اوپر پہنچنے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ قصبہ پیچھے رہ گیا تھا۔ اور یہ خاصا بڑا قصبہ تھا۔ میرا خیال تھا یہاں ہمیں کوئی گاڑی مل سکتی تھی۔ رقم ہمارے پاس تھی اور کوئی اور مسئلہ ہوتا تو اس کے لیے اسلحہ بھی تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''میں قصبے کی طرف جاتا ہوں۔ وہاں سے کوئی گاڑی مل جائے تو ہم یہ جیپ چھوڑ سکتے ہیں۔''

''جیپ کے ساتھ کھانے کو بھی کچھ مل جائے تو۔'' بیتو بولا۔ صبح کا بھاری ناشتہ اس سفر نے ہضم کر دیا تھا۔ میں نے جیپ سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک جگہ کھڑی کر دی۔ میں نے بیتو سے ریوالور لے لیا تھا۔ رائفل اس کے پاس تھی۔ میں نے قصبے کی طرف پیدل مارچ شروع کر دیا۔ آسمان صاف تھا اور امید تھی کہ صاف ہی رہے گا۔ مجھے قصبے تک پہنچنے میں پندرہ منٹ لگے تھے اور وہاں چھوٹے سے بازار میں چہل پہل تھی۔ لوگ خریداری کر رہے تھے میں نظر آنے والے پہلے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ یہ صاف ستھرا اور اچھی قسم کا ہوٹل تھا جو ظاہر ہے سیاحوں اور باہر سے آنے والے افراد کے لیے تھا۔ کاؤنٹر پر ایک نوجوان کھڑا تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔

''سر میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''مجھے تین افراد کے لیے کھانا پیک کروانا ہے اور یہاں کوئی گاڑی کرائے پر دستیاب ہو سکتی ہے۔''

''دونوں کام ہو جائیں گے سر آپ بیٹھیں۔'' اس نے ایک طرف موجود صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''اس دوران میں آپ کچھ پسند کریں گے؟''

میں خوش ہو گیا۔''بالکل اگر کافی مل سکتی ہے۔''

''ایک منٹ میں آجائے گی سر۔''

یہ کوئی مہذب اور پڑھا لکھا نوجوان تھا جس نے میرے حلیے کے بجائے میری صورت سے جان لیا تھا کہ میں اس علاقے کا نہیں ہوں کسی شہر سے آیا ہوں اور مجھ سے اسی لحاظ سے پیش آیا تھا۔کافی سچ مچ ایک منٹ بعد آ گئی تھی اور بہت اچھی تھی۔ یہاں بجلی تھی اور ہوٹل اندر سے آرام دہ تھا۔کافی کے ساتھ آنے والے ویٹر نے مجھ سے کھانے کا پوچھا تو میرا خیال بدل گیا تھا میں نے کہا۔''کھانا اب یہیں کھائیں گے۔'' میں نے اسے آرڈر نوٹ کرا دیا۔

کافی کی ادائیگی کر کے میں نے نوجوان سے کہا۔''میں ابھی آدھے گھنٹے میں آتا ہوں اس دوران میں کھانا اور گاڑی دونوں تیار ملیں۔''

''گاڑی والے کو بلوا لیا ہے ویسے آپ کو کہاں جانا ہے؟''

''اسلام آباد۔'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔واپس جیپ تک آنے میں مزید دس منٹ لگے تھے کیونکہ میں نے رفتار دکھائی تھی اور بیتو کو لے کر واپس آنے پندرہ منٹ لگ گئے۔ان دونوں کو معہ جیپ وہیں چھوڑ دیا تھا اب وہ خود جیسے چاہتے طبی امداد حاصل کرتے رہتے۔ میں نے راستے میں بیتو کو ہوٹل اور کھانے کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہو گیا تھا۔

''یہ اچھا ہوا ادھر آتے آتے کھانا ٹھنڈا پڑ جاتا۔''

''ادھر تو ہم خود ٹھنڈے پڑ رہے ہیں۔''

جب ہوٹل پہنچے تو کھانا تیار تھا اور گاڑی والا بھی آ گیا تھا لیکن پہلے ہم نے کھانے کو ترجیح دی۔کھانے سے فارغ ہو کر میں نے گاڑی والے سے بات کی یہ دیہاتی نظر آنے والا درمیانی عمر کا شخص تھا۔اس کا نام عبدالقادر تھا۔اس نے اسلام آباد تک لے جانے کے دو ہزار روپے مانگے جو میرے حساب سے کم تھے کیونکہ یہاں سے اسلام آباد تک پہنچنے میں کم سے کم چھ سات گھنٹے لگتے اور گاڑی ایندھن فاصلے کے لحاظ سے نہیں بلکہ وقت کے لحاظ سے کھاتی ہے۔ میں نے اسے کہا۔

''میں تم کو ڈھائی ہزار دوں گا لیکن آج رات تک اسلام آباد پہنچانا ہو گا۔''

''میں ضرور پہنچا دوں جناب۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔

ہوٹل کے واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر اور خود کو ممکنہ حد تک صاف کر کے ہم روانگی کے لیے تیار ہوئے۔ بل کے ساتھ میں نے تگڑی ٹپ بھی دی۔ ہم باہر آئے تو بیتو ایک دکان میں گھس گیا جس میں گرم کپڑے تھے اس نے ایک عدد جیکٹ اور ایک پتلون لی۔ میں نے بھی ایک اچھی قسم کی صدری لے لی کیونکہ اس کے نیچے رائفل

اچھی طرح چھپ رہی تھی۔ بیتو نے ایک عقل مندی اور کی اور اس نے جوتوں کی دکان سے جوتے بھی لے لیے ہمارے پیروں میں فوجی بوٹ تھے اور یہ دیکھنے والوں کو متوجہ کر سکتے تھے۔

جوتے اور کپڑے بدل کر حلیہ تو شاید نہیں بدلا لیکن ہمیں ذہنی سکون ملا تھا۔ یہ کام کرتے ہی ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور جب قصبے سے نکلنے والے تھے تو ایک چھوٹی پک اَپ میں وہی دونوں زخمی لدے نظر آئے ان کو قصبے کی طرف لایا جا رہا تھا۔ شاید اس پک اَپ والے نے ان کو سڑک کے کنارے کھڑی بجیرو میں دیکھ لیا تھا اور ہمدردی میں ان کو اٹھا لایا تھا

جس کی پنڈلی ٹوٹی تھی وہ پک اَپ کے کیبن کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور کمر کی چوٹ والا کمر پکڑ کر لیٹا ہوا تھا۔ میں عبدالقادر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر تھا اور ٹوٹی پنڈلی والے نے مجھے دیکھ لیا۔ اس نے اچھل کر چیخ ماری اور میری طرف اشارہ کر کے کچھ ارشاد فرمایا لیکن اس سے زیادہ اسے موقع نہیں ملا کیونکہ دونوں گاڑیاں تیزی سے ایک دوسرے کے پاس سے گزر گئیں۔ ہم مخالف سمتوں میں جا رہے تھے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ پک اَپ رک رہی تھی لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا اول تو پک اَپ والا ہمارے تعاقب میں نہیں آتا کیونکہ وہ ستر ماڈل کی اس پرانی بیوک کو نہیں پکڑ سکتا تھا اور اگر آ جاتا اور پکڑ لیتا تو پھر ہم سے جان نہیں چھڑا سکتا تھا۔ الٹا ہم اسے پکڑ لیتے۔ اس لیے میں نے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا تھا۔

عبدالقادر کی توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی اور اس نے قصبے سے نکلتے ہی میرے کہے بغیر رفتار تیز کر دی تھی۔ پیٹ بھر کر کھانے اور خطرے کو پیچھے چھوڑ آنے کے بعد میں اب آرام کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ عبدالقادر نے اس گاڑی میں کوئی ایسا کام کیا تھا کہ ہیٹر چلائے بغیر کار کے انجن کی حرارت کار کو اندر سے گرم کر رہی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم آگے آ جاؤ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

''ہاں آپ نے رات کو بھی آرام نہیں کیا۔'' بیتو آگے آ گیا۔

کار کی نشست آرام دہ تو نہیں تھی لیکن خاصی بڑی تھی اور میں اس پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ہچکولوں اور جھولوں نے لوری کا کام کیا اور میں سو گیا۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو کار ایک جگہ رکی ہوئی تھی اور رات ہو چکی تھی۔ بیتو اگلی نشست پر اونگھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''ڈرائیور کہاں ہے؟''

''ریڈی ایٹر کے پانی لینے گیا ہے یہاں نیچے چشمہ ہے۔'' بیتو نے جواب دیا۔ کار سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھی۔ ڈیش بورڈ میں ایک چھوٹی سی ڈیجیٹل کلاک لگی تھی اور اس کے مطابق شام کے سات بج رہے تھے۔ کچھ دیر بعد عبدالقادر نیچے سے ایک بڑی بوتل اٹھائے نمودار ہوا اور اس نے ہم سے کہا۔

''صاحب پانی پیے گا ادھر چشمے کا پانی بہت اچھا ہوتا ہے۔''

ہم نے پانی پیا جو یخ بستہ اور خوش ذائقہ تھا۔ اس نے بوتل سے ریڈی ایٹر بھرا اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ ''ابھی کتنا وقت اور لگے گا؟'' میں نے پوچھا۔ عبدالقادر نے جواب دیا۔ ''صاحب رات ہو گیا ہے کم سے کم چار گھنٹہ اور لگے گا۔''

''یعنی ہم رات گیارہ بجے تک اسلام آباد میں ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ تو اس نے سر ہلایا۔ رات ہو گئی تھی اور یہاں آسمان پر بادل بھی تھے جس سے ماحول دھندلا ہو رہا تھا۔ عبدالقادر نے اس وجہ سے بھی رفتار کم

رکھی تھی۔ میں نے اس پر زور نہیں دیا۔ البتہ اسے نو بجے کے آس پاس کہیں کھانے کے لیے رکنے کو کہا۔ اس نے بتایا۔

''نو بجے تک ہم مظفر آباد میں ہوں گے وہاں آپ جہاں کہیں ادھر روک لے گا۔''

میں نے خوش ہو کر کہا اور اسے ایک اچھے ریستوران کا نام بتایا۔ ''اگر تم اس جگہ سے واقف ہو تو یہاں روک لینا۔''

''جانتا ہوں جی...... آپ فکر نہ کریں۔''

نیچے آنے سے سردی میں بھی اسی حساب سے کمی ہوئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ مظفر آباد تک موسم خوشگوار ہو جاتا۔ اب بیتو پیچھے چلا گیا تھا اور نشست پر دراز خراٹے لے رہا تھا۔ عبدالقادر خاموش اور اپنے کام سے کام رکھنے والا شخص تھا۔ اس نے کسی قسم کے تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا اور اس کی وجہ سے مجھے سوچنے کا موقع مل گیا۔ اسلام آباد چند گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ اسلام آباد پہنچ کر مجھے کیا کرنا تھا۔ سب سے پہلے مجھے ندیم کو کال کرنی تھی بلکہ مجھے مظفر آباد سے کال کرنی تھی کیونکہ ندیم کو ہی ہمارے لیے رہائش اور دوسرے انتظامات کرنے تھے۔ اس کے بعد مجھے وسیم اور سفیر سے رابطے کرنا تھا۔

سوچنے کے دوران میرا ہاتھ سینے سے لگے بریف کیس پر گیا تھا اور مجھے خیال آیا کہ مجھے اس کا بھی کچھ بندوبست کرنا تھا۔ اس سے چھٹکارے کے لیے سب سے آسان طریقہ تو یہ تھا کہ میں اسے چین کے سفارت خانے بھجوا دیتا لیکن اس کے بارے میں، مَیں آرام سے بھی فیصلہ کر سکتا تھا مجھے آگے پیچھے بہت کچھ سوچنا تھا۔ مجھے کامی کا خیال آیا تھا۔ وہ چین میں تھی اور ممکن ہے ہماری وجہ سے اس پر بھی کوئی مشکل آئی ہو۔ بہر حال ہم چینیوں کی قید میں تھے اور ان کے نزدیک اب ہم مفرور تھے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد مظفر آباد شہر کے مضافات نظر آنے لگے تھے۔ عبدالقادر نے اس موسم میں بھی بہت اچھی اور تیز ڈرائیونگ کی تھی اور اس کی وجہ سے ہم اتنی جلدی یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ بیس منٹ بعد ہم اس ریستوران کے سامنے تھے جہاں کے لیے میں نے عبدالقادر سے کہا تھا۔ میں پہلے بھی یہاں کئی بار آ چکا تھا۔ یہ معیار کے لحاظ سے بہت اچھا ریستوران تھا۔ پارکنگ میں کار روک کر ہم نیچے اترے تو موسم مناسب حد تک سرد تھا۔ مظفر آباد میں اتنی ہی سردی گرمی پڑتی ہے جتنی کہ اسلام آباد میں پڑتی ہے۔ میں نے عبدالقادر سے کہا۔

''تم بھی آؤ۔''

وہ ہچکچایا۔ ''صاحب میں......''

''ہاں تم بھی آؤ۔''

وہ اس پوش ریستوران میں جاتے ہوئے شرما رہا تھا لیکن میرے اصرار پر اسے ماننا پڑا تھا۔ ہم اندر آئے۔ سردی کے باوجود ریستوران کی رونق عروج پر تھی۔ ایک ہیڈ ویٹر نے ہمارا استقبال کیا۔ میں نے اس سے بوتھ کا کہا اور وہ ہمیں چار افراد کے لیے مخصوص بوتھ میں لے آیا۔ یہاں ہم دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر آرام سے کھا پی سکتے تھے۔ اگرچہ یہاں کسی شناسا کے ملنے کا امکان کم تھا لیکن پھر بھی احتیاط لازمی تھی۔ کھانے کا کہہ کر میں اور بیتو باری باری واش روم ہو آئے۔ کھانا آنے تک وقت گزاری کے لیے چائے منگوالی اور چائے پی کر تازہ

دم ہو گئے تھے۔

چائے لینے کے بعد میں ان دونوں کو بوتھ میں چھوڑ کر لاؤنج کی طرف آیا۔ وہاں فون بوتھ موجود تھا۔ اس زمانے میں کارڈ فون کا رواج تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے ایک کارڈ خریدا اور ندیم کا نمبر ملایا۔ خاصی دیر بیل بجنے کے بعد اس نے فون اٹھایا تو لائن میں کھڑکھڑاہٹ کا بہت شور تھا۔ ندیم نے چلا کر پوچھا۔ ''ہیلو کون بول رہا ہے؟''

''تمہارا باپ۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرا باپ۔'' ندیم پھر چلایا۔ ''وہ تو دس سال پہلے گزر گئے اب پھر کہاں سے پیدا ہو گئے۔''

''ابے میں شہباز بول رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو مجبوراً مجھے ذرا بلند آواز سے کہنا پڑا تھا۔ لاؤنج میں خاصے لوگ تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ہماری بات سنے۔ تیسری بار بتانے پر ندیم کی سمجھ میں آیا۔

''شہباز تو کہاں مر گیا تھا۔'' وہ چلایا تو میں نے خفگی سے کہا۔

''سالے وکیل کی اولاد آہستہ بول کیا مجھے بہرہ کرے گا۔ میں ابھی پاکستان آیا ہوں۔''

''پاکستان۔'' ندیم نے چلانا جاری رکھا۔ ''تو پاکستان سے بات کر رہا ہے۔ کہاں ہے تو؟''

''ابھی تو مظفر آباد میں ہوں کچھ دیر بعد اسلام آباد میں ہوں گا۔ تو ہمارے استقبال کے لیے تیار ہو جا۔''

''شہباز تو کہاں ہے مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا۔'' ندیم نے کہا۔ ''لائن میں بہت شور ہو رہا ہے۔''

''میں کہہ رہا ہوں دو گھنٹے بعد اسلام آباد میں ہوں گا تیرے پاس۔''

''اچھا...... اچھا...... ٹھیک ہے۔ بس تو جلدی سے آ جا میں گھر پر ملوں گا اور دل مضبوط کر کے آنا...... خبر اچھی نہیں ہے تیرے لیے۔''

میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ ''ندیم کیا ہوا...... دبئی والے ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں وہ ٹھیک ہیں پر تیرے......'' ندیم کی آواز اچانک ہی بے پناہ شور میں دب گئی میں زور سے بولا۔

''ہیلو...... ہیلو۔''

مگر شور اسی طرح رہا۔ میں نے کال کاٹ کر پھر ملائی لیکن اس بار لائن ملی نہیں تھی۔ وہاں ایک اور فون بوتھ بھی تھا میں نے اس میں کوشش کی لیکن اس میں لائن پر شور تھی اور کال نہیں مل رہی تھی۔ میں کاؤنٹر پر آیا اور ڈیسک کلرک کو بتایا تو اس نے کہا۔ ''اسلام آباد میں بارش ہو رہی ہے اس موسم میں فون لائنیں اکثر خراب ہو جاتی ہیں۔ آئی ایم سوری سر۔''

میں مایوس ہو کر بوتھ میں آ گیا جہاں کھانا لگ رہا تھا اور میں سوچتے ہوئے کھانے میں لگ گیا کہ ندیم مجھے کون سے بری خبر کے لیے تیار کر رہا تھا۔ میں بے دھیانی میں کھا رہا تھا۔ بیتو میرا مزاج آشنا ہو گیا تھا وہ سمجھ گیا کہ کوئی مسئلہ ہے۔ کھانے کے بعد جب عبدالقادر ہاتھ دھونے گیا تو اس نے پوچھا۔ ''شوبی بھائی کیا بات ہے آپ پریشان ہو گیا ہے۔''

میں نے اسے ندیم سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ ''اب مجھے فکر ہو رہی ہے کہ کہاں خیریت نہیں ہے۔ دبئی میں سب ٹھیک ہیں۔''

''آپ کا گھر والا......'' بیتو بولتے بولتے رک گیا کیونکہ عبدالقادر آ گیا تھا۔ یہی اندیشہ میرے دل میں بھی تھا۔ مجھے ماں جی اور ابا جی کی فکر ہونے لگی تھی۔ اب میں جلد از جلد اسلام آباد پہنچ جانا چاہتا تھا۔ میں نے بل منگوایا اور بل ادا کیا۔ دس بجے ہم روانہ ہونے کے لیے تیار تھے۔ عبدالقادر ہمارے حسن سلوک اور ساتھ کھانا کھلانے پر بہت شکر گزار تھا۔

''اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں جی بات تو ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''لمبے سفر میں بعض لوگ خود کھانے چلے جاتے ہیں اور مجھے پوچھتے بھی نہیں ہیں میں ان کو گالیاں دیتا ہوں آپ نے ساتھ بٹھا کر کھلایا تو شکریہ کیوں نہ کہوں۔''

مجھے اس کی سادہ سی منطق پر ہنسی آئی تھی اور واقعی غور کرنے کی بات بھی تھی اگر ہمارے ساتھ کوئی برا کرے تو ہم جواب میں اسے سنانے میں دیر نہیں کرتے ہیں لیکن جب کوئی اچھا سلوک کرتا ہے تو اس کا شکریہ بھی بہت ہچکچا کر کرتے ہیں۔ ہم باہر آئے تو رات سرد ہو چکی تھی لیکن یہ سردی اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی جو ہم پیچھے دیکھ آئے تھے۔ جس میں ہڈیوں کا گودا بھی جمنے لگتا تھا۔ مجھے اور بیتو کو موسم خوشگوار لگ رہا تھا اور بیتو نے اپنی جیکٹ کے بٹن تک کھول دیئے تھے۔ میری مجبوری تھی صدری میں کوئی بٹن نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس کے نیچے رائفل بھی تھی اس لیے صدری پہنے رہنا میری مجبوری تھی۔

عبدالقادر کو پارکنگ ذرا دور ملی تھی اور ہم کار تک آئے۔ اندر بیٹھے اس دوران میں وہ کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر انجن میں کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ وہ کوشش کرتا رہا اور انجن جامد رہا۔ اس نے نیچے اتر کر بونٹ اٹھایا اور انجن دیکھنے لگا۔ کچھ دیر وہ ہاتھ مارتا رہا لیکن خرابی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں بھی نیچے اتر آیا۔

''کیا ہوا عبدالقادر؟''

''پتا نہیں صاحب...... انجن میں کچھ مسئلہ ہو گیا ہے سامنے تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے مکینک کو بلانا پڑے گا۔''

''مکینک کہاں سے ملے گا؟''

''ادھر ہے ایک جگہ لیکن اس وقت تو کوئی مکینک بھی نہیں ملے گا صبح ملے گا۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''صاحب ایسا کرو آپ یہاں سے کوئی اور گاڑی کر لو۔''

''ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ممکن ہے ندیم سے میری بات نہ ہوئی ہوتی تو میں آرام سے بھی جا سکتا تھا لیکن اب میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح اُڑ کر ندیم کے پاس پہنچ جاؤں۔ میں سوچنے لگا کہ دوسری گاڑی کہاں سے ملے گی۔

عبدالقادر سمجھا کہ میں اس کے کرائے کے بارے میں سوچ رہا ہوں کیونکہ معاوضہ ہمیں اسلام آباد تک پہنچانے کا طے ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''دوسرا گاڑی والا جتنا مانگے...... اتنا میرے کرائے میں سے کاٹ کر مجھے دے دو۔''

''نہیں یار تمہارا قصور تو نہیں ہے۔'' میں نے اسے پورے ڈھائی ہزار ہی دیتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سے گاڑی کہاں سے ملے گی؟''

''ادھر تو کچھ نہیں صاحب۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔ اسے خلاف توقع پورا معاوضہ مل گیا تھا۔ ''آپ کو آگے جا کر دیکھنا ہوگا۔''

''چلو ٹھیک ہے ہم دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔

جس وقت عبدالقادر کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس دوران میں ایک جوڑا پارکنگ میں آ کر اپنی گاڑی کے پاس رکا۔ ان کی کار پاس ہی پارک تھی۔ مرد تقریباً چالیس برس کا صورت سے سنجیدہ اور تعلیم یافتہ نظر آتا تھا۔ اس کے ساتھ عورت جوان تھی اور میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ گئے مگر روانہ نہیں ہوئے تھے۔ وہ شاید عبدالقادر کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ جب عبدالقادر نے ناکامی کا اعتراف کر لیا اور میں نے اسے ادائیگی کر دی تو مرد اتر کر ہمارے پاس آیا۔

''اینی پرابلم۔'' اس نے کہا۔

''کوئی خاص نہیں ہم نے اسلام آباد جانے کے لیے گاڑی ہائر کی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہاں خراب ہوگئی ہے۔''

''ہم بھی اسلام آباد ہی جا رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''سوری میں نے تعارف نہیں کرایا مجھے نجم ارسلان کہتے ہیں۔ میں اپنی سسرال سے واپس جا رہا ہوں۔''

''شہباز ملک۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ''یہ شریف ہیں۔'' میں نے بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ اس نام پر بیتو نے برا سا منہ بنایا۔ ''ہمارا آج رات اسلام آباد پہنچنا ضروری ہے۔''

نجم ارسلان مسکرایا۔ ''بس ملازمت پیشہ لوگوں کی یہی مجبوری ہے کل مجھے بھی دفتر جانا ہے۔ میں آپ دونوں کو لفٹ دے سکتا ہوں۔''

میں نے کار کی طرف دیکھا۔ ''آپ کو زحمت ہوگی آپ کی وائف بھی ساتھ ہیں۔''

''نہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ میں اکثر یہاں آتے جاتے لوگوں کو لفٹ دے دیتا ہوں۔ اس موسم میں آپ کو ٹیکسی بھی مشکل سے ملے گی اور آپ کہہ چکے ہیں کہ آپ کا اسلام آباد پہنچنا ضروری ہے۔''

مجھے تعجب تو ہوا تھا کہ وہ کتنے اعتماد سے دو اجنبی مردوں کو لفٹ دے رہا تھا جب کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ اس نے میری سوچ بھانپ لی۔ ''آپ شاید سوچ رہے ہیں کہ بیوی کے ہوتے میں نے رات کے وقت آپ کو لفٹ کی پیش کش کیوں کی ہے؟''

''ہاں اور یہ سوچ فطری ہے کیونکہ عام طور سے ہمارے ہاں ایسا ہوتا نہیں ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''میں قیافہ شناس ہوں اور میں بتا سکتا ہوں کہ آپ کسی کو دھوکا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں کسی سے مس بی ہیو کرنا تو دور کی بات ہے۔ آیئے ابھی راستہ طویل ہے۔''

اس کی گاڑی بڑی اور لگژری قسم کی تھی۔ میں اور بیتو دائیں بائیں سے آئے اس دوران میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا تھا۔ میں اور بیتو بھی اندر آ گئے اور جب میں نے سامنے دیکھا تو پہلی بار مجھے گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اگلی اور پچھلی نشستوں کے درمیان میں ایک شیشہ لگا تھا۔ میں نے ہاتھ مارا اور اسی دوران میں بیتو نے بھی محسوس کر لیا۔ ''یہ کیا ہے؟'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''بیتو اترو ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔'' میں نے دروازہ کھولنے والا لیور پکڑ کر کھینچا لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ دوسری طرف بیتو کوشش کر رہا تھا اور اس دوران میں گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

''شوبی دروازہ تو کھلتا ہی نہیں ہے۔'' بیتو بولا۔

''یہ بھی نہیں کھل رہا۔'' میں نے کہا اور شیشہ نیچے کرنے والا ہینڈل گھمایا اور نتیجہ حسبِ سابق رہا یعنی شیشے نے بھی ٹس سے مس ہونے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے مکمل بندوبست کیا ہوا تھا۔ میں نے رائفل نکال کر اس کے دستے سے درمیانی شیشہ بجایا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' مرد کی آواز آئی۔ ''اس لیے آرام سے بیٹھو۔''

''آرام کے بچے میں کہتا ہوں گاڑی روکو ورنہ میں فائر کر دوں گا۔'' میں نے مشتعل ہو کر کہا تو وہ جلدی سے بولا۔

''ایسی غلطی مت کرنا۔ یہ شیشہ اور کھڑکیاں بلٹ پروف ہیں گولی پلٹ کر تمہیں یا تمہارے ساتھی کو لگ سکتی ہے۔''

میں رک گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یہ شیشہ مجھے عام شیشے سے الگ لگا تھا۔ گولی چلانے میں خطرہ تھا۔ ''تم نے ہمیں اغوا کیوں کیا ہے؟''

''یہ اغوا نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''تم اسے ایک طرح سے حفاظتی تحویل کہہ سکتے ہو۔''

''بھاڑ میں گئی تمہاری حفاظتی تحویل۔'' مجھے غصہ آ گیا۔ ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مرشد کے گر گے ہو۔''

''مرشد علی...... یہ کون ہے؟''

''تمہارا ناجائز باپ۔'' میں نے کہا اور گاڑی کے اس حصے کا معائنہ کرنے لگا۔ میں نے عقبی شیشہ چیک کیا اور یہ مجھے نارمل لگا تھا۔ میں نے اس پر رائفل کا بٹ مارا تو اس پر ہلکی سی خراش آئی تھی۔

''اے رک جاؤ۔'' اس بار عورت کی آواز آئی تھی۔ ''ورنہ مجبوراً ہمیں تم کو بے ہوش کرنا پڑے گا۔''

''اس کے لیے تمہیں یہاں آنا پڑے گا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ممکن ہے تم اتنی حسین ہو کہ ہم تمہیں دیکھ کر بے ہوش ہو جائیں۔''

''نہیں اس کے لیے پیچھے آنا ضروری نہیں ہے۔'' عورت بولی آواز سے بھی وہ جوان لگ رہی تھی۔ میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر شیشے پر دوبارہ دستہ مارا اور شیشہ تڑخ گیا۔ میں نے تیسری بات اسے توڑنے کے ارادے سے ہاتھ بلند کر کے وار کرنا چاہا تو یک لخت مجھے لگا جیسے میرا ہاتھ بہت بھاری ہو گیا ہو اور جب میں نے وار کیا تو ہاتھ سلوموشن کے انداز میں گیا اور ایک پھپھسا سا وار کیا تھا۔ میں نے ہاتھ پیچھے کیا تو وہ پیچھے ہی گرتا چلا گیا اور پھر میں خود بھی نشستوں کے سامنے موجود خلا میں گر گیا اور میرا سر نیچے کہیں ٹک گیا تھا مجھے لگا جیسے دنیا گھوم رہی ہے اور گاڑی باہر ہر کچھ دیر بعد گزرنے والی روڈ لائٹس جھلملانے لگی تھیں۔ پھر ان کی جھلملاہٹ بڑھتی چلی گئی اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا اس لیے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ بیتو کا کیا حال ہوا تھا۔



مجھے ہوش آیا تو میں کسی نرم سطح پر چت پڑا تھا اور میری نگاہوں کے سامنے سفید چھت تھی جس پر لگا فینسی

ٹائپ کا پنکھا ساکت تھا کیونکہ موسم پنکھے والا نہیں تھا۔ میرے اوپر ایک ہلکا کمبل پڑا تھا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ کمرہ خوش گوار حد تک گرم تھا۔ کچھ دیر تو مجھے یاد ہی نہیں آیا کہ میں کون ہوں اور یہاں کیا کر رہا ہوں۔ پھر مجھے رفتہ رفتہ سب یاد آنے لگا۔ میں اور بیتو مظفر آباد سے نکلے تھے اور ہمیں ایک شخص نے دھوکے سے اپنی کار میں قید کر دیا تھا۔ بیتو کا خیال آتے ہی میں جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور بیتو مجھے برابر والے بستر پر لیٹا نظر آ گیا۔ اس نے سینے تک کمبل اوڑھ رکھا تھا اور خراٹے لے رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ کمرہ سادہ سا تھا اس میں دو بیڈ تھے جس پر کسی قدر موٹا فوم کا گدا تھا اور صاف ستھری چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ جس پر ڈریسنگ ٹیبل والے لوازمات تھے۔ جب میں نے اس کے آئینے میں خود کو دیکھا تو چونک گیا کیونکہ میرے بال کاٹ کر چھوٹے کر دیئے گئے تھے اور چہرہ کلین شیو تھا۔ جسم کی حالت سے لگ رہا تھا کہ مجھے باقاعدہ غسل دیا گیا ہو اور کچھ ایسا ہی صاف ستھرا بیتو بھی ہو رہا تھا۔

مجھے یاد آیا کہ جب میں نے حواس کھوئے تو اس وقت میں گاڑی کا عقبی شیشہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسی دوران میں کسی وجہ سے بے ہوشی نے مجھ پر غلبہ پا لیا تھا۔ میں نے اس دوران میں کسی قسم کی بو بھی محسوس نہیں کی تھی اور نہ ہی ذہن پر کوئی ناگوار تاثر آیا تھا جیسا کہ گیس سے بے ہوش ہونے کی صورت میں ہوتا اور نہ ہوش میں آنے کے بعد آدمی اتنا پُرسکون ہوتا ہے کیونکہ گیس کے مضر اثرات اتنی آسانی سے زائل نہیں ہوتے ہیں۔ جب کہ میں خود اس طرح تازہ دم محسوس کر رہا تھا جیسے بھرپور نیند لینے کے بعد اٹھا ہوں۔ اگر نجم ارسلان نے کوئی گیس استعمال کی تھی تو وہ یقیناً کوئی جدید ترین گیس ہو گی کیونکہ میرے علم میں بے ہوش کرنے والی تمام گیسوں کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں۔ اس سے میرے ذہن میں ایک خیال اور آیا کہ میں ڈیوڈ شا کے ہاتھ لگ گیا ہوں۔ وہ پہلی دنیا کا فرد ہے اور اس کے اس قسم کی چیزیں مہیا کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اتنی ذہانت سے مجھے ٹریپ کرنا اور ایسے ذرائع استعمال کرنا مرشد جیسے بدمعاشوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ ننگی جارحیت دکھا سکتا تھا۔ فتح خان ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس نے پہلے اسے بھیجا اور اس کے بیک اَپ کے طور پر اس جوڑے کو بھیجا۔ جو کام فتح خان نہیں کر سکا وہ انہوں نے نہایت کامیابی سے کر لیا تھا۔ ان کو پتا تھا کہ ہم کس راستے سے آ سکتے ہیں اور انہوں نے پہلے ہی جال بچھا رکھا تھا۔ ممکن اس جوڑے کے علاوہ اور ٹیمیں بھی ہوں۔ انہوں نے مجھے ٹریس کیا اور نہایت کامیابی سے قابو کر لیا۔ جب انہوں نے مجھے اس ریستوران میں تلاش کر لیا تو سب سے پہلے عبدالقادر کی کار خراب کر دی اور پھر ہمیں اپنی کار میں اسلام آباد لے جانے کی پیش کش کی۔ میاں بیوی کو دیکھ کر ہم کسی شک میں نہیں پڑے تھے اور اب ان کے قابو میں تھے۔

مجھے جس طرح سے ہوش آیا تھا یہ بھی مرشد کا انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ مجھے اٹھاتا تو مجھے اس طرح ہوش آتا کہ میں کہیں الٹا لٹکا ہوتا اور مرشد کے جلاد میری کھال اتارنے کے لیے تیار ہوتے۔ اتنی اچھی طرح ہوش نہیں آتا کہ میں ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوتا۔ میرے جسم پر ایک موٹا سوتی پاجامہ اور پوری آستین کی ٹی شرٹ تھی۔ یہ بھی ہلکی سی گرم تھی لیکن باہر کے لیے زیادہ موزوں نہیں تھی۔ بستر کے ساتھ نرم چپل رکھی تھی اور سائز میرا ہی تھا۔ اتنا خیال تو آج کل بیویاں بھی نہیں رکھتی ہیں جتنا ان لوگوں نے کیا تھا۔ سرہانے تپائی پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر پیا حالانکہ مجھے پیاس نہیں لگ رہی تھی اور مزے کی بات تھی کہ بھوک بھی نہیں لگ رہی تھی۔ جب

کہ میرے اندازے کے مطابق مجھے کم سے کم دس گھنٹے بعد ہوش آیا تھا ممکن ہے اس سے زیادہ وقت لگا ہو۔ خاص بات یہ تھی کہ چینیوں کا بریف کیس غائب تھا۔

لیکن اسی وقت مجھے ندیم سے ہونے والی گفتگو یاد آئی تو میں مضطرب ہو گیا۔ نہ جانے کون سی بری خبر میری منتظر تھی لیکن یہاں سے نکلے بغیر میں کچھ نہیں جان سکتا تھا اس لیے یہ بات ذہن سے نکال کر میں نے پہلے موجودہ حالات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ کمرے میں کوئی گھڑی نہیں تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ کیا وقت ہوا ہے۔ کمرہ بند لیکن مکمل اے سی تھا اس لیے گھٹن کا نام ونشان نہیں تھا۔ کمرے کو اے سی نے گرم رکھا ہوا تھا۔ میں نے بیٹو کا معائنہ کیا۔ وہ سو رہا تھا اور اس کی حالت بھی بالکل ٹھیک تھی۔ اس کی طرف سے اطمینان کے بعد میں حرکت میں آیا اور کمرے کا ایک دروازہ کھولا لیکن یہ واش روم ثابت ہوا تھا۔ واش روم بھی مکمل طور پر پیک تھا اور اس میں ایک طرف ایگزاسٹ لگا تھا اس کے علاوہ ایک معمولی سی جھری بھی نہیں تھی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور دوسرے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ وہ خود بہ خود کھل گیا اور مجھے ایک دلکش صورت دکھائی دی۔

یہ چوبیس پچیس برس کی لڑکی تھی۔ کم سے کم اس کی جسامت لڑکیوں کی طرح تھی۔ اس نے ہلکے سے کپڑے کا کرتا اور چست جینز پہن رکھی تھی۔ کرتا ہلکے پن کا تاثر دے رہا تھا ورنہ اس میں جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بال پونی ٹیل کی صورت میں باندھ رکھے تھے اور اس کے چہرے ذرا شریر سا تاثر تھا اس لیے بھی وہ لڑکی لگ رہی تھی۔ اس نے بے تکلفی سے کہا۔ ''اٹھ گئے بہت دیر تک سوتے ہو۔''

''یہ تو سلانے والے پر ہے کہ وہ کتنی دیر کے لیے سلاتا ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''بائی دی وے ہم کہاں ہیں؟''

''ایک کمرے میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور یہ کمرہ کہاں ہے؟''

''ایک کوٹھی میں۔'' اس کا لہجہ مزید شریر ہو گیا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''اس طرح تو آخری پتا یہ دنیا ثابت ہو گی میں قصہ مختصر کرتا ہوں مجھے میرے میزبان کا نام بتا دو۔''

''پروفیسر نفیس برنی۔''

''یہ نام میرے لیے نیا ہے میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا، کیا یہ سچ مچ کے پروفیسر ہیں؟''

''جی بالکل سائیکولوجی میں اس ملک میں ان سے بڑا نام نہیں ملے گا۔'' لڑکی نے فخر سے کہا۔

''سائیکو۔'' میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''یعنی پاگلوں کے ڈاکٹر؟...... میں نے سنا ہے کہ یہ خود بھی پاگل ہوتے ہیں۔''

خلاف توقع لڑکی نے برا ماننے کے بجائے میری تائید کی۔ ''بالکل ہوتے ہیں ورنہ پاگلوں کا علاج کیسے کریں۔''

''لیکن مس......''

''دونی۔'' اس نے تعارف کرایا۔ ''ویسے میرا نام دونیا ہے۔''

''ذرا عجیب تعارف نہیں ہے پہلے نک اور پھر اصل نام؟''

''میں بھی ذرا پاگل ہوں۔'' اس نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''ظاہر ہے ورنہ یہاں کیوں پائی جاتیں لیکن مس دونیا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ نہ تو میں پاگل نہ ہوں اور نہ میرا ساتھی پاگل ہے۔''

''ثابت کرو؟'' اس نے مطالبہ کیا۔

میں ذرا بوکھلا گیا۔ اگر میں پاگل ہوتا تو ایک منٹ میں ثبوت دے دیتا لیکن پاگل نہ ہونے کا ثبوت کیسے دیتے ہیں۔ ''یہ سوال عجیب نہیں ہے جیسے کسی سے کہا جائے کہ تم ثابت کرو کہ تم مجرم نہیں ہو۔''

''کوئی عجیب نہیں ہے۔ عدالت ملزم سے یہی تو کہتی ہے۔''

''لیکن عام آدمی سے ایسا سوال تو پاگلوں کے ڈاکٹر بھی نہیں کرتے ہیں۔''

''تم عام آدمی نہیں ہو جیسے میں عام لڑکی نہیں ہوں۔''

''عام نہیں ہو تو پھر کیا ہو؟''

''میں نے کہا نا میں بھی آدھی پاگل ہوں۔''

''لیکن لگتی تو نہیں ہو۔''

''اسی طرح تم بھی نہیں لگتے ہو لیکن ہو سکتا ہے پاگل ہو؟''

میں نے سوچ کر سوال کیا۔ ''اس کا پتا کیسے چلے گا کہ میں پاگل ہوں یا نہیں؟''

''گڈ اب کیا نا تم نے کام کا سوال...... اسی وجہ سے تو تم کو یہاں لایا گیا ہے۔''

''خوب۔'' میں مسکرایا۔ ''پروفیسر صاحب کا پریکٹس کرنے کا طریقہ کچھ منفرد نہیں ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تم ان سے ملنا پسند کرو گے؟''

''ضرور۔''

''تو آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے دروازے سے ہٹ کر کہا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔ ''اس کی فکر مت کرو یہ یہاں بالکل محفوظ ہے۔''

ہم ویسے بھی ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھے۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ میں اور بیتو قید میں ہیں اور اس لڑکی کو سامنے کرنا بھی ان لوگوں کی کوئی چال تھی اگر میں اسے پکڑ لیتا تب بھی شاید یہاں سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عام سی کوئی لڑکی لگتی تھی جس کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی تب ہی انہوں نے اسے یہاں بھیج دیا تھا۔ میں نے شانے اچکائے اور کہا۔ ''چلو لیکن جانا کہاں ہے؟''

''اسی کوٹھی میں۔'' اس نے جواب دیا۔ میں کمرے سے باہر آیا۔ یہ ایک راہداری تھی جس کے دونوں طرف دو دو کی قطار میں چار دروازے تھے۔ یہ شاید چار کمرے تھے۔ راہداری کے سرے پر لکڑی کا مضبوط دروازہ تھا۔ جس میں ذرا عجیب قسم کا تالا لگا تھا۔ دونیا نے اس کے پاس منہ کر کے کہا۔ ''دونیا۔''

اور تالا کھل گیا۔ یہ آواز پر کھلنے والا تالا تھا۔ مجھے تعجب نہیں ہوا کیونکہ آج کل ایسی چیزیں عام ہیں۔ ہم باہر آئے یہ کسی کوٹھی کا عقبی لان تھا ہم برآمدے سے گزرنے لگے۔ دن نکلا ہوا تھا لیکن آسمان پر بادل تھے اور ہوا

میں خنکی تھی میں ایک لمحے کو کانپ گیا لیکن یہ سردی نا قابلِ برداشت قسم کی نہیں تھی اس لیے جلد میں نارمل ہو گیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ کوٹھی کی دیواریں بہت اونچی تھیں اور ان پر خاردار تاروں کی باڑھ بھی لگی تھی۔ میں اچانک رک گیا۔ دونیا نے میری طرف دیکھا۔ ''رک کیوں گئے؟''

''مس دونیا میرے میزبان نے تمہیں اکیلا بھیج کر عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا اگر میں تمہاری گردن مروڑ دوں اور یہاں سے فرار ہو جاؤں؟''

وہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئی تھی۔ ''تم پہلا کام ضرور کر سکتے ہو لیکن دوسرا ممکن نہیں ہے۔ تم صرف لان پر قدم رکھ کر دیکھ لو۔''

میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا اور ابھی دس سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک طرف سے ایک ڈوبر مین نسل کا کتا برآمد ہوا اور بنا بھونکے میری طرف لپکا۔ میں جلدی سے برآمدے میں واپس آیا تو اس نے دوڑنا موقوف کیا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا۔ دونیا مسکرائی۔ ''لان پر بلا اجازت قدم رکھنے والے شخص کو یہ کتا چیر پھاڑ دیتا ہے۔''

میں نے جھرجھری لی۔ ''اور یہ اجازت کون دیتا ہے؟''

''پروفیسر برنی۔'' اس نے کہا۔ ''میں بھی لان پر نہیں جا سکتی ہوں۔''

مجھے اسی لمحے اس ان دیکھے پروفیسر برنی سے چڑ ہو گئی تھی۔ کتوں سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے اور جو لوگ کتوں کو عزیز رکھتے ہیں وہ بھی کبھی مجھے اچھے نہیں لگے۔ اس تجربے کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اتنا اعتماد پروفیسر کس برتے پر دکھا رہا تھا۔ میں نے دونیا سے کہا۔

''تم نے کہا میں تمہیں قتل کر سکتا ہوں۔ اس کا مطلب ہے تمہاری زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''یہ تم سے کس نے کہا...... میں پروفیسر کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہوں۔''

''تبھی اس نے اتنے آرام سے تمہیں میرے پاس اکیلے بھیج دیا۔ میں قید میں ہوں اور جو شخص قید ہوتا ہے اس سے کسی بھی رویے کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن پروفیسر تمہارے بارے میں جانتے ہیں اور ان کو اعتماد ہے کہ تم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔''

''میرا خیال ہے یہ اس کا اعتماد نہیں سنگ دلی ہے۔ اسے تمہاری جان کی کوئی پروا نہیں ہے۔''

وہ چلتے چلتے رکی اور مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ تمہاری بہت سطحی سوچ ہے میں نے کہا نا پروفیسر کو میں بہت عزیز ہوں۔''

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے کوٹھی کے اندر جانے والا ایک دروازہ کھولا اور ہم اندر آ گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی نشست گاہ تھی اور اسے عبور کر کے ہم ڈائننگ ایریا میں یہاں ایک وسیع و عریض میز موجود تھی۔ جس پر کم سے کم چالیس افراد کھانا کھا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی میز بھی تھی۔ ہم ڈائننگ ہال سے بھی گزر کر سیڑھیوں پر آئے اور اوپر کی منزل تک پہنچے۔ ہم نے جتنا فاصلہ طے کیا تھا اس سے ظاہر تھا کہ یہ بہت بڑی کوٹھی تھی اس کا عقبی

لان ہی دو کنال سے زیادہ زمین پر تھا جب کہ کوٹھی اس سے کہیں بڑے رقبے پر بنی ہوئی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ پروفیسر اتنا ہی دولت مند ہے جو اس کوٹھی میں رہتا ہے یا یہ کوئی سیٹ اَپ ہے؟ مجھے دوسرا امکان زیادہ قابل قبول لگا تھا لیکن اصل حقیقت پروفیسر سے ملنے کے بعد ہی سامنے آتی۔ پروفیسر ایک اسٹڈی نما کمرے میں ہمارا منتظر تھا۔ اس وسیع کمرے میں چاروں طرف چھت تک بنی دیوار گیر الماریوں میں شاید لاکھ سے اوپر کتابیں تھیں۔ یہ ایک شاندار لائبریری تھی۔ پروفیسر میرے اندازے کے برعکس ایک عام سا شخص نکلا۔ اس کی صورت اسلام آباد کے ایک ٹی وی آرٹسٹ فاروق ضمیر سے ملتی تھی اس نے عینک بھی ویسی ہی لگا رکھی تھی۔ تھری پیس سوٹ میں وہ سچ مچ پروفیسر ہی لگ رہا تھا جو لیکچر دینے کے لیے تیار ہو۔ وہ ایک بڑی سی میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا اور اس نے اٹھے بغیر کہا۔ ''خوش آمدید مسٹر شہباز ملک۔''

''میرے لیے یہاں موجودگی کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔'' میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''مہربانی فرما کر اس حرکت کی وجہ بیان کرو۔''

پروفیسر نے سر کے اشارے سے دونیا کو وہاں سے جانے کو کہا اور وہ خاموشی سے چلی گئی۔ پروفیسر نے سامنے رکھا پائپ اٹھا کر سلگایا اور مجھے بھی اشارے سے بیٹھنے کو کہا لیکن میں کھڑا رہا۔ ''شکریہ میں اس طرح زیادہ اچھا محسوس کر رہا ہوں۔''

''تمہارا رویہ بتا رہا ہے کہ تم خود کو محفوظ سمجھ رہے ہو۔'' اس نے میرا نفسیاتی تجزیہ شروع کر دیا تھا۔

''پروفیسر اس ملک میں ہزاروں قابل سائکاٹرسٹ ہیں اور اگر مجھے نفسیاتی تجزیے کی ضرورت پیش آئی تو میں ان میں سے کسی کے پاس جا سکتا ہوں۔ تم مطلب کی بات کرو۔''

ایک لمحے کو اس چہرے پر جھنجھلاہٹ نظر آئی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔ اسے مزید طیش دلانے کے لیے میں نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں نے تمہیں اس طرح کیوں بلایا ہے؟''

میں نے شانے اچکائے۔ ''میں کیا کہہ سکتا ہوں...... اگر راہ چلتے کوئی پاگل ہو جانے والا کتا مجھے کاٹ لے تو میں علاج کے لیے اسپتال کی طرف بھاگنے کے بجائے کتے سے پوچھنے تو نہیں بیٹھ جاؤں گا کہ جناب نے یہ حرکت کیوں کی؟''

''وہ ایک حادثہ ہوتا......''

''اسے بھی تم حادثہ ہی سمجھو انسانوں میں پاگل پن کتوں سے زیادہ خطرناک ہوتا۔ کتا نہیں جانتا کہ وہ کسی کو کیوں کاٹ رہا ہے لیکن انسان جانتا ہے۔''

ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں ستائش نظر آئی تھی۔ اس نے ٹھنڈے انداز میں اصرار جاری رکھا۔ ''لیکن یہ ایک منفرد بات ہے۔''

''انسانوں کے لحاظ سے نہیں پروفیسر، ایک ہزاروں گز کی کوٹھی میں رہنے والے ایک دولت مند شخص کے دماغ میں اچانک فتور آتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اس کے پاس سب کر گزرنے کی طاقت ہے۔ وہ دولت کے بل پر کچھ لوگوں کو ہائر کرتا ہے کہ جا کر فلاں شخص کو اٹھا لاؤ اور وہ جا کر اسے اٹھا لاتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ انسانی

ریبیز کی ایک قسم ہے۔ ریبیز کے جراثیم کتے کو پاگل کرتے ہیں لیکن یہ جرثومہ انسان کے دماغ میں جنم لیتا ہے۔ ہزاروں سال سے دولت منداور صاحب اختیار لوگ اس جرثومے کا شکار ہو کر پاگل ہوتے آئے ہیں۔ وہ خود کو فرعون، نمرود اور نہ جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر موت ایک جھٹکے میں ان کا سارا پاگل پن ختم کر دیتی ہے اور عام طور سے ان کا انجام کتے والا ہی ہوتا ہے۔''

''تم نے درست کہا لیکن کیا فرعون یا نمرود ہونا بری بات ہے۔ ہر چیز استعمال کے لیے ہوتی ہے اگر کوئی اپنی دولت یا اپنے اختیارات استعمال کرتا ہے تو اس میں تعجب کیوں؟''

''ہاں اس میں تعجب کی تو کوئی بات نہیں ہے لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم سب سے دولت مند اور سب سے بااختیار نہیں ہو۔ کبھی ایک کتا بھی تم سے زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔''

''بات تمہاری ہورہی ہے۔''

''تم نے فرعون اور نمرود کی بات کی تو میں نے وضاحت کر دی۔ اگر تم سیدھی طرح بات کرو تو مجھے نامعقول نہیں پاؤ گے لیکن مہربانی کر کے یہ نفسیاتی چکر بند کر دو۔ ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے میں تم سے مرعوب نہیں ہوں گا اور تم فالتو میں اپنی انرجی ضائع کرتے رہو گے۔''

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا تھا پھر اس نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ میں تمہیں نفسیاتی چکر دے رہا ہوں میں صرف تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا کیا اندازہ ہے؟''

''اگر تم سچ سننا چاہتے ہو تو میں تم کو مرشد کا ایک اسٹنٹ سمجھتا ہوں۔'' میں نے جان بوجھ کر غلط بیانی کی اور ڈیوڈ شا کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

''نہیں میرا مرشد سے جو تعلق ہے میں اس کے لیے یہ کام نہیں کر سکتا ہوں۔''

''مرشد سے تعلق ہے۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''کیسا تعلق ہے؟''

''وہ جو ایک دشمن کا اپنے دشمن سے ہوتا ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تم مرشد کے دشمن ہو اس لیے تم اس کے لیے یہ کام نہیں کر سکتے۔''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔

''مرشد میرا بھی دشمن ہے اس صورت میں تمہارا یہ رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ پہلے تمہارے آدمیوں نے اغوا کرنے دوران مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔''

''جن احمقوں نے یہ کوشش کی تھی ان کی لاشیں ایک دو دن میں کہیں پڑی مل جائیں گی۔'' اس نے کہا۔

''فتح خان نے ان کو کہا تھا کہ اگر میں قابو میں نہیں آؤں تو مجھے شوٹ کر دیا جائے اور فتح خان تمہارے لیے کام کر رہا ہے وہ تمہاری مرضی کے بغیر ایسی بات نہیں کہہ سکتا ہے۔''

''اگر فتح خان نے ان سے یہ بات کی ہے تو میں اسے بھی دیکھ لوں گا میں نے ہرگز تمہیں مروانے کی بات نہیں کی تھی۔'' پروفیسر کے لہجے میں غصہ آگیا تھا۔ فتح خان نے مجھے بتایا ہے کہ ان لوگوں نے از خود تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ اپنی گردن بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے اور اگر اس نے ان تینوں کو مار دیا ہے تو اس کا مقصد

بھی ان کی زبان بند کرنا تھا ورنہ وہ تم کو بتا سکتے تھے کہ فتح خان نے اصل میں ان کو کیا حکم دیا ہے۔“

”میں نے کہا نا اگر فتح خان اس معاملے میں ملوث ہوا تو اسے بھی سزا ملے گی لیکن میں نے تمہیں صرف یہاں لانے کو کہا تھا وہ بھی بغیر کوئی نقصان پہنچائے۔“

”لیکن تم نے مجھے اغوا تو کرایا ہے۔“

”یہ کام میں نے مجبوری میں کیا ہے تم تازہ تازہ آئے ہو اور فی الحال کسی اجنبی پر اعتبار نہیں کر سکتے ہو۔ اگر میں تم سے براہِ راست ملنے کی کوشش کرتا تو تم انکار کر دیتے اس لیے مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔“

میں طنزیہ انداز میں ہنسا۔”یعنی اب تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم میرے دشمن نہیں ہو بلکہ میرے خیر خواہ ہو۔ اتنے کہ اپنی خیر خواہی ثابت کرنے کے لیے مجھے اغوا تک کرا سکتے ہو۔“

”یہ سچ ہے۔“اس نے سنجیدگی سے کہا۔”مرشد علی تک تمہاری آمد کی اطلاع پہنچ گئی ہے اور اس کے آدمی سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔“

”اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم مرشد کے آدمی نہیں ہو اور سچ مچ اس کے دشمن ہو؟“

”اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم آرام اور سکون سے ہو اگر تم مرشد علی کے ہاتھ آجاتے تو تم سوچ سکتے ہو وہ تمہارے ساتھ کیا نہ کر گزرے گا اس کا بھائی پاگل ہو رہا ہے کیونکہ دنیا کے بہترین ڈاکٹرز نے اسے ناقابلِ علاج قرار دے دیا ہے۔“

”یہ کوئی چکر بھی تو ہو سکتا ہے۔“

”کوئی چکر نہیں ہے بس اتنی بات ہے کہ تم اور میں مرشد علی کے دشمن ہیں اس لیے ہمیں دوست ہونا چاہیے۔“

”تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے یہ دوست بنانے والا تو نہیں ہے۔“

”میں نے کہا کہ یہ مجبوری تھی۔ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں اور معذرت کرنے کو بھی تیار ہوں۔“

میں نے سوچا اور سر ہلایا۔”او کے بات آگے بڑھانے کے لیے میں تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔“

وہ ذرا خوش ہوا۔”یہ ہوئی بات اب ہم آگے بات کرتے ہیں لیکن کیا خیال ہے پہلے کچھ کھا لیا جائے۔“

”پہلے میرا ساتھی جاگ جائے۔“

”وہ جاگ گیا ہے اور اسے کھانا وہیں فراہم کر دیا جائے گا۔“

میں نے ناگواری سے کہا۔”وہ میرا ساتھی ہے ملازم نہیں جو وہ مجھ سے الگ کھائے گا۔“

پروفیسر نے سر ہلایا۔”ٹھیک ہے۔“اس نے میز پر ایک فون نما آلے کا بٹن دبایا اور بولا۔”دوسرے مہمان کو ڈائننگ ہال میں لے آؤ۔“اس نے بٹن چھوڑ کر میری طرف دیکھا۔”وہ دس منٹ میں آجائے گا۔ کیا خیال ہے نیچے چلیں؟“

”ٹھیک ہے تب ہم بھی چلتے ہیں۔“میں نے کہا اور پھر مجھے خیال آیا۔”میرے پاس ایک بریف کیس بھی تھا وہ کہاں ہے؟“

''وہ محفوظ ہے۔'' اس نے مبہم انداز میں کہا۔ ''ویسے اس میں کیا ہے؟''

''اسے کھولنے کی کوشش مت کرنا ورنہ وہ خود بھی ضائع ہو جائے گا اور کھولنے کی کوشش کرنے والے کو بھی ضائع کر دے گا۔''

پروفیسر نے چونک کر مجھے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ ہم نیچے آئے تھے۔ مجھے خاصی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ یہ سیٹ اَپ ڈیوڈ شا کا تھا۔ وہ کسی وجہ سے شروع سے مجھے اپنے قابو میں کرنے کی فکر میں رہا تھا اس کی ایک وجہ تو میرا بایاں ہاتھ تھا جو بدترین گیگرین کا شکار ہونے کے باوجود حکیم قادس کے بنائی دواؤں سے ٹھیک ہو گیا تھا جب کہ ڈاکٹرز نے اسے کاٹنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ خود ان جادو اثر ،ار ، کے چکر میں تھا جو زخم کو معجزانہ انداز میں ٹھیک کر دیتی تھیں لیکن مجھے لگتا تھا اس کے علاوہ بھی کوئی وجہ تھی۔ یہ ڈیوڈ شا ہی تھا جس کی وجہ سے مرشد جیسا خون کا پیاسا بھی مجھے نظر انداز کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ڈیوڈ شا کا مرید تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ڈیوڈ شا مجھ سے کیا چاہتا تھا۔

ہم پروفیسر کی کوٹھی کے عظیم الشان ڈائننگ ہال میں آئے۔ چھوٹی میز پر دوپہر کا کھانا لگایا جا رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم سولہ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش رہے تھے اور کوئی دوا انسان کو آٹھ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رکھ سکتی ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم پر بعد میں بھی کوئی حربہ استعمال کیا گیا تھا۔ میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے پروفیسر سے اس جوڑے کے بارے میں سوال کیا جس نے ہمیں قابو کیا تھا۔ وہ مسکرایا۔

''وہ میاں بیوی ہیں اور بہت ہر فن مولا قسم کے لوگ ہیں میرے لیے کام کرتے ہیں۔''

''اگر تم ان سے کام لیتے ہو تو اس کا مطلب ہے تمہارے بہت سارے کام قانون سے ماورا ہوتے ہیں۔''

''اس ملک کا کوئی شہری یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ سو فی صد قانون کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''پروفیسر یہ بات اگر کوئی جاہل جاگیردار یا رسہ گیر سیاست دان کہتا تو میں سمجھ بھی جاتا لیکن تمہارے منہ سے سن کر حیرت ہو رہی ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ نظر آنے لگی تھی۔ ''مجھے بھی افسوس ہوتا ہے لیکن اس بات پر کہ میں نے بہت دیر سے یہ بات سمجھی۔ کاش میں پہلے سمجھ جاتا تو اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے محفوظ رہتا۔''

''یہ صرف تمہاری سوچ ہے ورنہ جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے اس سے تم کسی صورت محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔''

''یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔'' وہ ذرا بھڑکا۔ ''آدمی کو افیون کی گولی دے دو کہ تمہارے ساتھ جو ہوا ہے وہ خدا کی مرضی ہے۔''

''ایسا نہیں ہے کیونکہ جو تم کر رہے ہو وہ بھی خدا کی مرضی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تمہارے جیسے لوگوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے جو حالات کے بگاڑ کا ذمے دار خدا کو قرار دیتے ہیں۔''

وہ ٹھنڈا ہوا تھا۔ ''میں خدا کو ذمے دار قرار نہیں دے رہا ہوں۔''

''او کے تمہارے ساتھ جو ہوا اگر وہ خدا کی مرضی نہیں تھی تو کس کی مرضی تھی۔ تم کسے الزام دو گے۔''

''جس نے میرے ساتھ برا کیا اسے ذمے دار قرار دوں گا اور میں نے ایسا ہی کیا۔''

''یعنی تم نے اس سے بدلہ لے لیا؟''

میرے اس سوال پر پروفیسر کے شانے ڈھلک گئے تھے۔ ''نہیں میں اب تک ایسا نہیں کر سکا ہوں لیکن جلد میں اسے ایسا چرکا لگاؤں گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا اور اگر تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ تو یہ وقت بہت جلد آ جائے گا۔''

''تمہارا دشمن مرشد علی ہے؟''

''ہاں اس دنیا میں وہی میرا واحد دشمن ہے۔''

''ایسا مت کہو پروفیسر، تم اپنے سے اوپر دیکھ رہے ہے کیونکہ تمہارا دشمن تم سے بالا دست ہے اور فی الحال تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہو، لیکن تم۔نے ان بہت سارے چھوٹے لوگوں کے بارے میں سوچا ہے جن کو تمہاری وجہ سے تکلیف ہوئی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔''

''ایسا کوئی فرد نہیں......''

''پروفیسر۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم ان تین افراد کو بھول رہے ہو جن کو تمہارے حکم سے آج ہی مارا گیا ہے۔ کیا ان کے گھر والے تمہارے دشمن نہیں ہوں گے؟'' میرا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا تھا۔ ''تمہاری طرح وہ بھی اسے خدا کی مرضی کے بجائے تمہاری مرضی قرار دے رہے ہوں گے۔''

''انہوں نے ایک کام لیا تھا اور اسے صحیح طریقے سے نہیں کر سکے اس لیے وہ اس سزا کے مستحق تھے۔'' اس نے دلیل دی

''یہ ایک اور دھوکے والی بات ہے۔'' میں ہنسا۔ ''ایسا ہی کوئی دھوکا مرشد علی نے خود کو دے رکھا ہوا گا۔''

پروفیسر کا صبر رفتہ رفتہ جواب دے رہا تھا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم مرشد سے میرا موازنہ نہیں کر سکتے۔''

''میں کر بھی نہیں رہا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''لیکن ممکن ہے کوئی اور یہ موازنہ کر رہا ہو۔''

پروفیسر خاموش ہو گیا۔ اس دوران میں بیتو ایک ہٹے کٹے آدمی کے ساتھ اندر آیا اور اس کے تاثرات چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ راضی خوشی نہیں آیا ہے۔ یہ آدمی اسے مجبور کر کے لایا ہے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان آ گیا تھا اور وہ تیزی سے میرے پاس آیا تھا۔ ''شوبی بھائی آپ ٹھیک ہے؟...... یہ کون لوگ ہے؟......ہمیں کیوں پکڑا ہے؟'' اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر دیئے تھے۔

''آرام سے یار......آؤ بیٹھو......کھانا لگ گیا ہے۔''

مجھے نارمل موڈ میں دیکھ کر بیتو سمجھ گیا کہ فی الحال تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔ ایک ملازمہ آ کر ڈشز لگا رہی تھی پھر اس نے ہمارے سامنے برتن رکھے اور پروفیسر نے کھانے کا آغاز کیا۔ میں نے ان ڈشز سے نکالا جن سے پروفیسر نے نکالا اور بیتو نے میری تقلید کی تھی۔ میں سمجھا کہ پروفیسر نے یہ بات نوٹ نہیں کی ہے لیکن میں بھول گیا تھا کہ وہ بہت عیار آدمی تھا۔ پھر نفسیات کا ماہر بھی تھا۔ کھانا خاموشی

سے کھایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد پروفیسر نے میری طرف دیکھا۔ ''کافی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں کھانے کے بعد کافی نہیں لیتا۔'' میں نے طبیعت پر جبر کر کے کہا کیونکہ میں اس شخص پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرے انکار پر وہ مسکرایا۔ ''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے اور تمہیں ڈر ہے کہ میں کافی میں تم دونوں کو کچھ دے سکتا ہوں۔ اس وجہ سے تم نے صرف ان ڈشز سے کھانا لیا جن سے میں نے لیا تھا۔''

''کیا یہ اندیشہ غلط ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں تمہیں محتاط رہنا چاہیے لیکن میں تمہیں کچھ کیوں دوں گا؟''

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے اور اگر کوئی آسانی سے قابو میں آ رہا ہوں تو اس کے لیے تردد کون کرتا ہے۔ وہ مشہور ہے کہ گڑ سے مرنے والے کو زہر کون دیتا ہے۔''

''تمہاری مرضی ورنہ میں تمہاری تسلی بھی کرا دیتا۔'' پروفیسر نے رومال سے منہ صاف کیا۔

بیٹو کے ساتھ آنے والا ہٹا کٹا آدمی وہیں موجود رہا تھا اور ایک طرف ہاتھ باندھے اس طرح ساکت کھڑا تھا جیسے پتھر کا بت ہو۔ اس کے کھڑے ہونے کا زاویہ ایسا تھا کہ وہ بیک وقت مجھ پر اور بیٹو پر نظر رکھ سکتا تھا۔ وہ پروفیسر کا کوئی محافظ تھا میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرے ساتھی پر اس گوریلے کو کیوں مسلط کر دیا جب کہ میرے لیے تم نے وہ خوب صورت لڑکی بھیجی تھی۔''

''یہ اسی طرح قابو میں آتا۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔ ''تم جس طرح قابو میں آ سکتے تھے میں نے وہ طریقہ اختیار کیا۔''

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں حسن پرست ہوں تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔''

''نہیں...... تم ایسے شخص ہو جو کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے ہو۔ اس لیے تمہارے لیے دونیا کو بھیجا اور تمہارے ساتھی کے لیے جان کو بھیجا۔'' اس نے اپنے ہٹے کٹے گارڈ کی طرف دیکھا۔ میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہارا تعاون چاہتا ہوں۔''

''کیسا تعاون؟''

''مرشد کے خلاف تعاون۔''

''میرا نہیں خیال کہ مرشد کے خلاف ہمارا اتحاد اس کے لیے کوئی مسئلہ بنے گا کیونکہ اب وہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گیا ہے وہ حکومت میں بھی شامل ہو گیا ہے اور ایسے شخص کے خلاف ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''گویا تم میری تجویز سے متفق نہیں ہو؟''

''فی الحال میں کسی سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ابھی پاکستان پہنچا ہوں اور مجھے بہت سارے معاملات دیکھنے ہیں لیکن تم میری راہ میں آ رہے ہو۔''

''میں تمہیں مرشد سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''اس سے اب تک میں تمہاری مدد کے بغیر بھی بچتا آیا ہوں میرا اس ذات پر ایمان ہے جو سب بچانے والوں سے برتر ہے۔'' میرا لہجہ کسی قدر سخت ہوگیا۔ ''مہربانی کر کے تم اپنی بات کھل کر کرو یا ہمیں جانے دو۔''

''اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ مناسب نہیں ہوگا۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ''تم دونوں کچھ دن یہاں رہو اور میری پیش کش پر غور کرو۔''

''یعنی تمہاری قید میں رہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''صاف کہو نا تم وہ خبیث ہو جو نظر آتے ہو ممکن ہے تمہارا باس مرشد ہو۔''

اس کے چہرے پر نفرت نظر آئی تھی اس نے کبیدہ لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے اس سے بدتر گالی نہیں دے سکتے۔''

''او کے اب میں ایسی بات نہیں کہوں گا لیکن کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ مرشد سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

''ضرور لیکن ابھی نہیں رات کے کھانے کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔ فی الحال مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔'' اس نے نیپکن سے منہ صاف کیا اور کھڑا ہوگیا۔ ''جان ان کو ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔''

میں نے جان کی طرف دیکھا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لیکن مہلک پستول نظر آیا تھا۔ اس نے پستول کی جنبش سے اشارہ کیا۔ پروفیسر تیزی سے وہاں سے جا چکا تھا۔ مجبوراً ہمیں جان کے اشارے پر حرکت میں آنا پڑا تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح نپی تلی حرکت کرتا تھا اور اس کا جسم جیسے ٹھوس فولاد کا بنا ہوا تھا۔ اس موسم میں بھی اس نے پتلی سی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جس میں اس کے مسلز نمایاں تھے۔ وہ ہمیں کمرے تک لایا اور ہمارے اندر جاتے ہی اس نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''شوبی بھائی ہمارا قسمت میں سکون نہیں ہے۔''

''فی الحال تو نہیں ہے۔'' میں بستر پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ ''یہ ایک نیا کردار میری کہانی میں شامل ہوگیا ہے۔''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''آپ ڈرامہ بنا سکتا ہے...... اتنا سارا کردار ہے آپ کی کہانی میں۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''تمہیں ڈرامے کا کیا پتا؟''

''ہم کو دیدی نے بتایا...... وہ اسٹار پلس دیکھتا۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ بیتو جیسے ٹی وی نا آشنا کو بھی اسٹار پلس کا پتا تھا۔ بیتو نے مجھ سے پروفیسر کے بارے میں پوچھا اور میں جو جانتا تھا وہ اسے بتا دیا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ''مرشد کا دشمن ہے تو پھر ہم کو کیوں قیدر کھا ہے؟''

''تا کہ ہم سے مرشد کے خلاف تعاون حاصل کر سکے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''قید رکھ کر؟''

''ہاں مرشد کا دشمن ہے تو اسی جیسی حرکت کرے گا۔''

''لیکن ہم بھی تو اس دشمن ہے ہم تو اس جیسا حرکت نہیں کرتا۔'' بیتو نے سادگی سے کہا۔

''برخوردار ہم اس کے پائے کے حریف نہیں ہیں بلکہ اس سے بہت چھوٹے ہیں۔''میں نے استہزا انداز میں کہا۔''اس لیے ہم مرشد کے اعلیٰ مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے لیکن یہ شخص اس کے پائے کا ہے اس لیے ویسی ہی حرکتیں کرسکتا ہے۔''

بیتو کچھ دیر اور میرا دماغ کھاتا رہا لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ میں کچھ سوچ رہا ہوں تو وہ خاموش ہو گیا میں سچ مچ پروفیسر پر غور کررہا تھا۔ اس نے جس انداز سے ہمیں تلاش اور اغوا کرایا تھا وہ ایک مکمل پیشہ ور ٹیم ورک کا نتیجہ تھا۔ جب کہ دوسری طرف پروفیسر خود کو ایک عام آدمی کی نفسیات کا ماہر بنا کر پیش کررہا تھا۔ اتنا تو میں نے جان لیا تھا کہ وہ ماہر نہیں تھا۔ اگر وہ کوئی ماہر نفسیات تھا بھی تو بہت معمولی درجے کا تھا۔ میں نے عام پیلا کرنے والے ماہرین نفسیات کو اس سے کہیں زیادہ ذہین اور تیز پایا ہے۔ ممکن ہے وہ پڑھانے کے معاملے میں اچھا ہو۔

بہ ظاہر تو ہمیں مرشد کے خلاف اتحاد بنانے پر اکسا رہا تھا لیکن پس پردہ اس کا مقصد کچھ اور لگ رہا تھا یہ مقصد فی الحال میرے ذہن کی پہنچ سے باہر تھا لیکن جلد یا بدیر پروفیسر کو کھل کر سامنے آنا ہی پڑے گا۔ اب تک مجھے اس کوٹھی میں کل چار افراد نظر آئے تھے۔ یعنی دونیا، جان، پروفیسر اور کھانا لگانے والی ملازمہ۔ ان کے علاوہ کوئی پانچواں فرد نظر نہیں آیا تھا اگر کتے کو فرد شمار نہ کیا جائے۔ اتنی بڑی کوٹھی میں کیا یہی افراد تھے؟ مجھے کوئی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ میں نے تقریباً نصف کوٹھی دیکھ لی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہاں اور کوئی نہ ہو۔

بیتو پھر بستر پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے کہا۔''شوبی بھائی ہم سفر کرکر کے تھک گیا ہے اس لیے آرام کرے گا؟''

''ضرور کرو۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر واش روم میں آیا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا کموڈ پر چڑھ کر ایگزاسٹ کا جائزہ بھی لے لیا لیکن وہ جس سوراخ پر لگا تھا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ میں کسی صورت اس سے نہیں گزر سکتا تھا۔ یعنی اس کمرے سے نکلنے کے لیے صرف ایک راستہ تھا کمرے میں آکر دروازے کا معائنہ کیا۔ یہ مکمل طور پر ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اسے توڑنا شاید کسی پہلوان کے بس کی بات ہو تو ہو ہمارے بس سے باہر ہی تھی۔ ابھی میں دروازہ چیک کررہا تھا کہ وہ پہلے کی طرح اچانک کھل گیا اور اس بار بھی دروازے پر دونیا نظر آئی تھی۔ میں پیچھے ہٹا تھا۔ وہ مسکرائی۔

''کیا تم باہر آنا چاہتے ہو؟''

''یہ ممکن ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں اگر تم باہر آنا چاہو تو آسکتے ہو......لیکن صرف تم۔''

''میرا ساتھی......''

''شوبی آپ جاؤ۔'' عقب سے بیتو نے کہا۔''ہم کو نیند آرہا ہے۔''

میں باہر آگیا۔ دروازے میں باہر سے خود بہ خود لگ جانے والا لاک تھا اور اندر سوائے ایک ہینڈل کے کچھ نہیں تھا۔ میرے باہر آتے ہی دونیا نے دروازہ بند کردیا۔ اس وقت وہاں کوئی اور نہیں تھا اور میں چاہتا تو دونیا کو دبوچ سکتا تھا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کی حفاظت کے لیے کوئی بیک اَپ تھا یا نہیں اور میں جلد بازی میں

قدم اٹھا کر حالات کو اپنے لیے خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ فی الحال تو ایسا لگ رہا تھا کہ ہم پر بہت سخت پہرہ نہیں ہے۔ دونیا مجھے لے کر برآمدے میں آئی۔ ہلکی بارش ہو رہی تھی اور فضا نباتات کے خوشبو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ میں جب پہلی بار ہوش میں آنے پر واش روم کا دروازہ کھولا تھا تب دونیا آ گئی تھی اور اب بھی میں واش روم گیا تو دونیا آ گئی تھی۔ کیا اس میں کوئی چکر تھا۔ واش روم کا دروازہ کھولنے پر اسے خبر ہو جاتی تھی لیکن میں نے دونیا سے اس بارے میں کچھ پوچھا نہیں۔ اس کے بجائے میں نے پوچھا۔

''ہم اسلام آباد میں ہیں؟''

دونیا نے سر ہلایا۔ ''ہاں یہ اسلام آباد ہے۔''

''تم نے کہا تھا کہ پروفیسر ایک عظیم سائیکاٹرسٹ ہے لیکن وہ تو مجھے عام سا سائیکاٹرسٹ بھی نہیں لگا عظیم تو دور کی بات ہے۔''

دونیا کے چہرے پر ناگواری نظر آئی۔ ''تم ایک ملاقات میں ان کے بارے میں نہیں جان سکتے۔''

''اس کے برعکس میرا خیال ہے انسان جس کو ایک ملاقات میں نہیں جان سکے تو اسے سو ملاقاتوں میں بھی نہیں جان سکتا ہے۔ بائی دی وے پروفیسر کی مرشد سے دشمنی کی وجہ کیا ہے؟''

''یہ بات تمہیں پروفیسر ہی بتا سکتے ہیں۔''

بارش کے ساتھ سرد ہواؤں کے جھونکے بھی آ رہے تھے لیکن یہ ناقابلِ برداشت نہیں تھے۔ بس کبھی کبھی پھریری سی آ جاتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ دونیا کچھ بے چین سی تھی اور بار بار اپنی سنہری کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم نے پروفیسر کو تو منع کر دیا کیا میرے ساتھ کچھ پیو گے؟''

''کیوں نہیں بشرطیکہ کوئی حرام شے نہ ہو۔''

''میں چائے لاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور اٹھ کر تیزی سے اس دروازے میں غائب ہو گئی جس سے وہ مجھے پہلے بھی کوٹھی میں لے گئی تھی۔ مجھے اس کا انداز کھٹکا تھا اور ایک منٹ بعد میں بھی اٹھ کر اس دروازے کی طرف بڑھا۔ نشست گاہ سے گزر کر ڈائننگ ہال کی طرف آیا اور اس حصے میں جھانکا جہاں میرے خیال میں کچن ہونا چاہیے تھا۔ چائے وہیں بنتی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر میں دبے قدموں سامنے والے حصے میں آیا اس طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک راہداری سے گزر کر میں کوٹھی کے سامنے والے حصے میں جا نکلا تھا۔ یہاں ایک وسیع لان تھا اور دور چار دیواری کے ساتھ گیٹ نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہی گیٹ کھلا اور ایک سوٹ پوش شخص اندر آیا وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کسی کو آواز دی۔ نام میری سمجھ میں نہیں آیا تھا بس آواز آئی تھی۔ پھر اس نے زور سے کہا۔ ''مراد......اوہ نامراد۔''

اس شخص کا انداز دیکھ کر مجھے خطرے کا احساس ہوا اور میں اندر کی طرف بھاگا۔ ڈائننگ ہال سے گزر کر نشست گاہ میں جانے کے لیے میں نے ایک دروازہ کھولا تو مجھے احساس ہوا میں نے غلط دروازہ کھول دیا تھا۔ میں پلٹ رہا تھا کہ دروازے کی اوٹ سے مجھے کسی کے پاؤں نظر آئے۔ جس کے پاؤں تھے وہ زمین پر دراز تھا اور میں نے اسے دیکھنے کے لیے پورا دروازہ کھولا اور وہ مجھے شاید مراد نظر آ گیا وہ ملیشیا کے شلوار سوٹ میں تھا اور زمین پر چت پڑا تھا اس کی کھلی آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں اور ان میں حیرت منجمد تھی۔ میں نے دیکھتے ہی محسوس کر

لیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ اور اب میں تصدیق کرنے اندر جاتا تو یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہوتی۔ میں جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہتا تھا۔ پروفیسر نفیس برنی ایک جرائم پیشہ شخص نکلا تھا اس نے کسی اور کی کوٹھی استعمال کرنے کے لیے ایک غریب چوکیدار کا خون کر دیا تھا اس کی لاش کوٹھی میں ڈال کر مجھے اور بیتو کو یہاں چھوڑ کر خاموشی سے فرار ہو گیا تھا۔ اب اس سے پہلے کہ اصل مالک مجھے اور بیتو کو یہاں دیکھتا اور ایف آئی آر میں ہمارا نام آتا ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔ میں آندھی طوفان کی طرح کمرے تک پہنچا اور دروازہ کھول کر بیتو کو آواز دی لیکن میں اندر نہیں گیا تھا بلکہ دروازہ پکڑے کھڑا رہا تھا۔ اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو یہ خود بہ خود بند اور لاک ہو جانے والا دروازہ تھا۔ میں بیتو سمیت اس میں قید ہو جاتا۔ میں نے وہیں سے چلا کر کہا۔

''بیتو اٹھو ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

بیتو سوتے سے اچھل پڑا تھا۔ ''کیا ہوا؟''

''اصل مالک آ گیا ہے اور چوکیدار کی لاش کوٹھی میں پڑی ہے۔ یہ چادر اٹھاؤ اور واش روم کے دروازے کا ہینڈل صاف کر دو جلدی۔''

صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوتے ہی بیتو تیزی سے حرکت میں آیا اور اس نے بستر سے چادر اٹھاتے ہوئے ہینڈل صاف کیا۔ پھر میری طرف آیا میں نے چادر سے اس کمرے کے دروازے کے ہینڈل بھی صاف کیے پولیس کو میری انگلیوں کے نشانات نہیں ملنا چاہیے تھے ورنہ میں اس کیس میں بھی ملوث ہو جاتا۔ قتل اور اقدام قتل کے دو کیس مجھ پر پہلے سے تھے یہ تیسرا تیار ہو جاتا۔ مجھے اپنا یہ شبہ بھی درست نظر آنے لگا کہ یہ مرشد کا کوئی چکر تھا جو مجھے مزید پھنسوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہینڈلز صاف کر کے میں نے چادر سے دو پٹیاں پھاڑیں اور ان کو چہرے پر اس طرح لپیٹا کہ نقوش چھپ جائیں۔ بیتو نے میری تقلید کی تھی اور اب ہم باہر کی طرف بھاگے۔ برآمدے میں نکل کر میں بائیں طرف کا رخ کیا۔ برآمدہ گھوم کر کوٹھی کے بائیں پہلو کی طرف آ رہا تھا۔ اس طرف کوئی نہیں تھا۔

پروفیسر نے بے ہوشی کے دوران ہماری ساری چیزوں کے ساتھ وہ بریف کیس بھی ہتھیا لیا تھا جو ہم چین سے یہاں تک لائے تھے۔ لازمی بات تھی وہ بریف کیس بھی لے جا چکا تھا۔ مجھے اس کی فکر تھی لیکن اس سے کہیں زیادہ فکر مجھے اپنی اور بیتو کی زندگی اور آزادی کی تھی۔ اس کے لیے یہاں سے ہمارا نکلنا بہت ضروری تھا۔ ہم اگلے حصے میں جا نکلے۔ دیوار کے ساتھ کراٹا کی باڑھ تھی میں اور بیتو اس کی آڑ میں مین گیٹ کی طرف بڑھے۔ کوٹھی سے نکلنے کا واحد راستہ یہ گیٹ تھا ورنہ باقی اطراف میں کوئی دس فٹ اونچی دیوار تھی جس پر مزید تین فٹ کی خار دار تار کی باڑھ تھی۔ اسے اول تو پھلانگنا ناممکن تھا اور اگر کوشش کرتے تو کپڑے اور ہم خود بھی پھٹ جاتے۔ ابھی ہم گیٹ سے کچھ دور تھے کہ ایک جوان آدمی گیٹ سے اندر آیا۔ اس نے ڈرائیور کی وردی پہن رکھی تھی۔ اس نے گیٹ کا ایک پٹ کھولا اور باہر چلا گیا۔ ایک منٹ بعد وہ ایک پراڈو ڈرائیو کرتا اندر آیا اور اسے پورچ کی طرف لے گیا۔ گیٹ کھلا تھا۔ اگرچہ اس بات کا امکان تھا کہ ڈرائیور عقبی آئینے میں ہمیں نکلتے ہوئے دیکھ سکتا ہے لیکن ہمارے پاس یہاں سے نکلنے کا یہی ایک آسان موقع تھا اس کے بعد کوئی اور آ جاتا تو ہمیں فرار ہونے میں مشکل ہوتی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا تو اس نے سر ہلا کر اتفاق کیا اور ہم کراٹا کی باڑھ کے پیچھے سے نکل کر ایک

ساتھ دوڑے تھے۔ بیتو نے عقل مندی کی کہ جاتے جاتے گیٹ کھینچ کر باہر سے بند کر دیا اور اس کی کنڈی بھی لگا دی۔ اب کم سے کم ڈرائیور گاڑی لے کر ہمارے پیچھے نہیں آسکتا تھا۔

یہ ایک بڑی سڑک تھی۔ اصل میں یہ ایک گلی تھی لیکن پوش علاقے میں تھی اس لیے اتنی چوڑی تھی کہ عام علاقوں میں سڑکیں اتنی بڑی ہوتی ہیں۔ دونوں طرف دور تک کوٹھیاں تھیں۔ اگر ہم دوڑ لگاتے تو اس گلی سے نکلنے میں کئی منٹ لگ جاتے۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ ایک کار گلی میں داخل ہوئی اور آ کر ہم سے کچھ دور رک گئی۔ باہر آتے ہیں بیتو اور میں نے منہ سے کپڑے کی پٹی اتار دی تھی۔ اس لیے کار میں موجود نوجوان ہمیں دیکھ کر چونکا نہیں تھا۔ بلکہ ہمیں پاس آتے دیکھ کر اس نے شیشہ نیچے کر دیا تھا۔ میں نے فوری فیصلہ کیا۔ اندر ہاتھ ڈال کر لاک کھولا اور دروازہ کھولتے ہوئے اسے نیچے کھینچ لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' اس نے مزاحمت کی ناکام کوشش کی۔

''تمہاری کار چھین رہے ہیں۔'' میں نے کہا اور اسے گرین بیلٹ پر پھینک دیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ اسے کوئی چوٹ نہیں لگے گی وہ دھان پان سا نوجوان تھا۔ اس دوران میں بیتو کھلے دروازے سے کار میں گھس گیا تھا اس کے بیٹھتے ہی میں بھی بیٹھ گیا اور دروازہ بند کر کے شیشہ چڑھا دیا۔ نوجوان اٹھ گیا تھا لیکن اس نے کار کی طرف آنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے خوف تھا کہ ہم مسلح ہوں گے اور اس کی مزاحمت کے جواب میں اسے شوٹ بھی کر سکتے تھے۔ یہ وڑتھی اور چند لاکھ کی کار کے مقابلے میں اسے اپنی جان زیادہ پیاری تھی۔ مجھے ایک خیال آیا اور میں نے شیشہ نیچے کیا تو وہ ڈر کر درخت کے پیچھے ہو گیا۔

''پولیس کو رپورٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری کار تمہیں جناح سپر مارکیٹ میں کہیں مل جائے گی۔''

''میرا موبائل تو دے دو۔'' اس نے درخت کے پیچھے سے کہا۔ تب میں نے ڈیش بورڈ پر ایک موبائل دیکھا۔ یہ اچھی قسم کا مہنگا موبائل تھا۔

''یہ موبائل بھی کار میں مل جائے گا۔'' میں نے کہا اور کار آگے بڑھا دی اور اسی لمحے میں نے وردی پوش ڈرائیور کو باہر آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور نوجوان کی طرف لپکا جو درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ وہ شاید اسے ہم میں سے ایک سمجھ رہا تھا۔ بہر حال اس کی وجہ سے ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ اسلام آباد کے چند پوش ترین علاقوں میں سے ایک تھا۔ میں نے مین روڈ پر آتے ہی موبائل سے ندیم کے گھر کا نمبر ملایا۔ فون اس کے کسی سپوت نے اٹھایا تھا۔ ''بیٹے آپ کے پاپا کہاں ہیں؟''

''وہ تو مما کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔'' بچے نے سمجھداری سے کہا۔ ''آپ کون ہیں؟''

''میں آپ کا انکل ہوں آپ کو پاپا کا موبائل نمبر معلوم ہے؟''

''پہلے آپ نام بتائیں پھر میں آپ کو پاپا کا نمبر بتاؤں گا۔'' اس نے کہا۔ میں نے سوچا اور کہا۔

''میں آپ کا اصغر انکل بات کر رہا ہوں۔''

اصغر ندیم کا ایک دوست وکیل تھا۔ ''اچھا آپ اصغر انکل ہیں۔'' وہ بولا اور اس نے ایک نمبر بتایا۔ ''یہ پاپا

کا نمبر ہے۔'' اس نے کہا۔
میں نے کال کاٹ دی اور ندیم کا نمبر ملانے جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے پولیس کا سائرن سنائی دیا۔ میں نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ اسلام آباد پولیس کی ایک کار تیزی سے آ رہی تھی اور اس کی اوپر کی لائٹس بھی فلیش کر رہی تھی۔ سڑک پر اس وقت زیادہ گاڑیاں نہیں تھیں۔ میری رفتار زیادہ نہیں تھی اور اس کا بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ پولیس کو چند منٹ کے اندر اندر کار چھننے کی اطلاع مل گئی تھی اتنی تیزی تو ترقی یافتہ ممالک کی پولیس بھی نہیں دکھاتی ہے۔ میں نے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا اور کار کی رفتار ذرا بڑھا دی لیکن اس طرح سے نہیں کہ میں فرار ہوتا ہوا محسوس ہوں۔ کار کی رفتار تیز ہوتے ہی پولیس موبائل بھی تیز ہوئی تھی۔
''یہ ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔'' بیتو نے مڑ کر دیکھا۔
''پیچھے مت دیکھو ان کو شک ہوگا تو یقین ہو جائے گا۔'' میں نے کہا اور کار کو دامن کوہ کی طرف جانے والے راستے کی طرف موڑ دیا۔ اس سیدھی شاہراہ پر تو کہیں بچنے کی جگہ نہیں تھی پولیس کار ہمیں آ لیتی۔ جب ہمارے ساتھ پولیس کار بھی اس طرف مڑی تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے پیچھے ہی آ رہی ہے۔ بارش رک گئی تھی لیکن آسمان پر ابھی بھی گہرے بادل تھے۔ شام کا وقت ہو چکا تھا اور کچھ دیر میں رات ہو جاتی۔ دامن کوہ سے پہلے آنے والی سڑک تک میں نے بہت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کی تھی اور پھر دائیں طرف مڑ گیا۔ پولیس کار مستقل پیچھے لگی تھی لیکن گاڑیوں کی وجہ سے ہمارے زیادہ نزدیک نہیں آ سکی تھی۔ آگے ایک سگنل تھا جو زرد ہو چکا تھا اور سرخ ہونے والا تھا میں نے اچانک رفتار تیز کی اور کئی گاڑیوں کو خطرناک طریقے سے اوور ٹیک کرتا ہوا سگنل کے ریڈ ہونے سے پہلے اس سے گزر گیا۔ میرے گزرتے ہی سگنل سرخ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ پولیس کار رک جائے گی لیکن اس نے تعاقب جاری رکھا تھا اور البتہ اسے گاڑیوں کے ہجوم سے نکل کر آنے میں دیر لگی تھی اور پھر کراسنگ میں بھی تاخیر ہوئی اس وجہ سے وہ کوئی فرلانگ بھر پیچھے رہ گئی تھی۔
''شکر ہے پیچھے رہ گئے۔'' بیتو نے کہا۔
لیکن میں جانتا تھا کہ اب بھی پھنسنے کا پورا امکان تھا۔ اگر یہ کار پیچھے نہ بھی آتی تو اب تک اس علاقے میں گشت کرنے والی تمام پولیس کاروں کو اس کار کا ماڈل اور نمبر بتایا جا چکا ہوگا۔ اور ہم آگے گھیرے جا سکتے ہیں۔ یہاں سے سپر مارکیٹ قریب تھی۔ میں نے کار کی رفتار نارمل کر لی تا کہ کوئی بلا وجہ متوجہ نہ ہو اور ایک بار پھر موبائل اٹھایا لیکن جیسے ہی میں نے ندیم کا نمبر ملانا چاہا۔ موبائل نے لو بیٹری کا سگنل دینا شروع کر دیا میں نے سگنل نظر انداز کر کے کال کرنا چاہی تو موبائل ہی آف ہو گیا۔ میں نے اسے ڈیش بورڈ پر پٹخ دیا۔ ''لعنت ہو۔''
''کیا ہوا؟'' بیتو بولا۔
''بیٹری ختم ہو گئی۔''
بیتو ڈیش بورڈ کی تلاشی لے رہا تھا کہ شاید وہاں سے کوئی کام کی چیز مل جائے لیکن ڈیش بورڈ میں نقدی یا ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔ لے دے کہ ایک موبائل ہی تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کی مالیت بیس ہزار سے زیادہ ہو گی اور میں اسے بیچنے جاؤں گا تو مجھے دس تو مل ہی جائیں گے۔ لیکن جب میں نے جناح سپر مارکیٹ میں ایک چھوٹی گلی میں کار روکی تو میں نے موبائل ڈیش بورڈ پر چھوڑ دیا۔ میرا دل نہیں چاہا تھا کہ میں یہ کام کروں۔ میں

نے اس نوجوان سے وعدہ کیا تھا کہ موبائل بھی کار میں چھوڑ دوں گا اس لیے میں نے ایسا ہی کیا چابی اور موبائل ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ کر کار کے دروازے لاک کر کے ہم نیچے اتر آئے تھے۔

ندیم کی رہائش آب پارہ میں تھی اور یہ جگہ کوئی سات کلومیٹر دور تھی لیکن جانا تو تھا۔ میں نے اور بیتو دونوں نے ہلکے کپڑے پہن رکھے تھے اور پیروں میں معمولی سی چپلیں تھیں۔ سردی لگ رہی تھی لیکن ابھی قابل برداشت تھی رات ہونے پر اس میں اضافہ ہوتا۔ بیتو نے دونوں ہاتھ بغل میں دیئے اور بولا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''چلنا ہے برخوردار اور بہت لمبا چلنا ہے۔'' میں نے کہا ہم مارکیٹ سے باہر جا رہے تھے۔ اچانک وہی پولیس کار تیزی سے اس طرف آئی اور ہمارے برابر سے گزر گئی۔ وہ یقیناً ہمارے پیچھے آئی تھی اور ہم نے بروقت کار چھوڑ دی تھی۔ مارکیٹ باہر آ کر بیتو نے پروفیسر کے بارے میں پوچھا۔

''اس نے ہمیں پھنسانے کی کوشش کیوں کی؟''

برخوردار تمہیں اصل کہانی تو ابھی معلوم ہی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اسے لاش کے بارے میں بتایا تو وہ اچھل پڑا تھا۔

''کوٹھی میں لاش تھی؟''

''ہاں اور امکان ہے کوٹھی کے چوکیدار کی تھی۔ اسے ان لوگوں نے مار کر ایک کمرے میں ڈال رکھا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے پروفیسر دھوکے باز ہے؟''

''اور قاتل بھی ہے وہ اس غریب کو باندھ کر ڈال بھی سکتا تھا لیکن اس نے اسے قتل کر دیا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔

''اچھا ہوا وہ بھاگ گیا ورنہ ہمارے ہاتھ سے ضرور مارا جاتا۔''

بیتو ایک پُرجوش قبائلی نوجوان تھا اور مختصر سے عرصے میں اس نے بے پناہ قتل و غارت گری دیکھ لی تھی۔ خود اس کے ہاتھ سے نہ جانے کتنے افراد مارے جا چکے تھے۔ بھارت اور نیپال میں ہم اپنی جان بچانے کے لیے بے دریغ اسلحہ استعمال کرتے رہے تھے۔ شاید اس لیے بھی کبھی احتیاط نہیں کی یہ میرے ملک نہیں تھے اور ہمیں وہاں سے نکلنا تھا لیکن پاکستان میرا ملک ہے اور یہاں مجھے احتیاط سے اپنا دفاع کرنا تھا میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے قانون کی گرفت میں آؤں۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''برخوردار اب مارا ماری کا وقت نہیں ہے یہاں مجھے ہر کام بہت احتیاط سے اور ہاتھ پاؤں بچا کر کرنا ہے میرے دشمن چاہتے ہیں کہ وہ مجھے مزید قانونی معاملات میں الجھا دیں۔ پروفیسر برنی بھی مجھے دشمن کا ایسا ہی مہرہ لگا ہے۔ اس نے کتنی صفائی سے کام کیا اگر مجھے شک نہیں ہوتا اور میں خوش قسمتی سے لاش نہ دیکھ لیتا تو ممکن ہے اس وقت ہم پولیس کی تحویل میں ہوتے۔''

''آپ کہتے ہو نا مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔'' بیتو فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ہم سڑک کے ساتھ چل رہے تھے لیکن یہ راستہ بہت طویل ہو جاتا اس لیے میں نے آب پارہ مارکیٹ والا راستہ اختیار کیا جو شارٹ کٹ تھا اور اس میں کسی کی نظر میں آنے کا خطرہ بھی کم تھا میرے دشمنوں نے جس طرح مجھے آتے ہی لاک کر لیا تھا اب مجھے مزید محتاط ہو جانا چاہیے تھا۔ گلیوں میں راستہ تو کم پڑتا ساتھ ہی یہاں پولیس سے سامنا

ہونے کا امکان بھی کم تھا۔

''یہ تو ہے لیکن پھر بھی یہ میرا ملک ہے اور یہاں رہنے والا ہر فرد میرا دشمن نہیں ہے اس طرح میں اس ملک کے قانون کا پابند ہوں۔''

بیتو کی سمجھ میں آیا یا نہیں آیا لیکن اس نے سر ہلا کر مجھ سے اتفاق کیا تھا ہم آب پارہ مارکیٹ کے علاقے میں داخل ہوئے یہاں رونق بہت زیادہ تھی۔ عام طور سے اسلام آباد ایک خاموش اور سنسان نظر آنے والا شہر ہے لیکن اس کے بعض علاقے ایسے ہیں جہاں ہمہ وقت رونق ہوتی ہے اور ان میں سے ایک آب پارہ مارکیٹ بھی ہے۔ پورے اسلام آباد اور اس کے آس پاس کے علاقوں سے متوسط طبقے کے لوگ جن کو راولپنڈی کی مارکیٹیں دور پڑتی ہیں خریداری کرنے یہاں آتے ہیں کیونکہ باقی مارکیٹیں بہت زیادہ مہنگی ہیں۔ ہم اس طرف چل رہے تھے جہاں سرکاری ملازمین کے لیے کوارٹرز ہیں اور سڑک پار مارکیٹ تھی۔ اچانک میں رک گیا۔ ایک کپڑوں کی دکان سے ایک شخص باہر آیا اور سڑک کے ساتھ کھڑی ہوئی پولیس موبائل کی طرف بڑھا۔ یہ پنڈی پولیس کی موبائل تھی۔ ایک لمحے کو مجھے لگا کہ میری آنکھوں کو دھوکا ہوا ہے لیکن جب وہ پولیس موبائل کی طرف بڑھا تو مجھے کوئی شک نہیں رہا تھا وہ اکرم تھا اے ایس آئی اکرم جو مرشد کا چمچہ خاص اور میرا جانی دشمن تھا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ مجھے اپنے ہاتھ سے گولی مار سکے یا اپنے آقاؤں کی ہدایت کے مطابق مجھے زیادہ سے زیادہ اذیت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت کرے۔

اکرم نے ہاتھ میں شاپرز اٹھا رکھے تھے جن میں یقیناً کپڑا تھا اس نے شاپر ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں پھینکا اور خود موبائل اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کرپٹ افسران کا منہ چڑھا گر گا دھڑلے سے سرکاری موبائل کو ذاتی استعمال میں لا رہا تھا۔ اس نے شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔ یعنی وہ ڈیوٹی پر نہیں تھا اور اسے کسی کا خوف بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے پوچھ سکتا ہے یا اس کی شکایت لگا سکتا ہے۔ اس کی شکایت کرنے والا خود پھنس جاتا۔

میں حیران ہوا تھا واپس آتے ہی مجھے نئے اور پرانے دشمن ملنے لگے تھے۔ پہلے فتح خان، پھر پروفیسر اور اب اکرم نظر آ گیا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ میں اسے چھیڑوں اور اسے اپنی صورت دکھا دوں لیکن فوراً مجھے عقل نے روک لیا۔ یہ آبیل مجھے مار والی بات ہوتی میں تو دشمنوں سے بھاگ رہا تھا اور یہاں ایک کو پیچھے لگا لینے کا خیال آ رہا تھا۔ اکرم نے موبائل اسٹارٹ کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بیتو بھی رک گیا تھا اور اس نے اکرم میں میری دلچسپی محسوس کر لی تھی۔

''شوبی بھائی یہ کون ہے؟''

''ایک اور حرامزادہ ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کا نام اکرم ہے اور یہ میرے جانی دشمنوں میں سے ایک ہے۔''

بیتو نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے آپ کا دشمن ایک ایک کر کے سامنے آ رہا ہے اور ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔''

''فی الحال ان کا وقت نہیں آیا ہے۔'' میں نے مارچ پھر سے شروع کر دی۔ ''جب ان کا وقت آئے گا تو

یہ ایسے مر جائیں گے جیسے راج جیسا شخص کتنے عبرت ناک انداز میں مر گیا تھا۔"
بیتو نے سوچا اور قائل ہو کر بولا۔"یہ تو آپ ٹھیک بولا...... آپ کا دشمن اچانک ہی مر جاتا ہے۔"
میں نے تصحیح کی۔"میرا دشمن نہیں بلکہ ہر فرعون اسی طرح اچانک عبرت کا نشان بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ دوسرے فرعون اس سے سبق حاصل نہیں کرتے ہیں۔"
"شوبی بھائی کبھی کبھی ہم سوچتا کہ بھگوان نے یہ برا لوگ کیوں بنایا؟"
"بھگوان نے نہیں بنایا بلکہ انسان خود اچھا برا ہوتا ہے۔ وہ سب کو برابر کا موقع دیتا ہے۔ کچھ لوگ انسانوں کو اذیت دینے والے بن جاتے ہیں اور کچھ انسانوں کو آسانی دینے والے بن جاتے ہیں اکثر ایسے ہوتے ہیں جو کسی کو نہ اذیت دیتے ہیں اور نہ آسانی دیتے ہیں۔"
"پر یہ بڑا لوگ ہی کیوں برا بنتا ہے؟"
"نہیں چھوٹے طبقے سے تعلق رکھنے والے بھی کم نہیں ہوتے ہیں۔ فتح خان اور اکرم دونوں چھوٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔" میں نے تردید کی
ہم پیدل مارچ کرتے کرتے خاصا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ بیتو نے شکایت کی۔"ہمارا ٹانگ دکھ گیا ہے اتنا تو پہاڑ پر سفر کرتے ہوئے بھی نہیں دکھا تھا۔ ہم کہاں جا رہا ہے؟"
"میرے ایک دوست ندیم کے گھر۔" میں نے کہا۔
"ندیم بھائی...... وہ وکیل؟" اس نے کہا۔
"ہاں وہی۔"
بیتو کسی فکر میں پڑ گیا۔"آپ کا دشمن جانتا ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے؟"
"اچھی طرح جانتے ہیں۔" میں نے بتایا۔"وہ بے چارہ کئی بار میری وجہ سے مشکل میں بھی پڑ چکا ہے۔"
"تو یہ تو اچھا نہیں ہوگا کہ ہم اس کو جا کر خطرے میں ڈالے آپ کا دشمن یقیناً وہاں نگرانی کرتا ہوگا۔"
میں رک گیا۔ میں نے اس بارے میں تو سوچا ہی نہیں تھا کہ میرے دشمن بھی میری تلاش میں ہوں گے اور ان کو معلوم ہے کہ اس شہر میں ندیم ہی میرا سب سے بڑا ہمدرد اور دوست تھا۔ وہ یقیناً اس کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں اور منتظر ہوں گے کہ میں وہاں پہنچوں تو وہ مجھے دبوچ لیں یا اوپر پہنچا دیں۔ بیتو نے بروقت یہ بات کی تھی اگر ہم ندیم کے گھر پہنچ جاتے تو سوچنے کا وقت بھی کہاں ہوتا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔
"تم نے بروقت خبردار اور پریشان کر دیا۔"
بیتو نے دانت نکالے۔"پریشان کیسے کر دیا؟"
"پریشان یوں کہ اب ہم کہاں جائیں گے۔ ندیم سے رابطہ کیسے کریں۔"
بیتو نے سوچا۔"ہاں ہمارے پاس تو ایک روپیہ بھی نہیں ہے انہوں نے سب نکال لیا۔"
"ہاں ستر ہزار ایسے ہی چلے گئے۔" میں نے سرد آہ بھری۔"خیر جس نے پہلے دیا تھا وہی اب بھی دے گا۔"
سورج غروب ہو گیا تھا اور تاریکی بہت تیزی سے چھائی تھی۔ اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں لیکن ساتھ ہی

موسم دھند آلود ہونے لگا تھا اور دھند ذرا سی دیر میں خاصی ہوگئی تھی۔ دس گز دور کی چیز بھی مشکل سے نظر آ رہی تھی اور ساتھ ہی سردی میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ ہم سڑک کے کنارے چل رہے تھے اور ہمیں خیال نہیں آیا تھا کہ ایسی دھند میں ہمیں فٹ پاتھ پر ہونا چاہیے تھا کیونکہ سڑک سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ سامنے سے ایک بھاری ٹرک آ رہا تھا اور وہ دھند کی پروا کیے بغیر دندناتا ہوا ہمارے پاس سے گزر گیا۔

اس ٹرک کے شور میں عقب سے آنے والی ایک چھوٹی سوئفٹ کار کا پتا ہی نہیں چلا تھا اور جب وہ سر پر آ گئی اور روشنی ہوئی تو مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا بیتو فٹ پاتھ کی طرف تھا اور میں نے اسے دھکا دیا خود میں بھی ساتھ ہی گیا تھا لیکن کار کا بونٹ میرے بائیں گھٹنے کے پاس لگا اور میں اچھل کر بیتو پر جا گرا تھا۔ ڈرائیور کو بھی احساس ہوگیا تھا اور اس نے بریک لگائی تھی اس کے باوجود کار خاصی رفتار سے ٹکرائی تھی اور میری ٹانگ میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی۔ بیتو پر گرنے کے بعد میں لڑھک کر فٹ پاتھ پر گرا تھا۔ اس دوران میں کار رک گئی اور اس سے اتر کر ڈرائیور ہماری طرف لپکا۔ اتفاق سے سڑک کے اس حصے میں اسٹریٹ لائٹ دور ہونے کی وجہ سے تاریکی کا راج تھا اور بمشکل ہی کچھ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں تھام لیا تھا اور اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فریکچر تو نہیں ہوا ہے۔

''میرے خدا۔'' پاس سے ایک سریلی آواز آئی تھی۔ ''کس کو چوٹ لگی ہے؟''

عورت کی آواز سن کر بیتو بھی شاید دب گیا تھا ورنہ کوئی مرد ہوتا تو وہ اس سے بھڑ جاتا۔ وہ میرے پاس بیٹھا تھا۔ عورت بھی پاس آ گئی اس کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس کے پاس سے بہت تیز پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''یہاں تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے ایک منٹ میں کار لاتی ہوں۔''

وہ واپس گئی اور کار ریورس کر کے لائی۔ اس کی ہیڈ لائٹ سے یہ جگہ روشن ہوگئی تھی وہ کار سے اتر کر آئی تو میں نے پہلی بار اسے دیکھا وہ تقریباً بتیس تینتیس برس کی دل کش اور ذرا ماڈرن نظر آنے والی عورت تھی اس نے سیاہ رنگ کی ساڑھی اور جسم کا ہم رنگ بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اور اسی وجہ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ بلاؤز خاصا مختصر ہے۔ اس نے بیتو سے کہا۔ ''اسے کار میں لاؤ۔''

عورت سے بحث یا بات کرنے کا وقت نہیں تھا اور یہ بھی اس کی مہربانی تھی کہ وہ ٹکر مار کر فرار نہیں ہوئی تھی۔ بیتو نے سہارا دے کر مجھے کار کی عقبی نشست پر بٹھایا اس دوران میں میری پنڈلی والا حصہ سوجنے لگا تھا لیکن یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ فریکچر ہے یا نہیں ہے۔ میں نے پاؤں سیدھا رکھا تھا اور بیتو کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی یہ بات محسوس کر کے عورت نے بیتو کو آگے آنے کو کہا۔ وہ بہت پُر اعتماد عورت تھی جو رات میں دو مردوں سے اس طرح برتاؤ کر رہی تھی۔ اسے خوف نہیں تھا کہ ہم اس سے کوئی بدتمیزی کر سکتے تھے اور اس سے نقصان کا بدلہ لے سکتے تھے۔

''آئی ایم سوری مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوا۔ اصل میں ٹرک والا بہت غلط طریقے سے جا رہا تھا اس سے بچنے کے لیے میں کنارے پر ہوئی تھی ورنہ اس موسم میں، مَیں ہمیشہ سڑک کے درمیان میں ڈرائیو کرتی ہوں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے درد برداشت کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا قصور تھا بھی تو آپ نے اپنے

سلوک سے اس کی تلافی کر دی ہے۔''

''میں تم کو اسپتال نہیں لے جا سکتی ہوں پولیس انکوائری شروع ہو جاتی ہے لیکن میں گھر پر ڈاکٹر بلا لوں گی۔''

بیتو نے اس کے پاس موبائل دیکھ لیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔''آپ ابھی ڈاکٹر کو بول دو۔''

''ہاں یہ تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔''عورت نے کہا اور موبائل اٹھایا اس نے کسی ڈاکٹر ریاض کو کال کی۔

''ریاض میں بات کر رہی ہوں شہلا...... ہاں گھر آ جاؤ ایک زخمی کو دیکھنا ہے...... پاؤں پر چوٹ آئی ہے...... نہیں...... تم آ کر دیکھ لینا۔'' اس نے موبائل رکھ دیا اور بولی۔''سوری میں نے بتایا نہیں میرا نام شہلا رضوی ہے۔''

''شبیر۔'' میں نے کہا۔''اور یہ شریف ہے۔''

میں نے بیتو کا منہ نہیں دیکھا تھا لیکن مجھے یقین تھا اس نے پھر برا سا منہ بنایا ہوگا۔ شہلا نے کار آب پارہ میں ایک پوش علاقے میں موڑی۔''شبیر تم کیا کرتے ہو؟''

''میں ایک مل میں سپر وائزر ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کہیں پاس رہتے ہو؟''

''نہیں فیض آباد میں رہتا ہوں یہاں ایک دوست سے ملنے آئے تھے اور واپس جا رہا تھا۔'' میں خود کو اس سامنے عام سا آدمی بنا کر پیش کر رہا تھا۔ تاکہ وہ خاص طور سے ہماری طرف متوجہ نہ ہو۔ دو منٹ بعد اس نے کار ایک بنگلے کے سامنے روکی۔ ہارن پر چوکیدار نے دروازہ کھولا اور وہ کار اندر لے گئی۔ یہ دو کنال کی کوٹھی تھی۔ چوکیدار گیٹ بند کر کے آیا تو شہلا نے اترتے ہوئے اس سے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''دیکھو...... یہ آدمی زخمی ہے اسے احتیاط سے اندر گیسٹ روم میں لے آؤ۔'' یہ کہہ کر وہ کھٹ کھٹ کرتی اندر چلی گئی اور اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں آتے ہی اس کے رویے میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ راستے میں وہ میری جتنی ہمدرد بن رہی تھی اب اتنی نہیں رہی تھی۔ چوکیدار نے مجھے بیتو کے ساتھ سہارا دے کر گیسٹ روم تک پہنچایا۔ یہ ایک سادہ لیکن اچھے انداز میں سجا کمرہ تھا۔ مجھے بستر پر لٹا کر چوکیدار کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بیتو نے آہستہ سے کہا۔

''شوبی بھائی...... اس عورت کا انداز نہیں بدل گیا ہے؟''

''ہاں میں نے بھی محسوس کیا ہے۔'' میں نے کہا۔ میں نے کوشش کر کے اپنی پاجامے نما پتلون کا پائنچہ اوپر کر لیا تھا۔ گھٹنے سے ذرا نیچے سے پنڈلی سوج گئی تھی اور اس پر چوٹ کا نیلگوں نشان نمایاں تھا۔ درد میں اضافہ ہوا لیکن اتنی دیر میں مجھے اس کی عادت ہو گئی تھی ویسے بھی چوٹیں اور درد میرے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں رہے تھے۔ بیتو نے مجھے وہیں موجود بوتل سے پانی پلایا۔ وہ بہت بے چین تھا اور شہلا سے جا کر بات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔ اس طرح کسی کے گھر میں گھومنا پھرنا درست نہیں تھا۔ کوئی بیس منٹ بعد شہلا ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ اندر آئی اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔''چیک کر کے بتاؤ فریکچر تو نہیں ہے۔''

ڈاکٹر نے میری ٹانگ کا معائنہ کیا اور بولا۔''فریکچر تو نہیں لگ رہا ہے لیکن صبح تک سوجن کم نہیں ہوئی تو

ایکسرے کرنا پڑے گا۔"

شہلا سوچ میں پڑ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے سر ہلایا۔ "اوکے ٹریٹ کرو صبح دیکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے میری ٹانگ پر ایک مرہم جیسی چیز لگا کر اوپر سے سخت بینڈ یج کر دی۔ اس سے تکلیف بڑھ گئی تھی۔ جسے کم کرنے کے لیے اس نے مجھے ایک انجکشن دیا اور کچھ گولیاں کھلائیں۔ انجکشن لگتے ہی مجھے اپنی تکلیف میں کمی محسوس ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ٹانگ سیدھی رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت ہو گیا اور اس کے جانے کے بعد بیتو نے سرگوشی میں کہا۔ "شوبی بھائی کھانے کا کیا ہو گا؟"

"کچھ نہ کچھ تو ہو گا یار اگر خدا نے آج رات رزق نصیب میں رکھا ہے تو ضرور ملے گا۔" میں نے بے زاری سے کہا میرے ذہن پر ندیم سوار تھا اس کی بات نے مجھے بے چین کر دیا تھا اور جب تک میں اس سے ملاقات نہیں کرتا یہ بے چینی دور نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس چوٹ نے مجھے فی الحال اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا۔

ابھی ہم بات کر رہے تھے کہ شہلا کمرے میں آئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "تم دونوں یہیں رکو اور کچھ دیر میں کھانا آ جائے گا۔ رات میں باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ رات کو باہر کتا ہوتا ہے اور وہ کسی بھی اجنبی پر حملہ کر دیتا ہے۔"

اس کی بات سن کر نہ جانے کیوں پروفیسر کا خیال آ گیا اس نے بھی ہمیں فرار سے روکنے کے لیے لان میں کتا رکھا ہوا تھا اور یہ بھی کتے سے ڈرا رہی تھی جب کہ اس کا مجھ سے ایسا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ ہم نے اسے نہیں کہا تھا وہ خود ہمیں اپنے گھر لائی تھی۔

میں نے اس سے کہا۔ "آپ ہمیں یہاں رکھنے کے بجائے اپنے ڈرائیور کے ذریعے میرے گھر بھیج دیں۔"

"ڈرائیور نہیں ہے وہ گیا ہوا ہے کل صبح تک آئے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ کام کل سے پہلے نہیں ہو سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تب مجھے اپنے گھر والوں کو فون کر کے بتانا ہو گا۔ ورنہ وہ پریشان ہوں گے۔ اسے بھی اپنے گھر فون کرنا ہے۔"

"فون اوپر ہے تم نمبر بتا دو میں کہہ دیتی ہوں صبح تم کو گھر بھیج دوں گی ابھی ڈرائیور چھٹی پر گیا ہوا ہے۔"

میں نے اسے ندیم کا نمبر دیا۔ "یہ میرا بھائی ندیم بھٹی ہے آپ اسے اطلاع دے سکتی ہیں اور اگر وہ آ کر مجھے لے جانا چاہے تو اپنے گھر کا پتا دیجئے گا۔"

"اوکے۔" اس نے نمبر نوٹ کر لیا اور وہاں سے چلی گئی۔ اس کی بات نامعقول نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ سچ نہیں کہہ رہی ہے اور وہ اس بہانے ہمیں یہاں روکنا چاہتی ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ کیوں روکنا چاہتی تھی۔ وہ کھانا بھجوانے کا کہہ کر چلی گئی۔ کمرے کے ساتھ واش روم تھا میں بیتو کی مدد سے واش روم سے ہو آیا۔ ویسے انجکشن لگنے کے بعد مجھے تکلیف اتنی نہیں ہو رہی تھی لیکن پھر بھی میں نے ٹانگ پر زور دینے

سے گریز کیا تھا۔ کھانا آ گیا میں نے اور بیتو نے کھانا کھایا اور اس کے بعد جب ملازمہ برتن لے گئی میں نے بیتو سے کہا۔

''تم ذرا باہر جا کر دیکھو۔''

''کیا دیکھوں؟''

''مجھے لگ رہا ہے ہمیں یہاں قید کر دیا گیا ہے۔'' اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔

''ہم کو ایسا نہیں لگتا شوبی بھائی۔''

''لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ایسا ہی کچھ ہوا ہے۔ ایسا کرو تم ذرا باہر لان تک جا کر دیکھو اور اگر کتا نظر آئے یا تم پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو تم فوراً اندر آ جانا۔''

گیسٹ ہاؤس کوٹھی کے لان کے ساتھ ایسے تھا کہ اس کا کوٹھی کے اندر والے حصے سے کوئی تعلق نہیں بن رہا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری کے ساتھ دو کمرے تھے جن کی کھڑکیاں پہلو والے باغ میں کھلتی تھیں لیکن دروازے راہداری میں ہی کھلتے تھے۔ بیتو کو بھی کتے سے ڈر لگتا ہے لیکن میرے کہنے پر وہ باہر گیا اور فوراً ہی تیزی سے اندر آیا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''ہم نے دروازہ کھولا تو باہر گدھے کے برابر کتا پہلے سے تھا۔''

''گدھے کے برابر کتا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''کہیں گدھا ہی تو نہیں ہے۔''

''نہیں کتا ہی ہے۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''گدھا اتنا لمبا زبان نہیں نکال سکتا ہے۔''

گویا کتا ہماری نگرانی کے لیے گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر ہی موجود تھا۔ یعنی شہلا نہیں چاہتی تھی کہ ہم رات کے وقت باہر نکلیں۔ اس کے رویے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آ رہی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ہم باہر چلے گئے اور حادثے کے بارے میں کوئی رپورٹ وغیرہ کروا دی تو وہ پھنس جائے گی حالانکہ وہ ہمیں اپنی گاڑی میں ندیم کے گھر چھڑوا دیتی تب بھی میں اس کا احسان مند ہوتا۔ مگر شاید وہ کسی پر اعتماد کرنے والی عورت نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خود مختار عورت تھی اور اس کوٹھی میں اکیلی ہی رہتی تھی۔

''کیا یہاں سے باہر جانے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''

بیتو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں بس ایک یہی راستہ ہے۔''

گویا ہم ایک طرح سے یہاں قید ہو گئے تھے۔ کتا یقینی طور پر ہماری نگرانی کے لیے باہر موجود تھا۔ اگر میں فٹ ہوتا تو شاید میں یہاں سے نکلنے کی سوچتا ہوں لیکن اس حالت میں میرا چلنا بھی محال تھا یہاں سے فرار کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بیتو میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس حالت میں بھی یہاں سے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔ وہ مجھ پر کچھ اس طرح اعتماد کرتا تھا جیسے میں کوئی الہ دین کے چراغ کا جن تھا اور ہر مسئلے کا حل نکال سکتا تھا لیکن واقعتاً میں چراغ کا جن نہیں بلکہ ایک عام انسان ہوں۔ جب میں کسی معاملے میں مدافعت کرتا ہوں اور کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت نہیں کرتا تو قدرت بھی میری مدد کرتی ہے ورنہ میں کوئی سپرمین نہیں ہوں جو ہر مسئلے سے نمٹ لوں اور میرا بال بھی بیکا نہ ہو۔

''شوبی بھائی اب کیا کرے؟''

''آرام یار۔'' میں نے بستر پر پھیل کر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''کھا پی لیا ہے اب علاج بھی ہو چکا ہے تو صبح تک آرام کرتے ہیں۔''

''اس کے بعد؟'' بیتو بھی لیٹ گیا وہ سمجھ گیا کہ میرا ابھی کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

''شہلا رضوی سے بات ہوتی ہے۔ ظاہر ہے وہ ہمیں یہاں ہمیشہ کے لیے تو قید نہیں کر سکتی ہے۔ صبح اگر اس ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ کوئی سیریس معاملہ نہیں ہے تو وہ ہمیں جانے دے گی۔ میرا خیال ہے اس نے اسی وجہ سے ہمیں روک کر رکھا ہے کہ کہیں ہم باہر جا کر اس کے خلاف رپورٹ نہ کروا دیں۔''

''یہ ہم پر اعتبار نہیں کر رہا ہے۔''

''ظاہر ہے وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے اس لیے اعتبار بھی نہیں کر سکتی ہے۔ اگر چہ اس طبقے کے لیے لوگوں کے لیے یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے لیکن شاید وہ کسی وجہ سے بات پو یں تک نہیں لے جانا چاہتی ہے۔''

بیتو نے میری بات پر غور کیا۔ ''اس کا مطلب ہے یہ کوئی دو نمبر عورت ہے ورنہ پولیس سے کون ڈرتا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے ہمارے ہاں جس نے کچھ نہ کیا ہو وہی سب سے زیادہ پولیس سے ڈرتا ہے لیکن تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہ جس طبقے سے تعلق رکھتی ہے اس میں دو نمبر لوگ پولیس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

بیتو نے اندر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ ''اب کوئی اندر نہیں آ سکتا ہے۔ آپ سو جاؤ ہم جاگ رہا ہے۔''

انجکشن اور دوا لینے سے مجھے غنودگی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ سو جاؤں۔ اب جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ ذرا سی دیر میں، میں سو چکا تھا۔ اس کے بعد رات کسی وقت میری آنکھ کھلی تو میرا گلا خشک ہو رہا تھا اور مجھے شدید قسم کی پیاس لگ رہی تھی۔ درحقیقت پیاس کی وجہ سے میری آنکھ کھلی تھی۔ یہ دوا کا اثر تھا اینٹی بایوٹک دوائیں جسم میں گرمی پیدا کرتی ہیں جس کے اثر سے پیاس بہت زیادہ لگتی ہے۔ میں نے سرہانے رکھے جگ کو دیکھا تو اس میں پانی بہت کم تھا۔ اسے پی کر میری تسلی نہیں ہوئی تھی لیکن اب اور پانی نہیں تھا اس لیے میں صبر کر کے لیٹ گیا لیکن یہ چند گھونٹ پانی میری پیاس بجھانے کے بجائے بڑھانے کا سبب بن گیا تھا۔ چند منٹ میں پیاس کی شدت اتنی بڑھ گئی کہ میں بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

بیتو جو خود جاگنے کا کہہ کر مجھے سونے کا مشورہ دے رہا تھا اب خود خراٹے لے رہا تھا۔ میں نے اسے جگانے کا سوچا لیکن پھر ارادہ ملتوی کر کے خود بستر سے اتر آیا۔ سخت بینڈیج کی وجہ سے میری ٹانگ بالکل سیدھی ہو رہی تھی۔ میں نے بستر کا سہارا لے کر پاؤں زمین پر رکھا تو میرا خیال تھا کہ گھٹنے میں تکلیف کی شدید لہر اٹھے گی۔ جیسا کہ رات سونے سے پہلے باتھ روم جاتے وقت اٹھی تھی لیکن اس وقت مجھے خاصا تعجب ہوا کہ گھٹنے میں کوئی تکلیف نہیں اٹھی۔ میں نے آزمانے کے لیے مزید دباؤ ڈالا تب بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں پورا کھڑا ہو گیا اور میں نے بستر کا سہارا چھوڑ دیا تھا۔ اس بار گھٹنے میں بہت معمولی سی تکلیف ہوئی تھی اور اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ میں نے چلنا شروع کیا تو اس میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ چند گھنٹے کے اندر

چوٹ اس حد تک درست ہوگئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔

اس سے پہلے بھی کئی بار مجھے جب شدید چوٹ لگی تو وہ حیرت انگیز بہت جلدی ٹھیک ہوگئی یہ چوٹ بھی اسی طرح جلدی ٹھیک ہوگئی تھی۔ میں نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر پٹی کھول دی اور اپنے گھٹنے کا معائنہ کیا۔ سوجن بہت معمولی سی رہ گئی تھی۔ جب کہ نیل بھی کم رہ گیا تھا۔ پٹی ایک طرف پھینک کر میں نے پھر چل پھر کر دیکھا۔ اس بار بھی درد نہ ہونے کے برابر تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیوں کہ جیسا درد ہو رہا تھا اور گھٹنا جتنا سوج گیا تھا مجھے امید نہیں تھی کہ میں دو تین دن سے پہلے اپنے پیروں پر صحیح طریقے سے چل سکوں گا لیکن اب میری چوٹ تقریباً ٹھیک ہوگئی تھی اور میں آرام سے چل پھر رہا تھا۔

یہ سب حکیم قادس کے علاج کے بعد شروع ہوا تھا اس نے میرے ہاتھ کو ٹھیک کرنے کے لیے مجھے اتنی دوائیں دی تھیں کہ ان کا معجزاتی اثر مستقل ہوگیا تھا۔ اب مجھے کوئی تکلیف ہوتی تھی یا چوٹ لگتی تھی تو وہ غیر معمولی تیزی سے مندمل ہو جاتی تھی۔ ان میں گولیوں سے لگنے والے زخم بھی شامل تھے۔ میں نے واش روم کا رخ کیا اور بیس کے نل سے گلاس بھر کر پیاس بجھائی۔ تب مجھے ذرا سکون ملا تھا۔ لگتا تھا ڈاکٹر نے مجھے بھاری اینٹی بایوٹک اور پین کلر دوائیں دی تھیں۔ جن کی گرمی سے میری پیاس بھڑک اٹھی تھی۔ واش روم بہت سرد ہو رہا تھا اس لیے میں جلدی سے کمرے میں آگیا۔ کمروں میں شاید مرکزی گرمائش کا کوئی نظام کام کر رہا تھا اس لیے یہاں سردی کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا تھا۔ بیتو بدستور خراٹے لے رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر گرنے کے دوران میرے کپڑے کسی قدر خراب ہوئے تھے۔ میں نے واش روم میں پانی پینے کے بعد انہیں صاف کر لیا۔ میرا سر ہلکا سا بھاری ہو رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ مجھے لیٹتے ہی نیند آ جائے گی لیکن کچھ دیر بعد بھی میں جاگتا رہا تھا۔ جب نیند نہیں آئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میں نے پہلے راہداری میں دیکھا اس کے ایک طرف پائیں باغ میں کھلنے والی بڑی سی کھڑکی تھی لیکن اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس پر موٹی فولادی گرل تھی۔ دوسری طرف ایک دروازہ تھا جو لان میں کھلتا تھا۔ جس کے باہر بیتو نے کتا دیکھا تھا۔ میں نے بہت آہستگی اور احتیاط سے دروازہ کھولا۔ باہر لان میں روشنی تھی لیکن مجھے کتا کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ مگر اس کی آس پاس موجودگی یقینی تھی۔

میں نے سوچا اور ذرا سا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اس دوران میں، مَیں کسی قسم کی آواز کرنے سے گریز کیا تھا کیونکہ کتے کی سونگھنے کے ساتھ سننے کی حس بھی بہت تیز ہوتی ہے۔ رات کے اس سناٹے میں وہ معمولی سی آواز بھی سن سکتا تھا۔ میں دبے قدموں باہر آیا اور میں ہر طرف سے محتاط تھا کتا کسی طرف سے بھی آتا میں اسے دیکھ لیتا اور وہ کتنا ہی تیز کیوں نہ ہوتا اس کے آنے سے پہلے میں واپس اندر گھس کر دروازہ بند کر لیتا۔ گیسٹ ہاؤس کے دروازے کے ساتھ ہی کوٹھی میں اندر جانے والا ایک دروازہ تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ گیسٹ ہاؤس کو اس طرح بالکل الگ تھلگ کر دینے کا کیا مقصد تھا۔

میں نے آہستہ سے دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا اور یہ دیکھ کر مجھے ذرا حیرت ہوئی کہ وہ کھلا ہوا تھا۔ ایک طرف تو شہلا اتنی محتاط تھی کہ اس نے کتا ہماری نگرانی پر مامور کر دیا تھا تو دوسری طرف اس نے کوٹھی کا دروازہ

کھلا چھوڑ رکھا تھا لیکن اس کی ایک وجہ تو اس کا کتے کی وجہ سے اطمینان ہوسکتا تھا اور دوسری وجہ شاید اس کی نوکرانی کی غفلت ہوسکتی تھی۔ وہ ہمارے لیے کھانا اور پانی لے کر آتی تھی اس نے غلطی سے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔

یہ میرے لیے اچھا موقع تھا اور میں تیزی سے اندر گھس گیا۔ عقب میں دروازہ آہستہ سے بند کر کے میں سن گن لینے لگا۔ ایک تو مجھے کتے کی فکر تھی اگر اس نے آہٹ سن لی تو وہ بھونک بھونک کر بتا دیتا کہ کوئی کوٹھی کے اندر گھسا ہے۔ دوسرے مجھے اندر کسی کا سامنا ہونے کا خطرہ تھا۔ میرا اس طرح بنا اجازت کوٹھی میں گھسنا جرم کے زمرے میں آتا تھا۔ اگر میں پکڑا جاتا تو معاملہ یقیناً پولیس تک جاتا لیکن کچھ دیر تک مجھے اندر باہر سے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تو میں مطمئن ہوگیا۔ یہ جگہ ہال وے تھی۔ اس میں ایک راہداری کے ساتھ سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں اور اس کے بعد ایک ہال تھا جو یقیناً نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

میں نے سوچا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ شہلا کا بیڈروم اوپر ہی ہوگا۔ اس کوٹھی سے باہر جانے کے لیے مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی۔ میں دبے قدموں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ سیڑھیاں ایک چھوٹے سے لاؤنج میں نکلی تھیں جہاں ایک طرف بڑی اسکرین کا ایل سی ڈی ٹی وی رکھا تھا اور اس کے سامنے دو افراد کی گنجائش والا آرام دہ صوفہ رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک گلاس ٹاپ چھوٹی میز تھی۔ لاؤنج کے ساتھ تین طرف کمرے تھے اور چوتھی طرف ایک عدد ٹیرس تھا۔ جس پر چھت بھی تھی اور سامنے سے کھلا ہوا بھی تھا ٹیرس کی طرف والی دیوار مکمل شیشے کی تھی۔ لاؤنج کا معائنہ کر کے میں ایک کمرے کی طرف بڑھا تھا کہ میری نظر ایک طرف تپائی پر رکھے چھوٹے سے فون سیٹ پر پڑی۔ یہ اتنا چھوٹا تھا کہ ایک نظر میں تو اس کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ فون سیٹ ہے۔

مجھے اسی چیز کی تلاش تھی۔ میرے پاس ندیم کا نمبر تھا اور رات کے تین بجے وہ یقینی طور پر گھر میں موجود ہوگا میں اس سے رابطہ کر کے اس مصیبت سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا کہ شہلا کی آواز سن کر میں ساکت ہوگیا۔ اسپیکر کی کوالٹی اتنی اچھی تھی کہ ایک لمحے کو مجھے لگا کہ وہ میرے عقب میں کھڑی بول رہی ہے لیکن آواز فون ہی سے آئی تھی۔ شہلا کسی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔''

''میری جان دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا ہے۔'' ایک مردانہ آواز نے کہا لیکن اس کے لہجے میں الفاظ کے برعکس دھمکی تھی۔

''تم سمجھنے کی کوشش کرو اگر رضوی کو پتا چل گیا۔ وہ اس معاملے میں بہت سخت ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' مرد کا لہجہ زہریلا ہوگیا تھا۔ اسے ایمان داری کا مرض ہے اور یہ ناقابلِ علاج ہو چکا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اسے معلوم ہی کیوں ہوگا؟''

''جب میں دو دن کے لیے گھر سے غائب ہوں گی تو اسے معلوم نہیں ہوگا؟'' شہلا نے بھنا کر کہا۔

''وہ تین دن کے لیے کراچی گیا ہے۔ پھر تمہیں صرف ایک دن کے لیے آنا ہے۔ اصل میں تمہیں بیگم صاحبہ کا کردار ادا کرنا ہے۔ جب کوٹھی مل جائے گی تو تمہارا کام ختم۔''

''میرا سائن، میرا آئی ڈی کارڈ سب استعمال ہوگا اور جب تم غائب ہو جاؤ گے تو کوٹھی کا مالک میرے پاس دوڑا آئے گا۔''

''اس بار ایسا نہیں ہوگا۔''

''سوری نفیس میں تم سے بہت دھوکے کھا چکی ہوں اب مزید نہیں کھا سکتی۔''

میں چونکا تھا۔ مجھے مرد کا لہجہ پہلے ہی جانا پہچانا لگ رہا تھا شہلا نے اس کا نام لیا تو مجھے یاد آ گیا۔ وہ پروفیسر تھا اور اس کے ساتھ ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا۔ اگر شہلا کا پروفیسر سے کوئی تعلق تھا تو کیا اسے نہیں معلوم تھا کہ میں پروفیسر کی قید سے نکلا تھا۔ شہلا کی بات پر پروفیسر ہنسا۔

''لیکن تم مزید دھوکے کھانے سے انکار نہیں کر سکتی ہو؟''

شہلا کچھ دیر دانت پیستی رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''نفیس کاش کہ تمہارے پاس میری وہ تصویریں نہ ہوتیں تو میں تمہیں دیکھ لیتی۔''

''ہاں تم مجھے دیکھ سکتی ہو۔ تمہارا شوہر ایک بائیس گریڈ کا سرکاری افسر ہے اور تم خود ایک لینڈ لارڈ فیملی سے تعلق رکھتی ہو لیکن مکافات عمل دیکھو بعض اوقات تم جیسے فرعون بھی مجھ جیسے معمولی سے شخص کے سامنے عاجز ہو جاتے ہیں تو کل تم آ رہی ہو؟''

''ہاں آ رہی ہوں۔'' شہلا نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''لیکن میں ایک خود ایک چکر میں ہوں کل شام کلب سے آتے ہوئے ایک شخص میری کار سے ٹکرا گیا تھا میں اسے گھر لے آئی ہوں کہیں پولیس کے پاس نہ بھاگ جائے۔ اسے سے نجات حاصل کر کے آتی ہوں۔''

''میں بارہ بجے تمہیں اس کوٹھی کے پاس ملوں گا۔''

شہلا نے اچانک فون رکھ دیا۔ پروفیسر نے بھی ریسیور رکھ دیا تھا اور میں ریسیور اٹھائے سوچ رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے کہ ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے شہلا نمودار ہوئی۔ اندر کا موسم خوشگوار حد تک گرم تھا اور اس نے ایک نہ ہونے کے برابر نائٹی پہن رکھی تھی۔ وہ شاید کسی وجہ سے باہر آئی تھی کیونکہ مجھے دیکھ کر وہ بری طرح چونکی تھی اور اس کے چہرے پر بیک وقت تعجب اور خوف کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ اسی لمحے میں نے سیڑھیوں پر ایک گدھے کے برابر سیاہ کتا نمودار ہوتے دیکھا۔ اس کی کوئی فٹ بھر لمبی زبان بھیانک جبڑوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں دو طرف سے پھنس چکا تھا۔

اگر میں سوچنے میں ایک لمحہ ضائع کرتا یا کشمکش میں پڑتا تو یقیناً مارا جاتا۔ میں نے کتے کو دیکھتے ہی جست لگائی اور شہلا کو سمیٹتا ہوا اس کے کمرے کے دروازے میں گھس گیا۔ عقب سے کتا غراتا ہوا لپکا تھا لیکن میں اس سے پہلے ہی دروازہ بند کر چکا تھا۔ وزنی کتا کسی بگولے کی طرح دروازے سے ٹکرایا اور دروازہ ہل کر رہ گیا تھا۔ شکر ہے وہ بہت مضبوط ٹھوس لکڑی کا دروازہ تھا اگر ہلکا پلائی کا ہوتا تو کتا اسے توڑ چکا ہوتا۔ شہلا نے ایک چیخ ماری تھی لیکن میں نے اسے دوسری چیخ مارنے کا موقع نہیں دیا اور اس کا منہ بند کر دیا۔ کتا بھونکتے اور غراتے ہوئے دروازے سے ٹکرا رہا تھا۔ اس نے بجا طور پر محسوس کر لیا تھا کہ اس کی مالکن خطرے میں ہے۔

''شہلا ..... اسے چپ کراؤ اور نیچے جانے کا حکم دو۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ تمہاری یہ نازک گردن ایک

منٹ میں ٹوٹ جائے گی۔''

شہلا نے جلدی سے سر ہلایا یعنی وہ میری بات ماننے کو تیار تھی پھر بھی اس کے منہ سے ہاتھ ہٹانے سے پہلے میں نے اسے وارننگ دی۔ ''کسی کو آواز دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ مدد کے لیے آنے والے کو صرف تمہاری لاش ملے گی۔''

مجھے کھڑا اور چلتا پھرتا بلکہ جستیں لگاتا دیکھ کر شہلا پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی کیونکہ اس کے واقف کار ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میرے گھٹنے میں فریکچر ہو گیا تھا اور صبح اس گھٹنے کا ایکسرے ہونا تھا۔ میں نے اس کا منہ چھوڑا تو اس نے سہمی آواز میں کتے کو ڈانٹا۔ ''اسکوبی......شٹ اَپ۔''

تو کتے کا نام اسکوبی تھا۔ کارٹون والے اسکوبی کی نسبت یہ بھیانک کتا تھا۔ مالکن کی آواز سن کر اس کی آواز بند ہوگئی۔ پھر شہلا نے اس سے کہا۔ ''اسکوبی گو بیک ڈاؤن۔''

کتے کی سانسوں کی آواز آنا بھی بند ہوگئی۔ میں نے شک سے کہا۔ ''کیا وہ سچ مچ نیچے چلا گیا ہوگا۔''

شہلا نے سہمی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم اوپر کیسے آئے اور تمہارے تو پاؤں میں چوٹ تھی؟''

اس کا سوال نظر انداز کر کے میں نے کی ہول سے باہر دیکھا لاؤنج کا جو حصہ نظر آتا تھا اس میں تو کتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر ممکن ہے وہ کہیں آس پاس موجود ہو اور میرے باہر نکلتے ہی دبوچ لے۔ خیر اسے بعد میں دیکھا جا سکتا تھا پہلے تو اس کی مالکن کو دیکھنا تھا جو اس حلیے میں دیکھنے کے لائق تھی۔ میں نے اسے گھورا تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی اور دیگر است قسم کے خیالات اس کے چہرے کا رنگ اُڑانے لگے۔ وہ نہایت ناگفتہ بہ حلیے میں ایک اجنبی مرد کے سامنے موجود تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔

''میں نہایت شریف آدمی ہوں۔ میری ذات سے آج تک کسی خاتون کی عزت کو ذرا برابر نقصان نہیں ہوا ہے۔''

اسے ذرا تسلی ہوئی لیکن جان کی فکر تو پھر بھی باقی تھی۔ ''تم اوپر کیسے آئے؟''

''مجھے اپنے دوست کو کال کرنا تھی اور خوش قسمتی سے میں چلنے پھرنے کے قابل بھی ہو گیا تھا لیکن پہلے تم بتاؤ کہ ہمیں اس طرح کیوں قید رکھا ہے۔''

''نہیں تم لوگ کہاں قید ہو؟'' وہ صاف مکر گئی۔

میں نے اسے گھورا۔ ''میں خواتین کی عزت کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ان کو بالکل ہی معاف کر دیتا ہوں۔ خیر پہلے تم کچھ پہن لو اس کے بعد بات ہوتی ہے۔''

اس نے بستر کے ساتھ پڑا گاؤن اٹھا کر پہن لیا تھا۔ اب وہ پُر اعتماد تھی۔ ''کسی کے گھر میں یا بیڈروم میں گھسنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ہمیں یہاں کیوں قید رکھا ہے۔ جھوٹ مت بولنا ابھی میں نے تمہیں کسی سے بات کرتے ہوئے سنا ہے تم اسے بتا رہی تھیں کہ تم نے ہمیں روک رکھا ہے۔''

''اگر تم نے یہ سن لیا ہے تو یہ بھی جان گئی ہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں روکا ہے میں پولیس کے چکر میں

نہیں پڑنا چاہتی۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"حالانکہ تمہارا شوہر بائیس گریڈ کا سرکاری افسر ہے۔"

"ناصر ہی تو اصل مسئلہ ہے۔" اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ "اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میری کار سے کسی کو ضرب لگی ہے تو وہ خود ایف آئی آر درج کرا دے گا۔"

"اپنی بیوی کے خلاف؟"

"ہاں قانون کے آگے وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا ہے۔"

"ایسا سرکاری افسر ہمارے ہاں بھی پایا جاتا ہے؟"

"اسی وجہ سے زیرِ عتاب رہتا ہے نہ جانے وہ بائیس گریڈ تک کیسے پہنچ گیا۔" شہلا نے کہا۔

"اس کوٹھی میں تمہارے علاوہ اور کون ہے؟"

"ایک ملازمہ ہے اور اسی کا شوہر چوکیدار ہے۔ ڈرائیور دو دن کی چھٹی پر گاؤں گیا ہوا ہے وہ کل صبح واپس آ جائے گا۔"

"یہ میاں بیوی کہاں ہوتے ہیں؟"

"عقبی حصے میں سرونٹ کوارٹرز ہیں وہیں رہتے ہیں۔"

"یعنی اس عمارت میں کوئی اور نہیں ہے۔"

"نہیں...... ویسے تم اوپر کیسے آئے اسکوبی کے ہوتے ہوئے کوئی اس عمارت میں قدم نہیں رکھ سکتا ہے۔"

"اسکوبی کہیں اور تھا اس لیے مجھے مہمان خانے سے نکل کر یہاں آنے کا موقع مل گیا۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس نے میری بو سونگھ لی یا آہٹ سن لی اور پیچھے آ گیا۔"

مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے وہیں موجود جگ سے پانی پیا اور شہلا کی طرف دیکھا۔ "اب تم کیا کرو گے؟"

"سب سے پہلے میں اپنے دوست کو کال کروں گا۔" میں نے کہا اور فون اٹھایا۔ "مہربانی کر کے بالکل خاموش بیٹھ جاؤ اور کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ نتیجے کی ذمے دار خود ہو گی۔"

میں نے ندیم کا نمبر ملایا اور بیل جانے لگی لیکن دوسری طرف سے کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ ظاہر ہے رات کے اس پہر سب پڑے سو رہے ہوں گے۔ خاصی دیر بعد کسی نے کال ریسیو کی تو ساتھ ہی بے پناہ شور اٹھا تھا۔ کھڑکھڑاہٹ ایسی تھی کہ میں یہ بھی نہیں جان سکا کہ فون کس نے اٹھایا ہے۔ میں نے دوبارہ کوشش کی اس بار بھی وہی مسئلہ تھا۔ شور بے پناہ تھا ایسا لگ رہا تھا کہ خرابی ندیم کے گھر کی لائن میں تھی۔ پھر مجھے ندیم کے موبائل نمبر کا خیال آیا لیکن وہ مجھے یاد نہیں آیا میرے ذہن سے نکل گیا تھا میں یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"تم کسے کال کر رہے ہو؟"

"ایک دوست کو۔" میں نے کہا۔ "میں اور میرا ساتھی اسی کے پاس جا رہے تھے جب تم نے بلا وجہ درمیان میں مداخلت کی۔"

"میں نے مداخلت کی؟"

"ہاں کس کی کار نے مجھے ٹکر ماری تھی۔"

اس بار اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "تم نے کہا تھا تم اور تمہارا ساتھی کسی مل میں ورکر ہیں لیکن تمہارا لہجہ کسی طرح بھی مزدوروں والا نہیں ہے۔"

"یہ بے کار کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ نفیس کون ہے اور تم اس سے دب کر کیوں بات کر رہی تھیں۔"

"اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تعلق بھی نکل آئے گا۔ یہ تصویروں کا کیا چکر ہے؟"

اس سوال پر اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ "مم...... میں نے کہا نا...... اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اگر پروفیسر درمیان میں نہ آتا تو واقعی اس کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کے درمیان میں آنے کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اسے نظر انداز کر دیتا۔ البتہ میں شہلا پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں پروفیسر سے واقف ہوں۔ "تعلق تو ہے تم نے مجھے میرے ساتھی سمیت بلا وجہ قید کر دیا اور ہم پر ایک خون خوار کتا مسلط کر دیا۔"

"دیکھو اگر تم کہیں جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں چھوڑ کر آ سکتی ہوں تمہیں رقم چاہیے تو وہ بھی مل جائے گی۔" اس نے لالچ دی۔

"شکریہ ہم نے جانا ہوگا تو خود چلے جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

مجھ سے باتوں کے دوران شہلا غیر محسوس انداز میں سرہانے رکھے تکیے کی طرف سرک رہی تھی اور اس کی یہ حرکت مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی لیکن میں انجان بنا رہا۔ تکیے کے نیچے یقیناً کوئی ہتھیار تھا ورنہ اس کے سرکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ "میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" اس نے کہا اور لاپروائی ظاہر کرنے کے لیے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اب اس کا ہاتھ تکیے سے کچھ دور تھا۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ...... لیکن کیا نفیس والی بات تمہارے شوہر کے علم میں ہے؟"

"وہ چونکی تھی اور پھر اس کا ہاتھ بہت تیزی سے تکیے کے نیچے گیا اور جب باہر آیا تو اس میں ایک چھوٹا سا ریوالور دبا ہوا تھا جو میں نے بہت آسانی سے چھین لیا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا کہ میں کب اس کے عقب میں آ گیا تھا۔ وہ مچل کر میری طرف آئی اور میں ذرا چوکتا تو وہ میرا منہ نوچ لیتی اس کا واحد سہارا ابھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کا غصے سے برا حال تھا اور اس کی زبان سے نکلنے والی گالیاں کسی صورت اس کی شخصیت سے میچ نہیں کر رہی تھیں۔ اس کا منہ بند کرنے کے لیے میں نے پرانا اور آزمودہ نسخہ آزمایا اور وہ تھپڑ کھا کر بستر پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"سوری...... اگر تم زبان سنبھال کر بات کرتیں تو میں ہاتھ اٹھانے پر مجبور نہ ہوتا۔"

''تم سب مرد کمینے ہوتے ہو۔'' اس نے روتے روتے کہا۔

''مجھے تسلیم ہے۔ سب تو نہیں لیکن اکثر کمینے ہی ہوتے ہیں۔''

''عورت کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہو۔''

''مجبوری نہیں کمزوری۔'' اس بار میں نے تصحیح کی۔ ''تصویروں والا معاملہ کسی مجبوری کا نہیں کمزوری کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔''

وہ چپ ہوگئی اور ٹشو سے آنکھیں صاف کرنے لگی اور پھر تلخ لہجے میں کہا۔ ''پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''سب سے پہلے مجھے نفیس کے بارے میں بتاؤ۔''

''یہ ایک نام نہاد پروفیسر ہے کسی زمانے میں کسی کالج میں پڑھاتا تھا پھر اپنی ایک طالبہ سے شادی کر لی جو عمر میں اس سے آدھی تھی۔ ایک دن لڑکی غائب ہوگئی اور بعد میں وہ مرشد ہاؤس سے برآمد ہوئی تھی۔''

میں انجان بن کر بولا۔ ''مرشد ہاؤس......وہی مشہور سیاسی پیر......؟''

''وہی...... وہی۔'' اس نے کہا۔ ''نفیس کی بیوی نے بعد میں خودکشی کر لی تھی۔ یہ بھی سننے آیا ہے کہ پروفیسر نے اسے خود مار دیا تھا۔''

''اس کے بعد پروفیسر نے کیا کیا؟''

''وہ جرم کی راہ پر نکل گیا۔ اصل میں وہ شروع سے مجرمانہ ذہن رکھتا تھا اور اسے موقع مل گیا۔''

''وہ مرشد کا دشمن بن گیا ہوگا؟''

''ہاں لیکن وہ اسے کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔''

''اگر اس نے خود ہی اپنی بیوی کو مار دیا ہے تو اس کا مطلب ہے اسے اس سے بھی محبت نہیں تھی۔ تو کیا اس نے مرشد سے مک مکا نہیں کر لیا ہوگا؟''

شہلا کے چہرے پر نفرت آگئی۔ ''وہ ایسا ہی ہے۔''

''تمہارا اس سے تعلق کہاں سے نکل آیا؟''

اس کا چہرہ ایک بار پھر زرد ہوگیا تھا۔ ''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی اس بات سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''لیکن یہ تو طے ہے کہ پروفیسر کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جن سے تمہیں بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے بادلِ ناخواستہ تسلیم کیا۔

''یہ چیزیں پروفیسر کے پاس کہاں سے آئیں؟''

اس نے نظریں چرائیں۔ ''میں یہ بھی نہیں بتا سکتی پلیز مجھے اس کے لیے مجبور مت کرنا۔''

''کوئی بات نہیں میں مجبور نہیں کر رہا لیکن یہ بات مجھے معلوم ضرور ہو جائے گی۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیسے معلوم ہو جائے گی۔''

''بس تم دیکھ لینا اور ہاں یہ پروفیسر ہے کہاں؟''

''مجھے نہیں معلوم...... کسی کال آفس سے فون کر رہا تھا اور کل اس نے مجھے ایک کوٹھی پر بلایا ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''خریدنا چاہتا ہے؟''

''اتنا بےوقوف نہیں ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''مجھے درمیان میں ڈال کر کرائے پر لے گا۔''

''اس کا مقصد کیا ہے؟''

''ظاہر ہے کوئی مجرمانہ مقصد ہی ہوگا لیکن مجھے اس بارے میں نہیں معلوم۔''

''کوٹھی کہاں ہے؟''

''اسلام آباد میں ہی ہے لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''مجھے اس شخص سے دلچسپی ہو گئی ہے۔ میں اس سے ملنا چاہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کیوں؟''

''بس دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے تم ایک عام آدمی ہو اور کبھی اس سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔''

''ممکن ہے تعلق پیدا ہو جائے۔''

''کوئی خاص بات ہے تم مجھے بتانا نہیں چاہ رہے ہو۔'' اس نے یقین سے کہا۔ میرے شریفانہ رویے کی وجہ سے وہ اب کسی قدر بے تکلفی سے بات کر رہی تھی اور اس کا خوف ختم ہو گیا تھا۔

''چلو ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مجھے بھوک لگی ہے کیا کھانے کو کچھ ملے گا۔''

''یہاں یہ پھل ہے ویسے کچن میں بہت کچھ ہے۔''

''کچن کہاں ہے؟''

''نیچے سیڑھیوں کے پاس جہاں سے تم اوپر آئے تھے۔''

''تب یہی ٹھیک ہے۔'' میں نے سیب اور انگوروں سے بھری ٹرے اٹھالی۔ رات کو میں نے پیٹ بھر کر کھایا تھا اس کے باوجود مجھے بھوک لگ رہی تھی شاید گھٹنے کے زخم کی وجہ سے کیونکہ جب حکیم قادس مجھے دوائیں استعمال کر رہا تھا تب بھی مجھے قیامت کی بھوک لگتی تھی اور میں جنوں کی طرح کھاتا تھا۔ اب بھی ان ہی دواؤں کا اثر تھا جو میری چوٹ اتنی جلدی ٹھیک ہو گئی اور اس کی وجہ سے مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں، مَیں نے پوری ٹرے صاف کر دی۔ وہ تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری خوراک اچھی ہے۔''

''نہیں عام حالات میں نارمل ہی کھاتا ہوں لیکن جب مجھے کوئی چوٹ یا زخم لگتا ہے تو میری بھوک کھل جاتی ہے۔''

''تم مجھے عجیب سے لگ رہے ہو۔ آج کل ایسے لوگ دیکھنے میں نہیں آتے ہیں۔''

''کیوں کیا میرے سر پر سینگ ہیں یا دم نکل آئی ہے۔''

''مذاق نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ میں نے آج تک تم جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ میں کس لباس میں تمہارے سامنے آئی تھی تم نے مجھے دیکھا لیکن ایک بار بھی تمہاری نظر نہیں بہکی تھی۔''

''یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''میں عورت ہوں اور مرد کی نظر کو اس سے بھی زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔ تم نے مجھے غلط نظر سے نہیں دیکھا۔ بلکہ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم سرے سے مجھے عورت ہی نہیں لے رہے ہو میں تمہارے لیے صرف ایک شخصیت ہوں اور تم میرے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے ہو کہ میرا کیا کیا جائے؟''

''یہ تو ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی مجرم ہوں اور تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کروں گا۔ جب تک تم خود کوئی حماقت نہیں کرو گی محفوظ رہو گی۔''

''سنو مجھ پر اعتماد کرو تم نیچے کمرے میں جاؤ اور آرام سے سو جاؤ صبح تم جہاں کہو گے میں وہاں پہنچا دوں گی۔''

اس سے پہلے میں کچھ کہتا، اچانک باہر سے ہارن کی آواز آئی۔ شہلا بری طرح چونکی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ ''میرے خدا...... یہ ناصر کہاں سے آ گیا اسے تو دو دن بعد آنا تھا۔''

''ناصر تمہارا شوہر؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہی...... کسی سرکاری کام سے کراچی گیا تھا۔ اب کیا ہوگا؟''

میں سوچ رہا تھا اور میں نے مناسب سمجھا کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ ناصر سرکاری افسر تھا اور ہمیں یہاں پا کر پولیس بھی بلا سکتا تھا اور ہم نئی مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے شہلا سے کہا۔ ''تم ہمیں کسی کی نظر میں آئے بغیر باہر نکال سکتی ہو؟''

''ہاں لیکن ابھی تو تم گیسٹ ہاؤس میں جاؤ اور وہاں بالکل خاموش رہنا لائٹس بھی آف کر دینا۔''

ناصر کی کار گیٹ سے باہر تھی۔ ''گیٹ کون کھولے گا۔''

''چوکیدار وہ رات کو گیٹ کے پاس ہی سوتا ہے۔''

''تب جلدی کرو وہ اندر آنے والا ہوگا۔''

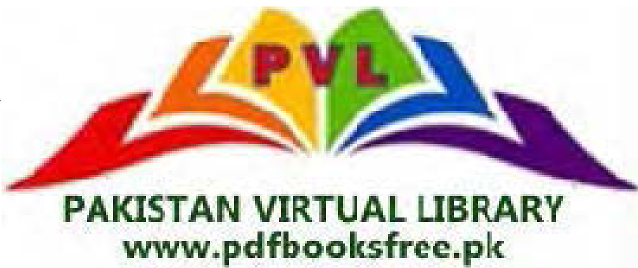
شہلا مجھے لے کر پھرتی سے نیچے آئی۔ اسکوبی لان میں تھا لیکن اس نے شہلا کو ساتھ دیکھ کر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا اور میں مہمان خانے میں داخل ہو گیا۔ شہلا باہر رہی تھی۔ میں نے اندر جاتے ہی لائٹس بند کر دیں۔ جیتو بدستور سو رہا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ میں کہیں باہر گیا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا۔ یہاں سے پورچ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک سیاہ کار آ کر وہاں رکی اور ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا ایک ادھیڑ عمر آدمی سوٹ میں ملبوس نیچے اترا۔ اس کی عمر شاید پچاس برس تھی اور وہ عمر میں شہلا سے کم سے کم بارہ تیرہ سال بڑا تھا لیکن جسمانی طور پر فٹ اور قبول صورت تھا اور سب سے بڑھ کر بائیس گریڈ کا افسر تھا۔ اس نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور اپنا بریف کیس سنبھالتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ شہلا کہاں تھی۔ ناصر رضوی کے اندر جانے کے بعد میں نے کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا۔ دو بج چکے تھے لیکن اب سونے کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا تھا۔

شہلا کے پروفیسر سے تعلق کے انکشاف نے مجھے چونکا دیا تھا۔ اگرچہ پروفیسر اسے بھی بلیک میل کر رہا تھا لیکن شہلا اس تک رسائی کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔ پروفیسر نے میرے ساتھ جو کیا تھا اس کے بعد میں اسے آسانی سے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کوٹھی سے فرار کے بعد فی الحال میں نے اسے اپنے ذہن سے نکال دیا تھا لیکن اس کے شہلا سے روابط کے انکشاف کے بعد میں اسے نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر یہ میرے ذہن میں ابھی واضح نہیں تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ان حالات میں، میں شہلا پر اعتماد کرنے پر مجبور تھا۔

شہلا اور میری کوئی دشمنی نہیں تھی اس نے صرف اس وجہ سے مجھے اپنے گھر میں روک لیا تھا کہ میں اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ نہ کرادوں۔ اس کے علاوہ اس نے میرے اور بیتو کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہو گیا۔ اندر کمرے میں صرف ایک نائٹ بلب جل رہا تھا جس کی روشنی باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک ناصر خاص طور سے یہاں آکر نہ دیکھتا تو اسے ہماری موجودگی کا علم نہ ہوتا۔ مجھے ملازمہ اور اس کے چوکیدار شوہر کا خیال آیا۔ شہلا کو ان پر اعتماد تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر اس کے شوہر کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ میں دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور اس وقت تک میں ہوشیار ہو جاتا۔ شاید اسی اطمینان کی وجہ سے مجھے نیند آگئی۔





اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
آٹھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔